اندھے لوگ

حوزے سارا ماگو

ترجمہ: احمد مشتاق

اندھے لوگ

حوزے ساراماگو

انگریزی سے ترجمہ: احمد مشتاق

SCHEHERZADE

۱

ٹریفک کی پیلی بتی روشن ہوئی جس کے سرخ ہونے سے پہلے سب سے آگے والی دو گاڑیاں زن سے نکل گئیں۔ پیدل چلنے والوں کے لیے سڑک کو پار کرنے کے مخصوص راستے پر بنا ''سبز آدمی'' والا نشان روشن ہوا۔ انتظار کرنے والے لوگ، سیاہ فرش پر بنی سفید روغنی پٹیوں پر، جن کا زیبرا سے تو کوئی خاص تعلق نہیں تاہم جسے زیبرا کراسنگ کہا جاتا ہے، قدم رکھتے سڑک پار کرنے لگے۔ گاڑیوں والوں کے بے صبر پاؤں کلچ پر، روانگی کو تیار، کبھی آگے بڑھتے کبھی پیچھے ہٹتے ان بے چین گھوڑوں کی مثال جنہیں احساس ہوجاتا ہے کہ چابک اب پڑا کہ اب پڑا۔ پیدل چلنے والوں نے سڑک کو پار کرنا ابھی ابھی ختم کیا ہے لیکن گاڑیوں کو گزرنے کا اذن دینے والے اشارے میں ابھی چند ثانیے کی تاخیر ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تاخیر بظاہر تو اتنی اہم نہیں لیکن اگر اسے شہر میں موجود ہزاروں ٹریفک کی بتیوں اور ان کی مسلسل تین رنگوں میں تبدیلیوں سے ضرب دی جائے تو نتیجے میں وہ صورت حال جنم لیتی ہے جسے ٹریفک جام یا آج کی جدید اصطلاح میں تنگنائے (Bottlenecks) کہتے ہیں اور جس کی اہم وجوہات میں سے ایک وجہ یہ تاخیر بھی ہے۔

بالآخر سبز بتی جلی۔ گاڑیاں تیزی سے حرکت میں آئیں لیکن پھر کھلا کہ وہ سبھی گاڑیاں برابر کی سبک رفتار نہیں تھیں۔ درمیان والی لین کے سرے والی گاڑی رُک گئی ہے۔ یقیناً کوئی نہ

کوئی مشینی خرابی ہوگی۔ ایکسلریٹر کا ڈھیلا پیڈل، گیئر کا کوئی پھنسا ہوا بیرم (Lever) سسپنشن کا کوئی مسئلہ، بریکوں کا پھنس جانا، بجلی کے سرکٹ کا بیٹھ جانا۔ اگر اس کی گاڑی میں پیٹرول بالکل ہی ختم نہیں ہوگیا تو ایسا کوئی پہلی بار نہیں ہوا۔ کراسنگ پر جمع پیدل سڑک پار کرنے والوں کا دوسرا گروہ کھڑی گاڑی کے اگلے شیشوں کے پیچھے ڈرائیور کو اپنے بازو ہلاتے دیکھتا ہے۔ جب کہ پچھلی گاڑیاں زور زور سے ہارن بجا رہی ہیں۔ کچھ ڈرائیور پہلے ہی اپنی گاڑیوں سے باہر آ چکے ہیں۔ پھنسی ہوئی گاڑی کو دھکیل کر کسی ایسی جگہ لے جانے پر تیار جہاں وہ ٹریفک کے بہاؤ میں رکاوٹ نہ ڈال سکے۔ وہ غصے میں بند کھڑکیوں پر زور زور سے مکے مار رہے ہیں۔ اندر بیٹھا ہوا آدمی ان کی طرف مڑتا ہے پہلے ایک طرف پھر دوسری طرف۔ صاف نظر آرہا ہے کہ وہ چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہا ہے۔ اس کے منہ کی حرکت سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کچھ لفظوں کو دہرائے جا رہا ہے۔ ایک نہیں بلکہ تین لفظوں کو اور جب ایک شخص کسی نہ کسی طرح دروازہ کھول لیتا ہے تو یہی بات نکلتی ہے۔ میں اندھا ہوں۔ کس کو اس بات پر یقین آیا ہوگا۔ محض ایک نظر دیکھنے پر اس آدمی کی آنکھیں بالکل صحت مند لگتی ہیں۔ آنکھوں کے پردے چمکیلے نظر آتے ہیں اور منور۔ ڈھیلے سفید اور کانچ کی طرح سخت۔ آنکھیں پوری کھلی ہوئی۔ چہرے پر جھریوں پڑی کھال۔ اس کی بھنوؤں کا اچانک اوپر کھنچ جانا یہ سب باتیں جنھیں کوئی بھی دیکھ سکتا ہے اس بات کا اشارہ ہیں کہ وہ کسی دماغی کرب سے بدحواس ہو رہا ہے۔ ایک تیز رفتار جنبش کے ساتھ، آدمی کی نظر میں جو کچھ بھی تھا غائب ہوگیا ہے۔ اس کی بند مٹھیوں کے پیچھے جیسے وہ اب بھی کوشش کر رہا ہو محفوظ کر لینے کی اپنے ذہن میں اس آخری منظر کو: ٹریفک کی روشنیوں میں ایک گول سرخ روشنی۔ جب لوگ اسے گاڑی سے باہر نکلنے میں مدد کر رہے تھے تو وہ مایوسی کے عالم میں دہرائے جا رہا تھا۔ میں اندھا ہوگیا ہوں۔ میں اندھا ہوگیا ہوں اور امڈتے ہوئے آنسو اُن آنکھوں کو جنھیں وہ مردہ سمجھ رہا تھا اور چمکا رہے تھے۔ ایسی باتیں ہوجاتی ہیں یہ سب گزر جائے گا۔ تم پھر سے دیکھنے لگو گے۔ کبھی کبھی یہ اعصاب کی خرابی کی وجہ سے بھی ہوجاتا ہے۔ ایک عورت بولی۔ ٹریفک کی بتیاں پھر تبدیل ہوگئی تھیں۔ اس گروپ کے گرد کچھ متجسس راہگیر

اکٹھا ہوگئے تھے اور بھی پیچھے والے ڈرائیور جن کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ اپنے خیال میں اسے معمول کا حادثہ سمجھتے ہوئے احتجاج کر رہے تھے۔ کوئی ٹوٹی ہوئی اگلی بتی۔ کوئی مڑا ہوا جنگلہ اس سارے ہنگامے کا جواز نہ تھے۔ پولیس کو بلاؤ۔ انہوں نے چلاّ کر کہا اور اس کھٹارے کو راستے سے ہٹاؤ۔ اندھا آدمی التجائیں کرتا رہا براہِ کرم مجھے کوئی گھر پہنچا دو۔ اس کے اندھے پن کو اعصاب کا شاخسانہ قرار دینے والی عورت کی رائے تھی کہ ایمبولینس منگوائی جائے جو اس بے چارے کو ہسپتال لے جائے لیکن اندھے آدمی نے یہ بات ہی سننا گوارا نہ کیا۔ بالکل غیر ضروری وہ تو بس یہ چاہتا تھا کہ کوئی شخص اس کے ساتھ اس بلڈنگ کے دروازے تک جائے جہاں وہ رہتا تھا۔ وہ یہاں قریب ہی ہے اور مجھ پر اس سے بڑھ کر اور کوئی عنایت نہ ہوگی۔ اور گاڑی کا کیا ہوگا کسی نے پوچھا۔ ایک اور آواز نے جواب دیا چابیاں ابھی گاڑی میں لگی ہیں۔ گاڑی کو چلا کر پٹری پر کھڑا کر دو۔ کوئی ضرورت نہیں۔ تیسری آواز نے مداخلت کی۔ میں کار کو اپنی تحویل میں لے لوں گا اور اس آدمی کے ساتھ اس کے گھر تک جاؤں گا۔ سب نے منھ ہی منھ میں اس پر صاد کیا۔ اندھے آدمی نے محسوس کیا کہ کوئی اُسے بازو سے پکڑ کر کھینچ رہا ہے۔ آؤ۔ آؤ میرے ساتھ۔ وہی آواز اسے کہہ رہی تھی۔ لوگوں نے کار کی اگلی مسافر سیٹ پر اسے سہولت سے بٹھا دیا اور حفاظت سے اس کے سیٹ بیلٹ لگا دی۔ میں دیکھ نہیں سکتا۔ میں دیکھ نہیں سکتا۔ وہ بڑبڑایا۔ وہ ابھی تک رو رہا تھا۔ مجھے بتاؤ تم کہاں رہتے ہو۔ آدمی نے اس سے پوچھا۔ کسی خبر کے لالچ میں حریص چہرے گاڑیوں کی کھڑکیوں سے جھانک رہے تھے۔ اندھے آدمی نے اپنے ہاتھ آنکھوں کے سامنے لاکر اشارہ کیا۔ کچھ نہیں ایسا لگتا ہے جیسے میں کسی دُھند میں گھرا ہوا تھا یا ایک دودھیا سمندر میں گر گیا تھا۔ لیکن اندھا پن ایسا تو نہیں ہوتا دوسرے شخص نے کہا۔ لوگ کہتے ہیں اندھے پن کا مطلب ہے تاریکی۔ خیر مجھے تو ہر شے سفید دکھائی دیتی ہے۔ وہ ٹھگنی عورت غالباً ٹھیک کہتی تھی۔ یہ اعصاب کا معاملہ ہوسکتا ہے۔ اعصاب بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ اس کے بارے میں مجھ سے بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ ایک بدبختی ہے ہاں ایک بدبختی۔ پلیز مجھے بتاؤ کہ تم کہاں رہتے ہو اور ساتھ ہی انجن اسٹارٹ ہوا۔ اس نے ہکلاتے

ہوئے جیسے بے صبری نے اُس کا حافظہ بھی کمزور کر دیا ہو اپنا پتہ بتایا اور پھر کہا تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ اور دوسرے نے جواب دیا۔ اب دوبارہ اس کا خیال بھی دل میں نہ لانا۔ آج تمہاری باری ہے کل میری ہو سکتی ہے۔ ہمیں کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ اگلے لمحے ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ کیا کوئی سوچ سکتا تھا جب میں آج صبح گھر سے چلا کہ میرے ساتھ ایسا خوفناک واقعہ پیش آنے والا ہے۔ وہ مخمصے میں تھا کہ وہ اب تک کیوں رُکے کھڑے ہیں۔ ہم چل کیوں نہیں رہے۔ اس نے پوچھا۔ بتی سرخ ہوگئی ہے۔ دوسرے نے جواب دیا۔ اب کے بعد وہ کبھی نہ جان سکے گا کہ بتی سرخ تھی۔

جیسا کہ اندھے آدمی نے کہا تھا اس کا گھر قریب ہی تھا لیکن گلی کے دونوں طرف گاڑیاں ہی گاڑیاں تھیں۔ انہیں گاڑی کھڑی کرنے کے لیے کوئی جگہ نہ مل سکی۔ اس لیے انہیں ساتھ والی گلیوں میں سے کسی گلی میں کوئی جگہ ڈھونڈنی پڑی۔

وہاں جگہ کی تنگی کی وجہ سے مسافر سیٹ والے دروازے اور دیوار میں کوئی بالشت بھر کا فاصلہ تھا۔ چنانچہ ایک سیٹ سے دوسری سیٹ کی طرف گھسٹ کر جانے کی تکلیف سے بچنے کے لیے جس کے راستے میں بریک اور وہیل حائل ہوتے تھے اندھے آدمی کو گاڑی کھڑی ہونے سے پہلے اترنا پڑا۔ سڑک کے عین وسط میں تن تنہا، اپنے پاؤں تلے کی زمین کو سرکتے محسوس کرتے ہوئے، اس نے دہشت کے اُس احساس کو دبانے کی کوشش کی جو اس کے وجود میں بھر گئی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو چہرے کے سامنے لا کر بے چینی سے ہلایا جیسے وہ اپنے بیان کردہ دودھیا سمندر میں تیر رہا ہو۔ لیکن وہ کسی کو مدد کے لیے پکارنے کی خاطر مُنہ کھولنے ہی کو تھا کہ عین آخری لمحے میں اُس نے دوسرے کے ہاتھ کو اپنا بازو دو نرمی سے چھوتے محسوس کیا۔ اطمینان رکھو میں نے تمہیں تھام لیا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہے۔ اس خوف سے کہ کہیں گر نہ جائے اندھا اپنے پاؤں گھسیٹ گھسیٹ کر چلتا رہا لیکن اس وجہ سے اس کو پٹری کے ناہموار فرش پر ٹھوکریں بھی لگیں۔ صبر کرو ہم تقریباً پہنچ گئے ہیں۔ دوسرا بڑبڑایا اور ذرا آگے جا کر اُس نے پوچھا۔ گھر میں کوئی تمہاری دیکھ بھال کرنے والا ہے اور اندھے آدمی نے جواب دیا۔

مجھے معلوم نہیں، میری بیوی ابھی اپنے کام سے واپس نہیں آئی ہوگی۔ آج کچھ ایسا ہوا کہ میں گھر سے جلدی نکل آیا شاید اس لیے کہ مجھے یہ حادثہ پیش آنا تھا۔ دیکھنے لگو گے یہ کوئی ایسی خطرے والی بات نہیں ہے۔ میں نے کبھی کسی کو اندھا ہوتے نہیں سنا۔ اور یہی سوچ کر میں ڈینگیں مارا کرتا تھا کہ مجھے تو عینک کی بھی ضرورت نہیں۔ خیر آدمی شیخیاں تو بگھارتا ہی ہے۔ اب وہ بلڈنگ کے دروازے پر آ گئے تھے۔ پڑوس کی دو عورتوں نے تعجب سے دیکھا کہ ان کے پڑوسی کو کسی نے بازو سے پکڑ رکھا ہے لیکن کسی کو بھی پوچھنے کا خیال نہ آیا کہ کیا تمہاری آنکھ میں کچھ پڑ گیا ہے۔ انہیں یہ سوجھا ہی نہیں اور نہ ہی وہ اس بات کا جواب دے سکتا کہ ہاں دودھیا سمندر۔ عمارت کے اندر داخل ہونے کے بعد اندھے آدمی نے کہا۔ بہت بہت شکریہ۔ مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے تمہیں اتنی زحمت اٹھانا پڑی۔ اب میں خود اپنے طور پر معاملے کو سنبھال سکتا ہوں۔ معذرت کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تمہارے ساتھ اوپر چلوں گا۔ اگر میں تمہیں اس حالت میں یہاں چھوڑ گیا تو میرا دماغ پریشان رہے گا۔ وہ تنگ لفٹ میں مشکل سے داخل ہوئے۔ تم کون سے فلور پر رہتے ہو۔ تیسرے پر۔ تم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ میں تمہارا کتنا ممنون ہوں۔ میرا شکریہ ادا نہ کرو۔ آج تم اس حال میں ہو...... ہاں تم ٹھیک کہتے ہو ہوسکتا ہے کل تمہاری باری ہو۔ لفٹ رک گئی۔ انہوں نے قدم باہر نکالے کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں دروازہ کھولنے میں مدد دوں۔ شکریہ۔ میرا خیال ہے کہ یہ ایسا کام ہے جسے میں خود کر سکتا ہوں۔ اس نے اپنی جیب میں سے چابیوں کا چھوٹا سا گچھا نکالا۔ دندانوں کے کناروں پر ایک ایک کو چھوا اور کہا یقیناً یہی چابی ہونی چاہیے اور تالے کے سوراخ کو اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے پوروں سے محسوس کرتے ہوئے دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ یہ چابی نہیں ہے۔ لاؤ میں دیکھوں۔ میں تمہاری مدد کرتا ہوں۔ تیسری کوشش کے بعد دروازہ کھل گیا۔ تب اندر جا کر اندھے آدمی نے آواز دی۔ تم گھر میں ہو؟ کسی نے جواب نہ دیا اور اس نے پھر کہا جیسا کہ میں نے بتایا تھا وہ ابھی تک واپس نہیں آئی۔ اپنے ہاتھوں کو سیدھا کر کے پھیلاتے ہوئے وہ غلام گردش کے ساتھ ساتھ اپنا راستہ ٹٹولتے ہوئے چلنے لگا۔ پھر وہ کچھ سوچتا ہوا واپس آیا۔ اپنا سر

اس سمت کیے جہاں اس کے حساب کے مطابق دوسرا شخص ہونا چاہیے۔ میں کیسے تمہارا شکریہ ادا کروں۔ کم از کم اتنا تو میں کر ہی سکتا تھا۔ نیک سامری (Good Samaritan) نے کہا میرا شکریہ ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور ساتھ ہی کہا کیا تمہیں یہ پسند ہوگا کہ تمہیں آرام سے بیٹھنے میں مدد دوں اور جب تک تمہاری بیوی واپس نہیں آ جاتی تمہارے پاس بیٹھا رہوں۔ اس کے اتنے جوش و جذبے نے اندھے آدمی کو اچانک شک میں ڈال دیا۔ ظاہر ہے کہ وہ کسی بالکل ہی اجنبی شخص کو اپنے گھر کے اندر آنے کی اجازت نہیں دے گا۔ جو ہوسکتا ہے عین اسی لمحے اس کو قابو کرنے اور بے چارے بے بس آدمی کو جکڑنے اور اس کا منہ بند کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہو اور بعد میں گھر کی قیمتی اشیا سمیٹ کر چلتا بنے۔ کوئی ضرورت نہیں۔ مہربانی کر کے تم اس بکھیڑے میں نہ پڑو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں اور جب اس نے دھیرے دھیرے دروازہ بند کرنا شروع کیا تو پھر دہرایا کوئی ضرورت نہیں کوئی ضرورت نہیں۔

لفٹ کے نیچے جانے کی آواز کے بعد اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ ایک میکانکی انداز میں، اپنی صورت حال کو فراموش کرتے ہوئے، اس نے دروازے میں بنے ہوئے سوراخ کا ڈھکنا ہٹایا اور باہر دیکھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے دُوسری طرف کوئی سفید دیوار ہے۔ وہ اپنی بھنوؤں پر دھاتی فریم کا لمس محسوس کرسکتا تھا۔ اس کی پلکیں سوراخ کے شیشے کو رگڑتی ہوئی گزرتی رہیں لیکن وہ باہر نہ دیکھ سکا ایک ناقابلِ سرایت سفیدی نے ہر چیز کو ڈھانپ رکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اپنے گھر میں ہے وہ اس مہک کو پہچانتا تھا۔ اس ماحول کو، اس خاموشی کو، وہ فرنیچر اور دوسری چیزوں کے اوپر سرسری طور سے انگلیاں پھیرنے پر انہیں پہچان سکتا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ اسے یہ لگتا تھا جیسے یہ سب ایک قسم کے اجنبی بُعد میں ڈھلتا جا رہا ہو۔ کسی خاص سمت یا علاماتِ حوالہ کے بغیر جس کا شمال تھا نہ جنوب، نیچے نہ اوپر۔ جب وہ بچہ تھا تو بہت سے لوگوں کی طرح وہ بھی جھوٹ موٹ کا اندھا بننے کا کھیل کھیلتا رہا تھا اور پانچ منٹ تک اپنی آنکھیں میچی رکھنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اندھا پن بلاشبہ بہت بڑی آفت ہوتے ہوئے بھی، ہوسکتا ہے اضافی طور پر قابلِ برداشت ہو۔ اگر وہ قسمت کا مارا اپنی یادداشت محفوظ رکھ سکے۔ نہ صرف رنگوں کی

بلکہ ہیئتوں اور سطحوں کی بھی۔ شکلوں اور وضع قطع کی بھی۔ یہ فرض کرتے ہوئے کہ یہ شخص پیدائشی اندھا نہیں ہے۔ وہ سوچتے سوچتے اس نکتے تک بھی پہنچ گیا تھا کہ وہ تاریکی جس میں اندھے لوگ زندگی گزارتے ہیں روشنی کے غیاب کے سوا کچھ نہیں۔ اور ہم جسے اندھا پن کہتے ہیں وہ شے ڈھانپے ہوئے ہے ہستیوں کو اور اشیا کو اپنے سیاہ پردے کے پیچھے جہاں وہ انہیں ثابت و سالم رکھے ہوئے ہے، اب اس کے برعکس وہ تھا جو اس سفیدی میں غوطہ زن تھا جو اتنی منور اور اتنی مجموعی تھی کہ اس نے صرف رنگوں کو بلکہ خود اشیا کو اور ہستیوں کو بجائے اپنے اندر جذب کرنے کے، نگل لیا تھا۔ اور یوں انہیں دوگنا زیادہ غیر مرئی بنا دیا تھا۔

جب وہ کمرۂ نشست کی طرف چلا تو اس احتیاط کے باوجود جو وہ آگے بڑھتے ہوئے ملحوظ رکھ رہا تھا دیوار پر ایک ہچکچاتا ہوا ہاتھ پھیرتے ہوئے اور کسی بھی رکاوٹ کی پیش بینی نہ کرتے ہوئے اس نے ایک گلدان کو زمین پر گرا دیا۔ وہ کسی ایسے گلدان کو بھول ہی گیا تھا یا شاید اُس کی بیوی نے کام پر جاتے وقت اسے وہاں رکھ دیا تھا اس نیت کے ساتھ کہ بعد میں وہ اس کے لیے زیادہ موزوں جگہ ڈھونڈ نکالے گی۔ وہ نقصان کا اندازہ لگانے کے لیے جھکا پالش کیے ہوئے فرش پر پانی بکھر گیا تھا۔ ٹوٹے ہوئے شیشوں پر دھیان دیے بغیر پھولوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش میں ایک لمبی اور تیز کرچی اس کی انگلی میں چُبھ گئی اور درد اُٹھنے پر بے بسی کے بچکانہ آنسو اس کی آنکھوں میں اُمنڈ آئے۔ اپنے فلیٹ کے اندر جہاں اب شام کی تاریکی اترنی شروع ہوگئی تھی سفیدی سے اندھا پھولوں کو ابھی تک مضبوطی سے پکڑے اور بہتے ہوئے خون کے احساس کے ساتھ اس نے پیچھے مُڑ کر اپنی جیب سے رومال نکالا اور جتنا بھی بہتر ہوسکا اُسے اپنی انگلی کے گرد لپیٹ لیا۔ پھر گرتا پڑتا فرنیچر سے ٹکراتا احتیاط سے چلتا کہ کہیں قالین پر ٹھوکر نہ لگ جائے وہ صوفے تک پہنچا جس پر بیٹھ کر وہ اور اس کی بیوی ٹیلیویژن دیکھتے تھے۔ وہ صوفے پر بیٹھ گیا پھول اپنی گود میں رکھ لیے اور انتہائی احتیاط کے ساتھ رومال کو انگلی پر سے کھولا۔ خون نے جو چھونے پر انگلیوں سے چمٹ جاتا تھا اسے پریشان کیا۔ اس نے سوچا یہ اس لیے ہے کہ وہ اسے دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اس کا خون ایک لیس دار مادے میں تبدیل ہوگیا تھا۔ کسی

اجنبی شے میں جو بہرحال اس کے جسم کا حصہ تھی۔ لیکن ایک خود لگائے ہوئے زخم کی طرح۔

بڑے سہج سبھاؤ کے ساتھ اپنے اچھے ہاتھ سے ٹٹولتے ہوئے اس نے کانچ کی اُس کرچی کا مقام دریافت کرنے کی کوشش کی جو اتنی کاٹ دار تھی جیسے ننھا سا خنجر ہو اور اپنے انگوٹھے اور انگشتِ شہادت کے ناخنوں کو جوڑ کر وہ پوری کی پوری کرچی کو نکالنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے زخمی انگلی کے گرد ایک بار پھر اپنا رومال لپیٹا۔ اس بار اور بھی کس کر تا کہ خون کا بہاؤ رُک جائے اور کمزور اور تھکا ہوا ہونے کی وجہ سے اپنی کمر صوفے کی پشت سے لگا لی۔ ایک منٹ کے بعد ان بہت ہی عمومی دستبرداریوں کے سبب جن کے آگے کرب یا مایوسی کے بعض لمحوں میں جسم سپر انداز ہوجانا ہی بہتر سمجھتا ہے، جب اگر منطق صرف اسی طرف رہنمائی کرتی ہو۔ اس کے تمام اعصاب چوکس اور تناؤ میں ہونے چاہئیں۔ اس پر ایک طرح واماندگی چھا گئی۔ حقیقی تھکن سے زیادہ غنودگی لیکن ویسی ہی گراں بار۔ یکایک اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ اندھا ہونے کا سوانگ رچا رہا ہے اس نے دیکھا کہ وہ مسلسل آنکھیں بند کیے اور کھولے جا رہا ہے اور یہ کہ ہر موقع پر جیسے سفر سے واپسی پر اسے دنیا کے تمام رنگ اور صورتیں بالکل ویسے ہی ٹھوس اور کسی تبدیلی کے بغیر اپنے منتظر ملتے ہیں جیسے کہ وہ پہلے تھے۔ تاہم اس ڈھارس بندھاتے ہوئے یقین کی تہ میں اسے افسردگی کے ساتھ ملامت کرتی ہوئی بے یقینی کا ادراک ہوا۔ شاید یہ ایک مغالطے میں ڈالنے والا خواب تھا ایک ایسا خواب جس سے زود یا بدیر اسے باہر آنا ہوگا۔ اس لمحے یہ جانے بغیر کہ واقعی کیا چیز اس کی منتظر ہے۔ تب اگر ایسے لفظ کے کوئی معنی ہیں جب جس کا اطلاق کیا جائے اس پریشانی پر جو چند ثانیے ہی قائم رہتی ہے اور پہلے ہی اس نیم چوکس حالت میں جو آدمی کو بیداری کے لیے تیار کرتی ہے اس نے سنجیدگی سے غور کیا کہ اس گومگو کی صورت حال میں رہنا عقلمندی کی بات نہ ہوگی۔ میں جاگوں یا نہ جاگوں، جاگوں یا نہ جاگوں۔ ہمیشہ ایک لمحہ ایسا آتا ہے جب آدمی کے پاس خطرہ مول لینے کے سوا کوئی راستہ ہی نہیں رہتا۔ اپنی گود میں یہ پھول رکھے میں یہاں کیا کر رہا ہوں اور میری آنکھیں بند ہیں جیسے میں انہیں کھولنے سے خوفزدہ ہوں۔ تم وہاں کیا کر رہے ہو اپنی گود میں پھول رکھے سو رہے ہو اس کی بیوی اس سے

پوچھ رہی تھی۔

اس نے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ طعن و تشنیع کے ساتھ ساتھ وہ گلدان کے ٹکڑے سمیٹنے اور فرش پر بکھرے ہوئے پانی کو خشک کرنے میں لگ گئی۔ مُنہ میں بڑبڑائے بھی جاتی تھی اور اس نے اپنی جھنجھلاہٹ کو چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی۔ تمہیں خود اس گند کو صاف کرنا چاہیے تھا سونے کی بجائے۔ جیسے تمہارا اس سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ سختی سے بند پپوٹوں کے پیچھے اپنی آنکھوں کو محفوظ کرتے ہوئے اور اچانک ایک خیال سے مضطرب ہوکر اور اگر میں اپنی آنکھیں کھولوں اور دیکھنے لگ جاؤں تو۔ ایک تشویش بھری امید کی گرفت میں اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔ عورت قریب آئی۔ خون سے بھرے ہوئے رومال کو دیکھا۔ اس کی کوفت ایک لمحے میں جاتی رہی۔ بیچارہ۔ یہ کیسے ہوا۔ اس نے ہمدردی سے پوچھا۔ جب اس نے عارضی پٹی کو کھولا تو اسے شدید خواہش ہوئی کہ اس کی بیوی اس کے قدموں میں دوزانو ہوجائے بالکل وہیں جہاں وہ جانتا تھا کہ اس وقت وہ ہے اور پھر اس یقین کے ساتھ کہ وہ اسے نہیں دیکھ پائے گا اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ تو تم آخر جاگ گئے ہو میرے نیند کے ماتے! اس نے مسکراتے ہوئے کہا خاموشی ہوئی تو اس نے کہا۔ میں اندھا ہوگیا ہوں۔ مجھے نظر نہیں آتا۔ عورت کے صبر کا دامن چھوٹ گیا۔ یہ واہیات کھیل چھوڑو بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کے بارے میں ہمیں ہرگز مذاق نہیں کرنا چاہیے۔ کاش یہ مذاق ہوتا۔ یہ سچ ہے کہ میں واقعی اندھا ہوچکا ہوں مجھے کچھ نظر نہیں آتا۔ پلیز مجھے خوف زدہ نہ کرو۔ میری طرف دیکھو۔ یہاں میں یہاں ہوں۔ بجلی جل رہی ہے۔ مجھے معلوم ہے تم وہاں ہو۔ میں تمہاری آواز سن سکتا ہوں، تمہیں چھو سکتا ہوں۔ میں تصور کرسکتا ہوں کہ تم نے بتی جلائی ہے لیکن میں اندھا ہوں۔ عورت نے رونا شروع کردیا اس سے لپٹ گئی۔ یہ سچ نہیں ہے۔ مجھے بتاؤ کہ یہ سچ نہیں ہے۔ پھول فرش پر گر گئے تھے۔ خون آلود رومال پر بکھر گئے تھے۔ زخمی انگلی سے خون پھر رِسنے لگا تھا اور وہ جیسے دوسرے لفظوں میں کہنا چاہتا ہو میں اس سے زیادہ پریشان نہیں ہوں۔ بڑبڑایا۔ مجھے ہر چیز سفید نظر آتی ہے اور اس کے ہونٹوں پر ایک اداس مسکراہٹ پھیل گئی۔ عورت اس کے ساتھ لگ

کر بیٹھ گئی اسے سختی سے بھینچ لیا۔ اس کی پیشانی کو پیار سے چوما۔ اس کے چہرے کو اور اس کی آنکھوں کو نرمی کے ساتھ۔ تم دیکھنا یہ گزر جائے گا۔ تم بیمار نہیں ہوئے۔ کوئی شخص ایک منٹ سے دوسرے منٹ میں اندھا نہیں ہوجاتا، شاید، مجھے بتاؤ یہ ہوا کیسے۔ تمہیں کیا محسوس ہوا۔ کب کہاں نہیں، ابھی نہیں، ٹھہرو، جو پہلا کام ہمیں کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ کسی ماہرِ امراضِ چشم سے مشورہ کیا جائے۔ کوئی تمہارے دھیان میں آتا ہے، نہیں۔ ہم دونوں میں سے کوئی بھی عینک نہیں لگاتا اور اگر میں تمہیں ہسپتال لے بھی جاؤں تو وہاں نہ دیکھ سکنے والی آنکھوں کے لیے کوئی فوری علاج بھی دستیاب نہ ہوگا۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ بہتر یہی ہے کہ ہم سیدھے ڈاکٹر کے پاس جائیں۔ میں ٹیلیفون ڈائریکٹری میں کسی ایسے ڈاکٹر کو تلاش کرتی ہوں جس کا کلینک ہمارے گھر کے قریب ہو۔ وہ اس سے سوال پوچھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ تمہیں کوئی فرق نظر آیا۔ کوئی نہیں۔ اس نے جواب دیا۔ توجہ دو۔ میں بتی بجھانے لگی ہوں اور تم مجھے بتاؤ۔ اب؟ کچھ نہیں۔ کچھ نہیں سے تمہارا کیا مطلب ہے۔ کچھ نہیں۔ مجھے ہمیشہ وہی سفید نظر آتا ہے جیسے رات کا وجود ہی نہ ہو۔

وہ اپنی بیوی کو ٹیلیفون ڈائریکٹری کی تیزی سے ورق گردانی کرتے ہوئے سن سکتا تھا اپنے آنسوؤں کو بہنے سے روکنے کے لیے ناک سڑکتے ہوئے، آہیں بھرتے ہوئے اور آخر میں کہتے ہوئے یہ ٹھیک رہے گا۔ امید تو ہے کہ یہ ہمیں مل سکے گا۔ اس نے ایک نمبر ڈائل کیا۔ اس نے پوچھا یہ سرجری ہے؟ کیا ڈاکٹر ہے۔ میں اس سے بات کرسکتی ہوں۔ نہیں نہیں۔ ڈاکٹر مجھے نہیں جانتا۔ معاملہ بہت اہم ہے اور فوری۔ ہاں، پلیز، میں سمجھتی ہوں تب میں صورت حال تمہیں بتا دیتی ہوں لیکن میری درخواست ہے کہ جو میں تم سے کہوں اسے ڈاکٹر تک پہنچا دینا۔ واقعہ یہ ہے کہ میرا خاوند اچانک اندھا ہوگیا ہے۔ ہاں ہاں اچانک، نہیں نہیں وہ ڈاکٹر کے مریضوں میں سے نہیں ہے۔ میرا خاوند عینک نہیں لگاتا۔ نہ کبھی لگائی ہے۔ ہاں اُس کی بینائی بے انتہا عمدہ ہے۔ بالکل میری طرح۔ مجھے بہت بہتر دکھائی دیتا ہے۔ آہ۔ بہت بہت شکریہ۔ میں انتظار کرتی ہوں۔ میں انتظار کرتی ہوں۔ ہاں، ڈاکٹر اچانک۔ وہ کہتا ہے کہ اُسے ہر چیز سفید نظر

آتی ہے۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کیا ہوا۔ میرے پاس اس سے پوچھنے کا وقت ہی نہیں تھا۔ میں ابھی ابھی دفتر سے گھر آئی ہوں اور اُسے اس حالت میں پایا۔ کیا آپ پسند کریں گے کہ میں اس سے پوچھوں۔ آہ میں آپ کی بہت ممنون ہوں۔ ہم ابھی آئے، ابھی آئے۔ اندھا آدمی اُٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ ٹھہرو۔ اس کی بیوی نے کہا۔ پہلے مجھے ذرا اس انگلی کو دیکھ لینے دو۔ وہ کچھ لمحوں کے لیے غائب ہوگئی واپس آئی تو اس کے ہاتھوں میں پیروکسائڈ اور آئیوڈین کی بوتلیں، روئی اور پٹیوں کا صندوقچہ تھا۔ مرہم پٹی کرتے ہوئے اس نے پوچھا تم نے گاڑی کہاں چھوڑی اور اچانک اُس کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ لیکن اس حالت میں تو تم گاڑی نہیں چلا سکتے تھے۔ یا تم اس واقعے کے پیش آنے سے پہلے ہی گھر آگئے تھے۔ نہیں یہ سڑک پر ہوا جب میں سرخ بتی پر کھڑا تھا۔ کوئی شخص مجھے گھر لایا۔ گاڑی کسی دوسری گلی میں کھڑی کی۔ اچھا آؤ نیچے چلیں۔ تم دروازے پر میرا انتظار کرنا میں جا کر معلوم کروں گی۔ تم نے چابیاں کہاں رکھی ہیں۔ پتہ نہیں۔ اس نے مجھے واپس نہیں دیں۔ کون تھا وہ۔ ایک آدمی تھا۔ وہ چابیاں یقیناً کہیں چھوڑ گیا ہوگا میں ذرا دیکھتی ہوں۔ ڈھونڈنا بیکار ہے وہ فلیٹ کے اندر داخل ہی نہیں ہوا۔ لیکن ضرور کہیں ہونی چاہئیں۔ اغلب یہ ہے کہ وہ بھول گیا اور غلطی سے اپنے ساتھ لے گیا۔ بس اسی کی کسر تھی۔ اپنی چابیاں استعمال کرو۔ ہم بعد میں پتہ چلا لیں گے۔ ٹھیک ہے آؤ چلیں۔ میرا ہاتھ پکڑو۔ اندھے آدمی نے کہا اگر مجھے ایسے ہی جینا پڑا تو مجھے مر جانا چاہیے۔ پلیز فضول باتیں مت کرو۔ صورت حال پہلے ہی کافی خراب ہے۔ اندھا میں ہوا ہوں تم نہیں۔ تم تصور بھی نہیں کرسکتیں کہ یہ کیسا لگتا ہے۔ ڈاکٹر کوئی نہ کوئی علاج ڈھونڈ نکالے گا۔ تم دیکھ لینا۔ دیکھ لوں گا۔

وہ گھر سے نکلے۔ نیچے لابی میں اس کی بیوی نے بتی جلائی اور اس کے کان میں سرگوشی کی۔ یہاں میرا انتظار کرو۔ اگر کوئی پڑوسی ملے تو اس سے معمول کے مطابق بات کرنا۔ کہنا تم میرا انتظار کر رہے ہو۔ کوئی بھی شخص جو تمہیں دیکھے گا اُسے شبہ تک نہ ہوگا کہ تم دیکھ نہیں سکتے۔ علاوہ ازیں ہمیں اپنے معاملات کے بارے میں لوگوں کو بتانا بھی نہیں چاہیے۔ ہاں لیکن زیادہ دیر نہ لگانا۔ اُس کی بیوی تیزی سے باہر گئی۔ نہ کوئی پڑوسی اندر داخل ہوا نہ باہر نکلا۔ اندھے

آدمی کو اپنے تجربے سے پتہ تھا کہ زینے والا راستہ اُسی وقت تک روشن رہے گا جب تک کہ وہ خود کار سوئچ کی آواز سنتا رہے گا۔ اس لیے جب بھی خاموشی ہوتی وہ بٹن دبا دیتا۔ یہ روشنی اس کے لیے آواز میں بدل گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر اس کی بیوی نے واپس آنے میں اتنی دیر کیوں لگا دی۔ سڑک قریب ہی تھی اسی یا سو میٹر کا فاصلہ ہوگا۔ اگر ہم نے اور دیر کی تو ڈاکٹر چلا جائے گا۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ وہ ابھی کلائی اٹھا کر اور اس پر نظریں جھکا کر گھڑی میں وقت دیکھنے کی اپنی معمولہ عادت کو بھولا نہیں تھا اس نے اپنے ہونٹ سکیڑے جیسے اچانک درد اٹھا ہو اور اطمینان اور تشکر کا گہرا سانس لیا کہ اس وقت کوئی پڑوسی آس پاس نہیں تھا جو اس سے بات کرتا ورنہ وہ وہیں اور اُسی وقت پھوٹ پھوٹ کر رو دیا ہوتا۔ گلی میں ایک گاڑی رُکی، بالآخر اس نے سوچا لیکن اسے فوراً ہی احساس ہوا کہ یہ تو اس کی گاڑی کے انجن کی آواز نہیں تھی۔ یہ تو کوئی ڈیزل والا انجن ہے۔ یقیناً ٹیکسی ہوگی۔ ایک بار پھر ہاتھ سے بجلی کا بٹن دباتے ہوئے اس نے کہا۔ اس کی بیوی واپس آئی، بدحواس اور پریشان۔ تمہارا وہ نیک سامری ہماری گاڑی لے اُڑا ہے۔ یہ ناممکن ہے تم نے ٹھیک طرح سے ڈھونڈھا نہیں ہوگا۔ میں نے واقعی اچھی طرح ڈھونڈھا ہے۔ میری آنکھوں میں کوئی خرابی نہیں۔ یہ آخری الفاظ غلطی سے اس کے مُنھ سے نکل گئے۔ تم نے بتایا تھا کہ گاڑی اگلی سڑک پر کھڑی کی تھی اور وہ وہاں نہیں ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ اس نے کسی اور گلی میں کھڑی کردی ہو۔ نہیں نہیں میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس نے اُسی گلی میں کھڑی کی تھی۔ تو پھر وہ غائب ہوگئی ہے۔ اس صورت میں چابیوں کا کیا ذکر اس نے تمہاری کوفت اور سراسیمگی کا ناجائز فائدہ اٹھایا اور ہمیں لوٹ لیا۔ یہی سوچ کر میں نے اسے فلیٹ کے اندر آنے کی دعوت نہیں دی تھی۔ ڈرتا تھا کہ وہ ہماری کوئی شے نہ چرا لے۔ پھر بھی، اگر تمہارے گھر آنے تک وہ میرے پاس بیٹھا رہتا تو وہ ہماری گاڑی نہیں چرا سکتا تھا۔ آؤ چلیں، ٹیکسی ہمارا انتظار کر رہی ہے۔ میں قسمیہ کہتا ہوں کہ اس کمینے کو بھی اندھا ہوتے دیکھنے کے لیے میں اپنی زندگی کا ایک برس قربان کردوں گا۔ اتنی اونچی آواز میں باتیں نہ کرو اور یہ کہ لوگ اس کا سب کچھ لوٹ لے جائیں۔ شاید وہ آجائے۔ آہ۔ تو تمہارا یہ خیال ہے کہ کل وہ تمہارا

دروازہ کھٹکھٹائے گا کہے گا کہ اس وقت وہ بے دھیانی میں گاڑی لے گیا تھا اور یہ کہ اسے افسوس ہے اور پوچھے گا کہ تم اب بہتر محسوس کرتے ہوگے۔

وہ جب تک ڈاکٹر کی سرجری میں نہیں پہنچ گئے خاموش رہے۔ عورت نے کوشش کی کہ وہ کھوئی ہوئی گاڑی کے بارے میں نہ سوچے۔ محبت سے اپنے خاوند کے بازو کو بھینچا جبکہ وہ سر جھکائے کہ کہیں ٹیکسی ڈرائیور اپنے شیشے میں اُس کی آنکھوں کو نہ دیکھ لے، اپنے آپ سے پوچھتا رہا کہ اس کا ایسے خوفناک المیے کا نشانہ بننا کیسے ممکن تھا میں ہی کیوں؟ وہ ٹریفک کا شور سن سکتا تھا اونچی آواز میں جب بھی ٹیکسی کو رُکنا پڑتا۔ یہ اکثر ہوتا ہے کہ ہم ابھی سو ہی رہے ہوتے ہیں کہ بیرونی آوازیں پہلے ہی بے ہوشی کے اُس پردے کو چیر کر داخل ہوجاتی ہیں جس میں ہم ابھی لپٹے ہوتے ہیں جیسے کسی سفید چادر میں، اُس نے آہ بھرتے ہوئے اپنا سر ہلایا۔ بیوی نے نرمی سے اس کا گال تھپتھپایا۔ مطلب یہ کہ اطمینان رکھو، میں جو ہوں اور اس نے اپنا سر اُس کے کندھے پر ٹکا دیا۔ اس سے بے پرواہ کہ ڈرائیور کیا سوچے گا۔ اگر تم میری جگہ ہوتے اور گاڑی چلانے سے معذور ہوجاتے۔ اس نے بچوں کی طرح سوچا اور اس بات کی بے ہودگی سے بے خبر، اپنے آپ کو مبارکباد دی کہ اس عالم ناامیدی میں ہوتے ہوئے بھی وہ ابھی اس قابل ہے کہ کسی معقول خیال کو تشکیل دے سکے۔ اپنی بیوی کی محتاط معاونت کے ساتھ ٹیکسی سے باہر نکلتے وقت وہ مطمئن نظر آتا تھا۔ لیکن سرجری میں داخل ہوتے وقت، جہاں اُس کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا اس نے اپنی بیوی سے ایک لرزتی ہوئی سرگوشی میں پوچھا میں کیسا لگوں گا جب اس جگہ سے باہر آؤں گا اور اس نے اپنا سر ہلایا جیسے اسے کوئی امید نہ رہی ہو۔

اُس کی بیوی نے کاؤنٹر پر بیٹھی لڑکی کو بتایا۔ میں ہی ہوں جس نے کوئی آدھا گھنٹہ پہلے اپنے خاوند کے سلسلے میں تم سے بات کی تھی اور لڑکی انہیں ایک چھوٹے کمرے میں لے گئی جہاں دوسرے مریض بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔ وہاں ایک بوڑھا آدمی تھا جس نے اپنی ایک آنکھ پر کالے رنگ کے کپڑے کی ایک پٹی سی لگا رکھی تھی۔ ایک نوجوان لڑکا تھا جس کی آنکھیں بھینگی لگتی تھیں ساتھ ایک عورت تھی جو یقیناً اس کی ماں ہوگی۔ کالا چشمہ لگائے ایک لڑکی تھی دو اور شخص

بھی تھے جن کے چہرے مُہرے میں کوئی خاص بات نہ تھی لیکن کوئی بھی اندھا نہیں تھا اندھے لوگ آشوبِ چشم کے ماہرین کے پاس نہیں جاتے۔ عورت نے اپنے خاوند کو ایک خالی کرسی پر بٹھا دیا اور خود پاس کھڑی ہوگئی کیونکہ باقی کرسیوں پر لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمیں انتظار کرنا ہوگا اس نے اپنے خاوند کے کان میں آہستہ سے کہا۔ اس کو پتہ چل گیا کہ کیوں، اس نے کمرۂ انتظار میں موجود لوگوں کی آوازیں سُنی تھیں۔ اب اُسے ایک اور پریشانی نے آ لیا۔ یہ سوچ کہ ڈاکٹر جتنی دیر کے بعد اس کا معائنہ کرے گا اس کی بیماری اتنی ہی بدتر ہوتی جائے گی یہاں تک کہ لاعلاج بن جائے گی۔ اس نے اپنی کرسی میں پہلو بدلا۔ بے چین، اپنی پریشانی کے بارے میں اپنی بیوی کو بتانے ہی والا تھا کہ عین اس وقت دروازہ کھلا اور کاؤنٹر والی لڑکی نے کہا آپ دونوں اس طرف آ جائیں اور دوسروں کی طرف مُڑ کر کہا۔ ڈاکٹر کا حکم ہے اس آدمی کا فوری معائنہ لازمی ہے۔ بھینگی آنکھوں والے لڑکے کی ماں نے احتجاج کیا کہ باری تو اس کی تھی کہ وہ پہلے آئی تھی اور ایک گھنٹے سے انتظار کر رہی ہے۔ دوسرے مریضوں نے بھی دھیمی آواز میں اس کی طرف داری کی لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی، خود اس عورت نے بھی اس شکایت کو طول دینا مناسب نہ سمجھا۔ مبادا ڈاکٹر خفا ہو جائے اور جواب میں ان کو دیکھنے میں اور زیادہ دیر لگائے جیسا کہ ہوا بھی۔ وہ بوڑھا جس کی ایک آنکھ پر سیاہ رنگ کی پٹی تھی زیادہ کشادہ دل تھا۔ اس بے چارے کو پہلے جانے دو اس کی حالت ہماری حالت سے زیادہ بدتر ہے۔ اندھے آدمی نے اس کی بات نہیں سنی۔ وہ پہلے ہی ڈاکٹر کے کمرے میں داخل ہو رہے تھے اور بیوی کہہ رہی تھی بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب آپ کی مہربانی کا۔ بس یہ ہے کہ میرا خاوند یہ کہہ کر وہ تھوڑا رُکی اس لیے کہ اسے علم نہیں تھا کہ واقعی ہوا کیا ہے۔ وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ اس کا خاوند اندھا ہو چکا ہے اور ان کی گاڑی چوری ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر نے کہا۔ پلیز بیٹھ جائیں اور پھر خود آگے بڑھ کر مریض کو کرسی میں بٹھانے میں مدد کی اور پھر اس کا ہاتھ چُھو کر اس سے براہِ راست بات کرنے لگا۔ اب بتاؤ کہ کیا تکلیف ہے۔ اندھے آدمی نے بیان کیا کہ وہ اپنی کار میں تھا اور سرخ بتی کے بدلنے کا انتظار کر رہا تھا کہ اچانک اس کی بینائی جاتی رہی کہ بہت سے لوگ اس کی

مدد کے لیے دوڑے کہ ایک پختہ عمر کی عورت نے، میں نے اس کی آواز سے یہ اندازہ لگایا، کہا کہ یہ کوئی اعصاب کی خرابی کا مسئلہ ہے اور پھر ایک شخص اُسے اس کے گھر چھوڑ گیا۔ کیونکہ وہ از خود ایسا کرنے سے معذور تھا۔ ڈاکٹر، مجھے ہر شے سفید نظر آتی ہے۔ گاڑی کی چوری کے متعلق کچھ نہیں کہا۔

ڈاکٹر نے پوچھا کیا ایسا کبھی پہلے بھی ہوا ہے یا اسی قسم کی کوئی اور بات۔ نہیں ڈاکٹر میں تو عینک بھی نہیں لگاتا۔ اور تم کہتے ہو کہ یہ سب اچانک ہوا۔ ہاں ڈاکٹر جیسے بجلی چلی جاتی ہے بلکہ جیسے بجلی آ جاتی ہے۔ پچھلے کچھ دن سے تم اپنی بصارت میں کوئی فرق تو محسوس نہیں کر رہے تھے۔ نہیں ڈاکٹر۔ کیا تمہارے خاندان میں کوئی اندھا ہے یا کبھی ہوا ہو۔ رشتہ داروں میں تو میں نے نہ کسی کو دیکھا نہ سنا کوئی نہیں۔ کیا تمہیں ذیابیطس ہے۔ نہیں ڈاکٹر۔ آتشک۔ نہیں ڈاکٹر۔ دماغی خلیوں کی نسوں میں تناؤ کی زیادتی۔ میں دماغی خلیوں کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن دوسری چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں۔ ہمارا باقاعدہ چیک اَپ ہوتا ہے۔ کیا تمہیں سر میں کوئی سخت چوٹ تو نہیں لگی۔ آج یا کل۔ نہیں ڈاکٹر۔ کیا عمر ہے تمہاری۔ اڑتیس برس۔ ٹھیک ہے اب ہم آنکھوں پر نظر ڈالتے ہیں۔ اندھے آدمی نے اپنی آنکھیں پوری کی پوری کھول دیں تاکہ ڈاکٹر اچھی طرح معائنہ کر سکے لیکن ڈاکٹر نے اس کا ہاتھ پکڑا اسے Scanner کے پیچھے بٹھا دیا۔ جسے اپنے تخیل کو ذرا سا بھی استعمال کرنے والا سمجھ لے گا کہ یہ اعتراف (Confessional) کی نئی صورت ہے۔ لفظوں کی جگہ آنکھیں اور اعتراف کروانے والا سیدھا گنہگار کی روح میں جھانکتا ہے۔ اپنی ٹھوڑی یہاں رکھو۔ آنکھیں کھلی رکھو اور ہلو جلو نہیں۔

عورت اپنے خاوند کے قریب آ گئی اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا اور کہا۔ تم دیکھ لینا اس کی تشخیص ہو جائے گی۔ ڈاکٹر نے اپنے پہلو میں لٹکی ہوئی دوچشمی دوربین اوپر نیچے کی۔ عمدگی سے ترتیب دی ہوئی گومڑیوں کو موڑا اور اس کا معائنہ کرنے لگا۔ اسے آنکھ کے ڈھیلے کے بیرونی پردے میں کچھ نظر نہیں آیا۔ جھلی میں بھی کچھ نہیں۔ پردۂ غیبیہ میں بھی کچھ نہیں۔ آنکھ کے پہلے پردے میں بھی کچھ نہیں۔ آنکھ کے شیشوں میں بھی کچھ نہیں۔ نس میں بھی کچھ نہیں۔ سبزی مائل

زرد داغ میں بھی کچھ نہیں۔ کہیں بھی کچھ نہیں۔ اُس نے مشین کو پرے ہٹایا۔ اپنی آنکھیں ملیں اور ازسرِ نو دوسری بار معائنہ شروع کیا بغیر بولے اور جب اس نے معائنہ ختم کیا تو اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ مجھے تو کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔ تمہاری آنکھیں بالکل ٹھیک ہیں۔ عورت نے اپنے دونوں ہاتھوں کو خوش ہوکر ملایا اور بآواز بلند کہا میں نے تمہیں کہا تھا نا، میں نے تمہیں کہا تھا کہ یہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔ اُس پر توجہ دیے بغیر اندھے آدمی نے پوچھا کیا میں ٹھوڑی ہٹا سکتا ہوں ڈاکٹر۔ یقیناً۔ گستاخی معاف اگر جیسا کہ آپ نے کہا میری آنکھیں بالکل ٹھیک ہیں تو میں اندھا کیوں ہوں۔ فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتا ہمیں اور زیادہ تفصیلی معائنے، تجزیے اور عضویاتی مطالعے کرنا ہوں گے۔ دماغ کا ایکسرے۔ آپ کا خیال ہے کہ اس کا دماغ سے کوئی تعلق ہے۔ ایک امکان ہے لیکن مجھے شک ہے پھر بھی آپ کہتے ہیں کہ آپ کو میری آنکھوں میں کوئی خرابی نظر نہیں آئی۔ یہ ٹھیک ہے کیسی عجیب بات ہے۔ میں یہ کہنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اگر واقعی تم اندھے ہو تو کم از کم اس وقت میں تمہارے اندھے پن کی کوئی وجہ بیان نہیں کرسکتا۔ آپ کو میرے اندھا ہونے پر شک ہے۔ ہرگز نہیں۔ مسئلہ تمہاری صورت حال کی غیر معمولی نوعیت کا ہے۔ ذاتی طور پر اپنی پریکٹس کے تمام برسوں میں مجھے کبھی اس طرح کی صورت حال سے واسطہ نہیں پڑا اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ علم چشم کی پوری تاریخ میں کبھی اس نوع کا کیس دیکھنے میں نہیں آیا۔ آپ کا خیال ہے کہ اس کا علاج ہے۔ اصولی طور پر میرا جواب اثبات میں ہونا چاہیے چونکہ مجھے کسی قسم کی خرابی یا کوئی طبعی نقصِ ساخت نظر نہیں آیا لیکن بظاہر یہ اثبات میں نہیں ہے۔ صرف احتیاط کی بنا پر کیونکہ میں ایسی اُمیدیں پیدا کرنا نہیں چاہتا جو بعد میں بلا جواز نکلیں۔ میں سمجھتا ہوں تو یہ ہے صورتِ حال۔ اور کیا کوئی علاج ہے جو میں شروع کرسکوں کوئی کسی قسم کا دوا دارو۔ فی الحال میں کچھ بھی تجویز نہ کرنے کو ترجیح دوں گا کیونکہ یہ اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے کے مترادف ہوگا۔ ایک برمحل محاورہ ہے اندھے نے اظہار رائے کرتے ہوئے کہا۔ ڈاکٹر نے جیسے سنا ہی نہ ہو۔ وہ اپنے گھومنے والے اسٹول پر سے اٹھا جس پر کہ وہ اب تک بیٹھ کر اس کا معائنہ کر رہا تھا اور کھڑے ہوکر اپنے نسخوں والے پیڈ پر وہ

ٹیسٹ اور ایکسرے لکھ دیے جو اس کی دانست میں ضروری تھے۔ وہ کاغذ اس کی بیوی کو تھمایا۔ یہ لو جب تمہیں رپورٹیں مل جائیں تو اپنے خاوند کو لے کر میرے پاس آؤ۔ اس دوران اگر اس کی حالت میں کوئی تبدیلی ہو تو مجھے ٹیلیفون کرو۔ کیا معاوضہ ہے آپ کا ڈاکٹر۔ کاؤنٹر پر دیدو۔ وہ دروازے تک ان کے ساتھ آیا۔ تسلی کے دو بول کہے دیکھتے ہیں اور انتظار کرتے ہیں۔ تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اور جب وہ چلے گئے تو وہ کمرے سے ملحقہ چھوٹے سے غسل خانے میں گیا اور دیر تک آئینے میں دیکھتا رہا۔ یہ کیا ہوسکتا ہے۔ وہ مُنھ ہی مُنھ میں بڑبڑایا۔ پھر واپس مریضوں کے کمرے میں آیا۔ لڑکی کو آواز دی۔ اگلے مریض کو بھیجو۔

اُس رات اندھے آدمی نے خواب میں دیکھا کہ وہ اندھا ہے۔

۲

اندھے آدمی کو مدد کی پیش کش کرتے وقت اُس آدمی کے دل میں، جو بعد کو اس کی کار لے اُڑا، کوئی بدنیتی نہیں تھی، بلکہ اِس کے بالکل برعکس اُس نے جو بھی کیا تھا وہ ایثار اور کریم النفسی کے جذبے کے تحت کیا تھا جو جیسا کہ ہر کوئی جانتا ہے، انسانی فطرت کے دو بہترین وصف ہیں اور اس سے زیادہ سنگ دل مجرموں میں پائے جاتے ہیں۔ وہ تو ایک سیدھا سادا کار چور تھا جسے اس پیشے میں ترقی کی کوئی امید نہیں تھی اور اس کاروبار کے حقیقی مالک، جس کا استحصال کرتے رہتے تھے کیونکہ یہی لوگ غریبوں کی ضروریات کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دیکھا جائے تو کسی اندھے آدمی کی دست گیری کرنے کے بعد اُسے لُوٹنے اور کسی لڑکھڑاتے، ہکلاتے آدمی کے ورثے پر نظر رکھتے ہوئے اس کی دیکھ بھال کرنے میں کوئی ایسا بڑا فرق نہیں۔ یہ خیال تو عین اس وقت، قدرتی طور پر اس کے دل میں آیا تھا، جب وہ اندھے آدمی کے گھر کے قریب پہنچنے ہی والا تھا، کوئی شاید یہ کہے کہ جیسے اس نے لاٹری کے ٹکٹ بیچنے والے کو دیکھتے ہی ٹکٹ خریدنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اسے جبلّی طور پر کوئی اندازہ نہیں تھا۔ اُس نے اِس لیے ٹکٹ خریدا تھا کہ دیکھیں کچھ ہاتھ بھی آتا ہے یا نہیں۔ من موجی قسمت جو بھی دکھائے اس کے لیے پہلے سے تیار، دوسرے کہیں گے کہ اس کا محرک اُس کی شخصیت کا لاشعوری ردِعمل تھا۔ تشکیک پسندوں کا جو تعداد میں بھی زیادہ ہوتے ہیں اور ہٹ دھرم بھی، یہ دعویٰ ہوگا کہ انسانی فطرت کے معاملے میں

اگر ایک طرف یہ سچ ہے کہ موقع ہمیشہ چور کو چور نہیں بناتا، تو دوسری طرف یہ بھی سچ ہے کہ وہ اس میں مددگار ہوتا ہے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم یہ خیال کریں گے کہ اگر اندھے آدمی نے اُس جعلی سامری کی دوسری پیش کش قبول کرلی ہوتی تو ہوسکتا ہے اس آخری لمحے میں، اس کی کریم النفسی برقرار رہتی، ہمارا اشارہ اس پیش کش کی طرف ہے جو اندھے آدمی کو اس وقت تک ساتھ رہنے کے لیے کی گئی تھی جب تک کہ اس کی بیوی گھر نہیں آجاتی۔ کون جانتا ہے کہ کار چور پر کیے گئے اس اعتماد سے پیدا ہونے والی اخلاقی ذمے داری نے اسے اِس مجرمانہ ترغیب سے باز رکھا ہوتا اور ان روشن اور نیک جذبات کی فتح کا سبب بنتی، جن کی اخلاق سے انتہائی عاری روحوں میں بھی موجودگی کا ہمیشہ امکان ہوتا ہے۔ بات اس پرانی کہاوت پر ختم کرتے ہیں، جو یہ سکھاتے ہوئے کبھی نہیں تھکتی کہ اپنے اوپر صلیب کا نشان بناتے ہوئے اندھا اپنی ہی ناک توڑ بیٹھا۔

اخلاقی ضمیر جسے اکثر نادان لوگوں نے آزردہ کیا ہے اور بہت سوں نے رد کیا ہے، واقعی اپنا وجود رکھا ہے اور ہمیشہ سے رکھتا آیا ہے، یہ چار عنصری فلسفیوں کی ایجاد نہیں تھا، جب کہ روح ایسا مسئلہ نہیں تھی کہ جس کے بارے میں تیر تکّے سے کام چلایا جاتا۔ وقت کے گزران کے ساتھ، معاشرتی ارتقا اور باہمی نسلی تبادلوں کی وجہ سے ہم یہاں تک پہنچے ہیں کہ اپنے ضمیر کو اپنے لہو کے رنگ اور آنسوؤں کے نمک میں ڈھال سکیں اور جیسے یہ کافی نہیں تھا، ہم نے اپنی آنکھوں کو ایک قسم کے آئینے بنالیا اور اُن کا رُخ اندر کی طرف کردیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب وہ بلاکم و کاست وہی دکھاتے ہیں جس سے ہم زبانی منکر ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس عمومی مشاہدے میں مخصوص صورتِ حال کا اضافہ کرلیں کہ سادہ نفوس میں کسی برے کام کے ارتکاب سے پیدا ہونے والی پشیمانی، ہر قسم کے آبائی خوف کے ساتھ مل کر اکثر گڈمڈ ہوجاتی ہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ رحم اور معافی کے بغیر، گول مول باتیں کرنے والے کی سزا اس سے دوگنی ہوجائے گی جس کا وہ حق دار ہوتا ہے۔ اس معاملے میں یہی ہوا۔ اس لیے یہ دیکھنا ناممکن ہے کہ خوف اور آفت زدہ ضمیر کے درمیان وہ کیا تناسب تھا جو ہراساں کرنے لگا چور کو، جس لمحے اس نے کار کا انجن

اسٹارٹ کیا اور اُسے چلا کر لے گیا۔ بلاشبہ وہ اُس شخص کی جگہ پر بیٹھ کر کبھی سکون میں نہیں رہ سکتا تھا جو سٹیئرنگ وہیل کو تھامے اچانک اندھا ہو گیا تھا، جس نے کار کے اگلے شیشے میں سے دیکھا اور اچانک کچھ نہ دیکھ سکا۔ ایسے خیالات کو، خوف کے فاسد اور پُر فریب عفریت کو ابھارنے کے لیے جو ہمیشہ اپنا سر اٹھاتا ہے، کسی بڑے تخیل کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ تو وہاں پہلے ہی سر اُٹھا رہا ہوتا ہے۔ لیکن یہ پشیمانی بھی تھی، ضمیر کا پُر ملال اظہار، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، یا اگر ہم اشاراتی اصطلاحوں میں بیان کرنے کو ترجیح دیں، ایک ایسا ضمیر، جس کے کاٹنے کے دانت بھی ہوتے ہیں، اس کی آنکھوں کے سامنے اس بے بس آدمی کا تصور لانے ہی والا تھا جب وہ اپنی کار کا دروازہ بند کر رہا تھا، کوئی ضرورت نہیں، کوئی ضرورت نہیں، بیچارے نے کہا تھا اور اس کے بعد وہ مدد کے بغیر ایک قدم بھی اٹھانے کے قابل نہ ہوگا۔

چور نے ٹریفک پر زیادہ سخت اور پہلے دوگنی توجہ مرکوز رکھی تاکہ ایسے خوف ناک خیالات کو اپنے دماغ پر مکمل قبضہ جمانے سے باز رکھ سکے۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو ذرا سی غلطی یا معمولی سے بے توجہی کی اجازت نہیں دے سکتا۔ یہاں پولیس ہمیشہ آس پاس ہوتی تھی اور ان میں سے کوئی ایک سپاہی بھی اسے روک سکتا ہے، کیا میں آپ کا شناختی کارڈ یا ڈرائیونگ لائسنس دیکھ سکتا ہوں؟ پھر جیل خانے میں واپس، کیسی کٹھن زندگی تھی۔ وہ ٹریفک کی بتیوں کی تعمیل میں بے حد محتاط تھا۔ کسی بھی صورت حال میں بتی کے سرخ ہونے کے بعد نہ گزرنا، پیلی بتی کا احترام کرنا، اور جب تک بتی سبز نہ ہو صبر سے انتظار کرنا۔ ایک موقع پر تو اُسے لگا کہ جیسے اس نے خطیبوں کی طرح ٹریفک کی بتیوں کو دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ اس نے کار کی رفتار کو کچھ ایسے منضبط کرنا شروع کیا کہ اسے اپنے سامنے ہمیشہ سبز بتی ملے چاہے اس کے لیے اسے اپنی رفتار اتنی زیادہ یا اتنی کم کیوں نہ کرنی پڑی کہ پیچھے آنے والے ڈرائیور غصے میں آ جائیں۔ بالآخر چونکہ وہ ذہنی طور پر پریشان اور ناقابلِ برداشت حد تک تناؤ میں تھا، وہ اپنی کار کو ایک چھوٹی سڑک پر لے گیا جہاں وہ جانتا تھا کہ ٹریفک کی بتیاں نہیں ہیں اور کار کو بغیر اِدھر اُدھر دیکھے ایک جانب کھڑا کر دیا۔ وہ اتنا اچھا ڈرائیور تھا—اسے محسوس ہوا جیسے اس کے اعصاب پھٹ جائیں گے۔ بالکل

یہی الفاظ تھے جو اس وقت اس کے ذہن سے گزرے۔ میرے اعصاب پھٹنے ہی والے ہیں۔ کار میں سخت گرمی تھی، اس نے دونوں طرف کی کھڑکیوں کے شیشے نیچے کر دیے لیکن باہر کی ہوا، اگر چل بھی رہی تھی، تو وہ اندر کے ماحول کو تر و تازہ کرنے کے لیے کچھ نہ کر سکی۔

مجھے کیا کرنا چاہیے، اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔ وہ شیڈ جہاں اس کار کو اُسے لے جانا تھا، بہت دور تھا، شہر سے باہر، ایک گاؤں میں اور اپنی موجودہ ذہنی حالت میں وہ وہاں کبھی نہ پہنچ پائے گا۔ یا تو پولیس مجھے پکڑ لے گی یا، یا اس سے بھی بدتر، مجھے کوئی حادثہ پیش آ جائے گا، وہ بڑبڑایا۔

تب اسے خیال آیا کہ سب سے بہتر یہ ہوگا کہ تھوڑی دیر کے لیے کار سے باہر نکل کر اپنے خیالات کو صاف کرنے کی کوشش کی جائے، شاید تازہ ہوا مکڑی کے ان جالوں کو اڑا لے جائے، محض اس لیے کہ وہ بے چارہ مصیبت کا مارا اندھا ہو گیا، کوئی وجہ نہیں کہ میرے ساتھ بھی وہی ہو۔ یہ کوئی زکام نہیں کہ دوسرے کو لگ جائے۔ میں اس بلاک کا ایک چکر لگاؤں گا اور یہ سب ختم ہو جائے گا۔ وہ باہر آیا اور کار کو تالہ لگانے کی بھی پرواہ نہیں کی، وہ ایک منٹ میں واپس آ جائے گا اور چلنے لگا۔ وہ ابھی تیس قدم بھی نہ چلا ہوگا کہ اندھا ہو گیا۔

ڈاکٹر کے کلینک میں جو آخری مریض رہ گیا تھا وہ، وہی خوش طبع بوڑھا تھا جس نے بیچارے اچانک اندھے ہو جانے والے شخص کے بارے میں بڑی ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔ وہ وہاں اس لیے موجود تھا کہ اسے اپنے موتیا بند کے آپریشن کی تاریخ طے کرنا تھی، جو اس کی واحد آنکھ میں اُتر آیا تھا، دوسری آنکھ کے خلا پر سیاہ کپڑے کا ایک پیوند لٹک رہا تھا اور موجودہ معاملے سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ وہ بیماریاں ہیں جو بڑھاپے کے ساتھ لگی آتی ہیں، کچھ عرصہ پہلے ڈاکٹر نے اسے بتایا تھا اور جب یہ موتیا بند پختہ ہو جائے گا تو ہم اسے ہٹا دیں گے۔ تب تم اُس جگہ کو بھی نہ پہچان پاؤ گے جہاں تم رہتے ہو۔ جب آنکھ پر کالے پیوند والا بوڑھا چلا گیا اور نرس نے کہا کہ اب کمرۂ انتظار میں کوئی مریض نہیں تو ڈاکٹر نے اندھے ہو جانے والے آدمی کی فائل نکالی اور اسے ایک بار پڑھا، دوسری بار پڑھا، کچھ دیر تک سوچتا رہا اور پھر اپنے

ایک ہم پیشہ ساتھی کو فون کیا اور اس سے یہ گفتگو کی: میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آج مجھے ایک بہت ہی عجیب مریض سے سابقہ پڑا۔ یہ شخص ایک سیکنڈ سے دوسرے سیکنڈ تک کے وقفے میں مکمل طور پر اپنی بینائی کھو بیٹھا تھا، معائنے کے دوران آنکھوں کی ساخت میں کوئی قابلِ فہم خلل یا پیدائشی نقص ظاہر نہیں ہوا، وہ کہتا ہے کہ اسے ہر چیز سفید نظر آتی ہے، ایک قسم کی گاڑھی، دودھیا سفیدی کہ اس کی آنکھوں سے چمٹی ہوئی ہے، جیسے اس نے مجھ سے بیان کیا میں اپنی بساط کے مطابق جتنا بہتر طور پر بتا سکتا ہوں، تمہیں بتا رہا ہوں، ہاں واقعی یہ کوئی اندرونی مسئلہ ہے، نہیں، آدمی نسبتاً جوان ہے، اڑتیس برس کا، کیا تم نے ایسے مرض کے بارے میں کبھی سُنا ہے؟ یا پڑھا ہو، یا کسی سے ذکر سنا ہو، میں نے بہت سوچا، فی الحال مجھے اس کا کوئی حل سجھائی نہیں دیتا، تھوڑا وقت حاصل کرنے کیلیے، میں نے کچھ ٹیسٹ تجویز کیے ہیں، ہاں، ہم انہی دنوں میں اکٹھے اس کا معائنہ کرسکتے ہیں۔ رات کے کھانے کے بعد میں کچھ کتابیں دیکھوں گا، کتابیات پر ایک بار پھر نظر ڈالوں گا، شاید کوئی سراغ مل جائے، ہاں مجھے بے نظری (Agnosia) کے بارے میں علم ہے یہ روحانی بے بصری ہوسکتی ہے لیکن پھر، ان خصوصیات والا یہ پہلا مریض (Case) ہوگا، کیونکہ اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ یہ آدمی واقعی اندھا ہے، اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں بے نظری کے مرض میں مبتلا آدمی دیکھی بھالی چیزوں کو پہچاننے کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے، کیونکہ مجھے یہ بھی خیال آیا تھا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ مکمل اندھے پن کا مرض ہو لیکن یاد ہے میں نے تمہیں شروع ہی میں بتا دیا تھا، یہ اندھا پن سفید ہے، مکمل اندھے پن کے برعکس، جس میں مکمل تاریکی ہوتی ہے۔ بجز اس کے کہ کسی نوع کا سفید اندھا پن ہو، ایک سفید تاریکی، جیسی کہ یہ ہے، ہاں مجھے معلوم ہے، جس کے بارے میں پہلے کبھی نہیں سنا، ٹھیک ہے، میں اسے کل فون کروں گا اور بتا دوں گا کہ ہم دونوں اکٹھے معائنہ کرنا چاہتے ہیں۔ گفتگو ختم کرنے کے بعد ڈاکٹر نے کرسی کی پشت سے اپنی کمر لگا دی، کچھ منٹ تک وہیں بیٹھا رہا پھر اٹھ کر کھڑا ہوگیا، اپنا سفید کوٹ افسردگی کے ساتھ آہستہ آہستہ اتار دیا۔ ہاتھ دھونے کے لیے غسل خانے میں گیا، لیکن اس بار اُس نے آئینے سے مابعد الطبیعاتی انداز میں نہیں پوچھا، یہ کیا ہوسکتا

ہے، اس کا سائنسی نقطۂ نظر واپس آ گیا تھا، یہ حقیقت کہ بے نظری اور مکمل بے بصری کی تشخیص اور تعریف، کتابوں میں بھی اور عمل میں بھی، پوری صحت کے ساتھ متعین ہوچکی ہے، پھر بھی ان میں نوئی تبدیلیوں، اگر یہ لفظ مناسب ہے اور دوسرے نمونوں کی نمود کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا، اور لگتا ہے کہ وہ دن آ گیا ہے۔ دماغ کے بند ہوجانے کی ہزاروں وجوہات ہوسکتی ہیں، صرف یہ اور اس کے علاوہ کچھ نہیں، جیسے کوئی لوگوں کے ہاں دیر سے جانے والا واپسی پر اپنا ہی دروازہ بند پائے۔ یہ ماہر آشوبِ چشم ادبی ذوق بھی رکھتا تھا اور موزوں کہاوت استعمال کرنے کی وجدانی صلاحیت بھی۔

اس شام، ڈنر کے بعد اُس نے اپنی بیوی کو بتایا، آج ایک عجیب کیس (Case) سے واسطہ پڑا، ہوسکتا ہے یہ نفسی بے بصری (Psychic Blindness) یا مکمل اندھے پن (Amaurosis) کی کوئی قسم ہو، لیکن اس طرح کی علامات کے تسلیم کیے جانے کی کوئی شہادت نہیں ملتی، یہ کیا بیماریاں ہیں، مکمل اندھا پن اور وہ دوسری چیز، اس کی بیوی نے پوچھا۔ ڈاکٹر نے عام فہم زبان میں اسے بتایا تاکہ اُس کے تجسس کی تشفی ہوسکے، پھر وہ کتابوں والی الماری کی طرف گیا جہاں اس کی طبی کتابیں رکھی تھیں، کچھ اس کے یونیورسٹی کے زمانے کی تھیں، دوسری زیادہ قریبی زمانے کی اور بعض حال ہی میں شائع ہونے والی، جن کا مطالعہ کرنے کا ابھی اسے وقت نہیں ملا تھا۔ اس نے فہرست مضامین پر نظر دوڑائی اور باقاعدہ وہ ہر چیز پڑھنی شروع کی جس کا بے نظری اور مکمل بے بصری سے تعلق تھا، ایک بے چین سے تاثر کے ساتھ کہ وہ اپنی اہلیت سے ماورا میدان میں دخل اندازی کر رہا ہے، اعصابی جراحت کے پُراسرار خطے میں، جس کا اس کے ذہن میں انتہائی مبہم سا خیال تھا۔ اس رات کافی دیر گئے اس نے زیرِ مطالعہ کتابوں کو ایک طرف رکھا، تھکی ہوئی آنکھوں کو ملا اور اپنی کرسی کی پشت سے لگ کر بیٹھ گیا۔ اس لمحے ایک متبادل خیال خود بخود اس کے ذہن میں آیا پوری وضاحت کے ساتھ، اگر یہ بے نظری کا معاملہ ہے تو مریض اس وقت وہ سب کچھ دیکھ رہا ہوگا جو وہ اب تک دیکھتا رہا تھا، مطلب یہ کہ اس کی قوتِ بینائی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی ہوتی صرف اس کا دماغ، کرسی کو، جہاں کہیں بھی وہ

پڑی ہو، شناخت کرنے کی اہلیت کھو بیٹھا ہوتا دوسرے لفظوں میں وہ بصری نس کی طرف رہنمائی کرنے والے منور ہیجان کے خلاف اپنا درست ردِعمل جاری رکھتا۔ عام فہم اصطلاحات میں یوں سمجھ لیجیے کہ وہ اُس چیز کو جاننے کی، جسے وہ جانتا تھا، اور مزید برآں، اُسے بیان کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھا ہوتا۔ مکمل بے بصری یا اندھا پن تو شک و شبہ سے بالا ہے، اگر واقعی ایسا ہوتا تو مریض کو ہر چیز سیاہ دکھائی دیتی، مکمل بے بصری کے حوالے سے، اگر آپ میرے دیکھنے کے فعل کے استعمال کو معاف فرمائیں۔ اندھے آدمی نے صاف صاف بتا دیا تھا کہ وہ دیکھ سکتا ہے، اگر آپ اس فعل کے دوبارہ استعمال کو معاف فرمائیں، ایک گاڑھا، اور ایک ہی طرح کا سفید رنگ، جیسے وہ ایک دودھیا سمندر میں غوطے لگا رہا ہو۔ سفید مکمل بے بصری، علم صَرف کے مطابق متضاد تو ہے ہی، ایک عصبیاتی امرِ محال بھی ہے کیونکہ وہ دماغ، جس کے لیے حقیقی تمثالیں، شکلیں اور رنگ نا قابلِ ادراک ہوں گے، ویسے ہی سفیدی میں مسلسل سفیدی کے غلاف میں لپٹا ہوا ہونا بھی نا قابلِ ادراک ہوگا، جیسے رنگوں، شکلوں، تمثالوں کے بغیر کوئی سفید تصویر درست بینائی والے کسی شخص کو نظر آئے، چاہے درست بینائی کے بارے میں کسی حتمی انداز سے کہنا کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو۔ صاف ضمیر کے ساتھ ایک بند گلی میں رُک جانے پر ڈاکٹر نے مایوسی سے اپنا سر ہلایا اور اپنے چاروں طرف دیکھا۔ اُس کی بیوی پہلے ہی اپنے بستر کی طرف جا چکی تھی، اُسے دھندلا سا یاد آیا کہ وہ ایک لمحے کے لیے اُس کے پاس آئی تھی، اُس نے اس کے سر کو چوم کر یقیناً بتایا ہوگا میں تو چلی سونے، فلیٹ میں اب خاموشی تھی، کتابیں میز پر بکھری ہوئی، یہ کیا ہوا، اس نے دل ہی دل میں کہا اور اچانک اُسے خوف محسوس ہوا، جیسے اب کسی بھی لمحے وہ خود بھی اندھا ہونے والا ہو اور اُسے یہ پہلے سے معلوم تھا۔ وہ اپنا سانس روکے انتظار کرتا رہا۔ کچھ نہیں ہوا۔ یہ ایک لمحے کے بعد ہوا جب وہ الماری میں واپس رکھنے کے لیے کتابیں اکٹھی کر رہا تھا۔ پہلے اس نے محسوس کیا کہ اُسے اپنے ہاتھ نظر نہیں آتے، پھر وہ جان گیا کہ وہ اندھا ہو چکا ہے۔

کالے چشمے والی لڑکی کا مرض کچھ ایسا سنگین نہیں تھا، اس کی آنکھ کے ڈھیلے کی جھلی پر معمولی ورم تھا، جو ڈاکٹر کے تجویز کردہ قطروں (Drops) کے استعمال سے فوراً ختم ہو جائے گا،

تمھیں پتہ ہے کیا کرنا ہے؟ آئندہ چند روز سونے سے پہلے صرف اپنا چشمہ اتار دیا کرو، یہ مذاق وہ برسوں سے دہراتا چلا آ رہا تھا، ہم یہ بھی فرض کر سکتے ہیں کہ یہ مذاق ماہرینِ آشوبِ چشم کو نسل در نسل منتقل ہوتا چلا آیا ہے لیکن ناکام کبھی نہیں ہوا، ڈاکٹر بھی کہتے ہوئے مسکرا رہا تھا اور مریضہ بھی سُنتے ہوئے مسکرا رہی تھی اور اس موقع پر یہ مسکراہٹ کارآمد بھی تھی کیونکہ لڑکی کے دانت خوبصورت تھے اور وہ اُن کی نمائش کرنا بھی جانتی تھی، مردم بیزاری کی وجہ سے یا زندگی میں بہت سی مایوسیوں سے واسطہ پڑنے کے سبب، کوئی بھی عام شکی مزاج جو اس عورت کی زندگی کی تفصیلات سے واقف ہو، اشارتاً کہہ سکتا ہے کہ اُس کی حسین مسکراہٹ اُس کے پیشے کا ایک گُر تھی، ایک خواہ مخواہ کا ظالمانہ دعویٰ، اس لیے کہ اُس کی مسکراہٹ اس وقت بھی ایسی ہی تھی جب وہ ابھی دودھ پیتی تھی۔ یہ الفاظ اب کم کم ہی سننے میں آتے ہیں، جب اُس کا مستقبل ایک بند کتاب تھا اور اُس کو کھول کر دیکھنے کا تجسس ابھی پیدا نہیں تھا۔ سادہ لفظوں میں اس عورت کو طوائفوں کے طبقے میں شمار کیا جا سکتا تھا۔ جس زمانے کا یہاں ذکر ہے، اُس کے سماجی تعلقات کے تانے بانے کی پیچیدگی، چاہے دن کے معاملات ہوں یا رات کے، اُفقی ہوں یا عمودی، ہم سے، جلد بازی اور حتمی فیصلے سنانے کے رجحان سے احتراز کرنے کا تقاضہ کرتی ہے۔ ایک ایسا جنون جس سے ہم اپنی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی بنا پر شاید کبھی چھٹکارا نہ پا سکیں گے۔ اگرچہ یہ جاننے کا امکان تو ہو سکتا ہے کہ جونو (Juno) میں بادل کی مقدار کتنی ہے لیکن یونانی دیوی کے ساتھ خلط ملط پر اصرار کلیتاً جائز نہ ہوگا جو کہ ماحول میں ڈولتے ہوئے پانی کے قطروں کے معمولی ارتکاز سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ عورت پیسوں کی خاطر مردوں کے ساتھ ہم بستر ہوتی ہے، یہ حقیقت بغیر کسی مزید سوچ بچار کے ہمیں اجازت دیتی ہے کہ ہم اسے طوائفوں کے طبقے میں شمار کریں۔ لیکن چونکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ صرف اُسی وقت کسی مرد کے ساتھ جاتی ہے جب اُس کا جی چاہتا ہے اور جس کے ساتھ جانے کو اُس کا جی چاہتا ہے، اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ اس حقیقی فرق کی وجہ سے پیش بینی کے طور پر اُسے طوائفوں کے طبقے سے علیحدہ رکھا جانا چاہیے۔ اُس کا بھی عام لوگوں کی طرح ایک پیشہ ہے اور

عام لوگوں کی طرح وہ اپنے وقت کا فائدہ اٹھاتی ہے، اپنے جسم سے لطف اندوز ہونے اور اپنی ضروریات پوری کرنے کی خاطر، انفرادی اور عمومی دونوں اگر ہم اسے کسی ابتدائی تعریف تک محدود کرنے کی کوشش نہ کریں، تو بالآخر ہم وسیع تر معنوں میں یہ کہیں گے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارتی ہے، مزید برآں زندگی سے جتنا لطف اندوز ہوسکتی ہے، ہوتی ہے۔

جب وہ ڈاکٹر کے کلینک سے باہر نکلی تو اندھیرا ہو چکا تھا۔ اُس نے اپنا کالا چشمہ نہیں اُتارا، سڑک کی روشنیاں اسے پریشان کر رہی تھیں، خاص طور پر روشن اشتہارات۔ وہ ایک دوا فروش کی دوکان میں داخل ہوئی تا کہ ڈاکٹر کے تجویز کردہ قطرے خرید سکے، اس نے کوئی توجہ نہ دینے کا فیصلہ کیا جب اس شخص نے جو اسے دوا دے رہا تھا، کہا کہ بعض آنکھوں کو کالے چشمے کے پیچھے چھپائے رکھنا کتنی بے جا بات ہے، ایک فقرہ جو نامناسب ہونے کے علاوہ، اور ایک دوا فروش کے ملازم کے مُنھ سے نکلا ہوا اس کے اس یقین کے خلاف بھی تھا کہ سیاہ چشمہ اس میں ایک پُر اسرار کشش پیدا کرتا ہے اور راہ چلتے مردوں کی دلچسپی کو ابھار سکتا ہے، شاید وہ اس کا جواب دیتی اگر آج واقعی کوئی شخص اس کا انتظار نہ کر رہا ہوتا، ایک مڈبھیڑ جو اس کے لیے کسی اچھی چیز کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی تھی، مادی منفعت اور دوسری تسکین دونوں کے لحاظ سے وہ شخص جس سے کہ ملنے والی تھی اس کا پرانا شناسا تھا، وہ اسے پہلے ہی بتا دیتی تھی کہ وہ چشمہ نہیں اتارے گی اور وہ برا نہیں مانتا تھا۔ اگرچہ ڈاکٹر نے اُسے ابھی یہ حکم نہیں دیا تھا اور یہ بات اُس شخص کو دلچسپ بھی لگتی تھی اور جداگانہ بھی۔ دوا فروش کی دوکان سے نکلنے کے بعد لڑکی نے ایک ٹیکسی والے کو روکا اور اسے ہوٹل کا نام بتایا۔ سیٹ سے ٹیک لگائے لگائے وہ تصور ہی تصور میں لطف اندوز ہونے لگی، اگر یہ اصطلاح موزوں ہے، متعدد اور گونا گوں حسّی لذتوں کی سنسنی خیزیوں سے، اُس پہلے آشنا بوسۂ لب سے، اُس پہلی بے تکلف ہم آغوشی سے، عالمِ مستی کے پے در پے ہونے والے دھماکوں تک، جو اُسے مضمحل اور مسرور چھوڑ جائیں گے، جیسے وہ مصلوب ہونے والی ہو۔ خدایا، ہماری حفاظت کر، چکراتی چکا چوند کرتی آتش بازی میں۔ اس لیے ہمارے پاس یہ نتیجہ اخذ کرنے کی کئی وجوہات ہیں کہ اگر کالے چشمے والی لڑکی کا ساتھی، اپنی

ذمے داری کو پورا کرنا جان گیا ہے، صحیح وقت کے تعین اور تکنیک کے لحاظ سے تو وہ ہمیشہ پیشگی اور اس کے مُنھ مانگے معاوضے سے دوگنا ادا کرتا ہے۔ ان خیالوں میں کھوئے کھوئے، چونکہ وہ ابھی ابھی ڈاکٹر کی فیس ادا کر کے آ رہی تھی، اس نے اپنے آپ سے پوچھا آیا یہ اچھا نہ ہوگا اگر وہ آج ہی سے اپنا معاوضہ بڑھا دے، جس بات کو وہ ہنسی ہنسی میں کرنے کی عادی تھی۔

اُس نے ٹیکسی والے کو اپنی منزلِ مقصود سے ایک گلی پہلے ٹیکسی روکنے کا حکم دیا۔ اُتر کر اُسی طرف جانے والے لوگوں میں شامل ہوگئی جیسے وہ انھی کے ساتھ چلی جا رہی ہو۔ گمنام اور احساسِ جرم اور شرم کے ظاہری آثار کے بغیر، وہ فطری انداز سے ہوٹل میں داخل ہوئی اور بار کی طرف جانے والے گلیارے میں سے گزرتی بار میں پہنچ گئی۔ وہ مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے آ گئی تھی اس لیے اُسے انتظار کرنا تھا، ملاقات کا باقاعدہ وقت طے کیا گیا تھا۔ اُس نے ایک ہلکے مشروب کا آرڈر دیا اور کسی طرف دیکھے بغیر مزے مزے سے پیتی رہی، کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اُسے غلطی سے مردوں کی تلاش میں رہنے والی عام کسبی سمجھا جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد جیسے کوئی سیاح لڑکی دوپہر کسی میوزیم میں گزارنے کے بعد آرام کی غرض سے اپنے کمرے کی طرف جاتی ہے، وہ لفٹ کی جانب بڑھی۔ نیکوکاری کو، اگر کوئی شخص اب بھی اس حقیقت کو قابلِ اعتبار نہیں سمجھتا، تکمیل کے کٹھن راستے میں ہمیشہ گڑھے ملتے ہیں، لیکن بدکاری اور گناہ قسمت کے اتنے چہیتے ہیں کہ وہ ابھی وہاں پہنچی ہی تھی کہ لفٹ کا دروازہ کھلا۔ دو مہمان باہر آئے، بڑی عمر کا ایک جوڑا، وہ اندر داخل ہوئی، تیسرے فلور کا بٹن دبایا، کمرہ نمبر تین سو بارہ اُس کا منتظر تھا، یہی ہے، اس نے احتیاط سے دروازے پر دستک دی، دس منٹ کے بعد وہ برہنہ تھی، پندرہ منٹ بعد کراہ رہی تھی، اٹھارہ منٹ بعد وہ سرگوشیوں میں محبت کی باتیں کر رہی تھی کہ اسے اب کسی تصنع کی ضرورت نہیں تھی، بیس منٹ بعد وہ دیوانی ہونے لگی، اکیس منٹ کے بعد اسے محسوس ہوا کہ اُس کا جسم لذت اور مستی سے پاش پاش ہوا جاتا ہے، بائیس منٹ کے بعد وہ پکار اُٹھی، اب، اب، اور جب دوبارہ اپنے حواس میں آئی تو تھکن اور مسرت کے عالم میں بولی، مجھے اب تک ہر چیز سفید دکھائی دیتی ہے۔

۳

پولیس کا ایک سپاہی کار چور کو اُس کے گھر لے گیا۔ حکومت کے اس محتاط اور خدا ترس کارندے کے دل میں کبھی یہ خیال بھی نہ آیا ہوگا کہ وہ ایک سنگین مجرم کا بازو تھامے اسے لئے جا رہا ہے، اسے فرار ہونے سے روکنے کے لئے نہیں، جیسا کہ کسی دوسرے موقع پر ہوا ہوتا، بلکہ محض اس لئے کہ کہیں بیچارے کو ٹھوکر نہ لگے اور وہ گر نہ جائے۔ اس کے عوض ہم کار چور کی بیوی کے خوف و ہراس کا آسانی سے تصور کر سکتے ہیں جب دروازہ کھولنے پر اس نے ایک باوردی پولیس والے کو اپنے سامنے پایا، جو اپنے پیچھے کھینچتا ہوا لایا تھا، یا بظاہر ایسا لگتا تھا ایک بے بس قیدی کو جس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ ہوتا تھا کہ اسے اپنی گرفتاری سے کچھ زیادہ ہی دہشت ناک حادثہ پیش آیا ہوگا۔ عورت کے ذہن میں پہلے تو یہ خیال آیا کہ اس کا خاوند چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا ہے اور پولیس والا خانہ تلاشی کے لئے آیا ہے، دوسری طرف یہ خیال کتنا بھی امر محال کیوں نہ لگتا ہو، تھوڑا اطمینان بخش تھا کہ اس کا خاوند تو کاریں چراتا تھا، ایسی چیزیں جنہیں اُن کے حجم کی بنا پر پلنگ کے نیچے نہیں چھپایا جا سکتا اُسے زیادہ دیر تک شک میں نہیں رہنا پڑا، پولیس والے نے اسے بتایا کہ یہ آدمی اندھا ہے اس کا خیال رکھو، اور اس عورت کو جسے اطمینان ہو جانا چاہیے تھا کہ پولیس والا تو اس کے خاوند کو محض گھر پہنچانے آیا تھا، اُس ابتلا کی سنگینی کا ادراک ہوا جو اُن کی زندگیوں کو پژمردہ کر دینے والی تھی جب اُس کا خاوند زار و قطار روتا

ہوا اس کے بازوؤں میں گر گیا اور اُسے وہ سب بتایا جو ہم پہلے ہی جانتے ہیں۔

کالے چشمے والی لڑکی کو بھی ایک پولیس والا اس کے ماں باپ کے گھر پہنچانے گیا تھا، لیکن اس کے معاملے میں صورتِ حال کی اس ہیجانی کیفیت نے جس میں اس لڑکی کے اندھے پن نے اپنے آپ کو ظاہر کیا تھا۔ ہوٹل میں ایک چیختی چلاتی اور اس میں مقیم دوسرے مہمانوں کو پریشان کرتی برہنہ عورت، جبکہ اس کا ساتھی مرد وہاں سے فرار ہونے کی کوشش میں جلدی جلدی اپنی پتلون کے پائنچے اوپر کو کھینچ رہا تھا، صورتِ حال کی ڈرامائیت کو قدرے کم کر دیا تھا۔ منافق احتیاط پسندوں اور نیکوکار ہونے کی کوشش کرنے والوں کی چہ میگوئیوں کے پیش نظر، شرمندگی سے مغلوب ایک بالکل مناسب احساس محبت کی پیشہ ورانہ رسومات کے ساتھ جن کے لئے اس نے خود کو وقف کر رکھا تھا چھید کر دینے والی ان چیخوں کے بعد جو اس کے مُنہ سے اس وقت نکلیں جب اس نے جان لیا کہ اس کی بینائی کا ضائع ہو جانا مستی و سرشاری کا کوئی انوکھا کرشمہ نہ تھا۔ اندھی لڑکی کو اپنی قسمت پر رونے اور واویلا کرنے کی بمشکل ہمت ہوئی جب اکھڑپن کے ساتھ اسے ٹھیک سے کپڑے پہننے کی مہلت دیئے بغیر اور تقریباً زبردستی ہوٹل سے باہر نکال دیا گیا۔ ایک ایسے لہجے میں جو اگر صریحاً بدتمیزی کا نہ ہوتا تو طنزیہ ہوتا، پولیس والا یہ پوچھنے کے بعد کہ وہ کہاں رہتی ہے، جاننا چاہتا تھا کہ آیا اس کے پاس ٹیکسی کا کرایہ ادا کرنے کے لئے پیسے ہیں۔ ایسے معاملات میں حکومت خرچہ نہیں اٹھاتی اُس نے اُسے خبردار کیا ایک ایسا طریق کار جسے ہمیں چلتے چلتے ذہن میں رکھنا چاہیے، جو بلا جواز نہیں ہے، جس حد تک ایسی عورتیں اُن لوگوں کی قابلِ ذکر تعداد سے تعلق رکھتی ہیں جو اپنی ناجائز کمائی پر کوئی ٹیکس ادا نہیں کرتے، اس نے ہاں میں سر ہلایا۔ لیکن اندھی ہونے کی بنا پر ذرا تصور کریں، اسے خیال آیا کہ ہو سکتا ہے پولیس والے نے اُسے سر ہلاتے نہ دیکھا ہو وہ منمنائی۔ ہاں، میرے پاس پیسے ہیں اور پھر زیرِ لب ایزاد کیا کاش میرے پاس نہ ہوتے۔ الفاظ جو شاید ہمیں بے تکے لگیں لیکن اگر ہم انسانی دماغ کی کنڈلیوں کو ذہن میں رکھیں جس میں کسی سیدھے یا مختصر راستے کا وجود ہی نہیں، تو یہی الفاظ مکمل طور پر واضح ہو کر سامنے آتے ہیں مطلب اس کے کہنے کا یہ تھا کہ اسے اپنے بدنام

چال چلن کی سزا ملی ہے، اپنے غیر اخلاقی پن کی اور یہ نتیجہ تھا اسی کا۔ اُس نے اپنی ماں کو بتا دیا تھا کہ وہ رات کے کھانے پر گھر نہیں آئے گی لیکن وہ اس سے پہلے ہی گھر آ گئی اپنے باپ سے بھی پہلے۔

ماہر امراض چشم کی صورتِ حال مختلف تھی صرف اس لئے نہیں کہ وہ ڈاکٹر تھا وہ اپنے گھر ہی میں تھا کہ اندھے پن نے اُسے آ لیا تھا بلکہ اس لئے کہ ڈاکٹر ہوتے ہوئے وہ بے بسی کے ساتھ مایوسی کے سامنے ہتھیار ڈالنے کو تیار نہ تھا، اُن لوگوں کی طرح جو صرف اُسی وقت اپنے جسم پر دھیان دیتے ہیں جب وہ تکلیف دینے لگتا ہے۔ اس قسم کی صورتِ حال کے کرب میں بھی، جس میں آنے والی رات کی تشویش بھی شامل تھی۔ وہ اب بھی اس قابل تھا کہ ہومر کی الیاد میں لکھی ہوئی باتوں کو یاد کر سکے جو موت اور دُکھ کے بارے میں لکھی ہوئی عظیم ترین نظم ہے۔ ایک ڈاکٹر کئی آدمیوں پر بھاری ہوتا ہے۔ الفاظ جنہیں ہمیں مقدار کے بے تکلف اظہار بیان کے طور پر قبول نہیں کرنا چاہیے بلکہ اور مزید برآں قدر کے لحاظ سے جیسا کہ ہم جلد ہی دیکھیں گے۔ اس نے اپنی بیوی کو پریشان کئے بغیر اپنے اندر سونے کی ہمت پیدا کی۔ اس وقت بھی نہیں جب اُس نے بڑبڑاتے ہوئے اور نیم غنودگی کی حالت میں کروٹ بدلی اور اس کے ساتھ لگ گئی۔ وہ گھنٹوں جاگتا رہا جو تھوڑی سی نیند اسے میسر آئی وہ تھکان کی وجہ سے تھی، اس نے امید کی کہ رات کبھی ختم نہ ہو تا کہ اسے اعلان نہ کرنا پڑے، وہ جس کا پیشہ ہی دوسروں کے آشوبِ چشم کا علاج کرنا تھا، میں اندھا ہوں، لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ بُری بیتابی کے ساتھ دن کی روشنی کا انتظار بھی کر رہا تھا اور عین مَین یہی الفاظ اس کے ذہن میں آئے، دن کی روشنی، یہ جانتے ہوئے کہ وہ اسے دیکھ نہ پائے گا درحقیقت ایک اندھا ماہر امراضِ چشم کسی کو کیا اچھا کر سکتا ہے لیکن محکمۂ صحت کو اطلاع دینا اس کی صوابدید پر تھا اس صورت حال سے خبردار کرنا، جو ہو سکتا ہے قومی سانحہ کی صورت اختیار کر لے نہ زیادہ نہ کم، اندھے پن کی ایک ایسی صورت جو پہلے کبھی دیکھنے میں آئی نہ سننے میں جو تمام آثار سے ایک انتہائی متعدی بیماری لگتی تھی اور جس نے تمام ظاہری آثار کے مطابق اپنا ظہور کیا تھا اولین مرضیاتی علامات کی پہلے سے موجودگی کے بغیر سوزشی، وبائی

یا زوال آمادہ علامات جیسا کہ وہ اس اندھے آدمی کے سلسلے میں تصدیق کرنے کے قابل ہو گیا تھا جو اس کے کلینک میں معائنے کی غرض سے آیا تھا یا جیسا کہ اس نے خود اپنے معاملے میں تصدیق کی تھی، ایک معمولی سا ضعف البصر، آنکھ کے بصری شیشے میں ہلکی سی خرابی، سب اتنا معمولی کہ اُس نے اس دوران فیصلہ کیا تھا کہ اسے درست کرنے کے لئے عینک کی ضرورت نہیں۔ آنکھیں جنہوں نے دیکھنا بند کر دیا تھا، آنکھیں جو مکمل طور پر اندھی تھیں، پھر بھی اسی دوران پوری طرح صحت مند تھیں، بغیر کسی خلل کے، حالیہ یا پرانا، بعد میں پیدا ہونے والا یا پیدائشی اس نے اپنے اس معائنے کی تفصیلات کو یاد کیا جو اس نے اندھے آدمی کا کیا تھا، کیسے آنکھ کے مختلف حصے، دیکھنے والے آلے کے شیشے میں مکمل طور پر صحت مند نظر آئے تھے، بغیر مرضیاتی تبدیلیوں کے نشانات کے ایک کمیاب صورتِ حال ایک ایسے شخص میں جس کا دعویٰ تھا کہ اس کی عمر اڑتیس برس ہے اور کسی نوجوان میں بھی، وہ آدمی اندھا نہیں ہو سکتا تھا، اس نے سوچا لمحاتی طور پر وہ بھول ہی گیا کہ وہ خود بھی اندھا ہے، یہ ایک غیر معمولی بات ہے کہ بعض لوگ کتنے بے لوث ہو سکتے ہیں اور یہ کوئی نئی بات نہیں، آیئے یاد کریں جو ہومر نے کہا تھا بظاہر مختلف لفظوں میں۔

جب اس کی بیوی جاگ کر اُٹھ بیٹھی تو اس نے یوں ظاہر کیا جیسے وہ سو رہا ہو اس نے اپنی پیشانی پر ایک بوسے کو محسوس کیا، اتنا نرم جیسے وہ اپنے خیال میں اسے گہری نیند سے جگانا نہ چاہتی ہو، شاید اس نے سوچا ہو کہ غریب اتنی دیر تک اس بیچارے اندھے آدمی کی غیر معمولی بیماری کے بارے میں مطالعہ کرنے کے بعد آ کر سویا ہوگا۔ تن تنہا، اسے لگا جیسے کوئی گاڑھا بادل جو اس کے سینے پر بوجھ ڈال رہا تھا، اور اس کے نتھنوں میں داخل ہو رہا تھا، آہستہ آہستہ اس کا گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کرنے والا ہو، اسے اندر سے اندھا کر رہا ہو، ڈاکٹر کے مُنھ سے ایک مختصر سی کراہ نکلی اور اس کی آنکھوں سے دو آنسو باہر آ گئے، غالباً یہ آنسو سفید ہوں گے، اس کو خیال آیا اس کی آنکھوں سے امڈے اور اس کی کنپٹیوں پر بہنے لگے، چہرے کے دونوں طرف، اپنے مریضوں کا خوف اب اس کی سمجھ میں آیا جب وہ اسے بتاتے تھے، ڈاکٹر میرا خیال ہے کہ

میں اپنی بینائی کھو رہا ہوں۔ بیڈروم میں چھوٹا موٹا گھریلو شور سنائی دے رہا تھا اس کی بیوی یہ دیکھنے کے لئے کہ آیا وہ ابھی تک سو رہا ہے کسی بھی لمحے نمودار ہو جائے گی، ان کے ہسپتال جانے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ وہ احتیاط سے اُٹھا، اپنے ڈریسنگ گاؤن کو ٹٹولا اور اسے پہن لیا، پھر وہ پیشاب کرنے کے لئے غسل خانے میں گیا وہ اس طرف مُڑا جہاں اسے معلوم تھا کہ آئینہ لگا ہے اور اس دفعہ اسے حیرانی نہیں ہوئی 'کیا ہو رہا ہے' اس نے نہیں کہا، انسانی دماغ کے بند ہو جانے کی ہزاروں وجوہات ہیں اس نے آئینے کو چھو کر دیکھنے کے لئے سیدھے سبھاؤ اپنے ہاتھ بڑھائے، وہ جانتا تھا کہ وہاں اس کی صورت اُسے دیکھ رہی ہے، اس کی صورت اُسے دیکھ سکتی تھی، وہ اپنی صورت کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس نے بیڈ روم میں اپنی بیوی کے داخل ہونے کی آواز سُنی، اخاہ، تم پہلے ہی اُٹھے ہوئے ہو اور اس نے جواب دیا، میں اٹھ گیا ہوں، اس نے اُسے اپنے پہلو میں محسوس کیا صبح بخیر، جانم، شادی کے اتنے برسوں بعد بھی ان کی باہمی علیک سلیک میں، محبت کا لہجہ ابھی برقرار تھا، اور پھر اس نے کہا جیسے دونوں کسی کھیل میں اداکاری کر رہے ہوں، اور اب اس کی باری ہو، مجھے شک ہے کہ سب اچھا نہیں ہے۔ میری بینائی میں کچھ گڑبڑ ہے، بیوی نے صرف جملے کے آخری حصے پر دھیان دیا ذرا مجھے ایک نظر ڈالنے دو، اور اُس کی آنکھوں کو پوری توجہ سے دیکھا مجھے تو کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی، یہ جملہ ظاہر ہے اُس کے سکرپٹ میں نہیں تھا یہ الفاظ تو صرف اس کے خاوند کو بولنا تھے، لیکن اُس نے بس اتنا کہا، میں دیکھ نہیں سکتا، اور ساتھ ہی اضافہ کیا، میرا قیاس ہے کہ جس مریض کو میں نے کل دیکھا تھا، یہ ضرور اُسی کے جراثیم کا شاخسانہ ہے۔

وقت کے گذران اور باہمی بے تکلفی کی وجہ سے ڈاکٹروں کی بیویوں کو بھی بالآخر بیماریوں کے بارے میں تھوڑی شُدبُد ہو ہی جاتی ہے اور یہ والی جو تمام معاملات میں اپنے خاوند کے اتنی قریب تھی، اس نے اس حد تک تو سیکھ ہی لیا تھا کہ اندھا پن چھوت چھات کے ذریعے کسی متعدی وبا کی طرح نہیں پھیلتا، اندھا پن ایسی چیز نہیں ہے جو کسی اندھے آدمی کے، کسی صحت مند آنکھوں والے آدمی کو دیکھنے سے لگ جائے، اندھا پن ایک ذاتی معاملہ ہے کسی شخص

کی آنکھوں کا جن کے ساتھ وہ پیدا ہوا تھا یا ہوئی تھی۔ بہرحال ایک ڈاکٹر کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ جو کچھ بھی کہے سوچ سمجھ کر کہے، وہی کہے جو وہ جانتا ہو، اسی لئے اسے میڈیکل اسکول میں پیشہ ورانہ تربیت دی جاتی ہے، اور اگر یہ ڈاکٹر اپنے اندھا ہونے کا اعلان کرنے کے علاوہ کھلے بندوں تسلیم کرتا ہے کہ اُسے یہ مرض کسی دوسرے سے لگا ہے، تو اُس کی بیوی کون ہوتی ہے شک کرنے والی چاہے وہ علمِ طب کے بارے میں کتنا ہی کیوں نہ جانتی ہو۔ اس لئے یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ بیچاری عورت کو اس ناقابل انکار شہادت کے سامنے کسی بھی عام بیوی کی طرح اپنے ردِعمل کا اظہار کرنا چاہیے۔ ان میں سے دو کو تو ہم پہلے ہی جانتے ہیں اپنے خاوند کے ساتھ چمٹنے اور پریشانی کے فطری تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے، اور اب ہمیں کیا کرنا ہوگا۔ اُس نے آنسو بہاتے ہوئے پوچھا محکمہ صحت کے حکام کو مشورہ دینا، وزارتِ صحت کو پہلی بات تو یہ ہے کرنے کی، اگر یہ متعدی وبا ہوئی تو ضروری تدابیر اختیار کرنا ہوں گی لیکن کسی نے کبھی اندھے پن کی متعدی وبا کا نام بھی نہیں سنا ہوگا، اس کی بیوی مصر ہی امید کی اس آخری کرن کو تھامے رکھنے کی خواہش میں اور نہ ہی کبھی کسی نے ایسے اندھے آدمی کو دیکھا ہے، اس صورتِ حال کی ظاہری وجوہات کے بغیر اور اس وقت کم از کم دو آدمی ایسے موجود ہیں جونہی اس نے یہ آخری لفظ کہا اس کے چہرے کا تاثر بدل گیا۔ اُس نے اپنی بیوی کو پرے دھکیلا تقریباً زبردستی، خود پیچھے ہٹا پرے رہو، میرے قریب بھی مت آؤ، ہوسکتا ہے تمہیں بھی لگ جائے اور پھر بند مٹھیوں سے اپنی پیشانی پر مُکّے مارنے لگا، کیسا احمق، کیسا احمق، کیا واہیات ڈاکٹر۔ میں نے یہ پہلے کیوں نہ سوچا، ہم نے پوری رات اکٹھے گزاری ہے، مجھے اپنے مطالعے کے کمرے میں سونا چاہیے تھا، دروازہ بند کر کے اور پھر بھی، پلیز ایسی باتیں نہ کہو، جو ہونا ہوگا ہو جائے گا آؤ تمہیں ناشتہ بنا دوں۔ مجھے چھوڑ دو، مجھے چھوڑ دو۔ نہیں، میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔ اُس کی بیوی چلائی، کیا چاہتے ہو تم اِدھر اُدھر ٹھوکریں کھانا، فرنیچر سے ٹکراتے پھرنا، آنکھوں کے بغیر ٹیلیفون ڈھونڈھنا، تاکہ جس نمبر کی تمہیں ضرورت ہے اُسے ٹیلیفون ڈائریکٹری میں تلاش کرسکو، اور میں اطمینان سے یہ تماشہ دیکھتی رہوں۔ تم سے گفتگو کرنے سے بچنے کے لئے شیشے کے مرتبان میں مُنہ دے

لوں۔ اُس نے مضبوطی کے ساتھ اُس کا بازو پکڑ کر کھینچا اور کہا آؤ میرے ساتھ جانی۔

ابھی سویرا ہی تھا جب ڈاکٹر نے، ہم تصور کر سکتے ہیں کہ کس مسرت کے ساتھ کوفی کا پیالہ اور وہ ٹوسٹ جو اس کی بیوی نے کتنے اصرار سے بنایا تھا ختم کیا، بہت سویرا تھا ابھی ان لوگوں کے ملنے میں جنہیں اُن کی دفتری میزوں پر ڈاکٹر کو اطلاع دینا تھی۔ منطق اور مطلوبہ نتائج کی خواہش کا تقاضہ تھا کہ جو وقوع پذیر ہو رہا تھا اُس کی رپورٹ جلد از جلد وزارتِ صحت کے کسی عہدیدار کو دی جائے، لیکن اس نے جلد ہی اپنا ذہن تبدیل کر لیا جب اس نے محسوس کیا کہ اپنے آپ کو محض ایک ڈاکٹر کے طور پر پیش کرنا، جسے کسی اہم اور فوری نوعیت کے مسئلے پر بات کرنا تھی، کافی نہ ہوگا، ایک کمتر درجے کے اہلکار کو قائل کرنے کے لئے جس سے ٹیلیفون آپریٹر نے بڑی منت سماجت کے بعد ملانے کی حامی بھری تھی۔ وہ شخص اپنے سے اوپر والے افسر سے ملانے سے پہلے زیادہ تفصیلات جاننا چاہتا تھا، اور ظاہر ہے کہ ایک ڈاکٹر جسے اپنی ذمے داری کا احساس ہو، کسی معمولی اہلکار کے سامنے، اندھے پن کی وبا پھوٹ پڑنے کا اعلان نہیں کر سکتا تھا، اس سے فوراً خوف و ہراس پھیل جائے گا۔ فون کے دوسرے سرے پر سے اہلکار نے جواب دیا، تم کہتے ہو کہ میں ڈاکٹر ہوں اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری بات کا یقین کروں تو بلاشبہ میں یقین کئے لیتا ہوں لیکن میرے پاس بھی کچھ احکامات ہیں جب تک تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم کیا بات کرنا چاہتے ہو، میں اِس معاملے کو آگے نہیں بڑھا سکتا، یہ صیغۂ راز میں رکھنے والی بات ہے۔ صیغۂ راز میں رکھنے والی باتیں ٹیلیفون پر نہیں کی جاتیں، بہتر ہے کہ تم خود یہاں آجاؤ، میں گھر سے نہیں نکل سکتا۔ تمہارا مطلب ہے کہ تم بیمار ہو۔ ہاں! میں بیمار ہوں۔ اندھے آدمی نے ذرا توقف کے بعد کہا۔ اس صورت میں تمہیں کسی ڈاکٹر سے بات کرنی چاہیے، کسی حقیقی ڈاکٹر سے۔ سرکاری اہلکار نے طنزیہ انداز میں کہا اور اپنی بذلہ سنجی پر خود ہی مسرور ہوتے ہوئے ٹیلیفون بند کر دیا۔

اُس آدمی کی بدتمیزی مُنہ پر طمانچے کے مترادف تھی۔ اُسے اپنے حواس بحال کرنے میں چندمنٹ لگے پھر کہیں جا کر وہ اس قابل ہوا کہ اپنی بیوی کو بتا سکے کہ اس کے ساتھ کتنا

گستاخانہ سلوک روا رکھا گیا تھا۔ تب جیسے اُس نے ابھی ابھی کسی ایسی بات کو دریافت کیا ہو جو اُسے بہت پہلے معلوم ہونا چاہیے تھی۔ وہ اداسی سے بڑبڑایا، یہی ہے وہ مسالا جس سے ہم بنائے گئے ہیں، آدھی لاپروائی اور آدھی کینہ پروری۔ وہ بے اعتمادی کے ساتھ پوچھنے ہی کو تھا کہ اب کیا کیا جائے اُسے احساس ہوا کہ وہ تو اپنا وقت ضائع کر رہا تھا کہ مجاز حلقوں تک اطلاع پہنچانے کا محفوظ طریقہ یہ ہوگا کہ اپنے ہسپتال کے میڈیکل ڈائریکٹر سے بات کی جائے، ایک ڈاکٹر دوسرے ڈاکٹر کے ساتھ کسی سرکاری اہلکار کو درمیان میں لائے بغیر یہ ذمے داری اُسی کو سونپی جائے کہ وہ نوکر شاہی نظام کو مجبور کرے اپنا کرم کرنے پر۔ اس کی بیوی نے نمبر گھمایا اسے ہسپتال کا نمبر زبانی یاد تھا۔ کسی کے فون اٹھانے پر ڈاکٹر نے اپنا تعارف کرایا پھر تیزی سے کہا میں اچھا ہوں، شکریہ، بلاشبہ استقبالیہ والی لڑکی نے پوچھا ہوگا آپ کا کیا حال ہے، ڈاکٹر۔ ہم یہی کہتے ہیں جب ہم اپنے آپ کو کمزور ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔ ہم کہتے ہیں بہت اچھا۔ چاہے ہم مر ہی کیوں نہ رہے ہوں اور اسے عرفِ عام میں ہمت کو دونوں ہاتھوں سے پکڑنا کہتے ہیں، یہ وہ مظہر ہے جو صرف بنی نوع انسان ہی میں دیکھا گیا ہے۔ جب ڈائریکٹر نے فون پکڑا تو بولا اب کہو کس سلسلے میں بات کرنا چاہتے ہو۔ ڈاکٹر نے پوچھا، آپ کے پاس اور تو کوئی نہیں، استقبالیہ والی لڑکی کے بارے میں فکر نہ کرو اس کے پاس امراضِ چشم کے متعلق گفتگو سننے کی بجائے کرنے کی بہتر چیزیں ہیں، علاوہ ازیں اس کی دلچسپی نسوانی مرضیات میں ہے۔ ڈاکٹر کا بیان مختصر تھا لیکن بھرپور، نہ طول کلام نہ کوئی فالتو لفظ، حشو و زوائد کے بغیر، جراحانہ بے غرضی کا مظہر۔ صورتِ حال پر غور کرتے ہوئے ڈائریکٹر کو قدرے حیرانی ہوئی لیکن کیا تم واقعی اندھے ہو۔ اُس نے پوچھا، مکمل طور پر اندھا، بہرحال، یہ کوئی اتفاقیہ امر بھی ہو سکتا ہے، ہو سکتا ہے دراصل کسی قسم کی متعدی وبا کا وجود ہی نہ ہو، اس لفظ کے باضابطہ معنوں میں، میں اتفاق کرتا ہوں اس بات سے کہ متعدی وبا کا کوئی وجود نہیں، لیکن یہ اُس کے یا میرے اندھا ہونے کا معاملہ نہیں، ہم دونوں اپنے اپنے گھر میں، ایک دوسرے سے ملے بغیر، وہ شخص اندھا ہو کر کلینک میں آیا اور چند گھنٹوں کے بعد میں اندھا ہو گیا اپنے گھر میں، اُس آدمی کو ہم کیسے تلاش کر سکتے

ہیں، میرے پاس فائل میں، جو کلینک میں ہے، اُس کا نام اور پتہ درج ہے، میں فوراً کسی آدمی کو وہاں بھیجتا ہوں، کسی ڈاکٹر کو، ہاں کسی ہم پیشہ کو یقیناً کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اس سلسلے میں وزارتِ صحت کو آگاہ کرنا چاہیے۔ فی الحال ایسا کرنا قبل از وقت ہوگا عوام کی اس سراسیمگی کا اندازہ لگاؤ جو اس خبر سے ان میں پیدا ہوگی، شکر ہے اندھا پن کوئی چھوت چھات کی بیماری نہیں، موت بھی چھوت چھات کی بیماری نہیں۔ تاہم ہم سب مرتے ہیں خیر، تم گھر پر ہی رہو۔ اس دوران میں اس معاملے سے نپٹتا ہوں، پھر میں کسی شخص کو تمہیں لانے کے لئے بھیجوں گا میں تمہارا معائنہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس حقیقت کو نہ بھولیں کہ میں اس وجہ سے اندھا ہوا ہوں کہ میں نے ایک اندھے آدمی کا معائنہ کیا تھا، تم یہ بات یقین سے نہیں کہہ سکتے، کم از کم عِلّت اور معلول کی تمام علامات یہاں موجود ہیں، بے شک، پھر بھی اس مرحلے پر کوئی بھی نتیجہ اخذ کرنا جلد بازی ہوگی، دو الگ الگ مریضوں کی کوئی شماریاتی مناسبت نہیں جب تک کہ اس لمحے ہم دونوں کے علاوہ اور لوگ نہ ہوں، میں تمہاری ذہنی حالت کو سمجھتا ہوں لیکن ہمیں اندھا دھند قیاس آرائیوں سے احتراز کرنا چاہیے جو ہوسکتا ہے بعد میں بے بنیاد نکلیں۔ بہت شکریہ، میں تمہیں جلدی ہی فون کروں گا، خدا حافظ۔

آدھے گھنٹے کے بعد، ابھی اس نے اپنی بیوی کی مدد سے بمشکل شیو کی تھی، ٹیلیفون کی گھنٹی بجی، دوسرے سرے پر سے ڈائریکٹر ایک بار پھر، بول رہا تھا، لیکن اس بار اس کی آواز مختلف تھی، یہاں ہمارے پاس ایک لڑکا آیا ہے وہ بھی اچانک اندھا ہوگیا ہے، اُسے ہر چیز سفید نظر آتی ہے، اُس کی ماں نے مجھے بتایا ہے کہ وہ کل تمہارے کلینک گیا تھا، کیا میں یہ سوچنے میں غلطی تو نہیں کر رہا کہ اس لڑکے کی بائیں آنکھ بھینگی ہے، ہاں، تو پھر بلاشبہ یہ وہی ہے، مجھے پریشانی لاحق ہونے لگی ہے، صورتِ حال واقعی سنجیدہ ہوتی جارہی ہے، وزارتِ صحت کو آگاہ کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے، ہاں، یقیناً میں ہسپتال کی انتظامیہ سے ابھی رابطہ کرتا ہوں۔ کوئی تین گھنٹے کے بعد جب ڈاکٹر اور اُس کی بیوی خاموشی سے دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے، وہ گوشت کے اُن ٹکڑوں سے جو اُس کی بیوی نے، اس کے لئے کاٹے تھے، کھیل رہا تھا،

ٹیلیفون کی گھنٹی ایک بار پھر بجی۔ اُس کی بیوی سننے کے لئے گئی اور فوراً ہی واپس آ گئی یہ کال تمہیں سننا ہوگی، وزارتِ صحت کی طرف سے ہے۔ اُس نے اُسے کھڑا ہونے میں مدد دی، اسے کمرۂ مطالعہ میں لے گئی اور فون اُس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ گفتگو مختصر تھی، وزارتِ صحت یہ جاننا چاہتی تھی کہ جو مریض کل اس کے کلینک میں آئے تھے اُن کی نشاندہی کیسے کی جاسکتی تھی، ڈاکٹر نے جواب دیا کہ تمام تفصیلات اُن مریضوں کی فائلوں میں درج ہیں، نام، عمر، شادی شدہ ہیں یا کنوارے، پیشے، گھر کے پتے، اور آخر میں، اُس نے اُس شخص یا اُن اشخاص کے ہمراہ جانے کی پیش کش کی جو اُن کو جمع کرنے پر مامور کئے جائیں گے، فون کے دوسرے سرے سے ٹکا سا جواب آیا، اس کی ضرورت نہیں۔ پھر اس شخص نے فون کسی اور کے حوالے کر دیا، ب مختلف آواز سنائی دی، سہ پہر بخیر، میں وزیرِ صحت بول رہا ہوں، میں حکومت کی جانب سے آپ کے جوش و جذبے کے پیشِ نظر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ آپ کی فوری کارگزاری کی بدولت، ہم صورتِ حال کو محدود کرلیں گے اور اس پر قابو پالیں گے، اس دوران کیا آپ ہم پر یہ کرم کریں گے کہ اپنے گھر ہی میں رہیں۔ خاتمے پر کے الفاظ بڑے رسمی اخلاق سے کہے گئے تھے، لیکن وہ کسی شبے میں نہیں تھا کہ اُسے حکم دیا جارہا ہے، ڈاکٹر نے جواب دیا، جی، وزیر صاحب، لیکن دوسرے سرے والا شخص اپنا فون پہلے ہی بند کرچکا تھا۔

چند منٹ بعد، فون کی گھنٹی ایک بار پھر بجی۔ میڈیکل ڈائریکٹر تھا، گھبرایا ہوا، الفاظ گڈمڈ، مجھے ابھی ابھی بتایا گیا ہے کہ پولیس کو دو اور آدمیوں کے اچانک اندھا ہوجانے کی خبر ملی ہے، کیا وہ پولیس کے آدمی ہیں، نہیں، ایک مرد اور ایک عورت، مرد سڑک پر کھڑا چیخ رہا تھا کہ وہ اندھا ہوگیا ہے، اور عورت ایک ہوٹل میں تھی جب وہ اندھی ہوئی، لگتا ہے وہ کسی شخص کے ساتھ ہم بستر تھی، ہمیں یہ پتہ کرنے کی ضرورت ہے کہ کہیں وہ بھی میرے مریض تو نہیں، تم ان کے نام جانتے ہو، نام نہیں بتائے گئے، مجھے وزارتِ صحت سے فون آیا ہے، کہ وہ کلینک سے فائلیں جمع کرنے کے لئے جارہے ہیں، کیسا پیچیدہ معاملہ ہے، آپ مجھے بتا رہے ہیں۔ ڈاکٹر نے رسیور رکھ دیا، ہاتھوں کو اپنی آنکھوں کی طرف اٹھایا اور انہیں وہیں رہنے دیا، جیسے اپنی آنکھوں کو کسی

بدترین حادثے سے بچانے کی کوشش کررہا ہو، پھر مری ہوئی آواز میں کہا، میں کتنا تھک گیا ہوں، تھوڑا سونے کی کوشش کرو، میں تمہیں بستر تک لے جاتی ہوں، اُس کی بیوی بولی، بیکار ہے، مجھے نیند نہیں آئے گی علاوہ ازیں، ابھی دن ختم نہیں ہوا، اب بھی کوئی واقعہ پیش آسکتا ہے۔

کوئی چھ بجے ہوں گے جب ٹیلیفون کی گھنٹی آخری بار بجی۔ ڈاکٹر نے، جو پاس ہی بیٹھا تھا، رسیور اٹھایا، ہاں، بول رہا ہوں، اس نے کہا، جو اس سے کہا جا رہا تھا، اُسے پوری توجہ سے سنتا رہا اور ٹیلیفون بند کرنے سے پہلے ہولے سے سر ہلایا، کون تھا یہ، اُس کی بیوی نے پوچھا، وزارتِ صحت، آدھے گھنٹے کے اندر اندر ایمبولنس مجھے لے جانے کے لئے آرہی ہے، تمہیں اسی بات کی توقع تھی، ہاں، کم وبیش، کہاں لے جا رہے ہیں وہ تمہیں، مجھے معلوم نہیں، میرا خیال ہے، ہسپتال، میں کچھ کپڑے نکالتی ہوں، معمول کی چیزیں، اور سوٹ کیس تیار رکھتی ہوں، میں کسی سفر پر نہیں جا رہا، ہمیں معلوم نہیں کہ یہ کیا ہے۔ وہ اُسے بڑی اپنائیت کے ساتھ بیڈروم میں لے گئی، اسے بستر پر بٹھایا، تم یہاں آرام سے بیٹھو، میں سب کچھ کرلوں گی وہ اس کے اِدھر اُدھر آنے جانے، درازوں اور کپڑوں کی الماریوں کو کھولنے بند کرنے، کپڑے نکالنے اور تہہ کر کے فرش پر رکھنے، سوٹ کیس میں رکھنے کی آوازیں سنتا رہا، لیکن جس کو وہ دیکھ نہیں سکتا تھا وہ یہ تھا کہ اس کے کپڑوں کے علاوہ، وہ اپنے بلاؤز اور سکرٹیں، پاجاموں کا ایک جوڑا، ایک ڈریس اور کچھ نسوانی جُوتے بھی سوٹ کیس میں رکھ رہی تھی۔ اس کے ذہن میں شک سا گزرا کہ اُسے اتنے زیادہ کپڑوں کی ضرورت تو نہ ہوگی، لیکن اس نے کچھ کہا نہیں، کیونکہ یہ وقت نہیں تھا کہ ایسی فضولیات پر پریشان ہوا جائے اس نے سوٹ کیس کا تالہ بند ہونے کی آواز سُنی، پھر اُس کی بیوی نے کہا، ہوگیا، ہم اب ایمبولنس کے لئے تیار ہیں۔ وہ سوٹ کیس اٹھا کر اُس دروازے تک لے گئی جو سیڑھیوں کی طرف جاتا تھا، جب اس کے خاوند نے کہا کہ میں تمہاری مدد کرتا ہوں تو اس نے اپنے خاوند کی مدد لینے سے انکار کیا، اتنا تو میں کرسکتا ہوں، میں کوئی اپاہج نہیں ہوں۔ پھر وہ کمرہ نشست میں جا کر صوفے پر بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے۔ وہ ایک دوسرے کا

ہاتھ تھامے ہوئے تھے، اور اُس نے کہا، کون جانے ہم کب تک جُدا رہیں گے، اور وہ بولی، اپنے آپ کو اس خیال سے مت پریشان کرو۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے تک انتظار کرتے رہے۔ جب دروازے کی گھنٹی بجی وہ اُٹھی اور دروازہ کھولنے کے لئے گئی لیکن چبوترے پر کوئی نہ تھا۔ اس نے اندرونی ٹیلیفون پر کوشش کی، بہت اچھا، وہ ابھی نیچے آتا ہے، اس نے کہا اور مُڑ کر اپنے خاوند کو بتایا، وہ نیچے انتظار کررہے ہیں، انہیں اوپر فلیٹ میں آنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے، لگتا ہے وزارتِ صحت واقعی خطرے سے خبردار ہوچکی ہے، آؤ چلیں۔ وہ ایلیویٹر میں نیچے گئے، اُس نے آخری چند سیڑھیاں عبور کرنے میں اپنے خاوند کو مدد دی اور ایمبولنس کے اندر داخل ہونے میں، پھر وہ سوٹ کیس لانے کے لئے سیڑھیوں کی طرف گئی، اسے خود اٹھا کر ایمبولنس میں گھسیٹ دیا۔ آخر میں وہ خود چڑھی اور اپنے خاوند کے ساتھ بیٹھ گئی۔ ایمبولنس کے ڈرائیور نے گردن موڑ کر احتجاج کیا، میں صرف اُسی کو لے جاسکتا ہوں، مجھے یہی حکم دیا گیا ہے، آپ کو نیچے اترنا ہوگا۔ عورت نے سکون سے جواب دیا، تمہیں مجھے بھی لے جانا ہوگا، میں ابھی، اسی وقت اندھی ہوئی ہوں۔

۴

تجویز خود وزیر صحت کی طرف سے آئی تھی۔ چاہے اسے کسی طور بھی دیکھا جاتا، یہ بہترین تو شاید نہ ہو لیکن ایک مبارک خیال تھا، محض صحت وصفائی کے نقطۂ نظر ہی سے نہیں، سماجی مفاہیم اور ان کے سیاسی نتائج کے لحاظ سے بھی۔ جب تک کہ اس مسئلے کے اسباب وعلل کا تعین نہیں کرلیا جاتا یا مناسب اصطلاح میں ''سفید شر'' کے فلسفۂ اسباب الامراض (Aetiology) کا علم نہیں ہوجاتا جیسا کہ ایک صاحبِ تخیل پیچ کے وجدان کی بدولت اس ناخوشگوار اندھے پن کو کہا جانے لگا تھا، ایسے وقت تک کہ اس کا علاج معالجہ دریافت نہیں ہوجاتا یا شاید کوئی ٹیکہ جو مستقبل میں بھی ایسی بیماریوں کی نموداری کا تدارک کرسکے، وہ تمام لوگ جو اندھے ہوچکے ہیں، اور وہ بھی جو ان سے جسمانی رابطے میں رہے تھے یا کسی نہ کسی طور ان کے قرابت دار تھے، گرفتار کرلئے جانے چاہئیں اور انہی باقی آبادی سے علیٰحدہ رکھا جانا چاہیے تاکہ اس متعدی وبا کے مزید پھیلاؤ سے بچا جاسکے، جو اگر ایک بار تصدیق ہوگئی تو کم وبیش بڑھتی چلی جائے گی، ریاضی کی اس اصطلاح کی رُو سے جسے مرکب تناسب کہا جاتا ہے۔ وزیر صحت نے خاتمۂ کلام کیا۔ رسم قدیم کے مطابق، جو ہیضے اور زرد بخار کے وقتوں سے چلی آتی ہے، جب وہ جہاز جن میں کوئی بیماری پھیلی ہوتی تھی یا متعدی وبا کا شبہ ہوتا تھا تو انہیں چالیس دن تک کھلے سمندر میں کھڑے رہنا پڑتا تھا، اور عام لوگوں کی سمجھ میں آنے والے الفاظ میں، ایسے تمام لوگوں کو طبّی

نظر بندی میں رکھنے کا معاملہ تھا، تا اطلاعِ ثانی۔ بالکل یہی الفاظ، تا اطلاع ثانی، بظاہر دانستہ لیکن حقیقت میں چیستانی کیونکہ دوسرے الفاظ اُس کی سوچ ہی میں نہیں آئے، بولے تھے وزیر صحت نے، جس نے بعد میں وضاحت کردی، میرا مطلب تھا کہ یہ چالیس دن، چالیس ہفتے بھی ہوسکتے ہیں یا چالیس مہینے یا چالیس سال بھی۔ اہم بات یہ ہے کہ انہیں طبی نظر بندی میں رہنا چاہیے۔ اب ہمیں فیصلہ یہ کرنا ہے کہ انہیں کہاں رکھا جائے۔ وزیر صاحب، لاجسٹک اور سیکیورٹی کمیشن کے صدر نے کہا، یہ کمیشن بڑی عجلت میں، مریضوں کے نقل وحمل، علیحدگی اور نگرانی کے مقاصد اور ذمے داری کی غرض سے تشکیل دیا گیا تھا، کون سی فوری سہولتیں میسر ہیں، وزیر صحت جاننا چاہتا تھا، ہمارے پاس ایک دماغی مریضوں کا ہسپتال خالی پڑا ہے جب تک کہ ہم اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرلیتے، بہت سی فوجی تنصیبات ہیں جو اب استعمال میں نہیں، فوج کی ازسرِ نو تنظیم کی وجہ سے، ایک عمارت جو تجارتی میلے کے لئے بنائی جارہی ہے جو تعمیر کے آخری مراحل میں ہے، اور ایک سپر مارکیٹ بھی ہے، جو نامعلوم وجوہات کی بنا پر، بند کی جارہی ہے، آپ کی رائے میں ان میں سے کون سی عمارت ہمارے مقصد کے لئے موزوں ہوگی۔ سیکیورٹی کے پیش نظر فوجی بیرکیں بہترین رہیں گی، قدرتی طور پر، تاہم، اس میں ایک خرابی ہے، اس جگہ کا سائز، اس میں رکھے جانے والوں پر نگاہ رکھنا، مشکل بھی ہوگا اور مہنگا بھی، ہاں، مجھے بھی نظر آتا ہے۔ رہی سپر مارکیٹ اس میں بہت سی قانونی رکاوٹیں پیش آئیں گی، قانونی معاملات کو زیرِ غور رکھنا ہوگا، اور تجارتی میلے والی عمارت؟ اس جگہ کو، میرے خیال میں ہمیں نظر انداز کردینا چاہیے، جنابِ والا، کیوں، انڈسٹری اسے پسند نہیں کرے گی، اس منصوبے میں کروڑوں لگے ہوئے ہیں، تو پھر باقی دماغی مریضوں کا ہسپتال بچتا ہے، جی، جناب والا، دماغی مریضوں کا ہسپتال تو ٹھیک ہے، دماغی ہسپتال ہی کا انتخاب کئے لیتے ہیں، علاوہ ازیں، ظاہری شواہد کی بنا پر یہ جگہ بہترین سہولیات کی حامل ہے، نہ صرف اس لئے کہ اس کے چاروں طرف دیواریں ہیں، اس میں یہ فائدہ بھی ہے کہ اس کے دو علیحدہ علیحدہ حصے ہیں، ایک ان کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے جو واقعی اندھے ہیں، اور دوسرا اُن کے لئے جن پر اس بیماری کا شُبہ

ہے، اس کے علاوہ ایک درمیانی حصّہ بھی ہے جس سے نو مین لینڈ کا کام لیا جاسکتا ہے، جس میں سے گزر کر اندھے ہوجانے والے اُن میں شامل ہوں گے جو پہلے ہی سے اندھے ہیں، ایک مسئلہ ہوسکتا ہے، وہ کیا ہے۔ جناب والا، ہمیں وہاں اسٹاف رکھنا پڑے گا جو اس منتقلی کی نگرانی کرسکے اور مجھے شک ہے کہ ہم اس سلسلے میں رضاکاروں پر انحصار کرسکیں گے۔ مجھے یقین نہیں کہ یہ ضروری ہوگا جنابِ والا، کیوں، اگر کوئی مشتبہ شخص اندھا ہوجاتا ہے، جو کہ قدرتی طور پر جلد یا بدیر ہوگا تو آپ یقین رکھیں، جناب والا کہ دوسرے جن کی بینائی ابھی سلامت ہے، اُسے فوراً نکال باہر کریں گے، تم ٹھیک کہتے ہو۔ جیسے وہ کسی اندھے آدمی کو جو اچانک اپنی جگہ تبدیل کرنا چاہے، اندر آنے کی اجازت نہیں دیں گے، اچھی سوچ ہے، آپ کا شکریہ۔ جناب والا، کیا میں اب اس پر عمل درآمد کے احکامات جاری کردوں۔ ہاں، تمہیں پورا اختیار ہے۔

کمیشن نے تیزی اور مہارت کے ساتھ عمل کیا۔ رات ہونے سے پہلے پہلے، ہر وہ شخص جس کے بارے میں معلوم ہوچکا تھا کہ اندھا ہے گرفتار کرلیا گیا تھا، ساتھ ہی قابلِ ذکر تعداد میں وہ لوگ بھی جنہیں متاثرہ فرض کرلیا گیا تھا، کم از کم وہ جن کی شناخت اور نشاندہی ممکن تھی، سریع الحرکت تلاش میں جو مزید برآں، بینائی کھو دینے والوں کے گھریلو اور پیشہ ورانہ حلقوں میں رُوبہ عمل لائی گئی تھی۔ خالی دماغی ہسپتال میں سب سے پہلے لے جائے جانے والے، ڈاکٹر اور اس کی بیوی تھے۔ وہاں فوج کے سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ صدر دروازے کو بس اتنا ہی کھولا گیا تھا کہ وہ اس میں سے گزر سکیں، اور پھر ایک دم بند کردیا گیا۔ داخلے کے دروازے سے عمارت کے صدر دروازے تک ایک موٹا رسہ بندھا ہوا تھا جو جنگلے کا کام دے رہا تھا، تھوڑا دائیں طرف ہوجاؤ، وہاں تمہیں ایک رسہ ملے گا، اسے ہاتھوں سے پکڑ لو، اور سیدھے چلتے جاؤ، سیدھے چلتے جاؤ، جب تک کہ چند سیڑھیاں نہیں آجاتیں، کل چھ سیڑھیاں ہیں، سارجنٹ نے ان کو خبردار کیا۔ جیسے ہی اندر داخل ہوگے، رسہ دو حصوں میں بٹ جائے گا، ایک حصہ بائیں طرف کو جائے گا، دوسرا دائیں طرف، سارجنٹ چلایا، دائیں طرف رہو۔ سوٹ کیس کو ساتھ ساتھ گھسیٹتے ہوئے، عورت داخلے کے دروازے کے قریب ترین وارڈ کی طرف اپنے خاوند کو لے

گئی۔ یہ ایک طویل کمرہ تھا کسی پرانے فیشن کے ہسپتال کے وارڈ کی طرح جن میں دو رویہ پلنگ بچھے تھے جن پر خاکستری رنگ کا روغن کیا ہوا تھا اگرچہ روغن کافی عرصے سے اترتا جارہا تھا، غلاف، چادریں اور کمبل بھی اسی رنگ کے تھے۔ عورت اپنے خاوند کو وارڈ کے آخری سرے کی طرف لے گئی اُسے ایک پلنگ پر بٹھایا اور کہا یہیں بیٹھے رہو میں ایک چکر لگا کر آتی ہوں۔ وہاں اور بھی وارڈ تھے لمبی اور تنگ گیلریاں، کمرے جو یقیناً ڈاکٹروں کے دفاتر ہوں گے، گندے غلیظ بیت الخلا، ایک باورچی خانہ جس سے بُسے ہوئے کھانوں کی بُسانند آرہی تھی، ایک کشادہ طعام خانہ، جس میں میزیں تھیں جن کی بالائی سطحیں جست کی تھیں، تین کوٹھڑیاں، جن کی اندرونی دیواروں کے نچلے چھ فٹ کے حصے گدّے دار تھے اور باقی کے کناروں پر ڈاٹ لگی تھی۔ عمارت کے پچھواڑے ایک اجاڑ احاطہ تھا جس میں درخت تھے جن کی نگہداشت نہیں کی گئی تھی، اُن کے تنے ایسے لگتے تھے جیسے اُن کی چھال اتار لی گئی ہو۔ ہر طرف کوڑے کرکٹ کے ڈھیر تھے۔ ڈاکٹر کی بیوی واپس اندر چلی گئی۔ ایک ادھ کھلے نعمت خانے میں اُسے تنگ صدریاں پڑی ملیں جب وہ پلٹ کر اپنے خاوند کے پاس آئی تو اس سے پوچھا، کیا تم تصور کرسکتے ہو کہ وہ ہمیں کہاں لے آئے ہیں، نہیں، وہ کہنے ہی کو تھی کہ ایک پاگل خانے میں، لیکن اس کے خاوند نے پیشگی اندازہ لگا لیا، تم اندھی نہیں ہو، میں تمہیں یہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دے سکتا، ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو، میں اندھی نہیں ہوں، تو پھر میں اُن سے کہتا ہوں کہ وہ تمہیں گھر چھوڑ آئیں کہ تم نے میرے ساتھ رہنے کی خاطر جھوٹ بولا تھا، اس کا کوئی فائدہ نہیں، وہ وہاں بیٹھے یہاں سے تمہاری آواز نہیں سن سکتے اور اگر وہ سن بھی سکے تو کوئی توجہ نہیں دیں گے، لیکن تم دیکھ سکتی ہو، فی الوقت میں انہی دنوں میں خود بھی واقعی کس دن اندھی ہوجاؤں گی یا کسی بھی لمحے، ابھی پلیز گھر چلی جاؤ، اصرار مت کرو، علاوہ ازیں میں شرطیہ کہتی ہوں کہ فوجی سپاہی مجھے سیڑھیوں تک بھی نہیں پہنچنے دیں گے، میں تم کو مجبور نہیں کرسکتا، نہیں، میری جان تم نہیں کرسکتے۔ میں یہاں ٹھہر رہی ہوں کہ تمہاری مدد کرسکوں، اور اُن دوسروں کی بھی جو شاید یہاں آنے والے ہیں، لیکن انہیں مت بتانا میں دیکھ سکتی ہوں، دوسرے کون، یقیناً تم یہ نہیں سوچتے ہوگے کہ یہاں صرف ہم

ہی ہم ہوں گے، یہ پاگل پن ہے، تم کیا توقع رکھتے تھے، ہم ایک پاگل خانے میں ہیں۔

دوسرے اندھے لوگ اکٹھے آئے، یکے بعد دیگرے، انہیں گھروں ہی سے پکڑ لیا گیا تھا، سب سے پہلے وہ آدمی جو کار چلاتے ہوئے اندھا ہوا تھا، دوسرا جس نے کار چوری کی تھی، کالے چشمے والی لڑکی، بھینگی آنکھ والا لڑکا جن کو انہوں نے ہسپتال سے ڈھونڈھ نکالا جہاں اس کی ماں اسے لے گئی تھی۔ ماں اُس کے ساتھ نہیں آئی، اُس میں ڈاکٹر کی بیوی والی خوش تدبیری نہیں تھی، جس نے جبکہ اُس کی بینائی میں کوئی خرابی نہیں تھی، اپنے اندھے ہونے کا اعلان کر دیا تھا، وہ ایک بھلی مانس روح ہے جسے جھوٹ بولنا نہیں آتا، چاہے وہ اُس کی اپنی بھلائی ہی کے لئے کیوں نہ ہو۔ وہ وارڈ میں ٹھوکریں کھاتے ہوئے آئے، ہوا کو مٹھیوں میں پکڑنے کی کوشش کرتے، یہاں اُن کی رہنمائی کے لئے کوئی رسّہ نہیں تھا، انہیں اپنے دردبھرے تجربے ہی سے سیکھنا ہوگا، لڑکا رو رہا تھا، اپنی ماں کو پکار رہا تھا اور یہ کالے چشمے والی لڑکی ہی تھی جو اُسے دلاسہ دینے کی کوشش کر رہی تھی، وہ آ رہی ہے، وہ آ رہی ہے، وہ اُسے بتاتی رہی اور چونکہ اس نے کالا چشمہ لگا رکھا تھا اس لئے اگر اندھی نہ بھی ہوتی تو بھی اندھی لگتی، دوسرے اپنی آنکھوں کو اِدھر اُدھر گھما رہے تھے اور کچھ دیکھ نہ سکتے تھے جبکہ لڑکی چونکہ کالا چشمہ لگائے تھی اور کہہ رہی تھی، وہ آ رہی ہے، وہ آ رہی ہے، گمان ہوتا تھا کہ وہ یقیناً لڑکے کی گھبرائی ہوئی ماں کو دروازے سے اندر آتے ہوئے دیکھ سکتی تھی۔ ڈاکٹر کی بیوی نے اپنے خاوند کے اوپر جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی، چار اور آ گئے ہیں، ایک عورت دو مرد اور ایک لڑکا، مرد کیسے دکھلائی دیتے ہیں، ڈاکٹر نے دھیمی آواز میں پوچھا، بیوی نے اُن کا حلیہ بتایا اور اس نے کہا، دوسرے کو میں نہیں جانتا لیکن پہلے والا، تمہارے حلیے کے مطابق، وہ اندھا آدمی ہو سکتا ہے جو میرے کلینک میں معائنے کی غرض سے آیا تھا۔ بچے کی ایک آنکھ بھینگی ہے اور لڑکی نے کالا چشمہ لگا رکھا ہے، وہ دلکش لگتی ہے دونوں کلینک میں آئے تھے۔ نوواردوں نے اس گفتگو کو نہیں سُنا کیونکہ وہ کسی محفوظ جگہ کی تلاش میں چیخ چلّا رہے تھے انہوں نے یقیناً سوچا ہوگا کہ یہاں اُن جیسا، ان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے اور ابھی اپنی بینائی کو کھوئے ہوئے انہیں اتنا وقت نہیں ہوا تھا کہ اُن کی حسِ سماعت

معمول سے زیادہ تیز ہو گئی ہوتی۔ آخر کار، جیسے وہ اس نتیجے پر پہنچ گئے ہوں کہ یقین کو شک سے بدلنا لاحاصل ہے جو شخص جس پہلے پلنگ سے ٹکرایا اُسی پر بیٹھ گیا، دونوں مرد پاس پاس والے پلنگوں پر، پہلے سے جانے بغیر، بیٹھ گئے۔ لڑکی دھیمی آواز میں، لڑکے کو برابر دلاسہ دیئے جا رہی تھی روؤ نہیں، تم دیکھ لو گے کہ تمہاری ماں کو آنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ اب خاموشی تھی، تب ڈاکٹر کی بیوی نے کہا تاکہ اس کی آواز، دروازے تک پورے وارڈ میں سنائی دے سکے، یہاں ہم دو ہیں، تم کتنے ہو۔ نوواردوں کو غیر متوقع آواز نے چونکا دیا، لیکن دونوں مرد خاموش رہے اور یہ لڑکی ہی تھی جس نے جواب دیا، میرا خیال ہے ہم چار ہیں، میں اور یہ ننھا لڑکا، اور کون، دوسرے کیوں نہیں بولتے، ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا، میں ہوں یہاں، ایک مرد کی آواز منمنائی، جیسے اسے لفظوں کو ادا کرنے میں دِقّت پیش آ رہی ہو، میں بھی ہوں، ایک اور مردانہ آواز غرائی، جس سے لگتا تھا کہ وہ ایسا کر کے خوش نہیں ہوا۔ ڈاکٹر کی بیوی نے اپنے دل میں سوچا ان کا رویّہ کچھ ایسا ہے جیسے ایک دوسرے کو جاننے سے ڈرتے ہوں۔ وہ انہیں دیکھتی رہی، بے چین، پُرتشنج، گردنیں آگے بڑھائے ہوئے، جیسے کسی شے کو سُونگھ رہے ہوں، پھر بھی، حیرت انگیز طور پر ان کے تاثرات ایک سے تھے، بیک وقت دھمکی آمیز اور خوفزدہ، لیکن ایک کا خوف دوسرے کے خوف سے مماثل نہیں تھا اور یہی بات ان کی دھمکیوں کے بارے میں بھی سچ تھی، ان کے درمیان کیا وقوع پذیر ہو رہا ہوگا، اس نے حیران ہو کر سوچا۔

اُس لمحے ایک پُرشور اور اکھڑ آواز بلند ہوئی کسی ایسے شخص کی جس کے لہجے سے لگتا تھا کہ وہ حُکم دینے کا عادی ہے۔ یہ ایک لاؤڈ اسپیکر سے آ رہی تھی جو اُس دروازے کے اُوپر نصب تھا جس سے وہ اندر داخل ہوئے تھے۔ توجہ کا لفظ تین بار کہا گیا تھا، پھر آواز آنی شروع ہوئی، حکومت کو افسوس ہے کہ اُسے فوری طور پر اور بحالتِ مجبوری اس فیصلے پر عمل کرنا پڑا جسے وہ اپنا فرض منصبی سمجھتی ہے کہ اپنے تمام ممکنہ وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اس موجودہ بحران میں، اپنے عوام کو تحفظ فراہم کرے، جب کہ کوئی شے جو تمام ظاہری شواہد کی بنا پر ایک وبا لگتی ہے، پھوٹ پڑی ہے، جسے ہنگامی طور پر سفید اندھا پن کہا جا رہا ہے، اور اس وبا کے مزید پھیلاؤ کو

روکنے کی خاطر ہم اپنے عوام کے جذبۂ حب الوطنی اور تعاون پر بھروسہ رکھتے ہیں، یہ فرض کرتے ہوئے کہ ہم ایک متعدی بیماری سے نبرد آزما ہیں اور تاحال ناقابلِ تشریح اتفاقات کے اس سلسلے کے محض تماشائی نہیں ہیں۔ تمام متاثرہ افراد اور ان سے رابطے میں رہنے والوں کو ایک ہی جگہ جمع کرنے اور انہیں مُتصل لیکن علیحدہ علیحدہ حصوں میں رکھنے کا فیصلہ احتیاط اور غور وخوض کے بغیر نہیں کیا گیا، حکومت کو اپنی ذمے داریوں کا پورا احساس ہے اور وہ امید کرتی ہے کہ وہ تمام اشخاص بھی جن کو یہ پیغام دیا جارہا ہے، دیانتدار شہری ہونے کی بنا پر، بلاشبہ اپنی ذمے داریاں نبھائیں گے، اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ جس تنہائی میں وہ اس وقت اپنے آپ کو پاتے ہیں، وہ ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر معاشرے کے ساتھ یکجہتی کے عمل کی علامت بن جائے گی۔ اتنا کہنے کے بعد، ہم چاہتے ہیں کہ ہر شخص اگلی ہدایات کو پوری توجہ سے سُنے، پہلی روشنیاں ہر وقت جلتی رکھی جائیں گی، سوچوں سے چھیڑ چھاڑ کی کوئی بھی کوشش لاحاصل ہوگی، وہ کام نہیں کرتے، دوسری بغیر اجازت عمارت سے نکلنے کا مطلب فوری موت کو دعوت دینا ہوگا، تیسری ہر وارڈ میں ایک ٹیلیفون رکھا ہے جو صرف باہر سے صفائی ستھرائی کا سامان منگوانے کی خاطر استعمال کیا جاسکتا ہے، چوتھی، زیرنگرانی افراد اپنے کپڑوں کو اپنے ہاتھوں سے دھونے کے ذمے دار ہوں گے، پانچویں، تجویز کیا جاتا ہے کہ ہر وارڈ اپنا اپنا نمائندہ منتخب کرے، یہ حکم نہیں ایک تجویز ہے زیرنگرانی افراد اپنے آپ کو ضرور منظم کریں بشرطیکہ وہ پہلے بتائے گئے ضوابط اور ان ضوابط پر جن کا ہم ابھی اعلان کرنے والے ہیں، عمل پیرا رہیں، چھٹی، دن میں تین بار خوراک سے بھرے ڈبے صدر دروازے کے پاس رکھے جائیں گے، دائیں طرف اور بائیں طرف جو علی الترتیب اندھے پن کے مریضوں اور اُن لوگوں کے لئے ہوں گے جن پر اس بیماری سے متاثر ہونے کا شُبہ ہے، ساتویں، بچی کھچی خوراک فوراً جلا دی جائے اس میں کھانے کے برتن، پلیٹیں، چھری کانٹے، چمچ وغیرہ سب شامل ہیں جو بھڑک اٹھنے والے مادے سے بنائے گئے ہیں، آٹھویں، جلانے کا کام عمارت کے اندرونی صحنوں میں کیا جائے یا ورزش کے لئے بنائے گئے احاطے میں، نویں، زیرنگرانی افراد اس آگ کی وجہ سے ہونے والے نقصانات کے

ذمے دار ہوں گے، دسویں، آگ کے قابو سے باہر ہوجانے کی صورت میں چاہے حادثاتی ہو یا بالقصد، آگ بجھانے والا عملہ دخل نہیں دے گا، گیارھویں، اسی طرح زیرنگرانی افراد کو کسی بیرونی مداخلت پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے اگر بیماریاں پھوٹ پڑیں، نہ ہی کسی بدنظمی یا بلوے کی صورت میں، بارھویں، موت واقع ہوجانے کی صورت میں، وجہ کوئی بھی ہو میت کو بغیر رسومات کے، احاطے میں دفن کیا جائے، تیرھویں، دونوں حصوں کے مریضوں اور مشکوک مریضوں کا رابطہ عمارت کے مرکزی حال میں ہونا چاہیے جس سے وہ داخل ہوئے تھے، چودھویں، اگر وہ لوگ جن پر اس وبا سے متاثر ہونے کا شبہ ہے اچانک اندھے ہوجاتے ہیں تو انہیں فوراً دوسرے حصّے میں منتقل کردیا جائے، پندرھویں، یہ ہدایات روزانہ، اسی وقت، نوواردوں کے فائدے کے لئے نشر کی جائیں گی۔ حکومت اورقوم ہر مرد وزن سے توقع رکھتی ہے کہ وہ اپنا فرض بجالائیں۔ شب بخیر۔

بعد میں چھانے والی خاموشی میں، لڑکے کی آواز صاف سنائی دے سکتی تھی مجھے اپنی ماں چاہیے، لیکن بولے ہوئے الفاظ بے تاثیر تھے، کسی خودکار اور تکراری مشینی نظام کی طرح، جس نے پہلے کا کوئی فقرہ معلّق چھوڑ دیا تھا اور اب وہ ایک غلط وقت پر پھوٹ پڑا تھا۔ ڈاکٹر نے کہا، ان احکامات نے جو ابھی ابھی ہمیں دیئے گئے ہیں، شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی کہ ہمیں بالکل الگ تھلگ کردیا گیا ہے، اب تک کسی بھی الگ تھلگ کئے جانے والے سے زیادہ اور جب تک اس بیماری کی دوا دریافت نہیں ہوجاتی، اس جگہ سے نکلنے کی امید کے بغیر، مجھے تمہاری آواز جانی پہچانی لگتی ہے، کالے چشمے والی لڑکی بولی، میں ایک ڈاکٹر ہوں، ایک ماہرِ امراضِ چشم، تم یقیناً وہی ڈاکٹر ہو جس کو میں نے کل دکھایا تھا، میں تمہاری آواز پہچانتی ہوں، ہاں، اور تم کون ہو، میری ایک آنکھ کی جھلی پر ورم تھا اور میرا خیال ہے کہ ابھی ختم نہیں ہوا لیکن اب چونکہ میں مکمل طور پر اندھی ہوں، اس کی کوئی اہمیت نہیں رہی، اور بچہ جو تمہارے ساتھ ہے، وہ میرا نہیں ہے، میرے کوئی بچہ نہیں، کل میں نے ایک لڑکے کا معائنہ کیا تھا جس کی ایک آنکھ بھینگی تھی، کیا وہ تم تھے، ڈاکٹر نے پوچھا، ہاں، وہ میں ہی تھا لڑکے کے جواب میں ناپسندیدگی کا لہجہ تھا کسی ایسے شخص کا جو لوگوں کے اس کی جسمانی خرابی کے ذکر نہ کرنے کو ترجیح دیتا ہو ورمعقول وجہ

سے، اس لئے کہ ایسی خرابیاں یہ بھی اور اسی قبیل کی دوسری بھی، جونہی ان کا ذکر کیا جاتا ہے، بمشکل محسوس ہونے والی کی حد سے گزر کر اظہر من الشمس کی حد میں داخل ہوجاتی ہیں۔ کیا یہاں کوئی اور ایسا ہے جسے میں جانتا ہوں۔ ڈاکٹر نے پوچھا کیا وہ شخص جو کل اپنی بیوی کے ساتھ میرے کلینک میں آیا تھا اتفاق سے یہاں موجود ہے، وہ شخص جو اچانک اندھا ہوگیا تھا، کار چلاتے ہوئے، وہ میں ہوں، پہلے اندھے ہونے والے آدمی نے جواب دیا، کیا کوئی اور بھی ہے، پلیز، بولئے چونکہ کون جانے کب تک ہم یہاں اکٹھے رہنے پر مجبور ہیں، اس لئے ایک دوسرے سے جان پہچان ضروری ہے۔ کار چور زیرلب بڑبڑایا، ہاں، ہاں، اس کا خیال تھا کہ یہ اس کی موجودگی کی تصدیق کے لئے کافی ہے، لیکن ڈاکٹر نے اصرار کیا، آواز تو کسی نسبتاً نوجوان آدمی کی لگتی ہے، تم وہ بزرگوار تو نہیں ہو جس کو موتیا بند تھا، نہیں ڈاکٹر، میں وہ نہیں ہوں تم کیسے اندھے ہوئے، میں سڑک پر چلا جارہا تھا، اور کچھ، اور کچھ نہیں، میں سڑک پر چلا جارہا تھا اور اچانک اندھا ہوگیا۔ ڈاکٹر پوچھنے ہی کو تھا کہ کیا اس کا اندھا پن بھی سفید ہے لیکن عین وقت پر اپنے آپ کو روک لیا، کیوں پریشان ہوا جائے اس کا جو بھی جواب ہو، کوئی فرق نہیں پڑتا، آیا اس کا اندھا پن سفید ہے یا سیاہ، وہ اس جگہ سے باہر تو نہیں نکل سکتے۔ اس نے اپنا ایک جھجکتا ہوا ہاتھ اپنی بیوی کی طرف بڑھایا اور اس کے ہاتھ کو راستے ہی میں پکڑ لیا۔ اس نے اپنے خاوند کے رخسار پر بوسہ دیا اور کوئی شخص نہ دیکھ سکا، اُس پُرشکن پیشانی کو، اُس سختی سے بند منھ کو، اُن مُردہ آنکھوں کو، شیشے کی مانند، دہشت زدہ کرنے والی کیونکہ بظاہر وہ دیکھتی ہوئی لگتی تھیں لیکن نہیں دیکھتی تھیں، میرا وقت بھی آئے گا عورت نے سوچا، شاید ابھی اسی لمحے، مجھے اپنی بات ختم کرنے کی اجازت نہ دیتے ہوئے، کسی بھی لمحے، بالکل ویسے ہی جیسے ان کے ساتھ ہوا یا شاید میں جاگوں گی ہی اندھی، یا جب میں سونے کے لئے آنکھیں بند کروں گی تو اندھی ہوجاؤں گی یہ سوچتی کہ مجھے اُونگھ آ گئی ہے۔

اس نے چاروں اندھے لوگوں کی طرف دیکھا، وہ اپنے بستروں پر بیٹھے تھے، وہ تھوڑا سا سامان جو وہ اپنے ساتھ لا سکے تھے ان کے پیروں کے قریب، لڑکے کے پاس اسکول کا بستہ تھا،

دوسروں کے پاس سوٹ کیس، چھوٹے، جیسے انہوں نے ویک اینڈ کے لئے پیک کئے ہوں۔ کالے چشمے والی لڑ، دھیمی آواز میں، لڑکے کے ساتھ باتیں کررہی تھی، سامنے والی قطار میں، ایک دوسرے کے قریب، ان کے درمیان صرف ایک خالی پلنگ تھا، پہلا اندھا آدمی اور کار چور بےخبری میں، رُوبرو بیٹھے تھے۔ ڈاکٹر بولا، ہم سب نے احکامات سُنے ہیں، اب جو بھی گزرے، ایک بات یقینی ہے، کوئی بھی ہماری اعانت کے لئے نہیں آئے گا، اس لئے ہمیں بلا تاخیر، اپنے آپ کو منظم کرنا شروع کردینا چاہیے، کیونکہ اس وارڈ کو لوگوں سے بھرنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی، اس والے کو اور دوسروں کو، تمہیں کیسے معلوم ہے کہ یہاں اور وارڈ بھی ہیں، لڑکی نے پوچھا، ہم نے اس وارڈ میں رہنے کا فیصلہ کرنے سے پہلے اس جگہ کا چکر لگایا تھا یہ وارڈ صدر دروازے کے زیادہ قریب ہے، ڈاکٹر کی بیوی نے وضاحت کی، ساتھ ہی اپنے خاوند کا بازو دبایا جیسے اسے محتاط رہنے کے لئے خبردار کررہی ہو۔ لڑکی بولی، ڈاکٹر یہ بہتر ہوگا کہ آپ اس وارڈ کا چارج سنبھال لیں، آخر آپ ڈاکٹر ہیں۔ کیا فائدہ اس ڈاکٹر کا جس کے پاس نہ آنکھیں ہوں نہ دوائیاں، لیکن آپ کے پاس کچھ رعب داب تو ہے۔ ڈاکٹر کی بیوی مسکرائی، میرا خیال ہے تمہیں مان جانا چاہیے اگر واقعی دوسرے بھی رضامند ہوں، میرے نزدیک یہ کوئی ایسا اچھا خیال نہیں ہے، کیوں نہیں، فی الوقت، یہاں ہم صرف چھ ہیں، لیکن کل ہم یقیناً زیادہ ہوجائیں گے، لوگ روزانہ آنے لگیں گے اُن سے یہ توقع رکھنا زیادتی ہوگی کہ وہ کسی ایسے شخص کا حکم ماننے پر تیار ہوں جسے انہوں نے نہیں چُنا اور مزید برآں، جس کے پاس اُن کے احترام کے بدلے میں دینے کے لئے کچھ نہ ہو، ہمیشہ یہ فرض کرتے ہوئے کہ وہ میری سرداری اور میرے قوائد وضوابط کو دل سے تسلیم کرتے ہیں، پھر تو اس جگہ رہنا مشکل ہوجائے گا، ہم بڑے خوش قسمت ہوں گے اگر یہ محض مشکل ہی ہو، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا، میں نے تو نیک نیتی سے کہا تھا لیکن تکلف برطرف، ڈاکٹر، آپ ٹھیک کہتے ہیں ہوگا یہ نفسانفسی کا معاملہ ہی۔

یا ان الفاظ سے متاثر ہوکر یا پھر اس لئے کہ وہ اپنے غصّے کو اور زیادہ قابو میں نہ رکھ سکا۔ مردوں میں سے ایک یکا یک کھڑا ہوگیا، یہ شخص ہے ہماری بدبختی کا ذمے دار، اگر اس وقت

میری بینائی ٹھیک ہوتی تو میں اسے اندر کروا دیتا، وہ دھاڑا، اُس طرف اشارہ کرتے ہوئے جہاں، اس کے خیال میں دوسرا آدمی ہوگا۔ وہ اتنا زیادہ دُور بھی نہیں تھا، لیکن اس کا ڈرامائی انداز مضحکہ خیز تھا کیونکہ اُس کی ضرب لگاتی، الزام دیتی انگلی میز کنارے کے ایک بے گناہ ٹیبل لیمپ کی طرف اشارے کر رہی تھی۔ خاطر جمع رکھو، ڈاکٹر نے کہا، وبائے عام میں کسی کو دوش نہیں دیا جاتا، ہر کوئی اس کا شکار ہوتا ہے، اگر میں معقول آدمی نہ ہوتا، جو کہ میں ہوں، اگر میں نے اسے گھر تک پہنچنے میں مدد نہ دی ہوتی، تو میری بیش بہا آنکھیں اب بھی سلامت ہوتیں، تم کون ہو، ڈاکٹر نے پوچھا، لیکن مُدعی نے جواب نہ دیا اور اب جھلایا ہوا لگتا تھا کہ وہ بولا ہی کیوں۔

تب دوسرا آدمی بولا، یہ مجھے میرے گھر لے گیا تھا، یہ سچ ہے لیکن میری حالت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے میری کار لے اُڑا، یہ جھوٹ ہے میں نے کوئی چیز نہیں چُرائی، تم نے یقیناً میری کار چرائی، اگر کوئی شخص تمہاری کار لے اُڑا تو وہ میں نہیں تھا، ایک ہمدردانہ کام کا مجھے یہ صِلہ ملا کہ میں اپنی بینائی کھو بیٹھا، علاوہ ازیں، کہاں ہیں گواہ، میں یہ جاننا چاہوں گا۔ حُجت بازی سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا، ڈاکٹر کی بیوی بولی، کار باہر ہے، تم دونوں یہاں ہو، بہتر ہے صلح صفائی سے رہو، مت بھولو کہ ہمیں یہاں اکٹھے رہنا ہے، مجھے تم اپنے سے باہر شمار کرو پہلے اندھے آدمی نے کہا، میں تو چلا کسی دوسرے وارڈ میں اس بدمعاش سے ممکنہ حد تک دُور جو ایک اندھے آدمی کو بھی لوٹنے سے باز نہیں آیا اور دعویٰ کرتا ہے کہ میری وجہ سے اندھا ہوا، یہ اندھا ہی رہے تو اچھا ہے، اس سے کم از کم یہ تو ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی اس دنیا میں انصاف نام کی کوئی چیز ہے۔

اس نے اپنا سوٹ کیس اٹھایا، ٹھوکروں سے بچنے کے لئے پیر گھسیٹتا اور دوسرے خالی ہاتھ سے راستہ ٹٹولتا، پلنگوں کی دو قطاروں کے درمیانی راستے کے ساتھ ساتھ چلنے لگا، دوسرے وارڈ کس طرف ہیں، اس نے پوچھا، لیکن اگر کسی نے جواب دیا بھی تو سُنا نہیں، کیونکہ اُس نے اچانک اپنے آپ کو بازوؤں اور ٹانگوں کی یلغار میں پایا، کار چور اپنی دھمکی کو حتے المقدور بروئے کار لا رہا تھا، اُس شخص سے بدلہ لینے کے لئے جو اس کی تمام بدنصیبیوں کا سبب بنا تھا، ابھی اوپر ابھی نیچے وہ اس محدود جگہ میں لڑھکتے رہے، اکثر اوقات پلنگوں کے پایوں کے ساتھ ٹکراتے، اس

دوران ایک بار پھر خوفزدہ لڑکے نے، دوبارہ رونا اور اپنی ماں کو پکارنا شروع کر دیا۔ ڈاکٹر کی بیوی نے اپنے خاوند کو بازو سے پکڑا، اسے معلوم تھا کہ وہ اکیلی کبھی ان دونوں کو لڑنا جھگڑنا بند کرنے پر آمادہ نہ کر سکے گی، وہ درمیانی راستے کے ساتھ ساتھ چلتی اُسے اس مقام پر لے گئی جہاں دونوں غصیلے مدّ مقابل، پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ فرش پر نبرد آزما تھے۔ اُس نے اپنے خاوند کے ہاتھوں کی رہنمائی کی، خود اس اندھے آدمی کو سنبھالا، جس کو سنبھالنا اسے زیادہ آسان لگا اور بڑی کوشش کے ساتھ وہ اُن کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کے قابل ہوئے۔ تم احمقانہ طرزِ عمل کا مظاہرہ کر رہے ہو، ڈاکٹر نے ناراضگی سے کہا، اگر تمہارا اس جگہ کو جہنم بنانے کا خیال ہے تو پھر تمہارا یہ طرزِ عمل درست ہے، لیکن یاد رکھو، یہاں ہر کوئی اپنے قول و فعل کا خود ذمے دار ہے، ہم کسی بیرونی مدد کی توقع نہیں رکھ سکتے، تم سُن رہے ہو، اس نے میری کار چُرائی، پہلا اندھا آدمی منمنایا، جو اس دھینگا مُشتی میں سب سے زیادہ خسارے میں رہا تھا، اسے بھول جاؤ اب یہ کوئی مسئلہ نہیں رہا، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، جب کار غائب ہوئی تو تم اسے چلانے کے قابل تو تھے نہیں، یہ سب ٹھیک ہے لیکن وہ تھی تو میری، اور یہ پاجی اُسے لے اُڑا اور کون جانے اسے کہاں رکھ دیا، زیادہ قرین قیاس یہ لگتا ہے کہ کار اُسی مقام پر ملے گی جہاں یہ آدمی اندھا ہوا تھا، تم ایک زیرک آدمی ہو، ڈاکٹر، ہاں جناب اس میں کوئی شک نہیں، کار چور نے سیٹی جیسی آواز نکالی۔ پہلے اندھے آدمی نے کچھ ایسا اشارہ دیا جیسے وہ خود کو ان ہاتھوں سے چھڑانا چاہتا ہو جو اسے پکڑے ہوئے تھے، لیکن نیم دلانہ انداز میں، جیسے جانتا ہو کہ اس کا احساس غیض و غضب بھی، چاہے کتنا ہی جواز کیوں نہ رکھتا ہو، اُس کی کار واپس نہیں لا سکتا، اور نہ کار ہی اُس کی بینائی واپس لا سکتی ہے۔ لیکن چور نے دھمکی دی، اگر تم سمجھتے ہو کہ تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا تو تم سخت غلطی پر ہو، ٹھیک ہے، میں نے تمہاری کار چرائی لیکن تم نے میری بینائی چُرا لی، تو بڑا چور کون ہوا، بس، بہت ہوگئی ڈاکٹر نے احتجاج کیا، یہاں ہم سب اندھے ہیں اور ہم نہ کسی کو الزام دے رہے ہیں اور نہ کسی پر انگلی اٹھا رہے ہیں، مجھے دوسرے لوگوں کی بدبختیوں میں کوئی دلچسپی نہیں، چور نے اہانت آمیز لہجے میں جواب دیا، اگر تم کسی دوسرے وارڈ میں جانا چاہتے ہو تو

میری بیوی تمہیں وہاں تک لے جائے گی، ڈاکٹر نے پہلے اندھے آدمی سے کہا وہ یہاں کے راستے مجھ سے بہتر جانتی ہے، نہیں شکریہ، میں نے اپنا ارادہ بدل لیا ہے، میں اسی وارڈ میں رہنے کو ترجیح دوں گا۔ کار چور نے اُس کی ہنسی اڑائی، ننھا لڑکا اکیلا رہنے سے ڈرتا ہے، کہیں کوئی بوگی مین نہ آ پکڑے، ڈاکٹر کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ گیا اور اس نے چلاّ کر کہا بہت ہوگیا اب میری بات سنو، ڈاکٹر، کار چور نے جھلاتے ہوئے کہا، یہاں ہم سب برابر ہیں اور تم مجھ پر حکم نہ چلاؤ، کوئی بھی حکم نہیں چلا رہا میں تمہیں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ اس بیچارے آدمی کو سکون سے رہنے دو، ٹھیک ہے، لیکن میرے ساتھ ذرا سوچ سمجھ کر بات کرنا اگر کوئی میرے مُنھ لگے تو مجھ سے نپٹنا آسان نہ ہوگا، ورنہ میں اگر بہترین دوست ہوسکتا ہوں تو بدترین دشمن بھی ہوسکتا ہوں۔ جارحانہ حرکتوں اور اشاروں کے ساتھ اس نے اپنے بستر کو ٹٹولا جہاں وہ پہلے بیٹھا ہوا تھا، اپنے سوٹ کیس کو پلنگ کے نیچے دھکیلا، پھر اعلان کیا، میں کچھ دیر کے لئے سونے لگا ہوں جیسے انہیں خبردار کررہا ہو، بہتر ہے آپ نظریں دوسری طرف کرلیں، میں اپنے کپڑے اتارنے لگا ہوں، کالے چشمے والی لڑکی نے بھینگی آنکھ والے لڑکے سے کہا، اور بہتر ہے تم بھی اپنے بستر میں گھس جاؤ اسی طرف رہو، اور اگر رات میں کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے آواز دے لینا، میں پی پی کرنا چاہتا ہوں، لڑکے نے کہا۔ اُس کی یہ بات سنتے ہی سب کو پیشاب کی اچانک اور فوری حاجت محسوس ہوئی اور اُن کے خیالات کم وبیش کچھ ایسے تھے، اب ہم اس مسئلے سے کیسے نپٹیں، پہلے اندھے آدمی نے اپنے پلنگ کے نیچے ٹٹولا کہ شاید کوئی پیشاب دان موجود ہو لیکن ساتھ ہی یہ امید بھی کہ برتن نہیں ہوگا اس لئے اگر اسے سب کے سامنے پیشاب کرنا پڑا تو کتنی شرمندگی ہوگی، بھلے وہ اُسے نہیں دیکھ سکتے لیکن پیشاب کرتے وقت پیدا ہونے والے شور کو تو کسی کی پرواہ نہیں ہوتی، کسی کو مغالطہ نہیں ہوسکتا، مرد کم از کم ایسی حکمت عملی اختیار کرسکتے ہیں جو عورتوں کو میسر نہیں، اس معاملے میں مرد زیادہ خوش قسمت ہیں۔ کار چور اپنے بستر پر بیٹھا تھا اور اب کہہ رہا تھا، شِٹ، اس جگہ تم کہاں جاؤ گی پیشاب کرنے کے لئے، زبان سنبھال کے بات کرو، یہاں ایک بچہ بھی ہے، کالے چشمے والی لڑکی نے احتجاجاً کہا، یقیناً پیاری، جب تک

تمہیں کوئی بیت الخلا نہیں مل جاتا، تمہارے ننھے لڑکے کے پیشاب کو نکل کر ٹانگوں تک بہہ جانے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ ڈاکٹر کی بیوی نے مداخلت کی، شاید میں کسی بیت الخلا کا پتہ چلاسکتی ہوں، میں وہ جگہ یاد کرسکتی ہوں جہاں سے بدبو آئی تھی، میں تمہارے ساتھ چلوں گی، کالے چشمے والی لڑکی نے لڑکے کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا، میرے خیال میں بہتر یہ ہوگا کہ ہم سب اکٹھے چلیں، ڈاکٹر نے رائے دی، یوں، جب بھی ضرورت پڑے، ہمیں جانے کا راستہ تو معلوم ہوگا میں جانتا ہوں جو تمہارے ذہن میں ہے، کار چور نے دل میں سوچا، لیکن یہ آواز بلند کہنے کا حوصلہ نہ ہُوا، تم نہیں چاہتے کہ مجھے جب بھی ضرورت پیش آئے تو تمہاری مُنّی سی بیوی کو مجھے پیشاب کرانے لے جانا پڑے۔ اس خیال کے پیچھے جو کنایہ تھا، اس کی وجہ سے اُس میں تھوڑی سی اِستادگی پیدا ہوگئی، جس نے اُسے حیران کردیا، جیسے اندھے پن کے نتیجے کے طور پر جنسی خواہش کا زیاں یا اس میں کمی بھی ہونی چاہیے، اچھا ہے، اس نے سوچا، سب کچھ نہیں چلا گیا، پھر بھی، مُردوں اور زخمیوں میں سے کوئی تو بچ نکلا، اور گفتگو میں بہتے بہتے وہ دن سپنے دیکھنے لگا۔ وہ زیادہ دُور نہ جاسکا، ڈاکٹر کہہ رہا تھا، آیئے قطار بنالیں، میری بیوی آگے آگے چلے گی، ہر شخص اپنے سے اگلے شخص کے کندھے پر ہاتھ رکھ لے، اس طرح ہمیں راستے سے بھٹک جانے کا خدشہ نہیں ہوگا۔ پہلا اندھا آدمی بول اُٹھا میں اس کے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گا، ظاہر ہے اُس کا اشارہ اس لفنگے کی طرف تھا جس نے اُسے لُوٹ لیا تھا۔

چاہے ایک دوسرے کو ڈھونڈھنے کے لئے یا ایک دوسرے سے بچنے کے لئے، وہ تنگ درمیانی راستے میں بمشکل حرکت کرسکتے تھے، زیادہ اس لئے بھی کہ ڈاکٹر کی بیوی کو اس انداز سے چلنا تھا جیسے وہ اندھی ہو۔ آخر کار، سب قطار میں آ گئے، کالے چشمے والی لڑکی جس نے بھینگی آنکھ والے لڑکے کا ہاتھ تھام رکھا تھا، پھر جانگیے اور بنیان میں کار چور، اس کے پیچھے ڈاکٹر، اور سب سے آخر میں، فی الوقت کسی جسمانی حملے سے محفوظ، پہلا اندھا آدمی۔ وہ بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے، جیسے اُنہیں رہنمائی کرنے والے شخص پر اعتماد نہ ہو، اپنے فارغ ہاتھ سے بیکار میں ٹٹولتے ہوئے کسی ٹھوس چیز کے سہارے کی تلاش میں، کوئی دیوار، کسی دروازے کی چوکھٹ وغیرہ

کالے چشمے والی لڑکی کے پیچھے، کار چور نے، اس کے جسم سے اٹھنے والی خوشبو اور اپنی حالیہ استادگی کی یاد سے شہوت میں آ کر اپنے ہاتھوں کو بہتر طور پر استعمال کرنے کا فیصلہ کیا، اور ایک کو، اس کی گردن کے پچھلے حصے پر، بالوں کے نیچے پھیرنے لگا اور دوسرے کے ساتھ کھلے بندوں اور بے تکلفی سے، اس کی چھاتیوں سے کھیلنا شروع کر دیا۔ لڑکی نے تڑپ کر اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کی لیکن وہ اُسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا۔ تب لڑکی نے اپنے پاؤں سے پچھلی طرف کو ایک زوردار ٹھوکر ماری، سُوئے جیسی تیز، اُس کی جُوتی کی ایڑی نے کار چور کی ننگی ران کو چھید ڈالا تھا اس کے مُنھ سے حیرت اور درد کے مارے چیخ نکل گئی، کیا ہو رہا ہے، ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا، مُڑ کر دیکھتے ہوئے، مجھے ٹھوکر لگ گئی تھی، کالے چشمے والی لڑکی نے جواب دیا، لگتا ہے میں نے اپنے سے پیچھے والے شخص کو زخمی کر دیا ہے۔ کار چور کی انگلیوں کے درمیان سے لہو رِسنا شروع ہو گیا تھا، وہ کراہ رہا تھا اور گالیاں بک رہا تھا اور اس کی جارحیت کے نتائج پر غور کر رہا تھا، میں زخمی ہو گیا ہوں اِس کُتیا کو نظر نہیں آتا کہ کہاں پاؤں رکھ رہی ہے، اور تم نہیں دیکھتے کہ کہاں ہاتھ رکھ رہے ہو، لڑکی نے سختی سے جواب دیا۔ ڈاکٹر کی بیوی سمجھ گئی کہ کیا ہوا ہوگا، پہلے تو وہ مسکرائی، لیکن پھر اس نے دیکھا کہ زخم تو بہت خراب لگتا تھا، لہو رس رس کر بیچارے شیطان کی ٹانگ پر گر رہا تھا، اور ان کے پاس نہ پیروکسائڈ تھی نہ آئیوڈین، نہ پلستر نہ پٹیاں، نہ جراثیم کش دوائی، کچھ بھی نہیں تھا۔ اب قطار میں ابتری پیدا ہو گئی تھی ڈاکٹر پوچھ رہا تھا، کہاں لگا ہے زخم، یہاں، یہاں، میری ٹانگ پر، کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا، اس کتیا نے میرے اندر اپنی جُوتی کی ایڑھی گھسیڑ دی ہے، مجھے ٹھوکر لگ گئی تھی اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی، لڑکی نے دھرایا، پھر گھبراہٹ میں پُھوٹ پڑی، حرامی مجھ سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا، کیسی عورت سمجھتا ہے وہ مجھے۔ ڈاکٹر کی بیوی بیچ میں بول پڑی، اس زخم کو فوری طور پر دھویا جانا چاہیے اور اس پر پٹی باندھنی چاہیے، اور پانی کہاں سے ملے گا، کار چور نے پوچھا، باورچی خانے میں، باورچی خانے میں پانی ہے، لیکن سب نہیں جائیں گے، میرا خاوند اور میں اسے وہاں لے جائیں گے تم دوسرے یہاں انتظار کرو، ہم جلدی واپس آ جائیں گے، میں پی پی کرنا چاہتا ہوں، لڑکا بولا، اسے تھوڑی دیر اور روکو ہم ابھی

آئے۔ ڈاکٹر کی بیوی کو معلوم تھا کہ اسے پہلے دائیں طرف اور پھر بائیں طرف مُڑنا ہے، پھر ایک درست زاویہ بناتی ہوئی تنگ گیلری میں سے گزرنا جس کے پرلے سرے پر باورچی خانہ تھا چند قدم چل کر ظاہر کیا جیسے غلطی کر بیٹھی ہو، رُکی، پچھلے قدموں واپس آئی، پھر بولی، ارے، اب مجھے یاد آیا اور وہاں سے وہ سیدھے باورچی خانے کی طرف بڑھنے لگے، ضائع کرنے کے لئے اب اور وقت نہیں تھا، زخم سے خون بُری طرح بہہ رہا تھا۔ نل سے پہلے پہل نکلنے والا پانی گندا تھا، اسے صاف ہونے میں تھوڑا وقت لگا، پانی باسی تھا اور نیم گرم، جیسے نالیوں کے اندر پڑا پڑا سڑتا رہا ہو، لیکن زخمی آدمی نے اسے پا کر اطمینان کا سانس لیا، زخم کو دیکھ کر کراہت آتی تھی اور اب، ہم اس کی ٹانگ پر پٹی کیسے باندھیں، ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا۔ ایک میز کے نیچے کچھ گندے چیتھڑے پڑے تھے، جو یقیناً فرش صاف کرنے کے کپڑے کے طور پر استعمال کیے گئے ہوں گے، لیکن ان کو پٹی باندھنے کے لئے استعمال میں لانا انتہائی احمقانہ بات ہوگی، یہاں کوئی اور چیز تو نظر نہیں آتی، وہ بولی، جھوٹ موٹ تلاش کرتے ہوئے، لیکن مجھے اس حالت میں تو نہیں چھوڑا جا سکتا، ڈاکٹر، خون بند نہیں ہوگا، پلیز میری مدد کرو اور مجھے معاف کر دو اگر تھوڑی دیر پہلے میں تم سے کوئی گستاخی کر بیٹھا تھا، کار چور نے کراہتے ہوئے کہا، ہم تمہاری مدد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ورنہ ہم یہاں ہوتے ہی کیوں، ڈاکٹر نے کہا، پھر اسے حکم دیا، اپنی بنیان اتار دو، اور کوئی طریقہ نہیں۔ زخمی آدمی بڑبڑایا کہ اسے اپنی بنیان کی ضرورت تھی لیکن اسے اتار دیا۔ ڈاکٹر کی بیوی نے وقت ضائع کیے بغیر اس میں سے ایک پٹی بنا لی اور اس کی ران کے گرد لپیٹ دی، اُسے زور سے کسا اور بنیا کی تینوں اور دامن سے ایک سخت گرہ اس کے اوپر باندھ دی۔ ایسی تگ و دو کوئی اندھا شخص نہیں کر سکتا تھا لیکن وہ وقت ضائع کرنے کے مُوڈ میں نہیں تھی، اور زیادہ جھوٹ مُوٹ کی خاطر، اتنا بننا ہی کافی تھا کہ وہ راستہ بھول گئی تھی۔ کار چور نے کوئی غیر معمولی بات محسوس کی، منطقی طور پر، ڈاکٹر کو، چاہے وہ آنکھوں کا ڈاکٹر ہی کیوں نہ ہو، زخم پر پٹی باندھنا چاہیے تھی لیکن اس تسلی بخش جانکاری نے کہ اس کے لئے کچھ کیا جا رہا تھا اُن شکوک کو دبا دیا، جو مبہم انداز میں لحاتی طور پر اس کے ذہن سے گزرے تھے۔ اُس لنگڑاتے ہوئے کو ساتھ ساتھ لئے وہ دوسروں

کے پاس واپس چلے اور وہاں پہنچتے ہی ڈاکٹر کی بیوی نے فوراً بھانپ لیا کہ بھینگی آنکھ والا لڑکا زیادہ دیر تک اپنا پیشاب نہیں روک سکا تھا اور اس نے اپنی پتلون گیلی کر لی تھی۔ پہلے اندھے آدمی اور کالے چشمے والی لڑکی دونوں کو پتہ ہی نہ چلا کہ کیا ہوا تھا۔ لڑکے کے پیروں کے پاس پیشاب کا ایک جوہڑ سا بن گیا تھا، اس کی پتلون کے گیلے کناروں سے ابھی تک قطرے ٹپک رہے تھے۔ لیکن، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، آؤ چل کر ان بیت الخلاؤں کو ڈھونڈھیں، اندھوں نے اپنے بازو پھیلائے ایک دوسرے کو تلاش کرنے کے لئے، سوائے کالے چشمے والی لڑکی کے، جس نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اس بے شرم شخص کے آگے آگے چلنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی، جس نے اس سے چھیڑ چھاڑ کی تھی۔ آخر کار، قطار بنا لی گئی، کار چور نے پہلے اندھے آدمی سے جگہ بدل لی، درمیان میں ڈاکٹر آ گیا۔ چور کی لنگڑاہٹ میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور وہ اپنی ٹانگ گھسیٹتا ہوا چل رہا تھا۔ کس کے باندھی ہوئی پٹی اسے پریشان کر رہی تھی اور اس کا زخم اتنی بُری طرح دھک دھک کر رہا تھا، جیسے اُس کا دل اپنی جگہ سے ہٹ کر کسی سُوراخ کی تہہ میں آ گیا ہو۔ کالے چشمے والی لڑکی، ایک بار پھر، لڑکے کا ہاتھ تھامے اسے اپنے ساتھ لیے چل رہی تھی، لیکن وہ اُس سے زیادہ سے زیادہ فاصلہ رکھے ہوئے تھا، خوفزدہ، کہ اُس کے ساتھ جو حادثہ پیش آیا تھا اُس کا کسی دوسرے کو پتہ نہ چل جائے، جیسا کہ ڈاکٹر، جو بڑبڑایا، یہاں کہیں سے پیشاب کی بدبو آ رہی ہے اور اس کی بیوی نے محسوس کیا کہ اُسے اپنے خاوند کے شُبے کی تصدیق کرنی چاہیے، ہاں، بو تو آ رہی ہے لیکن وہ یہ نہ کہہ سکی کہ یہ بیت الخلاؤں سے آ رہی ہے کہ وہ ابھی کچھ فاصلے پر تھے، اور ایسا بننے پر مجبور جیسے وہ اندھی ہو، وہ یہ ظاہر نہ کر سکی کہ بدبُو لڑکے کی گیلی پتلون سے آ رہی تھی۔ جب وہ بیت الخلاؤں میں پہنچے تو مردوں عورتوں، دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ سب سے پہلے لڑکے کو فارغ ہو لینے دیا جائے لیکن مرد اکٹھے گئے فوری حاجت یا عمر کے امتیاز کے بغیر، پیشاب خانہ مشترکہ تھا، اس نوعیت کی جگہ میں ٹٹیاں بھی ہونی چاہئیں۔ عورتیں دروازے ہی میں رہیں، کہا جاتا ہے کہ ان میں قوت برداشت زیادہ ہوتی ہے لیکن ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے، اور ڈاکٹر کی بیوی نے جلدی ہی خیال ظاہر کیا، شاید یہاں دوسرے بیت الخلا بھی

ہیں، لیکن کالے چشمے والی لڑکی نے کہا، میں صرف اپنی بات کرتی ہوں، میں انتظار کر سکتی ہوں، میں بھی کر سکتی ہوں، دوسری عورت بولی، پھر خاموشی چھا گئی، پھر وہ بولنے لگیں، تمہاری بینائی کیسے گئی، جیسے دوسروں کی، اچانک مجھ سے کچھ دیکھا نہ جا سکا، کیا تم گھر میں تھیں، نہیں، تو یہ اس وقت ہوا جب تم میرے خاوند کے کلینک سے باہر نکلیں، کم و بیش، کم و بیش سے تمہارا کیا مطلب ہے، یہ کہ یہ حادثہ فوری طور پر پیش نہیں آیا، تمہیں کسی قسم کا درد محسوس ہوا، نہیں، کوئی درد نہیں ہوا، لیکن جب میں نے اپنی آنکھیں کھولیں تو میں اندھی تھی، میرے ساتھ معاملہ مختلف ہوا، مختلف سے تمہاری کیا مراد ہے، میری آنکھیں بند نہیں تھیں، میں اُس لمحے اندھی ہوئی جب میرا خاوند ایمبولینس میں بیٹھا، خوش قسمتی کس کی، تمہارے خاوند کی، اس طور تم اکٹھے رہ سکتے ہو، اس صورت میں تو میں بھی خوش قسمت تھی، تم تھیں، کیا تم شادی شدہ ہو، نہیں، میں نہیں ہوں، اور میرا خیال نہیں کہ اب اور شادیاں ہوں گی، لیکن یہ اندھا پن اتنا غیر معمولی ہے، سائنسی علم کے لئے اتنا اجنبی کہ یہ ہمیشہ نہیں رہ سکتا اور فرض کیا کہ ہمیں اپنی تمام باقی زندگی ایسا ہی رہنا پڑے، ہمیں، ہر شخص کو، یہ ہولناک ہوگا، اندھے لوگوں سے بھری دنیا، اس کے بارے میں تو سوچنا بھی ناقابلِ برداشت ہے۔

بیت الخلا سے باہر آنے والا پہلا شخص بھینگی آنکھ والا لڑکا تھا، اُسے تو وہاں جانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس نے اپنی پتلون کے پائنچے ٹانگوں سے آدھے اوپر کر رکھے تھے اور اپنے موزے اتارے ہوئے تھے۔ وہ بولا، میں آ گیا ہوں، جس پر، کالے چشمے والی لڑکی اُس آواز کے رُخ حرکت کرنے لگی، پہلی یا دوسری بار کامیاب نہ ہوئی لیکن تیسری بار لڑکے کا پس و پیش کرتا ہوا ہاتھ پکڑ لیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد، ڈاکٹر نمودار ہوا، پھر پہلا اندھا آدمی، ان میں سے ایک نے پوچھا، تم باقی لوگ کہاں ہو، ڈاکٹر کی بیوی اپنے خاوند کا بازو، پہلے ہی تھام چکی تھی اس کے دوسرے بازو کو کالے چشمے والی لڑکی نے چھو کر اپنی گرفت میں لے لیا تھا، کئی لمحوں تک پہلے اندھے آدمی کو تھامنے والا کوئی نہ تھا، پھر کسی نے اُس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ کیا ہم سب یہاں ہیں، ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا، زخمی ٹانگ والا آدمی وہیں ٹھہر گیا ہے، اپنی دوسری حاجت

پوری کرنے کے لئے، اُس کے خاوند نے جواب دیا۔ پھر کالے چشمے والی لڑکی بولی، شاید یہاں دوسری ٹٹیاں بھی ہیں، میرا بُرا حال ہو رہا ہے، مجھے معاف کریں، آؤ جا کے پتہ کرتے ہیں ڈاکٹر کی بیوی نے کہا اور وہ ہاتھوں میں ہاتھ دیئے چل دیں۔ دس منٹ کے اندر اندر واپس آ گئیں، انہیں کسی ہسپتال کے ڈاکٹر کا کمرہ مِل گیا تھا، جس کا اپنا بیت الخلا تھا۔ اب کار چور بھی دوبارہ نمودار ہو چکا تھا اور سردی کے بارے میں اور اپنی ٹانگ کے درد کی شکایت کر رہا تھا۔ انہوں نے پھر ویسی ہی قطار بنائی جیسے آتے وقت بنائی تھی اور پہلے سے کم کوشش کے بعد اور کسی وقوعے کے بغیر وہ وارڈ میں واپس آ گئے۔ بڑی چالاکی سے، ظاہر کئے بغیر کہ وہ ایسا کر رہی ہے، ڈاکٹر کی بیوی نے، ان کو اپنے اپنے بستروں پر جہاں کہ وہ پہلے تھے، بیٹھنے میں مدد دی۔ وارڈ میں داخل ہونے سے پہلے جیسے یہ بات سب کو پہلے ہی سے معلوم ہو یاد دلایا کہ اپنی اپنی جگہ بیٹھنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہوگا کہ اندر داخل ہوتے ہی بستروں کی گِنتی شروع کر دیں ہمارے بستر، اس نے کہا، دائیں ہاتھ کی طرف سب سے آخر میں ہیں، بستر نمبر اُنیس اور بیس۔ درمیانی راستے میں سے سب سے پہلے والا، کار چور تھا۔ تقریباً برہنہ وہ سر سے پاؤں تک کانپ رہا تھا اور اس کی شدید خواہش تھی کہ کسی طرح اُس کی ٹانگ کا درد کم ہو جائے، اُس کو ترجیح دینے کی یہی وجہ کافی تھی۔ وہ بستر بستر چلتا گیا اپنے سوٹ کیس کی تلاش میں، فرش پر ٹھوکریں کھاتا، اور جب وہ اس کی پہچان میں آ گیا، وہ باآواز بلند بولا، یہاں ہے، پھر اضافہ کیا، نمبر چودہ، کس طرف، ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا، بائیں طرف، اس نے جواب دیا ایک بار پھر، مُبہم سے انداز میں حیران ہو کر، جیسے یہ بات تو اُسے پوچھے بغیر معلوم ہونی چاہیے۔ اگلا جانے والا پہلا اندھا آدمی تھا۔ اسے پتہ تھا کہ اُس کا بستر اگلا ہے، چور کے بستر کے ساتھ والے بستر کو چھوڑ کر اور اُسی طرف۔ وہ اب اُس کے قریب ہی سونے سے خوفزدہ نہیں تھا، اُس کی ٹانگ ایسی خوفناک حالت میں تھی اور اس کی آہوں اور کراہوں کو دیکھتے ہوئے، اُس کے لئے تو ہلنا جُلنا بھی مشکل ہوگا وہاں پہنچنے پر، اس نے کہا، سولہ بائیں طرف، اور انہی کپڑوں میں لیٹ گیا۔ پھر کالے چشمے والی لڑکی نے دھیمی آواز میں استدعا کی۔ کیا ہم تمہارے قریب، دوسری طرف آ سکتے ہیں، ہم وہاں محفوظ محسوس

کریں گے۔ وہ چاروں اکٹھے آگے بڑھے اور اپنی اپنی جگہ براجمان ہونے میں کوئی وقت ضائع نہیں کیا چند منٹوں کے بعد بھینگی آنکھ والے لڑکے نے کہا، مجھے بھوک لگی ہے اور کالے چشمے والی لڑکی نے ہولے سے کہا، کل، کل ہمیں کھانے کے لئے کچھ نہ کچھ مل جائے گا، اب سو جاؤ۔ پھر اُس نے اپنا دستی بیگ کھولا، کیمسٹ کی دوکان سے دارُو کی جو ننھی سی شیشی خریدی تھی اسے تلاش کرنے لگی۔ اس نے اپنا چشمہ اتارا، اپنے سر کو پیچھے کی طرف کیا، ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی رہنمائی کرتے ہوئے اپنی آنکھ میں قطرے ڈالنے لگی۔ اُس کی آنکھوں میں تمام قطرے تو نہیں گرے، لیکن جھلّی کے ورم کا، ایسا پُر احتیاط علاج اسے جلد ہی دُور کر دیتا ہے۔

۵

مجھے اپنی آنکھیں کھولنا ہوں گی، ڈاکٹر کی بیوی نے سوچا۔ جب رات کے دوران مختلف اوقات میں، وہ جاگ اٹھتی تھی، تو اُسے بند پپوٹوں میں سے، لیمپوں کی مدھم روشنی محسوس ہوتی تھی جس نے وارڈ کو بمشکل روشن کر رکھا ہوتا، لیکن اب اسے ایک مختلف اور دوسری طرح کی منور موجودگی محسوس ہوتی معلوم ہوئی، یہ صبح کی پہلی جھلملاہٹ کا اثر ہوسکتا تھا، یہ وہ دودھیا سمندر ہوسکتا تھا جس نے اُس کی آنکھوں کو ڈبونا شروع کر دیا تھا۔ اس نے دل میں کہا، وہ دس تک گنے گی اور پھر اپنے پپوٹے کھول دے گی، اس نے یہ دوبارہ کہا، دو تک گنا اور دونوں بار انہیں کھولنے میں ناکام رہی۔ ساتھ والے بستر میں وہ اپنے خاوند کو گہرے گہرے سانس لیتے اور کسی اور شخص کو خراٹے لیتے ہوئے سُن سکتی تھی، نہ جانے اُس آدمی کی ٹانگ کے زخم کا کیا حال ہوگا، اس نے دل میں پوچھا، اور اُسی لمحے وہ جان گئی کہ اسے کوئی حقیقی ہمدردی محسوس نہیں ہوئی، وہ ظاہر یہ کرنا چاہتی تھی کہ اُسے کسی اور چیز کی فکر تھی وہ چاہتی دراصل یہ تھی کہ اُسے اپنی آنکھیں نہ کھولنی پڑیں۔ اگلے ہی لمحے اس نے آنکھیں کھول دیں، بالکل ایسے ہی، کسی شعوری فیصلے کی وجہ سے نہیں کھڑکیوں میں سے جو دیوار کے اوپر والے آدھے حصے سے شروع ہو کر چھت سے بالشت بھر کے فاصلے تک جاتی تھیں، اوّل صبح کی ہلکی ہلکی نیلگوں روشنی داخل ہو رہی تھی۔ میں اندھی نہیں ہوں وہ بڑبڑائی اور اچانک دہشت زدہ ہوتے ہوئے، اپنے بستر پر اُٹھ کر بیٹھ گئی،

کالے چشمے والی لڑکی نے جو اس کے سامنے والے بستر میں تھی، شاید اُس کی آواز سنی ہو، وہ سو رہی تھی۔ اگلے بستر پر جو دیوار کے ساتھ تھا، لڑکا بھی سو رہا تھا، اُس نے بھی میری طرح کیا، ڈاکٹر کی بیوی نے سوچا، اُس نے اس لڑکے کو محفوظ ترین جگہ دی۔ کیسی کمزور دیواریں بناتے ہیں ہم، سڑک کے بیچ میں محض ایک پتھر کسی امید کے بغیر، سوائے اس کے کہ دشمن کو اس سے ٹھوکر کھاتے ہوئے دیکھیں، دشمن، کون دشمن، یہاں کوئی ہم پر حملہ آور نہیں ہوگا، یہاں ہمیں گرفتار کرنے کے لئے کسی کے آنے کا امکان نہیں، چاہے ہم نے باہر کوئی چوری کی ہو، یا کسی کو قتل کیا ہو، وہ آدمی جس نے کار چرائی تھی، اس نے بھی زندگی میں کبھی حقیقی طور پر اپنے آپ کو اتنا آزاد نہ سمجھا ہوگا، ہم دنیا سے اتنے دُور ہوگئے ہیں کہ کوئی دن جاتا ہے، ہمیں یہ بھی پتہ نہیں ہوگا کہ ہم کون ہیں، یا ہمیں اپنے نام بھی یاد نہیں آئیں گے، اور علاوہ ازیں، کیا فائدہ پہنچے گا ہمیں اپنے ناموں سے، کوئی کتا کسی دوسرے کتے کو نہیں پہچانتا، یا اُن ناموں سے انہیں نہیں جانتا جو اُن کو دیئے جاتے ہیں، کتا اپنی بُو سے پہچانا جاتا ہے اور اُسی سے وہ دوسروں کو پہچانتا ہے، یہاں ہم کتوں کی ایک دوسری نسل سے ہیں، ہم ایک دوسرے کی بھونک یا بولی جانتے ہیں رہ گئیں باقی چیزیں، خدوخال، آنکھوں کا یا بالوں کا رنگ، ان کی کوئی اہمیت نہیں، جیسے ان کا کوئی وجود ہی نہ ہو، میں اب بھی دیکھ سکتی ہوں مگر کب تک، روشنی میں تھوڑی تبدیلی پیدا ہوئی، یہ تو ہو نہیں سکتا کہ رات واپس آ رہی ہو، یقیناً آسمان پر بادل چھا گئے ہوں گے، صبح میں تاخیر کرنے کی غرض سے۔ کار چور کے بستر سے ایک کراہ بلند ہوئی، اگر زخم میں کیڑے پڑ گئے ہیں، ڈاکٹر کی بیوی نے سوچا، تو ہمارے پاس کچھ نہیں جس سے اس کا علاج کر سکیں، کوئی دوا دارو نہیں، اس قسم کی صورت حال میں معمولی سا حادثہ بھی ایک المیے کی شکل اختیار کر سکتا ہے، شاید اسی بات کا وہ لوگ انتظار کر رہے ہیں کہ ہم یہیں فنا ہو جائیں، یکے بعد دیگرے، جب کوئی چوپایہ مرجاتا ہے تو ساتھ ہی اس کا زہر بھی مرجاتا ہے۔ ڈاکٹر کی بیوی بستر سے اٹھی، اپنے خاوند کے اُوپر جھکی، اسے جگانے ہی والی تھی، لیکن ہمت نہیں پڑی کہ اُسے، اُس کی نیند سے باہر گھسیٹ کر لائے اور معلوم کرے کہ کیا وہ اب بھی اندھا ہے۔ ننگے پاؤں، پھونک پھونک کر قدم رکھتی، وہ کار چور

کے بستر کے قریب گئی، اُس کی آنکھیں کھلی تھیں لیکن بے حس و حرکت، کیسا محسوس کر رہے ہو، ڈاکٹر کی بیوی نے سرگوشی کی کار چور نے اپنا سر آواز کی طرف موڑتے ہوئے کہا، بُرا، میری ٹانگ میں شدید درد اٹھ رہا ہے، وہ اُس سے کہنے ہی کو تھی کہ مجھے دیکھنے دو، لیکن کہتے کہتے رُک گئی، اتنی بے احتیاطی، یہ وہی تھا جسے یاد ہی نہ رہا کہ یہاں صرف اندھے لوگ ہیں، اس نے سوچے بغیر عمل کیا، جیسا کہ اُسے کئی گھنٹے پہلے اس وقت کرنا چاہیے تھا وہاں باہر، اگر اسے کسی ڈاکٹر نے کہا ہوتا، لاؤ اس زخم کو دیکھتے ہیں، اور اُس نے کمبل اوپر اٹھا دیا۔ نیم روشنی میں بھی، کسی بھی دیکھنے والے کو اُس کا گدّا خون سے لت پت نظر آیا ہوتا، اور زخم کا سیاہ گڑھا جس کے کناروں پر سوجن تھی پٹی کھل گئی تھی۔ ڈاکٹر کی بیوی نے احتیاط کے ساتھ کمبل اوپر ڈال دیا، پھر تیزی کے ساتھ اور نازکی سے آدمی کی پیشانی پر ہاتھ پھیرا، اُس کی جلد خشک، گرم اور جلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ روشنی میں پھر تبدیلی ہوئی، بادل چھٹتے جا رہے تھے۔ ڈاکٹر کی بیوی اپنے بستر کی طرف واپس آ گئی لیکن اس بار لیٹی نہیں۔ وہ دیکھتی رہی، اپنے خاوند کی طرف جو نیند میں بڑبڑا رہا تھا، خاکستری رنگ کے کمبلوں کے نیچے دوسرے لوگوں کی پرچھائیوں جیسی شکلوں کی طرف، میلی کچیلی دیواروں کو، آنے والے لوگوں کے منتظر خالی بستروں کو، اور اس نے متانت کے ساتھ چاہا کہ کاش وہ بھی اندھی ہو سکے، اشیاء کی ظاہری چھال میں داخل ہو کر اُن کے باطن میں سرایت کر سکے، اُن کے چکا چوند کرتے ہوئے لاعلاج اندھے پن میں چلی جائے۔

اچانک، وارڈ کے باہر، عمارت کے دونوں حصّوں کے درمیان والے ہال کی طرف سے، غُصیلی آوازوں کی صدا سنائی دی، باہر، باہر، باہر نکل جاؤ، چلے جاؤ تم لوگ، تم یہاں نہیں رہ سکتے، احکامات کی تعمیل کرنا ہوگی۔ شور زیادہ بلند ہوا، پھر خاموشی ہوگئی دروازہ زور سے بند کر دیا گیا، اب غمناک سسکیاں سنائی دیں، ایک بالکل صاف کھڑکھڑاہٹ، جیسے کوئی گرا ہو۔ وارڈ میں سب جاگ رہے تھے، گردنیں دروازے کے رُخ موڑی ہوئیں، انہیں یہ دیکھنے یا جاننے کی ضرورت نہ پڑی کہ آنے والے اندھے لوگ تھے۔ ڈاکٹر کی بیوی اُٹھ کھڑی ہوئی، وہ کتنا چاہتی تھی نوواردوں کی مدد کرنا، اُن سے تسلی کا کوئی بول بولنا، اُن کے بستروں تک رہنمائی کرنا، انہیں

مطلع کرنا، دھیان کرو، یہ بستر نمبر سات ہے بائیں ہاتھ کی طرف، یہ نمبر چار ہے دائیں طرف تم غلطی نہیں کر سکتے، ہاں، ہم یہاں چھ ہیں، ہم کل آئے تھے۔ ہاں، ہم سب سے پہلے آئے تھے، ہمارے نام، ناموں میں کیا رکھا ہے، مجھے یقین ہے کہ مردوں میں سے ایک نے کار چوری کی تھی، پھر وہ آدمی جس کی کار چوری کی گئی تھی، ایک پُراسرار لڑکی ہے جو کالا چشمہ لگاتی ہے اور اپنی آنکھ کا ورم ٹھیک کرنے کے لئے قطرے ڈالتی ہے، میں کیسے جانتی ہوں، اندھی ہوتے ہوئے کہ وہ کالا چشمہ لگاتی ہے، خیر جیسا کہ ہوتا ہے، میرا خاوند آنکھوں کا ڈاکٹر ہے اور وہ اسے دکھانے کے لئے گئی تھی اس کے کلینک میں، ہاں، وہ بھی یہاں ہے، اندھے پن کا ہم سب شکار ہوئے، بے شک، ایک لڑکا بھی ہے جس کی آنکھ بھینگی ہے۔ وہ اپنی جگہ سے ہلی نہیں، اس نے اپنے خاوند سے اتنا کہا، وہ آ رہے ہیں۔ ڈاکٹر بستر سے نکل آیا، اس کی بیوی نے پتلون پہننے میں اس کی مدد کی، کیا فرق پڑتا ہے، کوئی دیکھ تو سکتا نہیں عین اس وقت اندھے نظر بند وارڈ میں داخل ہوئے وہ پانچ تھے، تین مرد اور دو عورتیں۔ ڈاکٹر نے کہا، اونچی آواز میں، اطمینان رکھو، جلدی کی کوئی ضرورت نہیں، یہاں ہم چھ ہیں، تم کتنے ہو، یہاں ہر ایک کے لئے جگہ ہے۔ اُن کو معلوم نہ تھا کہ وہ کتنے ہیں، یہ سچ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے ملے تھے کبھی کبھی ایک دوسرے سے ٹکرائے بھی تھے جب انہیں بائیں حصے والوں نے دھکیل کر باہر نکال دیا تھا اس طرف، لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ وہ کتنے تھے۔ اور وہ کوئی سامان بھی اٹھائے ہوئے نہیں تھے۔ جب وہ اپنے وارڈ میں جاگے اور اپنے آپ کو اندھا پایا اور اپنی قسمت پر رونے لگے تو دوسروں نے ایک لمحہ بھی توقف کیے بغیر انہیں وہاں سے نکال باہر کیا، اتنا وقت بھی نہیں دیا کہ وہ وہاں اپنے ممکنہ عزیزوں یا دوستوں سے رخصت بھی ہو لیتے۔ ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، بہتر ہوگا اگر ان کی گنتی ہو جائے اور ہر کوئی اپنا نام بتا دے۔ بے حس و حرکت، نظر بندوں نے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا، لیکن کسی کو تو آغاز کرنا ہی تھا، مردوں میں سے دو ایک دم بول اُٹھے، یہ ہمیشہ ہوتا ہے، پھر دونوں چپ ہو گئے اور یہ تیسرا مرد تھا جس نے ابتدا کی، نمبر ایک وہ رُکا، لگتا تھا وہ اپنا نام بتانے والا ہے، لیکن اس نے کہا یہ میں ایک پولیس والا ہوں، اور ڈاکٹر کی بیوی نے دل میں سوچا، اس نے

اپنا نام نہیں بتایا، یہ بھی جانتا ہے کہ ناموں کی کوئی اہمیت نہیں یہاں۔ ایک اور مرد اپنا تعارف کروا رہا تھا، نمبر دو، اور اس نے بھی پہلے والے آدمی کی مثال کی پیروی کی میں ایک ٹیکسی ڈرائیور ہوں۔ تیسرے مرد نے کہا، نمبر تین، میں ایک فارمیسی اسسٹنٹ ہوں۔ پھر ایک عورت بولی، نمبر چار، میں ایک ہوٹل کی خادمہ ہوں، اور آخر میں، نمبر پانچ، میں ایک دفتر میں کام کرتی ہوں۔ یہ میری بیوی ہے، میری بیوی، تم کہاں ہو، مجھے بتاؤ تم ہو کہاں، یہاں، میں یہاں ہوں، اس نے آنسو بہاتے ہوئے اور پلنگوں کے درمیانی راستے کے ساتھ ساتھ لڑکھڑا کر چلتے ہوئے کہا، آنکھیں پوری کی پوری کھلی ہوئیں، ہاتھ دودھیا سمندر کی طغیانی سے جدوجہد میں مصروف۔ زیادہ پُراعتماد، وہ اُس کی طرف بڑھا، کہاں ہو تم، کہاں ہو تم، اب وہ زیرلب کچھ کہہ رہا تھا جیسے دُعا پڑھ رہا ہو۔ اک ہاتھ نے دوسرے ہاتھ کو پالیا، اگلے لمحے وہ ہم آغوش ہو رہے تھے، یک بدن، بوسے، بوسوں کی تلاش میں، کبھی کبھی ہوا ہی میں معلق رہ جاتے کیونکہ وہ ایک دوسرے کے رخساروں کو، آنکھوں کو اور ہونٹوں کو نہیں دیکھ سکتے تھے سسکیاں لیتے ہوئے ڈاکٹر کی بیوی اپنے خاوند سے چمٹ گئی، جیسے وہ خود بھی، ابھی ابھی ایک دوسرے سے ملے ہوں، لیکن جو وہ کہہ رہی تھی، وہ یہ تھا، یہ خوفناک ہے، واقعی ایک ابتلا۔ پھر بھینگی آنکھ والے لڑکے کی آواز پوچھتی ہوئی سنائی دی، کیا میری ماں بھی یہاں ہے۔ لڑکے کے بستر پر بیٹھی، کالے چشمے والی لڑکی نے ہولے ہولے کہا، وہ آئے گی، فکر نہ کرو، وہ آئے گی۔

یہاں ہر شخص کا حقیقی گھر وہ ہوتا ہے جہاں وہ سوتا ہے، اس لیے اگر نواردوں کو پہلی فکر اپنے بستر کے انتخاب کی تھی تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، بالکل ویسے ہی جیسے انہوں نے دوسرے وارڈ میں کیا تھا جب اُن کی آنکھوں میں بینائی ابھی باقی تھی۔ جہاں تک پہلے اندھے ہونے والے آدمی کی بیوی کا معاملہ تھا، بلاشبہ، اُس کو جائز اور قدرتی طور پر اپنے خاوند کے قریب ہی جگہ ملنی چاہیے تھی، بستر نمبر سترہ میں، نمبر اٹھارہ کو بیچ میں چھوڑتے ہوئے، جیسے اس کے اور کالے چشمے والی لڑکی کے درمیان ایک خالی جگہ تھی۔ نہ ہی اس میں حیرانی کی کوئی بات ہے کہ انہیں ممکنہ حد تک ایک دوسرے کے قریب رہنے کی کوشش کرنی چاہیے، یہاں بہت سے

آپسی رشتے ہیں، کچھ پہلے سے معلوم، دوسرے جو ابھی ظاہر ہوا چاہتے ہیں، مثلاً، یہ فارمیسی اسسٹنٹ ہی تھا جس نے کالے چشمے والی لڑکی کو دارُو کے قطرے فروخت کیے تھے، ٹیکسی ڈرائیور ہی تھا جو پہلے اندھے آدمی کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا، یہ شخص جس نے اپنی شناخت پولیس والے کے طور پر کروائی ہے اسی نے کار چور کو، کسی رستہ بھول جانے والے بچے کی طرح روتا ہوا پایا تھا، اور جہاں تک ہوٹل کی خادمہ کا تعلق ہے تو یہی سب سے پہلے اُس کمرے میں داخل ہوئی تھی جہاں کالے چشمے والی لڑکی کو چیخنے چلانے کا دورہ پڑا تھا۔ تاہم یہ بات یقینی ہے کہ یہ رشتے پورے طور پر واضح نہیں ہوں گے یا تو ایسا موقع ہی پیدا نہیں ہوگا اور یا نہ ہی کسی نے تصور کیا ہوگا کہ ان کی موجودگی کا امکان ہوسکتا ہے یا طرز احساس اور موقع شناسی کے سیدھے سادے سوال کی وجہ سے۔ ہوٹل کی خادمہ کے کبھی خواب و خیال میں بھی نہیں آئے گا کہ جس لڑکی کو اس نے برہنہ دیکھا تھا وہ یہاں موجود ہے، ہمیں معلوم ہے کہ فارمیسی اسسٹنٹ کے پاس آنکھوں کا دارو خریدنے والے، کالے چشمے لگائے دوسرے گاہک بھی آئے ہوں گے، کوئی بھی اتنا ناعاقبت اندیش نہ ہوگا جو پولیس والے سے مخبری کرے کہ جس شخص نے کار چرائی تھی وہ یہاں ہے، ٹیکسی ڈرائیور قسمیہ کہے گا کہ پچھلے چند دنوں میں اُس نے کسی اندھے آدمی کو اپنی ٹیکسی میں نہیں بٹھایا تھا۔ فطری طور پر، پہلے اندھے آدمی نے دھیمی آواز میں اپنی بیوی کو بتایا کہ ان میں ایک نظر بند وہ بدمعاش بھی ہے جو اُن کی کار لے اُڑا تھا، ہے نا عجیب اتفاق، لیکن چونکہ اس اثنا میں اسے معلوم ہوگیا تھا کہ اس بدقسمت شیطان کی ایک ٹانگ بُری طرح زخمی تھی اس نے نیکدلی کے تحت ساتھ ہی اضافہ کیا، اُسے اپنے کیے کی کافی سزا مل چکی ہے اور وہ کہ اپنے اندھے ہونے کی وجہ سے گہرے طور پر دُکھی تھی اور اپنے خاوند کو دوبارہ پالینے پر بے حد مسرور، خوشی اور غم ساتھ ساتھ چل سکتے ہیں، پانی اور تیل کی طرح نہیں، اُسے یاد بھی نہیں تھا جو اُس نے دو دن پہلے کہا تھا، کہ اگر وہ دغاباز اندھا ہوجائے، یہ اُس کے اپنے الفاظ تھے، تو وہ اپنی زندگی کا ایک برس بھی قربان کرنے پر تیار ہے۔ اور اگر ناراضگی کی کوئی آخری پرچھائیں بھی، اُس کی روح کو ابھی تک مضطرب کر رہی تھی، یقیناً غائب ہوگئی جب زخمی آدمی نے قابلِ رحم انداز میں

کراہتے ہوئے کہا، ڈاکٹر، پلیز میری مدد کرو۔ اپنی بیوی کو رہنمائی کرنے کی اجازت دیتے ہوئے ڈاکٹر نے اس کے زخم کے کناروں کا نرمی سے جائزہ لیا، وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا تھا، نہ ہی اس کو دھونے کی کوشش کرنے کا کوئی فائدہ تھا، زخم کے گلنے سڑنے کی وجہ شاید جوتی کی ایڑی کا گہرا دخول ہو، جو سڑکوں کی سطح اور اس عمارت کے فرشوں کی سطح سے لگتی رہی تھی، یا بیماری لگانے والے کیمیاوی اجزا جو غالباً غلیظ اور تقریباً ٹھہرے ہوئے پانی میں پائے جاتے ہیں، جو زنگ آلود پرانی نالیوں سے آتا ہے جو انتہائی خراب حالت میں ہوتی ہیں۔ کالے چشمے والی لڑکی نے جو زخمی آدمی کو کراہتے سن کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی دھیرے دھیرے اُس کی طرف بڑھنا شروع کیا، بستروں کو گنتے ہوئے۔ وہ آگے کی طرف جھکی، اپنا ہاتھ آگے بڑھایا جو ڈاکٹر کی بیوی کے چہرے پر پھرتا ہوا، اور پھر، کون جانے کیسے، زخمی آدمی کے ہاتھ تک پہنچ گیا، جو جلتا ہوا لگتا تھا، اس نے اداسی سے کہا، پلیز، مجھے معاف کردو، یہ سب میرا قصور تھا، میں نے جو کیا اُس کی کوئی ضرورت نہ تھی، اسے بھول جاؤ، آدمی نے جواب دیا، زندگی میں ایسی باتیں ہوجاتی ہیں، مجھے بھی وہ نہیں کرنا چاہیے تھا جو میں نے کہا۔ ان آخری الفاظ کو تقریباً اپنی لپیٹ میں لیتے، لاؤڈ اسپیکر سے ایک کرخت آواز گونجی، توجہ، توجہ تمہاری خوراک داخلے والے دروازے میں رکھ دی گئی ہے، ساتھ ہی صحت و صفائی کا سامان بھی، سب سے پہلے اپنی خوراک لینے کے لئے اندھے لوگ جائیں، متاثرہ افراد والے حصے کے لوگوں کو اُن کی باری آنے پر اطلاع دی جائے گی، توجہ، توجہ تمہاری خوراک دروازے میں رکھ دی گئی ہے، سب سے پہلے اندھے لوگ وہاں جائیں، اندھے لوگ پہلے۔ بخار سے بدحواس زخمی آدمی کو پورے الفاظ سمجھ میں نہیں آئے وہ سمجھا انہیں یہاں سے چلے جانے کے لئے کہا جارہا ہے، کہ اُن کی نظربندی ختم ہوگئی ہے اور یوں لگا جیسے وہ اٹھنے والا ہو، لیکن ڈاکٹر کی بیوی نے اُسے روک دیا، تم کہاں جارہے ہو، تم نے سنا نہیں، اس نے پوچھا، انہوں نے کہا ہے کہ اندھے لوگ جائیں، ہاں، لیکن صرف جاکر ہمارا کھانا لانے کے لئے۔ زخمی آدمی نے ایک مایوسانہ آہ بھری اور ایک بار پھر جسم کو چھید دینے والا درد محسوس کیا۔ ڈاکٹر نے کہا، تم یہیں ٹھہرو، میں جاتا ہوں، میں تمہارے ساتھ آرہی ہوں، اس کی بیوی

بولی۔ ابھی وہ وارڈ سے نکلنے ہی کو تھے، ایک آدمی نے جو دوسرے حصے سے آیا تھا سوال کیا، یہ شخص کون ہے، جواب پہلے اندھے آدمی کی طرف سے آیا، یہ ایک ڈاکٹر ہے، ماہر امراض چشم یہ بھی خوب ہے، ٹیکسی ڈرائیور نے کہا، ہماری بھی کیا قسمت ہے کہ ڈاکٹر ملا بھی تو ایسا جو ہمارے لئے کچھ نہیں کرسکتا، ہمارے ہاتھ بھی ایسا ٹیکسی ڈرائیور آیا ہے جو ہمیں کہیں نہیں لے جاسکتا، کالے چشمے والی لڑکی نے طنزیہ انداز میں جواب دیا۔

خوراک کا ڈبا ڈیوڑھی میں رکھا تھا، ڈاکٹر نے اپنی بیوی سے کہا، مجھے صدر دروازے تک لے چلو، کیوں، میں انہیں بتاؤں گا کہ یہاں ایک شخص کے زخم کی حالت سنگین ہے اور یہ کہ ہمارے پاس کوئی دوا نہیں، وارننگ یاد ہے، ہاں، لیکن شاید، جب ٹھوس ثبوت موجود ہو، مجھے شک ہے، مجھے بھی ہے، لیکن ہمیں کوشش تو کرنی چاہیے اگلے صحن کی طرف جانے والی سیڑھیوں کے تھڑے پر، دن کی روشنی نے اُس کی بیوی کی آنکھوں کو خیرہ کردیا، اس لئے نہیں کہ وہ اتنی شدید تھی، کالے بادل آسمان پر سے گزر رہے تھے اور لگتا تھا کہ شاید بارش ہو، اتنے تھوڑے عرصے میں، میں تیز روشنی کی عادی نہیں رہی، اس نے سوچا، عین اس لمحے پھاٹک سے ایک فوجی چلایا، رُک جاؤ، واپس مُڑو، مجھے گولی مارنے کا حکم ہے اور پھر اُسی لہجے میں، بندوق سیدھی کرتے ہوئے، سارجنٹ، یہاں کچھ لوگ نکلنے کی کوشش کررہے ہیں، ہماری نکلنے کی کوئی خواہش نہیں، ڈاکٹر نے احتجاج کیا، میری رائے میں جو وہ چاہتے ہیں یہ نہیں، سارجنٹ نے قریب آتے ہوئے کہا اور صدر دروازے کی سلاخوں میں سے دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا، کیا ہورہا ہے، ایک شخص کی ٹانگ زخمی ہوگئی ہے اُس کا زخم ناسور بن چکا ہے، ہمیں اینٹی بیاٹکس اور دوسری دواؤں کی فوری طور پر ضرورت ہے، میرے احکامات بالکل صاف اور واضح ہیں، کسی کو یہاں سے نکلنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، اور صرف ایک ہی چیز اندر جاسکتی ہے، خوراک، اگر یہ زخم اور زیادہ خراب ہوگیا جو بالکل یقینی لگتا ہے، تو یہ مہلک ثابت ہوسکتا ہے یہ میرا مسئلہ نہیں ہے، پھر اپنے اعلیٰ حکام سے رابطہ کریں، دیکھو، اندھے آدمی، میری بات سنو، یا تو تم دونوں جہاں سے آئے ہو وہیں واپس چلے جاؤ یا تمہیں گولی ماردی جائے گی، آؤ چلیں، بیوی نے کہا، کچھ

نہیں ہوسکتا، اُن کو دوش نہیں دیا جاسکتا، وہ دہشت زدہ ہیں اور صرف احکامات کی تعمیل کر رہے ہیں، میں یقین نہیں کرسکتا کہ ایسا ہو رہا ہے، یہ تمام انسانی ضابطوں کے خلاف ہے، بہتر ہے کہ تم یقین کرلو، کیونکہ سچ اس سے زیادہ واضح نہیں ہوسکتا، تم دونوں ابھی یہاں ہو، میں تین تک گنوں گا اور اگر وہ اس وقت تک میری نظروں سے اوجھل نہ ہوئے تو پھر انہیں یقین ہونا چاہیے کہ وہ واپس نہ جاسکیں گے اے ک ک، دو او او او، تی ای ای ن قصہ ختم، وہ اپنی بات کا پکا تھا اور سپاہیوں کی طرف مڑتے ہوئے، اگر یہ مرا اپنا بھائی بھی ہوتا، اس نے کھل کر نہیں کہا کہ وہ کس کی طرف اشارہ کر رہا تھا، آیا اس آدمی کی طرف جو دوائیوں کی درخواست کرنے آیا تھا یا اس دوسرے زخمی ٹانگ والے آدمی کی طرف۔ اندر زخمی آدمی یہ جاننا چاہتا تھا کہ آیا وہ انہیں دوائیاں سپلائی کریں گے، تمہیں کیسے معلوم کہ میں دوائیوں کا پوچھنے کے لئے گیا تھا، ڈاکٹر نے پوچھا، میں نے اتنا اندازہ لگایا کہ آخر تم ایک ڈاکٹر ہو، مجھے بہت افسوس ہے، اس کا مطلب ہے کہ کوئی دوائی نہیں ملے گی، ہاں تو یہ قصہ ہے۔

پانچ افرادؔ کی خوراک کا بڑی احتیاط سے حساب لگایا گیا تھا۔ دودھ کی بوتلیں تھیں اور بسکٹ تھے لیکن جس کسی نے بھی اُن کا راشن تیار کیا تھا، وہ گلاس رکھنے بھول گیا تھا، نہ ہی پلیٹیں اور چمچ چھری کانٹے وغیرہ تھے، یہ چیزیں شاید دوپہر کے کھانے کے ساتھ آئیں گی۔ ڈاکٹر کی بیوی زخمی آدمی کے لئے پینے کی کوئی چیز لے کر گئی، لیکن اُس نے قے کر دی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے شکایت کی کہ اُسے دودھ پسند نہیں پوچھا کہ کیا اسے کوفی مل سکتی ہے۔ چند لوگ کھانے کے بعد بستر پر چلے گئے، پہلا اندھا آدمی اپنی بیوی کو مختلف جگہیں دکھانے لے گیا، صرف وہی دونوں وارڈ سے باہر گئے، فارمیسی اسسٹنٹ نے ڈاکٹر سے بات کرنے کی اجازت چاہی، وہ چاہتا تھا کہ ڈاکٹر اسے بتائے اگر اس نے، ان کی بیماری کے بارے میں کوئی رائے قائم کی ہے، مجھے یقین نہیں کہ اسے درست طور پر بیماری کہا جاسکتا ہے، ڈاکٹر نے تشریح کرنی شروع کی، اور پھر انتہائی آسان زبان میں، اس نے اندھا ہونے سے پہلے، اپنی حوالے کی کتابوں سے جو تحقیق کی تھی اس کا خلاصہ بیان کیا۔ کئی بستر آگے، ٹیکسی ڈرائیور توجہ سے سُن رہا تھا، اور جب ڈاکٹر نے

اپنا بیان ختم کیا تو اُس نے پورے وارڈ کو چلاّ کر بتایا میں شرطیہ کہتا ہوں کہ ہوا یہ ہے کہ جو نالیاں آنکھوں سے دماغ کی طرف جاتی ہیں اُن میں انجماد پیدا ہوگیا ہے، بیہودہ، احمق، فارمیسی اسسٹنٹ حقارت سے غرایا، کون جانے ڈاکٹر اپنی مسکراہٹ نہ روک سکا، آنکھیں دراصل شیشے ہیں، دیکھنے کا کام تو دماغ ہی کرتا ہے، جیسے فلم پر کوئی تصویر نمودار ہوتی ہے اور اگر نالیوں میں واقعی انجماد پیدا ہوگیا ہے، جیسا کہ اُس آدمی نے اشارہ کیا ہے، تو یہ کاربن کار کی طرح ہے اگر اس تک ایندھن نہیں پہنچ سکتا تو انجن کام نہیں کرے گا اور کار نہیں چلے گی، سیدھی سی بات جیسا کہ آپ دیکھ سکتے ہیں، ڈاکٹر نے فارمیسی اسسٹنٹ کو بتایا، اور کتنی زیادہ دیر تک، ڈاکٹر آپ سمجھتے ہیں کہ ہمیں یہاں رکھا جائے گا، ہوٹل کی خادمہ نے پوچھا، کم از کم اتنی دیر، جتنی دیر تک ہم دیکھنے سے قاصر رہتے ہیں، اور اس کو کتنا عرصہ لگے گا، لگی لپٹی رکھے بغیر، میرا نہیں خیال کہ یہ کسی کو معلوم ہے، یا تو یہ ایسی چیز ہے جو گزر جائے گی یا شاید ہمیشہ کے لئے باقی رہے گی۔ یہ جاننے کی مجھے کتنی خواہش ہے۔ خادمہ نے آہ بھری اور چند لمحوں کے بعد، میں اُس لڑکی کے بارے میں بھی جاننا چاہوں گی کہ اُس پر کیا گزری، کون سی لڑکی، فارمیسی اسسٹنٹ نے پوچھا، وہی ہوٹل والی لڑکی، مجھے کتنا صدمہ پہنچایا تھا اُس نے، کمرے کے عین بیچ میں، مادرزاد برہنہ، تن پر ایک دھجی نہیں سوائے کالے چشمے کے، اور چلا رہی تھی کہ میں اندھی ہوگئی ہوں، غالباً اُسی سے لگی ہے مجھے یہ بیماری۔ ڈاکٹر کی بیوی نے دیکھا لڑکی نے آہستہ سے اپنا کالا چشمہ اتارا اور اپنی حرکات وسکنات کو چھپاتے ہوئے، اُسے اپنے تکیے کے نیچے رکھ دیا، بھینگی آنکھ والے لڑکے سے پوچھتے ہوئے کہ اُسے ایک اور بسکٹ تو نہیں چاہیے جب سے وہ یہاں آئی تھی، پہلی بار ڈاکٹر کی بیوی نے محسوس کیا کہ جیسے وہ ایک خوردبین کے پیچھے کھڑی ہے اور کئی انسانوں کے رویّوں کا مشاہدہ کر رہی ہے جنہیں شاید اُس کی موجودگی کا شبہ تک نہ ہو، اور اچانک یہ اُسے ذلیل اور فحش حرکت لگی۔ اگر دوسرے مجھے نہیں دیکھ سکتے تو مجھے دیکھنے کا کوئی حق نہیں، اس نے دل میں سوچا۔ کانپتے ہوئے ہاتھ کے ساتھ لڑکی نے آنکھ میں چند قطرے ڈالے۔ اس سے ہمیشہ اُسے یہ کہنے میں آسانی رہے گی کہ یہ آنسو نہیں تھے جو اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

کئی گھنٹوں کے بعد جب لاؤڈ اسپیکر سے اعلان ہوا کہ وہ آ کر اپنا دوپہر کا کھانا لے جائیں تو پہلے اندھے آدمی اور ٹیکسی ڈرائیور نے اس مشن کے لئے اپنی خدمات کی پیشکش کی جس کے لئے دیکھنے والی آنکھوں کا ہونا ضروری نہیں تھا، چھونے کی اہلیت ہی کافی تھی۔ ڈبّے اس دروازے سے ذرا فاصلے پر تھے، جو ڈیوڑھی کو گیلریوں سے ملاتا تھا، اُن کا پتہ چلانے کے لئے انہیں چوپایوں کی طرح چلنا تھا، ایک ہاتھ بڑھا کر فرش پر پھیرتے ہوئے جبکہ دوسرے سے پاؤں کا کام لیتے ہوئے، اور اگر انہیں وارڈ کی طرف واپس آتے ہوئے کوئی مشکل پیش نہیں آئی تو اس لئے کہ یہ خیال ڈاکٹر کی بیوی کو سوجھا تھا، جس کا جواز اس نے بڑی دقت کے ساتھ، اور اپنے ذاتی تجربے کے حوالے سے پیش کیا تھا، ایک کمبل کو پھاڑ کر لیر لیر کرتے ہوئے اور ان سے ایک رسّہ بناتے ہوئے، جس کا ایک سِرا وارڈ کے دروازے کی باہر والی ہتھی سے بندھا ہوا رہتا تھا اور دوسرا ہر اس آدمی کے ٹخنے کے ساتھ جس کو بھی خوراک لانے کے لئے جانا تھا۔ دو آدمی گئے، پلیٹیں اور کٹلری تو آ گئی لیکن حصّہ اب بھی پانچ آدمیوں کا تھا، غالب امکان یہ تھا کہ سارجنٹ کے علم میں نہیں کہ یہاں چھ اندھے لوگ اور بھی ہیں، اس لئے کہ ایک بار داخلے کے دروازے سے باہر ہونے پر، صدر دروازے کے پیچھے ڈیوڑھی کے اندھیرے میں، رونما ہونے والی باتوں پر نظر رکھتے ہوئے بھی، کسی شخص کو ایک حصے سے دوسرے میں منتقل ہوتے ہوئے، اتفاقیہ طور پر ہی دیکھا جاسکتا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے پیشکش کی کہ وہ جا کر باقی لوگوں کے کھانے کا مطالبہ کرتا ہے، اور وہ اکیلا گیا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اُس کے ساتھ جائے، ہم پانچ نہیں ہیں، گیارہ ہیں، وہ سپاہیوں کی طرف مُنہ کر کے چلّایا اور دوسری طرف سے اُسی سارجنٹ نے جواب دیا، دم لو، ابھی اور بہت سوں کو آنا ہے، اس نے ایسے لہجے میں کہا جو ٹیکسی ڈرائیور کو یقیناً تحقیر آمیز لگا ہوگا، اگر ہم ان الفاظ کو پیش نظر رکھیں جو ٹیکسی ڈرائیور نے وارڈ میں واپس آ کر بولے تھے، جیسے وہ میرا مذاق اُڑا رہا تھا۔ انہوں نے کھانا بانٹ لیا، پانچ حصّوں کو دس سے تقسیم کرتے ہوئے، کیونکہ زخمی آدمی کھانے سے اب بھی انکاری تھا، اُس نے بس تھوڑا سا پانی مانگا اور ان سے التجا کی کہ وہ اس کے ہونٹوں کو تر کر دیں۔ اس کی جلد اتنی گرم تھی جیسے جل رہی ہو،

اور چونکہ وہ زخم پر زیادہ دیر تک کمبل کا لمس اور بوجھ برداشت نہ کرسکتا تھا، وقتاً فوقتاً اپنی ٹانگ پر سے کمبل ہٹا دیتا تھا لیکن وارڈ کی ٹھنڈی ہوا اُسے دوبارہ کمبل ڈال دینے پر مجبور کر دیتی تھی اور یہ سلسلہ گھنٹوں چلتا رہتا، وہ باقاعدہ طور پر وقفے وقفے سے پُھولی ہوئی سانسوں والی آواز میں کراہتا، جیسے مسلسل اور مستقل درد اس سے پہلے کہ وہ اُسے قابو میں رکھ سکے، سنگین صورت اختیار کر جاتا ہو۔

دوپہر کے دوران تین اور اندھے لوگ آ پہنچے، جنہیں دوسرے حصّے سے نکال دیا گیا تھا۔ ایک تو کلینک کا ملازم تھا جسے ڈاکٹر کی بیوی نے فوراً پہچان لیا، اور دوسرے جیسے مقدر میں یہی لکھا تھا، ایک وہ مرد تھا جو کالے چشمے والی لڑکی کے ساتھ ہوٹل میں تھا اور دوسرا وہ اکھڑ پولیس والا جو اسے گھر چھوڑنے گیا تھا۔ جونہی وہ اپنے بستروں تک پہنچے اور ان پر بیٹھے کلینک کے ملازم نے مایوسی کے عالم میں رونا شروع کر دیا، دونوں آدمیوں نے کچھ نہیں کہا، جیسے اُن پر جو گزری تھی اسے سمجھنے سے قاصر ہوں۔ اچانک سڑک کی طرف سے چیختے چلّاتے لوگوں کی آوازیں سنائی دیں، گونجتی ہوئی آواز میں حکم دیئے جانے کی آوازیں، ایک باغیانہ شوروغل۔ تمام اندھے نظربندوں نے اپنی گردنیں دروازے کی جانب موڑ لیں اور انتظار کرنے لگے۔ وہ دیکھ تو نہ سکتے تھے لیکن جانتے تھے کہ آئندہ چند منٹوں کے اندر اندر کیا وقوع پذیر ہونے والا ہے۔ ڈاکٹر کی بیوی نے جو اپنے خاوند کے پاس بستر پر بیٹھی تھی، دھیمی آواز میں کہا، یہ ہونا تھا، موعودہ جہنم کا آغاز ہوا ہی چاہتا ہے۔ اُس نے بیوی کا ہاتھ دبایا اور زیرلب کہا، ہلو جُلو نہیں، اب کے بعد سے تم کچھ نہیں کرسکتیں۔ چیخ و پکار ختم ہوگئی تھی، اب ڈیوڑھی میں سے ملی جلی آوازوں کا شور اندر آ رہا تھا، یہ اندھے لوگ تھے، بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکے ہوئے، ایک دوسرے سے ٹکراتے، دروازوں کے اندر ٹھنستے، کچھ سمت کا احساس کھو بیٹھے اور دوسرے وارڈوں میں جا پہنچے، لیکن اکثریت لڑکھڑاتی ہوئی چلتی رہی، گروپوں میں بے ترتیبی کے ساتھ لیکن اکٹھے، یا ایک ایک کر کے بکھرتے، ڈوبتے ہوؤں کی طرح مایوسی سے ہوا میں ہاتھ ہلاتے، بگولے کی طرح وارڈ میں گھس آئے، جیسے باہر سے کوئی بلڈوزر انہیں دھکیل رہا ہو، بہت سے گر پڑے اور پیروں کے

نیچے کچلے گئے۔ تنگ درمیانی راستے میں ٹھنس کر چلتے ہوئے، نوواردوں نے بستروں کے درمیان کھانچوں کو رفتہ رفتہ بھرنا شروع کردیا، اور یہاں جیسے طوفان میں پھنسے کسی جہاز میں جو بالآخر کسی نہ کسی طرح بندرگاہ پر پہنچ گیا ہو، انہوں نے اپنے برتھوں پر قبضہ کرلیا، یہاں اپنے پلنگوں پر، اس پر مُصر کہ کسی دوسرے کے لیے کوئی جگہ نہیں، اور یہ کہ دیر سے آنے والوں کو اپنے لئے کہیں اور جگہ تلاش کرنی چاہیے۔ وارڈ کے آخری سرے سے ڈاکٹر چلاّیا، اور وارڈ بھی ہیں، لیکن وہ چند، جو بستروں سے محروم رہ گئے تھے، کمروں، گیلریوں اور بند دروازوں کی بھول بھلیّوں میں کھو جانے کے خیال سے خوفزدہ تھے اور سیڑھیوں کی، جن کا شاید انہیں آخری منٹ پر پتہ چلے۔ آخر کار اُن کو احساس ہوگیا کہ وہ یہیں کھڑے نہیں رہ سکتے، اور جس دروازے سے وہ داخل ہوئے تھے اُس کا پتہ چلانے کے لئے ہاتھ پیر مارتے، وہ نامعلوم کی مہم پر روانہ ہوگئے۔ جیسے ایک آخری پناہ گاہ کی تلاش میں، دوسرے گروپ کے پانچ نظر بندوں نے کسی نہ کسی طرح بستروں پر قبضہ کرلیا تھا، جو اُن کے اور پہلے گروپ والوں کے درمیان خالی بچے رہ گئے تھے۔ صرف زخمی آدمی الگ تھلگ رہا، کسی حفاظت کے بغیر، بائیں ہاتھ کی طرف، بستر نمبر چودہ پر۔

کوئی پندرہ منٹ کے بعد تھوڑی بہت گریہ وزاری اور لوگوں کے اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جانے کی محتاط آوازوں کو ایک طرف رکھتے ہوئے، وارڈ میں ذہنی سکون تو نہیں لیکن دل جمعی بحال ہوگئی۔ اب تمام بستر بھر چکے تھے۔ شام ہو رہی تھی، لگتا تھا لیمپوں کی روشنی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ تب انہیں دفعتاً لاؤڈ اسپیکر کی آواز سنائی دی۔ جیسے پہلے دن سنائی دی تھی، ہدایات دھرائی جا رہی تھیں، وارڈوں کو کیسے ٹھیک ٹھاک رکھا جائے، اور وہ قواعد وضوابط، نظر بندوں کو جن کی تعمیل کرنی چاہیے، موجودہ بحران میں حکومت اپنا فرض منصبی سمجھتی ہے کہ لوگوں کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے، ان قوانین کو حرف بحرف عمل میں لانے پر حکومت کو افسوس ہے وغیرہ وغیرہ۔ جب آواز بند ہوگئی تو ایک تحقیر آمیز احتجاج کا غلغلہ بلند ہوا، ہمیں یہاں قید کردیا گیا ہے، ہم سب کے سب یہاں مرجائیں گے، یہ ٹھیک نہیں ہے، کہاں ہیں وہ ڈاکٹر جن کا ہم سے وعدہ کیا گیا تھا، طبی امداد، شاید مکمل علاج معالجہ بھی۔ ڈاکٹر نے نہیں کہا کہ

اگر انہیں کسی ڈاکٹر کی ضرورت ہے تو اُن کی خدمت کے لئے وہ یہاں موجود ہے وہ یہ بات دوبارہ کبھی نہیں کہے گا۔ ایک ڈاکٹر کے لئے صرف اُس کے اکیلے ہاتھ کافی نہیں ہوتے، ڈاکٹر دوائیوں سے علاج کرتا ہے، بے ہوشی کی دواؤں سے، کیمیاوی مرکبات سے، مختلف آمیزشوں سے، اور یہاں ایسے سازوسامان کا نشان تک نہیں اور نہ ہی اس کے ملنے کی کوئی امید ہے۔ اس کی آنکھوں میں تو اتنی بینائی بھی نہیں کہ کسی مریضانہ ماندگی کو دیکھ سکے، کسی آنکھ کے بیرونی دائرے کی سرخی کا مشاہدہ کرسکے، کتنی بار، کسی بغور معائنے کی ضرورت کے بغیر، یہ بیرونی نشانیاں اتنی ہی کارآمد ثابت ہوچکی ہیں جتنی کوئی کلینیکل رپورٹ، یا لعاب اور رنگ آمیزی، جس میں درست تشخیص کا غالب امکان ہوتا ہے، اس والی سے تو کوئی مفر نہیں۔ چونکہ نزدیکی بستروں پر لوگ آچکے تھے اس لئے جو وقوع پذیر ہو رہا تھا اس سے ڈاکٹر کی بیوی اب اپنے خاوند کو آگاہ نہیں کرسکتی تھی لیکن اُس نے محسوس کرلیا تھا، ماحول کی بے چینی اور تناؤ کو، جو اب کھلی محاذ آرائی کی حدوں کو چھو رہا تھا جو نظر بندوں کے آخری گروپ کی آمد کے ساتھ پیدا ہوئی تھی۔ وارڈ کی پوری فضا پہلے سے زیادہ بوجھل لگتی تھی جس سے تیز اور دیر تک ٹھہرتی بدبوؤں کی متلی آور لہریں اُٹھتیں، ایک ہفتے کے اندر اندر یہ جگہ کیسی لگنے لگے گی اس نے اپنے آپ سے پوچھا اور اُسے یہ سوچ کر ہول آیا کہ ایک ہفتے تک وہ ابھی یہاں اور قید رہیں گے، یہ فرض کرتے ہوئے کہ کھانے کی سپلائی کے سلسلے میں کوئی اور مسئلہ کھڑا نہیں ہوگا اور کون یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ اس میں پہلے ہی کمی واقع نہیں ہوگئی، مثلاً مجھے شک ہے کہ باہر والوں کو اندازہ ہے کہ ایک منٹ سے اگلے منٹ تک، یہاں نظر بندوں کی تعداد کتنی ہوجاتی ہے، سوال یہ ہے کہ وہ صفائی کا مسئلہ کیسے حل کریں گے، میں اس کی طرف اشارہ نہیں کر رہا کہ ہم اپنے آپ کو کیسے صاف ستھرا رکھیں گے جو ابھی چند دن پہلے اندھے ہوئے ہیں، اور کسی مددگار کے بغیر ہیں، اور آیا شاور کام کریں گے اور کب تک، میں تو باقی باتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہوں تمام دوسرے امکانی مسائل کی طرف، اس لئے کہ اگر بیت الخلاؤں میں ڈکے لگ جائیں، ان میں سے ایک میں بھی، یہ جگہ بدرُو کی شکل اختیار کرلے گی۔ اس نے ہاتھوں سے اپنے چہرے کو رگڑا، تین دن تک

بغیر شیو کئے، وہ اپنی داڑھی کی سختی کو محسوس کر سکتا تھا، یہ اسی طرح بہتر ہے، مجھے امید ہے کہ انہیں ہمیں بلیڈ اور قینچیاں بھیجنے کا بدقسمت خیال نہیں آئے گا۔ شیو کرنے کا تمام ضروری سامان اس کے سوٹ کیس میں موجود تھا لیکن اسے اس حقیقت کا شعور تھا کہ ایسا کرنے کی کوشش غلط ہوگی، اور کہاں، کہاں، یہاں وارڈ میں تو نہیں، ان تمام لوگوں کے درمیان، یہ سچ ہے کہ میری بیوی میری شیو کر سکتی ہے لیکن دوسروں کو اس کی ہوا لگنے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا اور حیرت کا اظہار کرنے میں کہ اچھا یہاں کوئی ایسا بھی ہے جو اس طرح کی خدمات ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور وہاں اندر، شاوروں میں، ایسی پریشانی، خدایا، ہمیں کتنی آرزو ہے اپنی بینائی کی، دیکھنے کے قابل ہونے کی، دیکھنے کی، چاہے وہ مدھم سی پرچھائیاں ہی کیوں نہ ہوں آئینے کے سامنے کھڑے ہونے کی، ایک تاریک اور پھیلے ہوئے دھبے کو دیکھنے اور یہ کہنے کی، یہ میرا چہرہ ہے، جس چیز میں بھی روشنی ہے، میری نہیں۔

شکایتیں رفتہ رفتہ کم ہوگئیں، کسی دوسرے وارڈ میں سے کسی شخص نے آ کر پوچھا، کچھ بچا کھچا کھانا ہے، ٹیکسی ڈرائیور نے تُرنت جواب دیا، ایک بھورا بھی نہیں، اور فارمیسی اسسٹنٹ نے خوش خلقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس مدافعتی جارحیت میں کچھ کمی کی، شاید اور کھانا ابھی آ رہا ہو۔ لیکن کچھ بھی آنے والا نہیں تھا۔ اندھیرا چھا گیا باہر سے نہ تو کھانا آیا نہ کوئی ایسی بات۔ ساتھ والے وارڈ میں سے چیخوں کی آوازیں آتی سنائی دے رہی تھیں، پھر خاموشی چھا گئی، اگر کوئی رو بھی رہا تھا تو چپکے چپکے، گر یہ دیواروں میں سے نہیں گزرتا۔ ڈاکٹر کی بیوی زخمی آدمی کا حال معلوم کرنے کے لئے گئی، کمبل کو احتیاط سے اوپر اُٹھاتے ہوئے بولی، میں ہوں۔ اُس کی ٹانگ کو دیکھ کر ہول آتا تھا، ران سے نیچے تک مکمل طور پر سُوجی ہوئی، اور زخم لہو بھرے ارغوانی رنگ کے پھوڑوں والا سیہ دائرہ، اور زیادہ بڑا ہوگیا تھا، جیسے گوشت اندر سے باہر کھینچ لیا گیا ہو۔ اُس میں سے سڑاند اُٹھ رہی تھی جو متعفن بھی تھی اور قدرے شیریں بھی۔ کیسا محسوس کر رہے ہو تم، ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا، آنے کا شکریہ، مجھے بتاؤ کہ تم کیسا محسوس کر رہے ہو، بُرا، تمہیں درد ہو رہا ہے، ہاں اور نہیں، کیا مطلب ہے تمہارا، یہ دُکھتا تو ہے، لیکن جیسے ٹانگ اب میری نہ رہی

ہو، جیسے اسے میرے جسم سے الگ کر دیا گیا ہو، میں بیان نہیں کر سکتا، یہ ایک عجیب احساس ہے، جیسے میں یہاں لیٹا اپنی ٹانگ کو مجھے تکلیف پہنچاتے دیکھ رہا ہوں، یہ اس لئے کہ تم بخار میں ہو، غالباً، اب تھوڑا سونے کی کوشش کرو۔ ڈاکٹر کی بیوی نے اُس کے ماتھے پر اپنا ہاتھ رکھا پھر واپس کھینچ لیا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ اُسے شب بخیر کہتی، اپاہج نے اُس کا بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا اور اسے اپنے چہرے کے قریب آنے پر مجبور کر دیا، میں جانتا ہوں تم دیکھ سکتی ہو، اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ ڈاکٹر کی بیوی حیرت کے مارے کانپنے لگی اور زیرِ لب بولی، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، جس چیز نے بھی تمہارے دماغ میں یہ خیال ڈالا ہو، میں بھی اتنا ہی دیکھ سکتی ہوں جتنا یہاں کوئی اور، مجھے دھوکہ دینے کی کوشش نہ کرو، میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم دیکھ سکتی ہو، لیکن فکر نہ کرو، میں کسی کو اس بات کی ہوا تک نہ لگنے دوں گا، سو جاؤ، سو جاؤ، کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں، بے شک، مجھے ہے، کیا تمہیں ایک چور کی بات کا اعتبار نہیں، میں نے کہا نا کہ مجھے تم پر اعتبار ہے۔ تو پھر تم مجھے سچ کیوں نہیں بتاتیں، ہم کل بات کریں گے، اب سو جاؤ، ہاں، کل اگر میں کل تک جیتا رہا، آدمی کو بدترین کے بارے میں نہیں سوچنا چاہیے، میں سوچتا ہوں، یا شاید بخار میری طرف سے سوچ رہا ہے۔ ڈاکٹر کی بیوی دوبارہ اپنے خاوند سے آملی اور اُس کے کان میں سرگوشی کی، زخم بہت بھیانک لگتا ہے، کہیں ناسور تو نہیں بن گیا، اتنے مختصر عرصے میں یہ قرینِ قیاس تو نہیں لگتا، یہ جو بھی ہے، وہ بُرے حالوں ہے، اور وہ لوگ جو ہماری طرح یہاں ٹاپے میں بند ہیں، ڈاکٹر نے دانستہ طور پر اونچی آواز میں کہا، جیسے اندھے پن کا شکار ہونا کافی نہیں تھا، شاید ہمارے ہاتھ پاؤں بھی باندھ دیئے جائیں۔ بائیں طرف والے بستر نمبر چودہ پر سے اپاہج نے جواب دیا، مجھے کوئی بھی باندھ نہیں سکتا، ڈاکٹر۔

کئی گھنٹے گزر گئے، ایک ایک کر کے، اندھے نظر بند سو گئے تھے، بعضوں نے اپنے سروں پر کمبل ڈال لیا تھا جیسے خواہشمند ہوں، کہ کالی سیاہ تاریکی ایک حقیقی تاریکی، اُن مدھم سورجوں کو ہمیشہ کے لئے بجھا دے جو کہ اُن کی آنکھیں بن چکی تھیں۔ اونچی چھت سے لٹکے ہوئے تین لیمپ، بازوؤں کی پہنچ سے باہر، اُن کے بستروں پر ایک مدھم سی پیلی روشنی ڈال

رہے تھے، ایک ایسی روشنی جو اس قابل بھی نہیں تھی کہ پرچھائیاں ہی تخلیق کر سکے۔ چالیس افراد سو رہے تھے، یا بُری طرح سونے کی کوشش کر رہے تھے، بعضے آہیں بھر رہے تھے اور اپنے خوابوں میں بڑبڑا رہے تھے، شاید وہ اپنے خواب میں دیکھ سکتے ہیں، وہ خواب جو وہ دیکھ رہے تھے، شاید وہ اپنے آپ سے کہہ رہے تھے، اگر یہ ایک خواب ہے تو میں اس خواب سے بیدار نہیں ہونا چاہتا۔ اُن کی تمام گھڑیاں بند ہو چکی تھیں، یا تو وہ انہیں چابی دینا بھول گئے تھے یا یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ اس کی کوئی تک نہیں، صرف ڈاکٹر کی بیوی کی گھڑی ابھی تک کام کر رہی تھی۔ یہ صبح کے تین بجے کے بعد کا عمل تھا۔ اور آگے، بڑی آہستگی سے کہنیوں کے بل چور اپنے جسم کو بیٹھنے کی حالت میں لے آیا۔ اُس کی ٹانگ بے حس تھی، کچھ نہیں سوائے درد کے، باقی چیزوں نے اس کے جسم سے اپنا تعلق ختم کر لیا تھا۔ اُس کا گھٹنا کافی اکڑا ہوا تھا۔ اُس نے اپنے جسم کو اپنی صحتمند ٹانگ کی طرف اُلٹایا، جسے اُس نے بستر سے باہر لٹکا دیا تھا پھر اپنے دونوں ہاتھ ران کے نیچے رکھ کر اپنی زخمی ٹانگ کو اُسی جانب حرکت دینے کی کوشش کی۔ اچانک جاگ اٹھنے والے بھیڑیوں کے غول کی طرح، درد اُس کے تمام جسم میں دوڑتا چلا گیا، اُس اندھیرے گڑھے کی طرف واپس جانے سے پہلے، جہاں سے کہ وہ آیا تھا۔ اپنے ہاتھوں پر ٹیک لگائے اس نے گدّے پر سے رفتہ رفتہ اپنے جسم کو درمیانی راستے کی جانب گھسیٹا۔ جب وہ پلنگ کے پائے کے قریب جنگلے تک پہنچا تو اسے دم لینا پڑا۔ اُس کا سانس پھول رہا تھا جیسے وہ دمے میں مبتلا ہو، اُس کا سر اس کے شانوں پر جھول رہا تھا، وہ اسے بمشکل سیدھا رکھ سکتا تھا۔ کئی منٹوں کے بعد اس کی سانسوں میں زیادہ باقاعدگی آ گئی اور وہ اپنی صحت مند ٹانگ پر بوجھ ڈال کر آہستہ سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ دوسری ٹانگ اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی کہ وہ جدھر بھی جائے گا اُسے اپنے ساتھ گھسیٹنا ہوگا۔ اچانک اس کا سر چکرانے لگا، ایک نہ رُکنے والی کپکپی اس کے جسم میں دوڑ گئی، سردی اور بخار سے اُس کے دانت بجنے لگے۔ پلنگوں کے جستی چوکھٹوں پر اپنے آپ کو سہارا دیتے ہوئے، ایک کے بعد دوسرے سے گزرتے ہوئے جیسے کسی زنجیر کے ساتھ ساتھ وہ سوتے ہوئے جسموں کے درمیان آگے بڑھتا گیا۔ وہ اپنی زخمی ٹانگ کو ایک تھیلے

کی طرح گھسیٹ رہا تھا کسی نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا، کسی نے نہیں پوچھا کہ تم اس وقت کہاں جا رہے ہو، اگر کسی نے ایسا کیا ہوتا تو اسے معلوم تھا کہ اس کا جواب کیا ہوتا، میں پیشاب کرنے جا رہا ہوں وہ کہتا، وہ نہیں چاہتا کہ ڈاکٹر کی بیوی اُسے پکارے وہ ایک ایسا شخص تھی جسے نہ تو وہ دھوکہ دے سکتا تھا نہ اس سے جھوٹ بول سکتا تھا اُسے بتانا پڑتا اُس کو کہ وہ کیا سوچ رہا ہے، میں اس سُوراخ میں گلتے سڑتے ہوئے نہیں رہنا چاہتا، مجھے احساس ہے کہ تمہارے خاوند نے میری مدد کے لئے جو کچھ بھی وہ کر سکتا تھا کیا، لیکن جب مجھے کار چوری کرنا ہوتی تھی، میں کسی دوسرے سے نہیں کہتا تھا کہ وہ اُسے میرے لئے چوری کرے، یہ بھی بالکل ویسا ہی ہے صرف مجھے ہی جانا ہوگا، جب وہ مجھے اس حالت میں دیکھیں گے وہ فوراً جان جائیں گے کہ میں بُری حالت میں ہوں، مجھے ایمبولینس میں ڈالیں گے اور ہسپتال لے جائیں گے، ایسے ہسپتال ضرور ہوں گے جو صرف اندھوں کے لئے مخصوص ہوں گے، ایک اور اندھے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، وہ میرے زخم کا علاج کریں گے، مجھے شفا دیں گے، میں نے سنا ہے کہ وہ پھانسی کے سزا یافتہ مجرموں کے ساتھ بھی ایسا ہی کرتے ہیں، اگر انہیں اپنڈی سائٹس ہوتا ہے، وہ اس کا آپریشن پہلے کرتے ہیں پھانسی بعد میں دیتے ہیں تاکہ وہ صحتمند ہو کر مریں، جہاں تک میرا تعلق ہے، اگر وہ چاہیں تو مجھے یہاں واپس لا سکتے ہیں، مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

وہ اور آگے بڑھا، اپنے کراہنے کی آواز کو دبانے کے لئے دانتوں کو بھینچتا ہوا، لیکن وہ جب قطار کے آخر پر پہنچ کر اپنا توازن کھو بیٹھا تو ایک تکلیف دہ سسکی کو نہ روک سکا۔ اُس نے بستر گننے میں غلطی کی تھی، اس کا خیال تھا کہ ابھی ایک بستر باقی ہے، اور آگے خلا تھا۔ فرش پر لیٹے ہوئے وہ ہلا جلا نہیں جب تک اسے یقین نہ ہو گیا کہ اس کے گرنے سے پیدا ہونے والے شور کی وجہ سے کوئی جاگا نہیں۔ تب اسے احساس ہوا کہ ایک اندھے شخص کے لئے یہ صورت بہتر ہے، اگر وہ چوپایوں کی طرح آگے بڑھے تو اُسے آسانی سے راستہ مل جائے گا۔ وہ اپنے آپ کو گھسیٹتا گیا تاآنکہ وہ ڈیوڑھی تک پہنچ گیا، یہاں وہ رُک گیا یہ سوچنے کے لئے کہ اب کیا کیا جائے آیا دروازے سے پکارنا بہتر ہوگا یا پھاٹک تک جانا، رسّے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جس

نے پہلے دستی جنگلے کا کام دیا تھا اور تقریباً یقینی طور پر اب بھی موجود ہوگا۔ وہ پوری طرح جانتا تھا کہ اگر اس نے وہیں سے مدد کے لئے پکارا تو وہ اسے فوراً واپس جانے کا حکم دیں گے، لیکن متبادل کے طور پر صرف ایک جھولتے ہوئے رستے کا سہارا، اتنی تکلیف اٹھانے کے بعد، پلنگوں کے مضبوط سہارے کے باوجود، وہ تذبذب میں پڑ گیا۔ چند منٹوں کے بعد اس نے اپنے خیال میں حل ڈھونڈھ نکالا، میں چوپایوں کی طرح جاؤں گا، اس نے سوچا، رستے کے نیچے نیچے اور وقتاً فوقتاً اپنا ہاتھ اٹھا کر دیکھتا رہوں گا کہ آیا میں صحیح راستے پر جا رہا ہوں، یہ بالکل کار چوری کرنے کی طرح ہے، طریقے اور ذریعے ہمیشہ مل جاتے ہیں۔ اچانک، اسے حیرت زدہ کرتے ہوئے، اُس کا ضمیر جاگ اُٹھا اور ایک بدقسمت اندھے آدمی کی کار چرانے پر اسے سخت لعنت ملامت کی۔ یہ حقیقت کہ اب میں اس صورتِ حال میں ہوں، اس نے استدلال کیا، اس لئے نہیں ہے کہ میں نے اُس کی کار چرائی تھی، یہ اس لئے ہے کہ میں اس کے ساتھ اُسے گھر چھوڑنے گیا تھا، یہ میری سب سے بڑی غلطی تھی۔ اُس کا ضمیر اُس کے ساتھ عِلت و معلول کی بحث میں پڑنے کے مُوڈ میں نہیں تھا، اُس کے دلائل سادہ اور واضح تھے، ایک اندھا آدمی قابلِ احترام ہوتا ہے، آپ اندھے آدمی کے ہاں چوری نہیں کرتے۔ تکنیکی طور پر بات کرتے ہوئے، میں نے اُسے لُوٹا نہیں، وہ اپنی کار کو جیب میں لئے نہیں پھر رہا تھا، نہ ہی میں نے اُس کی کنپٹی پر بندوق رکھی تھی ملزم نے اپنے دفاع میں احتجاج کرتے ہوئے کہا، حُجت بازی کو بھول جاؤ، اس کے ضمیر نے زیرلب کہا، اور اپنی راہ لو۔

صبح کی سرد ہوا اس کے چہرے کو ٹھنڈی لگی، یہاں آدمی کیسے اچھی طرح سانس لیتا ہے، اس نے دل میں سوچا، اس کا یہ تاثر تھا کہ اس کی ٹانگ کا درد کم ہوگیا ہے۔ لیکن اس پر اسے حیرانی نہیں ہوئی کچھ عرصہ پہلے اور ایک سے زیادہ مرتبہ ایسا ہی ہوا تھا۔ اب وہ صدر دروازے کے باہر تھا، وہ جلد ہی سیڑھیوں پر ہوگا، یہ حصہ زیادہ پریشان کن ہوگا، اسے خیال آیا، سیڑھیوں سے سر کے بل نیچے جانا۔ اس نے یہ دیکھنے کے لئے کہ وہاں رستہ موجود ہے ایک بازو اٹھایا اور آگے بڑھتا گیا۔ جیسا کہ اس نے پیش بینی کی تھی، ایک سیڑھی سے دوسری پر جانا

آسان نہ تھا، خاص طور پر اپنی ٹانگ کی وجہ سے جو اس کے لئے کارآمد نہیں تھی، اور ثبوت کو آنے میں زیادہ دیر نہیں لگی، جب سیڑھیوں کے وسط میں اس کے ایک ہاتھ کے پھسل جانے سے اس کا جسم ایک طرف کو لڑھک گیا اور اس کی بدبخت ٹانگ کے مُردہ بوجھ کی وجہ سے گھسٹتا چلا گیا۔ اُس کا درد اسی لمحے واپس آ گیا جیسے کوئی زخم پر آرا چلا رہا ہو، اس میں چھید کر رہا ہو، اس پر ہتھوڑے برسا رہا ہو، اُس سے تو یہ بھی بیان نہیں ہو رہا تھا کہ اُس نے اپنے آپ کو چیخ اٹھنے سے روکا کیسے۔ کئی طویل منٹوں تک وہ سجدے کی حالت میں پڑا رہا، چہرہ زمین کے اوپر۔ زمین کی سطح کے برابر برابر چلتا ہوا ہوا کا ایک جھونکا اُسے کانپتا ہوا چھوڑ گیا۔ اس کے بدن پر قمیص اور جانگیے کے سوا کچھ نہ تھا۔ زخم زمین کے ساتھ لگا ہوا تھا اور اُسے خیال آیا کہ کہیں اس میں کیڑے نہ پڑ جائیں، ایک احمقانہ خیال، وہ بھول رہا تھا کہ وارڈ سے لے کر یہاں تک پورا راستہ وہ اپنی ٹانگ کو زمین کے ساتھ ساتھ گھسیٹتا لایا تھا، خیر کوئی مضائقہ نہیں، اس میں کیڑے پڑنے سے پہلے وہ اس کا علاج کر لیں گے، بعد میں اپنے ذہن کو مطمئن رکھنے کے لئے اُس نے سوچا، اور وہ پہلو کی طرف مُڑا تا کہ رستے تک آسانی سے پہنچ سکے۔ وہ اُسے فوراً ہی نہیں مل گیا۔ وہ بھول گیا کہ جب وہ سیڑھیوں سے لڑھکتا ہوا نیچے آیا تھا تو رستے کے لحاظ سے عمودی حالت میں تھا لیکن جبلی طور پر اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اسی حالت میں رہنا چاہیے۔ جب وہ نشستی حالت میں داخل ہوا تو اس کی عقل نے اس کی رہنمائی کی وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹا حتیٰ کہ اس کے چُوتڑ پہلی سیڑھی کے ساتھ لگ گئے اور ایک فاتحانہ احساس کے ساتھ کھردری ڈوری کو اپنے اُٹھے ہوئے ہاتھ سے پکڑ لیا۔ غالباً یہ وہی احساس تھا جو اسے فوری طور پر اُس دریافت کی طرف لے گیا جس کی بنا پر وہ زخم کو زمین سے رگڑے بغیر چل سکتا تھا، اپنی پُشت کو صدر دروازے کی طرف موڑ کر، اور سیدھا بیٹھتے ہوئے، اپنے بازوؤں کو بیساکھیوں کی طرح استعمال کرتا جیسے اپاہج کیا کرتے ہیں، وہ اپنے نشستہ جسم کو ننھے ننھے پڑاؤ ڈالتے ہوئے آسانی سے لے گیا۔ پچھلی جانب، ہاں، کیوں کہ اس صورت میں جیسے کہ دوسری صورتوں میں کھینچنا، دھکیلنے سے زیادہ سہل تھا۔ اس طریقے سے اُس کی ٹانگ کم دُکھتی تھی، علاوہ ازیں پھاٹک کی طرف جانے والی، اگلی

صحن کی نرم ڈھلوان سے بہت مدد مل سکتی تھی۔ رہ گیا رستہ تو اُس کے کھو جانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا، اُس کا سر رستے کو تقریباً چھو رہا تھا۔ وہ تعجب میں تھا کہ آیا صدر دروازے تک پہنچنے سے پہلے اُسے اور آگے جانا ہوگا، وہاں تک پاؤں پاؤں چل کر پہنچنا، دو پاؤں پر اور بھی بہتر، نیم بالشت فاصلے کو پچھلی طرف جاتے ہوئے، انچ انچ کر کے طے کرنے کے برابر نہیں تھا۔ ایک ثانیئے کے لئے بھولتے ہوئے کہ وہ اندھا ہے اُس نے گردن پیچھے موڑی یہ تصدیق کرنے کے لئے، کہ ابھی اُسے اور کتنی دور جانا تھا اور اپنے آپ کو اسی ناقابلِ دخول سفیدی کے روبرو پایا۔ یہ رات بھی ہوسکتی تھی، یہ دن بھی ہوسکتا تھا اُس نے خود سے پوچھا خیر، اگر دن ہے تو انہوں نے مجھے پہلے ہی دیکھ لیا ہوگا، مزید برآں انہوں نے صرف ناشتہ دیا تھا اور یہ کئی گھنٹے پہلے کی بات ہے۔ اسے اپنے دلائل کی تیز رفتاری اور صحت کو جان کر حیرت ہوئی اور وہ کتنا مدلّل ہوسکتا تھا، اس نے اپنے آپ کو مختلف روشنی میں دیکھا، ایک نیا آدمی، اور اگر اس لعنتی ٹانگ کا مسئلہ نہ ہوتا تو وہ قسمیہ کہہ سکتا کہ اس نے اپنی پوری زندگی میں خود کو کبھی اتنا اچھا محسوس نہ کیا تھا۔ اس کی کمر کا نچلا حصّہ صدر دروازے پر لگی جستی تختی کے نچلے حصّے کے ساتھ جا لگا۔ وہ پہنچ گیا تھا۔ اپنے آپ کو سردی سے بچانے کی خاطر، سنتری باکس میں گٹھری بنے ڈیوٹی دینے والے گارڈ کو خیال آیا کہ اس نے ناقابل شناخت مدھم سا شور سُنا تھا، بہرحال اس کے خیال میں یہ اندر سے نہیں آ سکتا تھا، یقیناً یہ درختوں میں اچانک پیدا ہونے والی سرسراہٹ ہوگی کوئی شاخ جو ہوا کی وجہ سے جنگلے کو چھو گئی ہوگی۔ اس کے بعد ایک اور شور اُٹھا لیکن اس مرتبہ یہ مختلف تھا، ایک ضرب کی آواز، زیادہ درست طور پر ایک دھڑاکے کی آواز، جو ہوا کا شاخسانہ نہیں ہوسکتی تھی۔ گارڈ پریشانی کے عالم میں سنتری باکس سے باہر آ گیا، اُس کی انگلیاں خودکار رائفل کی لبلبی پر، اور اس نے صدر دروازے کی طرف دیکھا۔ اُسے کوئی شے نظر نہ آ سکی۔ شور پھر بلند ہوا جیسے کوئی کسی کھردری سطح کو اپنے ناخنوں سے کھرچ رہا ہو۔ پھاٹک پر لگی جستی تختی، اس نے دل میں سوچا۔ وہ میدان میں لگے خیمے کی طرف بڑھنے ہی کو تھا، جہاں سارجنٹ سو رہا تھا، لیکن اس خیال سے پیچھے ہٹ آیا کہ اگر اس نے جعلی خطرے کا شور مچایا تو اس کی گوشمالی ہوگی، سارجنٹ نہیں چاہتے

کہ جب وہ سو رہے ہوں تو انہیں پریشان کیا جائے، چاہے کوئی درست وجہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس نے پلٹ کر بڑے پھاٹک کی طرف دیکھا اور تناؤ کی حالت میں انتظار کرتا رہا۔ بڑی آہستگی کے ساتھ دو عمودی آہنی سلاخوں کے درمیان، کسی بھوت پریت کی طرح ایک سفید چہرہ نمودار ہونا شروع ہوا۔ ایک اندھے آدمی کا چہرہ۔ خوف سے فوجی سپاہی کا خون منجمد ہوگیا اور خوف نے اسے اپنے ہتھیار سے نشانہ لینے اور قریب سے گولیاں برسانے پر راغب کر دیا۔

گولیاں چلنے کا شور سن کر خیمے میں سوئے ہوئے دوسرے سپاہی، آدھے ننگے، باہر آ گئے۔ یہ سپاہی اُس دستے سے تعلق رکھتے تھے جو پاگل خانے کی اور اس کے مکینوں کی حفاظت پر مامور کیا گیا تھا۔ سارجنٹ بھی موقع واردات پر پہنچ چکا تھا، کیا ہنگامہ ہو رہا ہے، ایک اندھا آدمی، ایک اندھا آدمی، سپاہی ہکلایا، کہاں وہاں تھا وہ اور اس نے اپنی رائفل کے دستے سے صدر دروازے کی طرف اشارہ کیا، مجھے تو وہاں کچھ نظر نہیں آتا، وہ وہاں تھا، میں نے اُسے دیکھا تھا۔ فوجی سپاہیوں نے وردیاں پہن لی تھیں اور اب قطار میں کھڑے انتظار کر رہے تھے، اُن کی رائفلیں تیار تھیں۔ فلڈ لائٹ جلاؤ، سارجنٹ نے حکم دیا۔ ایک سپاہی گاڑی کے چبوترے پر کھڑا ہوگیا۔ چند ثانیوں کے بعد آنکھوں کو اندھا کر دینے والی شعاعوں نے عمارت کے اگلے حصے اور صدر دروازے کو روشن کر دیا۔ وہاں کوئی بھی نہیں، احمق، سارجنٹ نے کہا، اور ابھی وہ چند اور منتخب توہین آمیز کلمات کہنے ہی والا تھا، اسی رنگ میں، کہ اس نے اس چکاچوند میں دروازے کے نیچے سے باہر پھیلتے ایک سیاہ جوہڑ کو دیکھا۔ تم نے اُسے ختم کر دیا ہے، اس نے کہا۔ پھر، اُن سخت احکامات کو، جو انہیں دیئے گئے تھے، یاد کرتے ہوئے چلّایا، پیچھے ہٹ جاؤ، یہ متعدی ہے، سپاہی پیچھے ہٹ گئے، دہشت زدہ، لیکن خون کے اس جوہڑ کو دیکھتے رہے جو راستے کے چھوٹے پتھروں کے درمیان خالی جگہوں میں پھیل رہا تھا۔ تمہارا کیا خیال ہے آدمی مر گیا ہے سارجنٹ نے پوچھا، یقیناً، گولی سیدھی اُس کے چہرے پر لگی تھی، سپاہی نے جواب دیا، اب وہ اپنے نشانے کی صحت کے واضح مظاہرے پر خوش تھا۔ اُسی لمحے ایک اور سپاہی پریشانی کے عالم میں چلّایا، سارجنٹ، سارجنٹ، اُدھر دیکھیں۔ سیڑھیوں کے اوپر تھڑے پر جو سرچ لائٹ سے

آنے والی سفید روشنی سے جگمگا رہا تھا، بہت سے اندھے نظر بند کھڑے نظر آ رہے تھے جو دس سے زیادہ ہوں گے، جہاں ہو وہیں کھڑے رہو، سارجنٹ دھاڑا، اگر ایک قدم بھی بڑھے تو میں تم سب کو بھون کے رکھ دوں گا۔ سامنے والی عمارتوں کی کھڑکیوں میں، بہت سے لوگ، گولیاں چلنے کی آوازوں سے جاگے ہوئے وحشت زدہ ہوکر باہر دیکھ رہے تھے۔ پھر سارجنٹ نے چلّا کر کہا، تم میں سے چار آدمی آؤ اور لاش کو لے جاؤ۔ کیونکہ وہ نہ تو دیکھ سکتے تھے نہ ہی گنتی کر سکتے تھے، چھ اندھے آدمی آگے آئے۔ میں نے کہا تھا چار، سارجنٹ نے پاگلوں کی طرح چیخ کر کہا۔ اندھے نظر بندوں نے ایک دوسرے کو چھوا، ایک بار پھر چھوا اور ان میں سے دو پیچھے ہٹ کر کھڑے ہوگئے۔ دوسروں نے رسّے کو تھام کر آگے کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

٦

ہمیں آس پاس دیکھنا چاہیے اگر کوئی کُھرپا یا بیلچہ کہیں سے دستیاب ہو سکے، کوئی بھی چیز جو زمین کھودنے کے کام آ سکے، ڈاکٹر نے کہا۔ وہ لاش کو بڑی کوشش کے ساتھ اندرونی صحن میں لائے تھے اور اُسے کوڑے کرکٹ اور درختوں کے مُردہ پتوں کے درمیان زمین پر رکھ دیا تھا۔ اُنہیں اب اِسے دفن کرنا تھا۔ صرف ڈاکٹر کی بیوی کو مُردہ آدمی کے جسم کی دہشت انگیز حالت کا علم تھا، چہرہ اور کھوپڑی گولیوں سے کرچی کرچی ہوگئے تھے، گردن اور سینے کی ہڈی والے حصّے میں، جہاں گولیاں اندر داخل ہوگئی تھیں، تین سوراخ بن گئے تھے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ پوری عمارت میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے قبر کھودنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا۔ اُس نے پاگل خانے کے اُن حصوں میں جہاں اُنہیں نظر بند کیا گیا تھا، ہر طرف تلاش کر لیا تھا اور سوائے ایک آہنی سلاخ کے، اسے کچھ نہ ملا تھا۔ اس سے مدد تو ملتی لیکن وہ کافی نہ تھی۔ اُس گیلری کی بند کھڑکیوں میں سے، جو متاثرہ افراد کے لئے مختص کیے گئے حصے کے ساتھ ساتھ آخر تک چلی گئی تھی، اس ناگزیر لمحے کے منتظر، جب اُنہیں دوسروں کو بتانا ہوگا کہ میں اندھا ہوگیا ہوں، یا، جب، اگر انہوں نے اپنی ہونی کو چھپانے کی کوشش کی، تو کوئی بے ڈھنگا اشارہ، سائے کی تلاش میں سر کی کوئی جنبش، کسی سُجاکھے کی نظروں کے سامنے کوئی بلاجواز ٹھوکر، اُن کا راز فاش کر دے گی۔ یہ سب ڈاکٹر بھی جانتا تھا، جو اُس نے کہا تھا اُس فریب کا حصہ تھا جو دونوں میاں بیوی

نے مل کر گھڑا تھا، تاکہ اب اُس کی بیوی کہہ سکے، اور کیا خیال ہے ہم سپاہیوں سے کہیں کہ وہ دیوار کے اوپر سے کوئی بیلچہ پھینک دیں، اچھا خیال ہے، کوشش کر کے دیکھتے ہیں اور سب نے اتفاق کیا، سوائے کالے چشمے والی لڑکی کے، اُس نے اس مسئلے پر اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا، وہ اس دوران گریہ وزاری کرتی رہی، یہ میرا قصور تھا، اس نے سسکی لی، اور یہ سچ تھا، کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا، اور یہ بھی سچ ہے، اگر اس بات سے اس کی کچھ تسلی ہوتی ہے، کہ اگر، کوئی بھی کام کرنے سے پہلے، ہم نتائج کا اندازہ لگا لیا کریں، اُن کے بارے میں سنجیدگی سے سوچ لیا کریں، پہلے فوری نتائج، پھر اغلب، پھر امکانی، پھر تصوراتی، تو ہم کبھی اُس مقام سے آگے نہ بڑھیں جہاں ہمیں اپنا پہلا خیال لا کر کھڑا کر دیتا ہے۔ ہمارے اقوال و افعال کے نتیجے میں پیدا ہونے والی نیکیاں اور بدیاں اپنے آپ کو تقسیم کرتی چلی جاتی ہیں، مان لیتے ہیں کہ معقولیت کے ساتھ یکساں اور متوازن طریقے سے، آنے والے تمام دنوں میں بشمول اُن کبھی نہ ختم ہونے والے دنوں کے جب ہم، معلوم کرنے کے لئے، اپنے آپ کو مبارکباد دینے کے لئے یا معافی مانگنے کے لئے، یہاں موجود نہ ہوں گے، جی ہاں، ایسے لوگ بھی ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ ممکنہ طور پر یہ وہ لافانیت ہے جس کی بہت باتیں کی جاتی ہیں، لیکن یہ آدمی مر گیا ہے اور اسے دفنانا لازمی ہے۔ ڈاکٹر اور اس کی بیوی سپاہیوں سے بات کرنے کے لئے چلنے لگے، کالے چشمے والی بے دلاسا لڑکی نے کہا میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔ ضمیر کی خلش کو محسوس کرتے ہوئے۔ وہ داخلے والے صدر دروازے کے پاس پہنچے ہی تھے کہ ایک سپاہی چلایا، رُک جاؤ، جیسے ڈر ہو کہ یہ زبانی حکم، کتنا ہی مؤثر کیوں نہ ہو، شاید درخورِ اعتنا نہ سمجھا جائے، اُس نے ہوائی فائر کیا۔ خوف کے مارے وہ ڈیوڑھی کے اندھیرے میں پسپا ہو گئے، کھلے دروازے کے موٹے چوبی تختوں کے پیچھے۔ پھر ڈاکٹر کی بیوی اکیلی آگے بڑھی، وہ جہاں کھڑی تھی وہاں سے سپاہی کی حرکات و سکنات کو دیکھ سکتی تھی، اور ضرورت پڑنے پر، بروقت پناہ لے سکتی تھی۔ ہمارے پاس میّت کو دفن کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے، وہ بولی، ہمیں ایک بیلچے کی ضرورت ہے۔ صدر دروازے پر لیکن دوسری طرف سے جہاں اندھا آدمی گرا تھا، ایک اور سپاہی نمودار ہوا۔ وہ سارجنٹ تھا لیکن پہلے

والا نہیں، کیا چاہتے ہو تم، اس نے چلّا کر کہا، ہمیں ایک کُھرپے یا بیلچے کی ضرورت ہے یہاں کوئی ایسی چیز نہیں ہے، اپنی راہ لو۔ ہمیں لاش کو دفن کرنا ہے، کسی تدفین کی فکر نہ کرو، اُسے وہیں گلنے سڑنے کے لئے چھوڑ دو، اگر ہم اسے وہیں پڑا ہوا چھوڑ دیں گے تو ہوا میں تعفن پھیل جائے گا تو اسے متعفن ہونے دو، اور یہ تمہارے لئے اور بھی اچھا ہوگا، ہوا جتنا یہاں گردش کرتی اور چکر لگاتی ہے اتنا ہی وہاں بھی۔ اُس کی دلیل کی مناسبت نے سپاہی کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔ وہ دوسرے سارجنٹ کی جگہ آیا تھا جو اندھا ہو گیا تھا اور جسے فوری طور پر اُن کوارٹروں میں لے جایا گیا تھا جہاں فوج سے متعلقہ مریضوں کو زیرِ نگرانی رکھا جاتا تھا۔ یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ ہوائی اور بحری افواج کی اپنی تنصیبات تھیں لیکن چونکہ دونوں افواج کا عملہ تعداد میں کم تھا، اس لئے نہ اتنی جامع یا اہم۔ عورت ٹھیک کہتی ہے، سارجنٹ نے سوچا، اس طرح کی صورت حال میں، بلاشبہ جتنی بھی احتیاط کی جائے کم ہے۔ حفاظتی تدبیر کے طور پر دو فوجیوں نے، جو ماسک پہنے ہوئے تھے، خون کے جوہڑ پر امونیا گیس کی دو بڑی بوتلیں اُنڈیلی تھیں، اور ٹھہر ٹھہر کر اُٹھتے بخارات ان فوجیوں کی آنکھوں میں اب تک آنسو لا رہے تھے اور ان کو گلوں اور نتھنوں میں اب تک جلن محسوس ہو رہی تھی۔ آخر کار سارجنٹ نے اعلان کیا! میں دیکھتا ہوں کیا ہو سکتا ہے، اور ہماری خوراک کے بارے میں کیا ہوگا ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا، یاد دہانی کے لئے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، خوراک ابھی تک نہیں پہنچی، صرف ہمارے والے حصّے میں پچاس سے زیادہ افراد ہیں، ہم بھوکے ہیں، آپ جو کچھ ہمیں بھیجتے ہیں وہ کافی نہیں، خوراک مہیا کرنا فوج کی ذمے داری نہیں، آخر کوئی تو اس مسئلے سے نپٹتا ہوگا، حکومت نے ہماری خوراک کا ذمہ لیا تھا، اندر چلی جاؤ، میں کسی کو بھی اس دروازے پر نہیں دیکھنا چاہتا، بیلچے کا کیا ہوگا، ڈاکٹر کی بیوی نے اصرار کیا لیکن سارجنٹ پہلے ہی جا چکا تھا۔

صبح آدھی گزر چکی تھی جب وارڈ میں لاؤڈ اسپیکر سے آواز آئی، توجہ، توجہ نظر بندوں کے چہرے کِھل اُٹھے، وہ سمجھے یہ اُن کی خوراک کے بارے میں اعلان ہوگا، لیکن نہیں، یہ بیلچے کے بارے میں تھا، کوئی آئے اور آ کر لے جائے لیکن گروپ کی صورت میں نہیں، صرف ایک شخص

آگے آئے، میں جاؤں گی، میں پہلے ہی اُن سے بات کر چکی ہوں، ڈاکٹر کی بیوی بولی۔ وہ صدر دروازے میں سے گزری ہی تھی کہ اُسے بیلچہ نظر آ گیا۔ جس وضع سے اور جس فاصلے پر وہ پڑا تھا، سیڑھیوں کی نسبت پھاٹک کے زیادہ قریب، اُسے باڑ کے اوپر سے پھینکا گیا ہوگا، مجھے یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ مجھے اندھی سمجھا جاتا ہے، ڈاکٹر کی بیوی نے سوچا کہاں ہے وہ، سیڑھیوں سے نیچے جاؤ اور میں تمہیں راستہ بتاؤں گا، سارجنٹ نے جواب دیا، تم ٹھیک جا رہی ہو، اب اسی سمت چلتی جاؤ، اسی طرح، اسی طرح، رُکو، ذرا سا دائیں طرف مُڑو، نہیں، بائیں طرف، کم، اس سے بھی کم، اب آگے بڑھو، اگر اسی طرح چلتی جاؤ گی تو تم اس کے بالکل سامنے آ جاؤ گی، شِٹ، میں نے تم سے کہا تھا کہ سمت نہ بدلو، غلط، غلط، تم پھر ٹھیک سمت میں جا رہی ہو، اب بھی ٹھیک، اچھا، اب نیم رُخ مڑو اور میں وہاں سے تمہیں راستہ دکھاؤں گا، میں نہیں چاہتا کہ تم دائرے بناتی ہوئی چلتی رہو اور آخر میں پھر پھاٹک پر پہنچ جاؤ، تم فکر نہ کرو، ڈاکٹر کی بیوی نے سوچا میں یہاں سے سیدھی دروازے تک جاؤں گی، کیا فرق پڑے گا بعد میں اگر تمہیں شک بھی ہو جائے کہ میں اندھی نہیں ہوں، مجھے کیا پرواہ، مجھے پکڑ کر لے جانے کے لئے تم یہاں اندر آنے سے تو رہے۔ کام پر جانے والے گورکن کی طرح اُس نے بیلچہ کندھے سے لٹکایا اور دروازے کی سمت چلنے لگی، ایک لمحے کے لئے بھی ڈگمگائے بغیر، ساجنٹ، ایک سپاہی نے حیرت سے کہا، آپ سمجھتے ہیں کہ وہ دیکھ سکتی ہے، اندھے اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے طریقے جلدی سیکھ جاتے ہیں، سارجنٹ نے بڑے اعتماد کے ساتھ بتایا۔ قبر کھودنا کٹھن کام تھا۔ زمین سخت تھی، پیروں تلے کچلی ہوئی، سطح سے تھوڑا ہی نیچے درختوں کی جڑیں تھیں۔ ٹیکسی ڈرائیور، دو پولیس والوں، اور پہلے اندھے آدمی نے باری باری کھدائی کی۔ موت کے روبرو، انسانی فطرت سے، اُس کی دشمنی کی قوّت اور اُس کے زہر میں کمی واقع ہو جانے کی توقع کی جاتی ہے، لوگوں کی یہ بات سچ ہے کہ پرانی نفرتیں مشکل ہی سے ختم ہوتی ہیں، ادب اور زندگی میں اس کے وافر ثبوت بھی ملتے ہیں، لیکن احساس یہاں، کہیں اندر گہرائی میں جیسا کہ یہ تھا، نفرت کا نہیں تھا اور نہ ہی کسی مفہوم میں پرانا، اس لئے کہ کار کی چوری کا اُس آدمی کی زندگی سے جس نے اُسے چرایا

تھا، کیسے موازنہ کیا جا سکتا تھا، اور خاص طور پر اُس کی لاش کی قابلِ رحم حالت کو دیکھتے ہوئے، اس لئے کہ اُس چہرے کو دیکھنے کے لئے جس پر نہ ناک باقی تھا نہ مُنھ، آنکھوں کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ تقریباً تین فٹ سے زیادہ گہرا نہ کھود سکے۔ اگر مرنے والا موٹا ہوتا تو اُس کی توند زمین کی سطح کے اوپر باہر نکلی ہوتی، لیکن چور دُبلا پتلا تھا، واقعی ہڈیوں کا ڈھانچہ، حالیہ دنوں میں بھوکا رہنے کی وجہ سے اور بھی سُوکھا سڑا، قبر اس ناپ کے دو مُردوں کے لئے بھی کافی بڑی تھی۔ مُردے کے لئے کوئی دعائیں نہیں پڑھی گئیں۔ ہم وہاں صلیب تو نصب کر سکتے تھے، کالے چشمے والی لڑکی نے یاد دلایا، وہ پشیمانی کے جذبے کی وجہ سے بولی تھی اور جہاں تک کسی شخص کے علم میں تھا، اپنی زندگی میں مرحوم کو خدا یا مذہب کے بارے میں کبھی خیال تک نہیں آیا تھا، کچھ نہ کہنا ہی بہتر ہے، اگر موت کے باوجود کوئی دوسرا رویہ جائز بھی ہو، مزید برآں، یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ صلیب بنانا، جتنا کہ لگتا ہے اُس سے بہت زیادہ آسان ہے، وہ کتنی دیر سلامت رہے گی اس کا ذکر نہ کریں، آس پاس ان اندھے لوگوں کے ہوتے ہوئے، جو دیکھ ہی نہیں سکتے کہ کہاں قدم رکھ رہے ہیں۔ وہ وارڈ میں واپس آ گئے۔ زیادہ مصروف جگہوں میں، جب تک کہ وہ مکمل طور پر کھلی نہ ہوں، صحن کی طرح، اندھے اب راستے سے بھٹکتے نہیں، ایک بازو اپنے آگے پھیلائے اور کئی انگلیوں کو کیڑے مکوڑوں کے اینٹینوں کی طرح حرکت دیتے ہوئے، وہ ہر جگہ اپنا راستہ ڈھونڈ سکتے ہیں، یہ بھی اغلب ہے کہ زیادہ باصلاحیت اندھوں میں جلد ہی وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے جسے پیشانی کی بصارت سے منسوب کیا جاتا ہے۔ (یا چھٹی حِس کہا جاتا ہے) مثال کے طور پر، ڈاکٹر کی بیوی ہی کو لیں، کیا یہ غیر معمولی بات نہیں کہ وہ کیسے خوش اسلوبی سے اِدھر اُدھر آتی جاتی ہے، کمروں، کونوں کھدروں، اور گیلریوں کے گورکھ دھندے میں اپنی سمت معلوم کر لیتی ہے، کونے سے مُڑنے کا درست اندازہ لگا لیتی ہے، دروازے کے سامنے رک جاتی ہے اور بلا تامل اسے کھول دیتی ہے، اپنے بستر تک پہنچنے سے پہلے، اسے بستر گننے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ اس وقت وہ اپنے خاوند کے بستر پر بیٹھی ہے، اُس سے باتیں کر رہی ہے، حسبِ معمول دھیمی آواز میں، دیکھا جا سکتا ہے کہ یہ تعلیم یافتہ لوگ ہیں اور ان کے پاس ہر وقت ایک

دوسرے سے کہنے کے لئے کوئی نہ کوئی بات ہوتی ہے، وہ دوسرے شادی شدہ جوڑے کی طرح نہیں ہیں، پہلا اندھا آدمی اور اُس کی بیوی، دوبارہ مِلن کے اُن جذباتی لمحوں کے بعد سے وہ کم کم ہی بولتے ہیں، غالب امکان یہی ہے کہ اُن کی موجودہ ناخوشی کا پلڑا ان کی پچھلی محبت پر بھاری ہے، وقت کے ساتھ وہ اس صورتِ حال کے عادی ہوجائیں گے۔ صرف ایک شخص ہے جو ہر وقت اپنی بھوک کی شکایت کرتا رہتا ہے، بھینگی آنکھ والا لڑکا، اس حقیقت کے باوجود کہ کالے چشمے والی لڑکی عملاً اپنے مُنھ کا نوالہ بھی اُسے دے دیتی ہے۔ کئی گھنٹے گزر چکے ہیں جب اس نے آخری بار اپنی ماں کے بارے میں پوچھا تھا لیکن بلاشبہ وہ کھانا کھا لینے کے بعد دوبارہ اپنی ماں کو یاد کرنا شروع کردے گا، جب اس کا جسم اُس ظالم خودغرضی سے نجات پالے گا جو اپنے آپ کو زندہ رکھنے کی مطلق لیکن شدید ضرورت سے جنم لیتی ہے۔ آیا جو اُس صبح کے آغاز میں ہوا، اس کی وجہ سے یا اُن اسباب کی وجہ سے جو ہماری حدِ ادراک سے باہر ہیں، افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ ناشتے کے وقت کھانے کا ایک ڈبہ تک نہیں بھیجا گیا تھا۔ اب دوپہر کے کھانے کا وقت قریب ہے، ایک بجنے کو ہے ڈاکٹر کی بیوی کی گھڑی کے مطابق، جس پر اُس نے اچٹتی سی نظر ڈالی تھی، اس لئے یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ دونوں حصوں کے بعض نظربندوں کو اُن کی شِکمی رطوبتوں کی بے صبری نے اشیائے خوردونوش کی آمد کا انتظار کرنے کے لئے، ڈیوڑھی کی طرف دھکیل دیا تھا، اور اس کی دو بہت ہی اچھی وجوہات تھیں، ایک عوامی، بعض کے خیال میں کیونکہ اس طریقے سے انہیں وقت گزاری کی مہلت مل جائے گی، دوسری ذاتی، بعض دوسروں کے خیال میں، کیونکہ جیسا کہ ہر کوئی جانتا ہے، پہلے آؤ سو پہلے کھاؤ۔ کل ملا کر کوئی دس اندھے نظر بندوں نے، باہر والے پھاٹک کے کھلنے کے شور پر، اور اُن سپاہیوں کے قدموں کی آوازوں پر جو اِن مبارک ڈبوں کو لاکر رکھیں گے، کان لگائے ہوئے تھے۔ دوسری طرف، بائیں حصے کے متاثرہ زیرِ نگرانی افراد کو، اس خوف کے مارے کہ اگر وہ ڈیوڑھی میں انتظار کرنے والے اندھوں کے زیادہ قریب گئے تو کہیں خود بھی اچانک اندھے نہ ہوجائیں، ہمّت نہیں پڑتی تھی کہ اپنی جگہ سے باہر آئیں، لیکن اُن میں سے اکثر دروازے کے ایک خلا میں سے جھانک

رہے ہیں، اشتیاق کے ساتھ اپنی باری کے منتظر وقت گزرتا رہا۔ انتظار سے تھک کر، بہت سے اندھے نظر بند زمین پر بیٹھ گئے تھے۔ بعد میں ان میں سے دو یا تین اپنے وارڈوں میں واپس چلے گئے۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد جستی پھاٹک کی ناقابلِ مغالطہ چرچراہٹ سنائی دی۔ اپنی گھبراہٹ میں اندھے نظر بند، ایک دوسرے کو دھکّے دیتے، اُس سمت میں حرکت کرنے لگے، جہاں باہر کی آوازوں پر قیاس کرتے ہوئے انہوں نے تصوّر کیا کہ دروازہ ہوگا، لیکن اچانک، تشویش کے ایک مُبہم احساس سے مغلوب ہوکر جس کی تعریف وتشریح کا انہیں وقت نہ ملے گا، وہ رُک گئے اور افراتفری میں پسپا ہونے لگے، اس دوران سپاہیوں کے قدموں کی آوازیں، جو ان کے لئے کھانا لا رہے تھے اور ان مسلّح محافظوں کی جو اُن کے ساتھ آ رہے تھے، اب بالکل صاف سُنی جاسکتی تھیں۔

پچھلی رات کے المیہ قصّے کے صدمے میں ابھی تک مُبتلا، کھانے کے باکس لانے والے سپاہی اس پر متفق تھے کہ وہ انہیں وارڈ کی طرف جانے والے دروازے کے قریب نہیں رکھیں گے، جیسا کہ انہوں نے کم وبیش، پہلے کیا تھا، وہ انہیں ڈیوڑھی میں چھوڑ کر پچھلے پاؤں واپس آجائیں گے، وہ لوگ آپس میں جیسے چاہیے خود ہی بانٹ لیں۔ باہر کی تیز روشنی کی چکاچوند سے ڈیوڑھی کے اندھیرے میں منتقلی نے، پہلے انہیں اندھے نظربندوں کو دیکھنے سے معذور رکھا، لیکن جلد ہی وہ اُن کو نظر آ گئے۔ دہشت کے مارے چیختے چلاتے، وہ بکسوں کو زمین پر گرا کر، پاگلوں کی طرح، دروازے سے سیدھے باہر نکل گئے۔ اُن کی حفاظت پر مامور دو مسلّح سپاہیوں نے جو باہر انتظار کررہے تھے، خطرے میں ہونے کے باوجود انتہائی قابلِ تعریف ردِّعمل کا مظاہرہ کیا، صرف خدا ہی جانتا ہے کہ کیسے اور کیوں اپنے جائز خوف پر قابو پاتے ہوئے، وہ دروازے کی دہلیز کی طرف بڑھے اور اپنے میگزین خالی کردیئے۔ اندھے نظر بند گرتے رہے، ایک کے اوپر دوسرا، اور گرتے ہوئے بھی گولیاں اُن کے جسموں کو چھلنی کرتی رہیں، جو گولیوں کو محض ضائع کرنا تھا، یہ سب، ناقابلِ یقین طور پر اتنی آہستگی سے ہوا، ایک جسم، پھر دوسرا، لگتا تھا جیسے وہ گرنا کبھی بند نہیں کریں گے، جیسے آپ بعض اوقات فلموں میں یا ٹیلی وژن پر دیکھتے ہیں۔

اگر ہم ابھی تک اُس زمانے میں ہیں جب سپاہی کو اپنی چلائی ہوئی گولیوں کا حساب رکھنا پڑتا تھا، وہ قومی پرچم پر ہاتھ رکھ کر کہیں گے کہ انہوں نے یہ اپنے جائز دفاع میں کیا اور اپنے غیر مسلّح ساتھیوں کے، جو ایک انسانی ہمدردی کے مشن پر تھے کہ اچانک اپنے آپ کو اندھے نظر بندوں کے گروہ کے مقابلے پر تعداد میں کم اور غیر محفوظ پایا۔ ایک دیوانہ وار ہلّے کے ساتھ وہ پھاٹک کی طرف پسپا ہوئے، رائفلوں کی آڑ میں جو گشت کے سپاہیوں نے جنگلوں کے درمیان غیر مستحکم انداز میں تان رکھی تھیں جیسے زندہ بچ جانے والے اندھے نظر بند اُن پر جوابی حملہ کرنے والے ہوں۔ گولیاں چلانے والوں میں سے ایک سپاہی نے جس کا چہرہ پیلا پھٹک ہو چکا تھا سراسیمگی کے عالم میں کہا، تم مجھے دوبارہ کبھی کسی قیمت پر بھی وہاں نہیں بھیجو گے۔ اُسی دن، جب شام ہو رہی تھی گارڈ کی تبدیلی کے وقت، پلک جھپکتے ہی دُوسرے اندھوں کے درمیان وہ ایک اور اندھا بن چکا تھا جس چیز نے اُسے بچا لیا وہ اس کا فوج سے تعلق تھا، ورنہ وہ بھی وہیں اندھے نظر بندوں کے ساتھ ہوتا، ان لوگوں کے ساتھیوں میں جنہیں اس نے گولیوں سے چھلنی کر دیا تھا اور خدا جانے وہ اُس کے ساتھ کیا سلوک کرتے۔ سارجنٹ نے صرف اتنا تبصرہ کیا، بہتر ہوتا اگر انہیں بھوکوں مرنے دیا جاتا، جب درندہ مرتا ہے تو اُس کے ساتھ اُس کا زہر بھی مر جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں، دوسرے بھی اکثر یہی سوچتے اور کہتے تھے، خوش قسمتی سے بچی کھچی انسانی ہمدردی نے اُسے یہ اضافہ کرنے پر اکسایا، اب کے بعد سے، ہم بکسوں کو وسطی مقام پر رکھ دیا کریں گے، انہیں وہاں آ کر لے جانے دو، ہم اُن پر نگاہ رکھیں گے، اور معمولی سی مشکوک حرکت پر گولی چلا دیں گے۔ وہ کمانڈ پوسٹ کی طرف بڑھا، مائیکروفون چلایا اور تقریباً کچھ اسی طرح کے موقعوں پر سُنے ہوئے الفاظ کو دھیان میں لاتے ہوئے اور اپنے لفظوں کو بہتر طور پر مجتمع کرنے کے بعد اس نے اعلان کیا، فوج کو افسوس ہے کہ ایک فوری خطرے کی حامل باغیانہ نقل و حرکت کو کچلنے کے لئے اُسے ہتھیار استعمال کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ جس کے لئے فوج کو بلاواسطہ یا بالواسطہ الزام نہیں دیا جانا چاہیے اور آپ کو یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ آئندہ سے نظر بند عمارت سے باہر آ کر اپنی خوراک لے جایا کریں گے، اگر اس قسم کی حرکت کو جو آج کی گئی یا

پچھلی رات کی گئی تھی، دُہرانے کی کوشش کی گئی تو ان لوگوں کو اس کے نتائج بھگتنا ہوں گے، اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آگے کیا کہے اور بات کیسے ختم کرے، اس نے تھوڑا رُک کر اُن الفاظ کو یاد کرنے کی کوشش کی جو اس نے سوچے تھے لیکن پھر پہلے والے الفاظ دہرا دیئے، ہمیں الزام نہ دیا جائے، ہمیں الزام نہ دیا جائے۔

ڈیوڑھی کی بند جگہ میں، بارود پھٹنے کی، کانوں کو بہرہ کر دینے والی گونج نے عمارت کے اندر انتہائی دہشت پھیلا دی تھی۔ پہلے یہ سمجھا گیا کہ فوجی ہلّہ کر کے وارڈوں کے اندر داخل ہونے اور جو کوئی سامنے آئے اسے گولی مارنے والے ہیں، اور یہ کہ حکومت نے اپنی حکمت عملی تبدیل کر لی ہے اور یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ نظر بندوں کا تھوک کے حساب سے صفایا کر دیا جائے، کچھ اپنے پلنگوں کے نیچے گھس گئے، کچھ دہشت کے مارے ہلے تک نہیں، بعضوں نے شاید سوچا ہو یہی بہتر ہے، اتنی تھوڑی صحت سے صحت کا نہ ہونا ہی بہتر ہے، اگر آدمی کو جانا ہی ہے تو دیر کیوں کی جائے۔ سب سے پہلے اپنے ردِّعمل کا اظہار کرنے والے زیرِ نگرانی متاثرہ افراد تھے۔ جب گولیاں چلنے لگیں تو انہوں نے بھاگنا شروع کر دیا تھا، لیکن پھر خاموشی نے انہیں واپس جانے کی ہمّت دی اور وہ ایک بار پھر ڈیوڑھی کے اندر جانے والے دروازے کی طرف بڑھے۔ انہوں نے لاشوں کے ڈھیر دیکھے، لہریں لیتا ہوا لہو ٹائلوں والے فرش پر اپنا راستہ بناتا، آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا جیسے کوئی زندہ چیز ہو، اور پھر خوراک کے ڈبے۔ بھوک انہیں کھینچے لئے گئی۔ وہاں پڑا تھا وہ من بھاتا کھاجا، ٹھیک ہے کہ یہ اندھوں کے لئے تھا، اُن کا اپنا کھانا، قاعدے کے مطابق، ابھی آنا تھا، لیکن قاعدے قانون کی کون پرواہ کرتا ہے، ہمیں کوئی دیکھ تو سکتا نہیں، وہ شمع جو راستے کو اُجاگر کرتی ہے اُس کی روشنی زیادہ تیز ہوتی ہے جیسا کہ قدیم لوگ ہمیں صدیوں سے یاد دلاتے آئے ہیں اور قدیم لوگوں کو ان باتوں کا علم ہے۔ تاہم اُن کی بھوک میں اتنی ہی قوت تھی کہ اُن کو تین قدم آگے لے جا سکے، عقل نے مداخلت کی اور خبردار کیا کہ کسی بھی بے احتیاط شخص کے لئے، آگے خطرہ منڈلا رہا ہے، اُن بے جان جسموں میں سب سے زیادہ اُس لہو میں کون کہہ سکتا ہے کہ کیسی رطوبتیں، کون سے مادے، کیسے مضر بخارات، ان

لاشوں کے کھلے زخموں سے پہلے ہی نہیں نکل رہے ہوں گے۔ وہ مُردے ہیں، کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، کسی نے رائے دی، نیت یہ تھی کہ خود کو اور دوسروں کو پھر سے ہمت دلائی جائے، لیکن اس کے الفاظ نے معاملے کو اور بگاڑ دیا، یہ سچ تھا کہ یہ اندھے نظر بند مر چکے تھے، حرکت نہیں کر سکتے تھے، دیکھ نہیں سکتے تھے۔ نہ جنبش کر سکتے تھے نہ سانس ہی لے سکتے تھے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ یہ سفید اندھا پن کوئی روحانی ابتلا نہیں، اور اگر ہم فرض کرلیں کہ یہی بات ہے، تو پھر اُن اندھے مقتولوں کی روحیں کبھی اتنی آزاد نہ رہی ہوں گی جتنی اب ہیں، اپنے جسموں سے رہائی کے بعد جو چاہیں کرنے پر آزاد، سب سے زیادہ بدی کا کام، جو جیسا کہ سب کو معلوم ہے ہمیشہ آسان ترین چیز ہوتی ہے کرنے کے لئے۔ لیکن سامنے پڑے کھانے کے ڈبوں نے اُن کی توجہ فوراً اپنی طرف مبذول کروالی، ایسے ہوتے ہیں مطالبات شکم، وہ کسی بات کی طرف دھیان نہیں دیتے چاہے وہ ان کے فائدے ہی کی کیوں نہ ہو۔ کھانے کے ایک ڈبے میں سے رِس رِس کر کوئی سفید سیّال چیز خون کے جوہڑ کی جانب آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی، صاف، دودھ نظر آتا تھا، رنگ کی وجہ سے کوئی مغالطہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ زیادہ حوصلہ مند یا سیدھے لفظوں میں زیادہ تن بہ تقدیر ان میں امتیاز ہمیشہ آسان نہیں ہوتا، دو متاثرہ زیرِ نگرانی افراد نے قدم آگے بڑھائے، اور وہ پہلے ڈبے پر اپنے لالچی ہاتھ رکھنے ہی والے تھے کہ دروازے کے راستے میں اندھے نظر بندوں کا ایک گروپ نمودار ہوا۔ تخیل ایسے کرتب دکھا سکتا ہے، خاص طور پر ایسے مریضانہ ماحول میں، کہ ان دو حملہ آوروں کے لئے ایسا تھا جیسے اچانک زمین سے مُردے اُٹھ کھڑے ہوں، پہلے کی طرح اندھے، بلاشبہ لیکن اور زیادہ خطرناک تقریباً یقینی طور پر انتقام کے جذبے سے بھرے ہوئے۔ وہ محتاط انداز میں خاموشی کے ساتھ اپنے حصے والے دروازے کی طرف پیچھے ہٹ گئے، شاید اندھے نظر بند انسانی ہمدردی اور جذبۂ احترام کے تحت لاشوں کی دیکھ بھال کریں، یا اگر نہیں، تو بھول چوک میں کھانے کا ایک ڈبہ ہی پیچھے چھوڑ جائیں، چاہے کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، دراصل وہاں کوئی بہت زیادہ متاثرہ افراد نہیں تھے، شاید بہترین حل یہ ہو کہ ان سے کہا جائے، پلیز ہم پر ترس کھاؤ، کم از کم ایک چھوٹا ڈبہ ہی ہمارے لئے چھوڑ دو، جو کچھ

ہو چکا ہے اُس کے بعد زیادہ امکان یہی ہے کہ آج اور کھانا نہیں آئے گا۔ اندھے حرکت میں آئے جیسے اندھوں سے توقع کی جاتی ہے، اپنا راستہ ٹٹولتے، گرتے پڑتے، پاؤں گھسیٹتے، پھر بھی جیسے منظم ہوں انہیں معلوم تھا کہ کام کو آپس میں کیسے بانٹنا ہے، قابلیت سے، لیاقت کے ساتھ، ان میں سے بعض چپک جانے والے لہو میں اور دودھ میں شڑاپ سڑاپ کرتے، ایک دم پیچھے ہٹنے گے، لاشوں کو احاطے کی طرف کھینچتے ہوئے دوسروں نے خوراک کے آٹھ ڈبوں کو سنبھالا ایک ایک کر کے جو سپاہیوں نے وہاں پھینک دیئے تھے۔ اندھے نظر بندوں میں ایک عورت تھی جو کچھ ایسا تاثر دے رہی تھی جیسے بیک وقت ہر جگہ موجود ہو، ڈھونے میں مددگار، یُوں عمل کرتی جیسے وہ مردوں کی رہنمائی کر رہی ہو، ایسی بات جو ایک اندھی عورت کے لئے بظاہر ناممکن تھی۔ اور، آیا اتفاقیہ یا دانستہ، اس نے ایک سے زیادہ مرتبہ اپنی گردن عمارت کے اس حصے کی طرف موڑی جہاں متاثرہ افراد کو زیرِ نگرانی رکھا گیا تھا، جیسے وہ اُنہیں دیکھ سکتی ہو یا اُسے اُن کی موجودگی کا احساس ہو۔ تھوڑی ہی دیر میں ڈیوڑھی خالی ہوگئی۔ خون کے ایک بہت بڑے دھبّے اور اس کے ساتھ والے چھوٹے دھبے کے سوا، جو سفید تھا اور اُس دودھ کا تھا جو بہہ گیا تھا، اُن آڑھے ترچھے سُرخ اور گیلے نقوش قدم سے الگ، اور کوئی نشان نہ تھا۔ متاثرہ زیرِ نگرانی افراد نے راضی برضا ہو کر دروازہ بند کر دیا اور بچے کھچے بھوروں کی تلاش میں چل نکلے، وہ اتنے دل شکستہ تھے کہ اُن میں سے ایک کے جی میں آئی کہ کہے، اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کتنے مایوس ہو چکے تھے، اگر ہمیں واقعی اندھا ہو جانا ہے، اگر یہی ہمارا مقدر ہے، تو ہمیں چاہیے کہ اسی وقت دوسرے حصے میں منتقل ہو جائیں، وہاں، ہمیں کم از کم کھانے کو تو کچھ ملے گا، شاید اب بھی سپاہی ہمارے حصے کا راشن لے آئیں کسی نے رائے دی، کیا تم کبھی فوج میں رہے ہو، دوسرے نے اس سے پوچھا، نہیں، میں نے سوچا تھا ہو سکتا ہے۔

یہ ذہن میں رکھتے ہوئے کہ مرنے والے ایک ہی نہیں دوسرے وارڈ سے بھی تعلق رکھتے تھے، پہلے اور دوسرے وارڈ میں مُقیم یہ فیصلہ کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے کہ آیا انہیں کھانا پہلے کھانا چاہیے اور بعد میں لاشوں کو دفن کرنا چاہیے یا اس کے برعکس لگتا تھا کسی کو بھی یہ جاننے میں

دلچسپی نہیں تھی کہ کون مرا ہے۔ اُن میں سے پانچ کو دوسرے وارڈ میں جگہ ملی تھی۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ ایک دوسرے کو پہلے سے جانتے تھے یا نہیں جانتے تھے، آیا اُن کے ایک دوسرے سے متعارف ہونے اور اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کا وقت تھا یا وہ اس پر مائل تھے۔ ڈاکٹر کی بیوی کو یاد نہ آسکا کہ اُس نے انہیں آتے ہوئے دیکھا تھا۔ باقی چار، ہاں، ان کو وہ پہچانتی تھی، وہ اُس کے ساتھ سوئے تھے، کہنے کو، ایک ہی چھت کے نیچے، اگرچہ اُن میں سے ایک کے بارے میں وہ بس اتنا ہی جانتی تھی، اور اس سے زیادہ جان بھی کیسے سکتی تھی، ایک شخص جس کو اپنی عزت نفس کا ذرا سا بھی پاس ہو کسی ہر پہلے ملنے والے شخص سے اپنی ذاتی معاملات کے بارے میں باتیں نہیں کرتا، جیسے کسی ہوٹل کے کمرے میں اس نے ایک کالے چشمے والی لڑکی سے مجامعت کی تھی، جس نے دوسری طرف اگر ہم اس سے مراد کالے چشمے والی لڑکی ہی لیں، کبھی سوچا بھی نہ ہوگا کہ وہ بھی یہاں نظر بند ہے اور یہ کہ وہ اس آدمی کے اب بھی اتنی قریب ہے جو سبب بنا تھا اُس کے ہر چیز کو سفید دیکھنے کا۔ دوسرے ہلاک ہونے والوں میں ٹیکسی ڈرائیور اور دو پولیس والے شامل تھے، تین تنومند آدمی جو بخوبی اپنی دیکھ بھال کرسکتے تھے جن کے پیشوں کا مطلب ہی تھا، مختلف طریقوں سے، دوسروں کی دیکھ بھال کرنا، اور انجام یہ، کہ تینوں وہاں پڑے تھے، اپنے عالم شباب میں، بے رحمی سے کاٹے ہوئے اور اپنی قسمت کے بارے میں دوسروں کے فیصلے کے منتظر۔ جب تک کہ زندہ بچ جانے والے اپنا کھانا ختم نہیں کر لیتے، انہیں انتظار کرنا ہوگا، زندوں کی معمولہ اناپسندی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے کہ کسی نے عقل سے کام لیتے ہوئے یاد رکھا تھا کہ ایسی سخت زمین میں اور وہ بھی ایک بیلچے کے ساتھ نو لاشوں کو دفن کرنا ایک مشکل کام تھا جو کم از کم رات کے کھانے کے وقت تک چلے گا اور چونکہ اس بات کی اجازت نہ دی جاتی کہ رضا کار تو خوش دِلی سے کام کرتے رہیں اور دوسرے اپنا پیٹ بھرتے رہیں، اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ لاشوں کو بعد میں دفن کیا جائے۔ کھانا ہر فرد کے لئے علیحدہ علیحدہ آیا تھا اس لئے اسے بانٹنا آسان تھا، یہ تمہارا ہے، یہ تمہارا ہے، حتیٰ کہ کچھ نہ بچا۔ لیکن بعض کم نیک دل اندھے نظر بندوں کی تشویش نے اس مسئلے کو پیچیدہ بنا دیا جو عام حالات میں سیدھا سادہ ہوتا اور اگرچہ ایک

سنجیدہ اور بے لاگ بصیرت ہمیں یہ تسلیم کرنے کے سلسلے میں احتیاط کا مشورہ دیتی ہے کہ جو زیادتیاں واقع ہوئی تھیں اُن کا کوئی جواز تھا، ہمیں صرف یہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے، مثلاً کہ ابتدا میں کوئی نہیں جان سکتا تھا، آیا خوراک سب کے لئے کافی بھی ہوگی۔ درحقیقت، یہ بالکل واضح بات ہے کہ اندھے لوگوں کی گنتی کرنا یا لوگوں کو یا راشن کو، دیکھ سکنے کی صلاحیت رکھنے والی آنکھوں کے بغیر، تقسیم کرنا آسان نہیں۔ مزید برآں دوسرے وارڈ کے کچھ مکینوں نے، قابلِ ملامت سے بھی زیادہ بددیانتی کے ساتھ، یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اُن کی تعداد جتنے کہ دراصل وہ تھے، اُس سے زیادہ ہے۔ ہمیشہ کی طرح اس موقع پر بھی، ڈاکٹر کی بیوی کی موجودگی کارآمد ثابت ہوئی۔ چند برمحل کلمات نے ہمیشہ مسائل کو حل کرنے کا کام سرانجام دیا ہے جو طول کلامی کی وجہ سے اور زیادہ بگڑ جاتے۔ کم وہ بدنیّت اور بدکیش بھی نہ تھے جنہوں نے نہ صرف کوشش کی بلکہ ڈبل راشن وصول کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے۔ ڈاکٹر کی بیوی اس اصراف بے جا سے باخبر تھی لیکن اس نے سوچا کہ کچھ نہ کہنا ہی عقلمندی ہوگی وہ اُن نتائج کے بارے میں سوچنا بھی برداشت نہ کرسکتی تھی جو یہ پتہ چل جانے پر کہ وہ اندھی نہیں ہے پیدا ہوتے۔ کچھ بھی نہ ہوتا تو بھی وہ اپنے آپ کو ہر شخص کے اشاروں پر چلنے کے لئے مجبور پاتی، بدترین صورت میں وہ اُن میں سے چند ایک کی کنیز بن جاتی۔ ہوسکتا ہے وہ خیال جو شروع شروع میں سامنے آیا تھا کہ ہر وارڈ میں کسی کو ذمے داری سنبھالنی چاہیے مددگار ثابت ہوا ہوتا، کون جانے؟ ان اور ایسی ہی دوسری مشکلات کو حل کرنے کے لئے، افسوس، زیادہ سنگین، تاہم اس شرط پر کہ ذمے داری سنبھالنے والا اپنے اختیار کو، جو ناقابل انکار طور پر کمزور ہوگا، غیر اختیاری ہوگا، ہر لمحے اُس پر انگلیاں اٹھائی جائیں گی، صریحاً سب کے فائدے کے لئے عمل میں لائے گا اور اکثریت کو اسے تسلیم کرنا ہوگا۔ جب تک ہم اس میں کامیاب نہیں ہوتے، اُس نے سوچا، ہم یہاں ایک دوسرے کو قتل کرتے رہیں گے۔ اس نے دل میں دعدہ کیا کہ وہ ان نازک معاملات کے بارے میں اپنے خاوند سے گفتگو کرے گی، اور راشن تقسیم کرنے کے لئے چلی گئی۔

بعضے آرام طلبی کی وجہ سے، اور دوسرے اس لئے کہ اُن کا ہاضمہ کمزور تھا، کھانا کھا لینے

کے فوراً بعد جاکر، قبریں کھودنے کی مشقت پر آمادہ نظر نہیں آتے تھے۔ اپنے پیشے کی وجہ سے، ڈاکٹر نے اپنی ذمے داری کو دوسروں سے زیادہ محسوس کیا، اور جب اُس نے کسی ولولے کا مظاہرہ کئے بغیر کہا، آؤ چل کر لاشوں کو دفناتے ہیں، تو ایک بھی رضا کار سامنے نہ آیا، بستروں پر لیٹے نظر بندوں کو صرف اس بات میں دلچسپی تھی کہ انہیں سکون کے ساتھ کھانا ہضم کرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے، بعض لیٹتے ہی سو گئے تھے، جس میں حیرانی کی کوئی بات نہ تھی، جس خوفناک تجربے سے وہ گزرے تھے اس کے بعد اُن کے جسموں نے اگرچہ اُنہیں پوری غذا نہیں ملتی تھی، اپنے آپ کو ہاضمے کے کیمیاوی عمل کی آہستہ کاری کے حوالے کردیا۔ بعد میں، جب شام کا وقت قریب آرہا تھا، جب بتدریج گھٹتی ہوئی قدرتی روشنی کی وجہ سے مدھم لیمپ کچھ طاقت پکڑتے دکھائی دیئے، ساتھ ہی اپنے کمزور ہونے کے باوجود، اپنا تھوڑا بہت مقصد پورا کرتے، تو ڈاکٹر نے، اپنی بیوی کی معیت میں، اپنے وارڈ کے دو آدمیوں کو اپنے ساتھ احاطے میں جانے پر آمادہ کرلیا، چاہے صرف اندازہ لگانے کے لئے ہی سہی، کہ انہیں کتنا کام کرنا ہوگا، اور اکڑی ہوئی لاشوں کو الگ الگ کرنے کے لئے، جب ایک بار یہ فیصلہ ہوجائے کہ ہر وارڈ اپنے اپنے مُردوں کو دفن کرے گا۔ یہ اندھے آدمی اس بات کا فائدہ اٹھا رہے تھے جسے روشنی کا فریب نظر کہا جاسکتا ہے۔ حقیقت میں انہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ آیا یہ دن ہے یا رات، پو پھٹے کا سماں یا شام کا جھٹ پٹا، اوّل صبح کی خاموش ساعتیں یا دوپہر کی دوڑ دھوپ کا شور وغل، یہ اندھے لوگ ہمیشہ ایک منوّر سفیدی میں گھرے رہتے تھے، جیسے کُہرے میں سورج چمکتا ہو۔ موخرالذکر کے لئے اندھے پن کا مطلب معمولی اندھیرے میں ڈوب جانا نہیں بلکہ ایک منور ہالے میں زندگی بسر کرنا تھا۔ جب ڈاکٹر کے مُنھ سے یہ نکلا کہ وہ لاشوں کو الگ الگ کرنے والے ہیں، تو پہلے اندھے آدمی نے، جو اُن میں شامل تھا، جنہوں نے اُس کی مدد کرنے پر اتفاق کیا تھا، یہ جاننا چاہا کہ وہ اُنہیں پہچانیں گے کیسے، ایک اندھے آدمی کی طرف سے ایک منطقی سوال، جس نے ڈاکٹر کو تھوڑا پریشانی میں ڈال دیا۔ اس مرتبہ اُس کی بیوی نے اس کی مدد کو آنا مناسب نہ سمجھا، اس خوف سے کہ کہیں کھیل ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ ڈاکٹر نے، صاف

صاف کہنے کے فطری طریقے سے یعنی اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے، خود کو اِس مشکل میں سے بڑے وقار کے ساتھ نکال لیا، اُس شخص کے لہجے میں جو اپنے آپ پر ہنس سکتا ہو، بولا، لوگ دیکھنے والی آنکھوں کے اتنے عادی ہوتے ہیں کہ وہ انہیں اُس وقت بھی استعمال میں لانے کا سوچتے ہیں جب وہ کسی بھی کام کے قابل نہیں ہوتیں، دراصل ہم اتنا جانتے ہیں کہ ان میں ہمارے وارڈ کے چار آدمی ہیں، ایک ٹیکسی ڈرائیور، دو پولیس والے، اور ایک اور، جو ہمارے ساتھ تھا، اس لئے حل یہ ہے کہ اٹکل سے چار لاشیں اٹھالی جائیں، انہیں احترام کے ساتھ دفن کیا جائے اور یوں ہم اپنی ذمے داری پوری کریں پہلے اندھے آدمی نے اس بات سے اتفاق کیا، اور اسی طرح اس کے ساتھیوں نے بھی، اور ایک بار پھر وہ باری باری قبریں کھودنے لگے۔ اندھے ہونے کی وجہ سے ان مددگاروں کو کبھی پتہ نہ چلے گا کہ کسی استثنا کے بغیر، دفن کی جانے والی لاشیں انہیں لوگوں کی تھیں جن کے بارے میں وہ باتیں کررہے تھے، نہ ہی ہمیں اس کام کے ذکر کی ضرورت ہے، جو بظاہر ڈاکٹر نے اس ہاتھ سے جس کی رہنمائی اُس کی بیوی کررہی تھی، اٹکل پچو انداز میں کیا، وہ کوئی ٹانگ یا بازو پکڑتی اور صرف اتنا ہی کہتی، یہ والا۔ وہ دو لاشوں کو دفن کرچکے تھے کہ وارڈ میں سے بالآخر تین اور آدمی نمودار ہوئے، ان کی مدد کے لئے غالب امکان یہ ہے کہ اگر انہیں کوئی بتادیتا کہ یہ رات کی سنسان گھڑی ہے تو وہ کم ہی آمادہ ہوتے۔ چاہے آدمی اندھا ہی کیوں نہ ہو، یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ نفسیاتی طور پر دن کی روشنی میں اور غروبِ آفتاب کے بعد قبریں کھودنے کے مابین قابلِ لحاظ فرق ہے۔ وہ وارڈ میں واپس آئے ہی تھے، پسینہ پسینہ، مٹی میں لتھڑے، گلے سڑے گوشت کی مریضانہ بُو ابھی تک نتھنوں میں لئے، کہ لاؤڈ اسپیکر پر ایک آواز نے معمول کی ہدایات کو دھرانا شروع کردیا۔ جو ہوا تھا اس کا کوئی بھی حوالہ نہیں تھا نہ ہی گولیاں چلانے یا ہلاک ہونے والوں کا ذکر جس پر قریب سے گولیاں چلائی گئی تھیں صرف خبردار کیا گیا تھا کہ اجازت کے بغیر عمارت سے باہر نکلنے کا مطلب فوری موت کو دعوت دینا ہوگا، یا نظر بندوں کو رسم ادا کئے بغیر لاشوں کو دفن کرنا ہوگا، اب زندگی کے تلخ تجربوں کی بدولت جو تمام ضوابط کا سب سے بڑا اُستاد ہے ان وارننگوں نے حقیقی معنی

اختیار کرلئے تھے، جبکہ وہ اعلان جس میں روزانہ تین وقت کھانا دیئے جانے کا وعدہ کیا گیا تھا، مضحکہ خیز طور پر طنزیہ لگتا تھا یا اس سے بھی بدتر، ذلت آمیز۔ جب آواز خاموش ہوگئی تو ڈاکٹر نے، ازخود کیونکہ اب وہ اس جگہ کے ہر کونے کھدرے سے واقف ہو چلا تھا، دوسرے وارڈ کے دروازے کا رُخ کیا، وہاں کے لوگوں کو بتانے کے لئے کہ ہم نے اپنے مردوں کو دفن کرلیا ہے، اچھا، اگر تم نے چند کو دفن کرلیا ہے، تو تم باقیوں کو بھی کرسکتے ہو، اندر سے کسی آدمی کی آواز آئی، اتفاق اس بات پر ہوا تھا کہ ہر وارڈ اپنے مُردے خود دفن کرے گا، ہمارے چار تھے ہم نے دفن کرلئے، بہت اچھا، کل ہم یہاں والوں سے نپٹ لیں گے، دوسری مردانہ آواز نے کہا، اور پھر ذرا مختلف لہجے میں پوچھا، کیا اور کھانا نہیں آیا، نہیں، ڈاکٹر نے جواب دیا، لیکن لاؤڈ اسپیکر پر تو کہا گیا تھا، دن میں تین بار، مجھے شک ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے وعدے کا پاس کریں گے، تو پھر ہمیں ممکنہ طور پر آنے والی خوراک کی راشن بندی کرنا پڑے گی، ایک نسوانی آواز نے کہا، یہ اچھا خیال لگتا ہے، اگر آپ پسند کریں تو ہم اس پر کل بات کرسکتے ہیں، ٹھیک، عورت بولی۔ ڈاکٹر وہاں سے چلنے ہی والا تھا کہ پہلے بولنے والے آدمی کی آواز سنائی دی، یہاں کس کا حکم چلتا ہے، وہ رُکا۔ جواب کی توقع میں اور یہ اُسی نسوانی آواز کی طرف سے آیا، جب تک ہم سنجیدگی کے ساتھ اپنے آپ کو منظم نہیں کرتے، یہاں بھوک اور خوف کا غلبہ رہے گا، کتنی شرم کی بات ہے کہ ہم دوسروں کے ساتھ مردوں کو دفن کرنے نہیں گئے جب تم اتنی ہوشیار اور خود اعتماد ہو تو خود کیوں نہیں چلی جاتیں اور مُردوں کو دفن کرتیں، میں اکیلی نہیں جاسکتی لیکن میں مدد کے لئے تیار ہوں، بحث کا کوئی فائدہ نہیں، کسی اور مردانہ آواز نے مداخلت کی، ہم صبح سب سے پہلے اس بات کا تصفیہ کریں گے۔ ڈاکٹر نے آہ بھری، مل کر زندگی گزارنا مشکل ہونے والا تھا۔ وہ اپنے وارڈ کی طرف واپس جارہا تھا کہ اُسے رفع حاجت کی شدید ضرورت محسوس ہوئی۔ اسے یقین نہیں تھا کہ جس جگہ پر اس وقت وہ ہے اُسے کوئی بیت الخلا مل جائے گا، لیکن اس نے قسمت آزمائی کا فیصلہ کرلیا۔ اُسے امید تھی کہ کسی کو وہاں ٹائلٹ پیپر رکھنا یاد رہے ہوں گے جو کھانے کے سامان کے ساتھ انہیں دیئے گئے تھے۔ وہ دو مرتبہ راستے سے بھٹکا اور کسی قدر مغموم تھا کیونکہ وہ گھبراہٹ

محسوس کرنے لگا تھا اور جب، اور برداشت نہ کرسکا تو بالآخر اپنی پتلون نیچے کردی اور کھلے پاخانے کے اوپر دبک گیا۔ بدبو سے اُس کا دم گھٹنے لگا۔ اُسے لگا جیسے اُس نے کسی نرم گودے پر پاؤں رکھ دیئے ہوں کسی ایسے شخص کا فضلہ جسے ٹٹی کا سوراخ نہ ملا تھا یا جس نے دوسروں کا خیال کئے بغیر، رفع حاجت کا فیصلہ کیا تھا۔ اُس نے اس جگہ کو تصور میں لانے کی کوشش کی، اس کی نظر میں ہر شے سفید تھی، منور، جگمگاتی ہوئی، اسے کسی طور یہ علم نہیں ہوسکتا تھا کہ آیا دیواریں اور فرش سفید تھے یا نہیں، اور وہ ایک لغو نتیجے پر پہنچا کہ وہاں کی روشنی اور سفیدی سے بھی سخت بدبو آرہی تھی۔ یہ گھناؤنا پن ہمیں پاگل بنادے گا، اُس نے سوچا پھر اُس نے اپنے آپ کو صاف کرنے کی کوشش کی لیکن وہاں کوئی کاغذ نہیں تھا۔ اس نے اپنی پچھلی دیوار پر ہاتھ پھیرا، جہاں اسے ٹائلٹ پیپر کے رول ملنے کی توقع تھی یا میخوں کی۔ جہاں کسی بہتر چیز کی غیر موجودگی میں، کسی بھی قسم کے کاغذ کے پرانے ٹکڑے لٹکے رہ گئے ہوں گے۔ کچھ بھی نہ تھا۔ اُس نے محسوس کیا کہ وہ ملول ہے، بے کس ہے، اپنی برداشت سے زیادہ بدقسمت ہے، انتہائی دباؤ کی حالت میں اپنے پائنچوں کو بچاتا، جو اُس نفرت انگیز فرش کے ساتھ مس ہو رہے تھے، اندھا، اندھا، اندھا، اور اپنے آپ کو سنبھالنے سے قاصر، وہ چپکے چپکے رونے لگا۔ لڑکھڑاتے ہوئے، اُس نے چند ہی قدم اٹھائے ہوں گے کہ سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔ اُس نے ایک بازو آگے پھیلایا، پھر دوسرا، اور بالآخر اُسے دروازہ مل گیا۔ اُسے کسی شخص کے پاؤں گھسیٹ کر چلنے اور بار بار ٹھوکر کھانے کی آواز سنائی دے رہی تھی، جو یقیناً ٹٹیوں کی تلاش میں ہوگا، کم بخت کہاں ہوں گی؟ وہ شخص بے تعلق آواز میں بڑبڑا رہا تھا، جیسے اندر، کہیں گہرائی میں وہ انہیں پالینے میں زیادہ دلچسپی نہ رکھتا ہو۔ وہ ٹٹیوں کے قریب سے ہوکر گزرا، یہ جانے بغیر کہ وہاں کوئی اور بھی تھا، لیکن کیا مضائقہ ہے، صورتِ حال اتنی بھی نہیں بگڑی کہ بے حیائی تک آپہنچی ہو، اگر اسے یہ نام دیا جاسکتا تھا، پریشان کن صورت حال میں گھرا ہوا ایک آدمی، کپڑے بے ترتیب، آخری لمحے پر شرمندگی کے بدحواس کردینے والے احساس میں مبتلا، ڈاکٹر نے اپنے پائنچے اونچے کرلئے تھے۔ اُس نے انہیں پھر نیچے کردیا، جب اُس نے سوچا وہ تو اکیلا ہے، لیکن بروقت نہیں، وہ جانتا تھا

کہ وہ گندا ہے، اُس سے بھی زیادہ گندا جتنا وہ زندگی بھر میں شاید کبھی رہا ہو۔ حیوان بننے کے کئی طریقے ہیں، اس نے سوچا، یہ اُن میں پہلا ہے۔ تاہم، وہ واقعی شکایت نہیں کر سکتا تھا، اس کے ساتھ اب بھی کوئی تھا جو اُسے معاف کرنے پر بُرا نہیں مانتا۔

اپنے بستروں پر لیٹے اندھے نظر بند نیند کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ اُن کی حالتِ زار پر رحم کھائے۔ بڑی احتیاط کے ساتھ، جیسے کوئی خطرہ ہو کہ کہیں دوسرے اس عاجزانہ منظر کو دیکھ نہ لیں، ڈاکٹر کی بیوی نے جتنا بھی بہتر طور پر ہو سکا تھا، اپنے خاوند کو اپنی صفائی کرنے میں مدد دی تھی۔ اب وہاں وہ دُکھ بھری خاموشی تھی جو ہسپتالوں میں اُس وقت نظر آتی ہے جب مریض سو رہے ہوتے ہیں اور سوتے میں بھی دُکھ جھیلتے ہیں۔ سیدھی اور چوکس بیٹھی ڈاکٹر کی بیوی نے بستروں کی طرف دیکھا، بے حقیقت پیکروں کی طرف، کسی چہرے کی ٹھہری ہوئی بے رونقی، کوئی خواب کے عالم میں حرکت کرتا ہوا بازو۔ اس نے تعجب کیا آیا کبھی وہ بھی انہی کی طرح اندھی ہوگی، کن نا قابلِ تشریح اسباب نے اُسے اب تک اندھا ہونے سے بچائے رکھا ہے۔ ایک مضمحل ادا کے ساتھ اپنے بالوں کو پیچھے ہٹانے کے لئے اُس نے اپنے ہاتھ اوپر کئے اور سوچا، ہم سب کا تعفن اوپر آسمانوں تک جائے گا۔ اُس لمحے آہیں سنائی دینے لگی تھیں، اور کراہیں اور ننھی ننھی چیخیں، پہلے گھٹی گھٹی، آوازیں جو الفاظ لگتی تھیں، جو ضرور الفاظ ہوں گی لیکن جن کے معنی اُن چڑھتے سُروں میں گم ہو گئے، جنہوں نے انہیں چلاہٹوں، غرفشوں اور آخر میں بھاری اور خرخراہٹ کے ساتھ نکلنے والی سانسوں میں تبدیل کر دیا۔ وارڈ کے آخری سرے پر کسی کی صدائے احتجاج بلند ہوئی۔ سؤر، وہ سؤروں کی طرح ہیں۔ وہ سؤر نہیں تھے، صرف ایک اندھا مرد اور ایک اندھی عورت، جو سوائے اس کے غالباً ایک دوسرے کے بارے میں اور کچھ نہیں جانتے تھے۔

۷

خالی پیٹ جلدی جاگ اُٹھتا ہے۔ صبح روشنی ابھی دُور تھی کہ چند اندھے نظر بندوں نے اپنی آنکھیں کھول دیں، اور یہ اتنا بھوک کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس لئے کہ اُن کا حیاتیاتی کلاک، یا اسے جو بھی کہیں، اب مناسب طور پر کام نہیں کر رہا تھا انہوں نے فرض کر لیا تھا کہ یہ دن کی روشنی ہے، پھر سوچا، میں ضرورت سے زیادہ سویا ہوں اور انہیں جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا، اُن کے دوسرے ساتھیوں نے اپنے خراٹوں سے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا، اس میں مغالطے کی گنجائش نہیں تھی۔ اب جیسا کہ ہم نے کتابوں سے جانا ہے، اور اُن سے بھی زیادہ ذاتی تجربے سے جو کوئی بھی جلدی اٹھتا ہے چاہے اپنی طبیعت کے میلان کی وجہ سے یا کسی ضرورت کے تحت جلدی اُٹھنے پر مجبور اُس کے لئے دوسروں کا گہری نیند سوتے رہنا نا قابلِ برداشت ہوتا ہے، اور صائب وجہ کی بنا پر، کیونکہ ایک سوتے ہوئے اندھے آدمی، اور ایک ایسے اندھے آدمی کے درمیان جس نے بغیر کسی مقصد کے آنکھیں کھول دی ہیں، نمایاں فرق ہے۔ نفسیاتی نوعیت کے یہ مشاہدات جن کی باریک بینی بظاہر کوئی مناسبت نہیں رکھتی، صرف تشریح کے لئے ہیں، اگر اُس ہیجانِ عظیم کو مدنظر رکھیں جس کو ہمارا یہ قصہ بیان کرنے کی کوشش کر رہا ہے، کیوں تمام اندھے نظر بند اتنی جلدی جاگ اُٹھے تھے، بعض غذا کے ضرورت مند خالی شکموں میں اٹھنے والی لہروں کی وجہ سے اور دوسروں کو جلد اٹھنے والوں کی عصبی بے صبری نیند سے باہر گھسیٹ

لائی تھی، جو، بارکوں اور وارڈوں میں جنسی اختلاط کرنے والوں کے ناگزیر اور قابلِ برداشت شور کے مقابلے میں، زیادہ شور مچانے سے بھی نہیں ہچکچاتے تھے۔ یہاں صرف دُور اندیش اور خوش اطوار لوگ ہی نہیں وہ لوگ بھی ہیں جنہیں واقعی بیہودہ کہا جاسکتا ہے، جو، دوسروں کی موجودگی کا لحاظ کئے بغیر، ہر صبح کھانستے ہوئے بلغم بھی تھوکتے ہیں اور ہوا بھی خارج کرتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ وہ دن بھر ایسا ہی کرتے رہتے ہیں، ماحول کو بوجھل بنا دیتے ہیں، اور اس کا کوئی سدِ باب نہیں کیا جاسکتا، صرف دروازہ ہی کھولا جاسکتا ہے، کھڑکیاں بہت اونچی ہیں اُن تک پہنچا نہیں جاسکتا۔

تنگیٔ بستر کے باوجود لیکن اپنی مرضی سے، آدھی رات کے وقت، ڈاکٹر کی بیوی کو اپنے خاوند کے ممکنہ حد تک قریب ہوتے ہوئے، تھوڑی شائستگی برقرار رکھنے اور اُن لوگوں کے طریقے سے اجتناب کرنے کی کتنی قیمت چکانا پڑی تھی، جن کو سُوَر کہا گیا تھا، اُس نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔ دو بج کر تیئس منٹ ہوئے تھے۔ اُس نے قریب سے دیکھا دوسری سوئی کام نہیں کر رہی تھی۔ میں چابی دینا بھول گئی بد بخت گھڑی کو، یا اس بد بخت کو، مجھ بد بخت کو تنہائی کے صرف تین دن کے اندر اندر یہ معمولی کام کرنا بھی یاد نہیں رہا، وہ اپنے آپ پر قابو نہ پاسکی اور ہچکیاں لیتے ہوئے رونے لگی، جیسے اس پر اچانک قیامت ٹوٹ پڑی ہو۔ ڈاکٹر نے سوچا اُس کی بیوی اندھی ہوگئی ہے کہ جس چیز کا اُسے اتنا خوف تھا بالآخر ہو ہی گئی، اور بدحواس ہوکر، وہ پوچھنے ہی کو تھا، کیا تم اندھی ہوگئی ہو، کہ فوراً ہی اُسے سرگوشی سُنائی دی، نہیں، نہیں، یہ وہ نہیں ہے، یہ وہ نہیں ہے، پھر ایک تھکی ماندی اور تقریباً ناقابلِ شنید سرگوشی میں، دونوں نے سر پر کمبل ڈال رکھا تھا، کتنی حماقت ہوئی مجھ سے، میں گھڑی کو چابی دینا بھول گئی اور وہ سسکیاں بھرنے لگی، ماورائے تسکین۔

درمیانی راستے کی دوسری جانب سے کالے چشمے والی لڑکی نے اپنے بستر سے اُٹھ کر، بازو پھیلاتے ہوئے، اس سمت میں چلنا شروع کردیا جدھر سے سسکیوں کی آواز آرہی تھی، تم پریشان ہو، کیا میں تمہارے لئے کچھ کرسکتی ہوں اس نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا اور اپنے ہاتھوں سے دونوں جسموں کو چھونے لگی۔ دُور اندیشی کا تقاضہ تھا کہ وہ فوراً پیچھے ہٹ جاتی اور یہی

حکم اُسے یقیناً اپنے دماغ کی طرف سے بھی ملا تھا لیکن اُس کے ہاتھوں نے تعمیل نہیں کی، وہ اور بھی نزاکت سے مَس کرنے لگے، موٹے گرم کمبل کو ملائمت کے ساتھ سہلانے لگے۔ کیا تمہیں کوئی چیز لاکر دے سکتی ہوں، لڑکی نے ایک بار پھر پوچھا، اور اب اُس نے اپنے ہاتھ اُٹھا لئے تھے، انہیں اوپر اٹھائے رکھا حتیٰ کہ وہ بے بسی کے عالم میں، اُس بنجر سفیدی میں گم ہوگئے۔ ابھی تک سسکیاں بھرتی ڈاکٹر کی بیوی اپنے بستر سے نکلی، لڑکی کو گلے سے لگایا اور بولی، کچھ نہیں ہوا، میں بس اچانک اداس ہوگئی تھی، اگر تم جو اتنی مضبوط ہو دل شکستہ ہو رہی ہو، تو پھر واقعی ہمارے لئے تو بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں، لڑکی نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔ پہلے سے زیادہ پُرسکون ڈاکٹر کی بیوی نے سیدھے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا، ورم کے آثار تقریباً معدوم ہوگئے ہیں، افسوس، کہ میں اُسے بتا نہیں سکتی، وہ خوش ہوتی۔ ہاں، وہ یقیناً خوش ہوتی، اگرچہ ایسی تسکین لغو ہوتی اس لئے نہیں کہ وہ اندھی تھی، بلکہ اس لئے کہ دوسرے تمام لوگ بھی اندھے تھے، کیا فائدہ ہوگا اُسے ایسی چمکیلی اور خوبصورت آنکھوں کا، اگر انہیں دیکھنے والا کوئی نہیں۔ ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، ہم سب کے اپنے اپنے کمزور لمحے ہوتے ہیں، ساتھ ہی یہ کہ اب بھی رونے کی صلاحیت رکھتے ہیں، آنسو، اکثر ہماری نجات کا ذریعہ بن جاتے ہیں، ایسے وقت بھی آتے ہیں کہ اگر ہم روئیں نہیں تو مر جائیں۔ ہمارے لئے کوئی نجات نہیں، کالے چشمے والی لڑکی نے دُہرایا، کون کہہ سکتا ہے کہ یہ اندھا پن کسی دوسرے اندھے پن جیسا نہیں، ہوسکتا ہے یہ اچانک اُسی طرح چلا بھی جائے، جیسے آیا تھا، لیکن جو مر گئے اُن کے لئے بہت دیر ہوچکی ہوگی، ہم سب کو مرنا ہے، لیکن ہلاک نہیں ہونا اور میں نے کسی شخص کو ہلاک کیا ہے، اپنے آپ کو الزام نہ دو، یہ صورت حال کا تقاضہ تھا، یہاں ہم سب مجرم بھی ہیں اور معصوم بھی، بدترین رویہ تو فوجیوں کا تھا جو یہاں ہماری حفاظت پر مامور ہیں، اور وہ بھی سب سے بڑے عُذر کی دہائی دے سکتے ہیں، خوف، کیا ہوا اگر وہ بد بخت میرے جسم سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگا تھا، وہ اس وقت زندہ ہوتا، اور میرا جسم جیسا اس وقت ہے اس سے مختلف نہ ہوتا، اب اُس کے بارے میں اور مت سوچو، آرام کرو، سونے کی کوشش کرو۔ وہ لڑکی کے ساتھ اُس کے بستر تک گئی، چلو اب بستر میں گھس جاؤ، تم بہت

مہربان عورت ہو، لڑکی نے کہا، پھر اپنی آواز کو دھیما کرتے ہوئے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں، میرے حیض کا وقت قریب ہے اور میں صفائی کے لئے نیپکن بھی نہیں لائی، فکر نہ کرو، میرے پاس کچھ ہیں۔ کالے چشمے والی لڑکی کے ہاتھ سہارے کے لئے کوئی جگہ ٹٹولنے لگے، لیکن ڈاکٹر کی بیوی نے اُس کے ہاتھوں کو نرمی سے اپنے ہاتھوں میں تھام لیا، آرام کرو، آرام کرو۔ لڑکی نے اپنی آنکھیں بند کرلیں، ایک منٹ کے لئے اسی حالت میں رہی، وہ سوچکی ہوتی اگر وہ جھگڑا نہ ہوتا جو ایک دم سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا، کوئی شخص رفع حاجت کے لئے گیا تھا اور جب واپس آیا تو دیکھا کہ اس کے بستر پر کوئی اور شخص براجمان ہے، مقصد تکلیف پہنچانا نہیں تھا، دوسرا شخص بھی اسی غرض سے اُٹھا تھا، راستے میں وہ ایک دوسرے کے قریب سے گزرے تھے، ظاہر ہے دونوں میں سے کسی کو بھی ایک دوسرے سے یہ کہنے کا خیال نہیں آیا، احتیاط کرنا واپسی میں کسی غلط بستر میں نہ گھس جانا۔ وہاں کھڑے، ڈاکٹر کی بیوی، دو اندھے آدمیوں کو تکرار کرتے دیکھتی رہی اُن کے اشاروں سے لگتا تھا کہ وہ کسی بات پر اصرار نہیں کررہے، ان کے جسم بمشکل حرکت کرتے دکھائی دیتے تھے، انہیں جلد ہی پتہ چل گیا ہوگا کہ صرف گفت وشنید ہی سے اپنا مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے، یہ درست ہے کہ اُن کے پاس بازو تھے، وہ لڑ سکتے تھے، گتھم گتھا ہوسکتے تھے، نوبت ہاتھا پائی تک آسکتی تھی، لیکن غلطی سے ایک بستر کی ادلا بدلی اتنی اہم نہیں تھی کہ اُس کے لئے ہنگامہ برپا کیا جاتا، کاش زندگی کے تمام مغالطے اسی طرح کے ہوتے، اور انہیں بس اتنا ہی کرنا تھا کہ کسی سمجھوتے پر پہنچ جاتے، نمبر دو میرا ہے، تمہارا نمبر تین ہے، اس کو قطعی طور پر سمجھ لیا جائے، اگر ہم واقعی اندھے نہ ہوتے تو یہ خلطِ بحث کبھی پیدا ہی نہ ہوتا، تم ٹھیک کہتے ہو، ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم اندھے ہیں۔ ڈاکٹر کی بیوی نے اپنے خاوند سے کہا، پوری دنیا یہیں ہے۔

خیر ایسی پوری بھی نہیں، مثلاً خوراک، وہاں باہر موجود ہے لیکن اُسے پہنچنے میں زمانے لگ جاتے ہیں۔ دونوں وارڈوں میں سے چند آدمی، لاؤڈ اسپیکر پر ہونے والے اعلان کے انتظار میں، پہلے ہی سے ڈیوڑھی میں جا کر بیٹھ گئے تھے۔ پریشانی اور بے صبری کے مارے زمین

پر اپنے پاؤں رگڑتے رہے۔ وہ جانتے تھے کہ خوراک کے ڈبّے اٹھا کر لانے کے لئے انہیں اگلے صحن میں جانا ہوگا، جنہیں فوجی، اپنے وعدے کا پاس کرتے ہوئے صدر دروازے اور فوجیوں کے درمیان چھوڑ جائیں گے، اور وہ ڈرتے تھے کہ یہ بھی کہیں کوئی چال نہ ہو، کوئی پھندا نہ ہو، ہم کیسے جانیں کہ وہ گولیاں چلانا نہیں شروع کردیں گے، جیسا کہ پہلے کرچکے ہیں، وہ کچھ بھی کرسکتے ہیں، اُن پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے، تم مجھے وہاں نہیں لے جاسکتے، مجھے بھی نہیں، اگر ہمیں کھانا ہے تو کسی کو تو جانا ہوگا، مجھے معلوم نہیں کہ آیا گولی سے مرنا بہتر ہے یا بھوک سے، میں جا رہا ہوں، میں بھی۔ ہم سب کو جانے کی ضرورت نہیں، ہوسکتا ہے فوجیوں کو اچھا نہ لگے، یا وہ فکرمند ہوجائیں اور سوچیں کہ ہم فرار ہونے کی کوشش کررہے ہیں، غالباً اسی لئے انہوں نے زخمی ٹانگ والے آدمی کو گولی ماردی تھی، ہمیں فیصلہ کرنا ہوگا، ہم زیادہ محتاط بھی نہیں ہوسکتے، یاد ہے کل کیا ہوا تھا، نو ہلاکتیں نہ کم نہ زیادہ، فوجی ہم سے خوفزدہ تھے، اور میں اُن سے خوفزدہ ہوں، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا وہ بھی اندھے ہوتے ہیں، وہ کون، فوجی، میری رائے میں سب سے پہلے انہیں ہونا چاہیے۔ وہ سب متفق تھے، تاہم خود سے سوال کئے بغیر کہ کیوں، اور وہاں کوئی ایسا نہ تھا جو انہیں ایک بھی معقول وجہ بتاتا، کیونکہ پھر وہ اپنی بندوقیں نہ تان سکتے۔ وقت گزرتا گیا، گزرتا گیا، اور لاؤڈ اسپیکر خاموش رہا۔ کیا تم اپنے مُردوں کو دفن کرچکے ہو۔ پہلے وارڈ والے ایک آدمی نے، کوئی بات کرنے کی غرض سے پوچھا، ابھی نہیں، اُن سے بدبو آنے لگی ہے اور آس پاس کی ہر شے کو متعفن کررہی ہے، انہیں کرنے دو متعفن ہر شے کو اور جانے دو اُس تعفن کو عرش تک، میرا جہاں تک تعلق ہے میرا تو کچھ کرنے کا ارادہ نہیں جب تک میں کھانا نہیں کھا لیتا، جیسا کبھی کسی نے کہا تھا، پہلے تم کھاؤ پھر برتن دھو دو، رسم یہ نہیں ہے تمہاری کہاوت غلط ہے، عام طور پر سوگوار اپنے مردوں کو دفن کرنے بعد کھاتے پیتے ہیں، میرے ساتھ اُلٹا معاملہ ہے۔ چند منٹوں کے بعد ان اندھے آدمیوں میں سے ایک نے کہا صرف ایک چیز مجھے پریشان کرتی ہے، وہ کیا ہے، ہم کھانا تقسیم کیسے کریں گے جیسے ہم نے پہلے کیا تھا، ہمیں معلوم ہے کہ ہم کتنے ہیں، راشن گِنا جاتا ہے، ہر کوئی اپنا حصّہ وصول کرتا ہے، یہ سب سے سادہ اور بہترین طریقہ ہے، لیکن

یہ کامیاب نہیں ہوا، کچھ نظر بند اپنا کھانا حاصل کرنے سے محروم رہ گئے تھے، اور ایسے بھی تھے جنہیں ڈبل راشن مل گیا، تقسیم کا اچھا انتظام نہ تھا، یہ ہمیشہ بُرا رہے گا جب تک لوگ احترام اور نظم و ضبط کا مظاہرہ نہیں کرتے، کاش کوئی ہم میں ایسا ہوتا جو تھوڑا بہت دیکھ سکتا، خیر، وہ بھی اپنے لئے سب سے زیادہ حصہ رکھنے کی کوئی ترکیب نکالنے کی کوشش کرتا، جیسا کہ کہاوت ہے، اندھوں میں کانا راجہ، بھول جاؤ کہاوتوں کو، لیکن یہ صورتِ حال اور ہے، یہاں تو ترچھی آنکھوں والا بھی نہیں بچے گا، میری نظر میں تو بہترین حل یہ ہوگا کہ خوراک کو تمام وارڈوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے، اسی صورت میں ہر نظر بند خود مکتفی ہو سکتا ہے، یہ کون بولا تھا، میں تھا، میں کون ہے، میں، کس وارڈ کے ہو تم، وارڈ نمبر دو سے اس چالاکی کا کون یقین کر سکتا ہے، کیونکہ وارڈ نمبر دو میں، بہت کم مریض ہیں، یہ انتظام اُن کے حق میں بہتر ہوگا اور انہیں ہمارے مقابلے میں کھانے کو زیادہ ملے گا، اس لئے کہ ہمارا وارڈ تو پورا بھرا ہوا ہے، میں تو صرف اس کام میں تعاون کرنے کی کوشش کر رہا تھا، کہاوت یہ بھی کہتی ہے کہ اگر بانٹنے والا بہتر حصہ حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے، یا تو وہ احمق ہے یا کند ذہن، شِٹ، بہت ہوگئیں کہاوتیں، ان کہاوتوں نے میرا ناک میں دم کر دیا ہے، ہمیں کرنا یہ چاہیے کہ کھانا طعام خانے میں لے جائیں، تقسیم کرنے کی خاطر، ہر وارڈ اپنے اپنے تین نمائندے چُنے، اس لئے کہ اگر چھ افراد گنتی کرنے والے ہوں گے تو فریب اور ناجائز فائدہ اٹھانے کا خطرہ کم ہو جائے گا، جب دوسرے کہیں گے کہ ہمارے وارڈ میں اتنے لوگ ہیں تو ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ وہ سچ بول رہے ہیں، ہمارا معاملہ دیانتدار لوگوں سے ہے، کیا یہ بھی کوئی کہاوت ہے، نہیں، یہ میں کہہ رہا ہوں، میرے پیارے دوست، میں دیانتدار کے بارے میں تو کچھ نہیں جانتا، لیکن ہم یقیناً بھوکے ہیں۔

جیسے اس سارے وقت میں، کسی خفیہ لفظ کا انتظار کیا جا رہا ہو، کوئی اشارہ، کوئی کھل جا سم سم، لاؤڈ اسپیکر بالآخر بول ہی پڑا، توجہ، توجہ، نظر بند آ کر کھانا لے جا سکتے ہیں، لیکن خبردار اگر کوئی دروازے کے قریب آیا تو، انہیں پہلی بار وارننگ دی جائے گی، اور اگر وہ پھر بھی فوراً پیچھے نہ ہٹے تو دوسری وارننگ گولی ہوگی۔ اندھے نظر بند آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے، جو زیادہ

پُر اعتماد تھے دائیں طرف، جہاں، انہوں نے سوچا کہ دروازہ ہوگا، دوسروں نے، جنہیں اپنی سمت دُرست رکھنے کی صلاحیت پر کم یقین تھا، دیوار کے ساتھ ساتھ سرکتے چلے جانے کو ترجیح دی، اس طور غلط راستے پر پڑنے کا کوئی امکان نہیں تھا، کونے پر پہنچنے کے بعد انہیں درست زاویے سے دیوار کے پیچھے پیچھے جانا تھا اور وہاں انہیں دروازہ مل جاتا۔ لاؤڈ اسپیکر پر تیس مار خانی آواز نے، بے صبری کے ساتھ، طلبی کے احکامات دھرائے۔ لہجے کی تبدیلی نے، اُن کو بھی جنہیں شک کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی، مغالطے میں ڈال دیا، اندھے نظر بند دہشت زدہ ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے اعلان کیا، میں تو یہاں سے اک قدم نہیں چلوں گا، وہ کرنا یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں باہر پکڑ لیں اور پھر سب کو مار ڈالیں، میں بھی آگے نہیں جاؤں گا، دوسرا بولا، میں بھی نہیں، تیسرا بھی شامل ہو گیا۔ تذبذب کے عالم میں وہ اپنی جگہ پر جم کر کھڑے ہو گئے، کچھ لوگ جانا چاہتے تھے، لیکن خوف سب پر طاری تھا۔ آواز پھر گونجی، اگر آئندہ تین منٹ کے اندر اندر، کوئی کھانے کے ڈبے لینے کے لئے نہیں آیا، تو ہم انہیں اٹھا کر واپس لے جائیں گے۔ یہ دھمکی اُن کا خوف دُور کرنے میں ناکام رہی، بلکہ اُسے اُن کے دماغ کی اندرونی گپھاؤں میں اور آگے دھکیل دیا۔ اُن جانوروں کی طرح جن کا تعاقب کیا جا رہا ہو، اور وہ دفاعی حملے کے لئے موقع کے منتظر ہوں۔ ایک دوسرے کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرتے، اور خوفزدہ، اندھے نظر بند، سیڑھیوں کے سب سے اوپر والے چبوترے پر آ گئے۔ وہ دیکھ نہ سکے کہ خوراک کے ڈبے رسّے کے ساتھ ساتھ نہیں رکھے گئے تھے، جہاں اُن کے ہونے کی توقع تھی، اس لئے کہ وہ جان ہی نہ سکتے تھے، فوجیوں نے اس خوف سے، کہ کہیں بیماری انہیں بھی نہ لگ جائے، رسّے کے نزدیک بھی جانے سے انکار کر دیا تھا کہ اُسے اندھے نظر بندوں نے تھام رکھا تھا۔ خوراک کے ڈبّے، اکٹھے اور ایک دوسرے کے اوپر، کم و بیش اُسی جگہ پر رکھے تھے، جہاں سے ڈاکٹر کی بیوی نے بیلچہ اٹھایا تھا۔ آگے آؤ، آگے آؤ، سارجنٹ نے حکم دیا۔ تھوڑی افراتفری میں اندھے نظر بندوں نے قطار میں رہنے کی کوشش کی، تاکہ کسی نظم و ضبط کے ساتھ آگے بڑھ سکیں، لیکن سارجنٹ اُن پر گرجا، وہاں تمہیں ڈبے نہیں ملیں گے، رسّے کو چھوڑ دو، چھوڑ دو اسے، دائیں

طرف کو ہوجاؤ، اپنے دائیں طرف، اپنے دائیں طرف، احمق، تمہیں یہ جاننے کے لئے کہ تمہارا دایاں ہاتھ کس طرف ہے، آنکھوں کی ضرورت نہیں ہے۔ وارننگ بروقت دی گئی تھی، چند اندھے نظر بندوں نے جو اِن معاملات میں، ظاہر پرست تھے، اس حکم کی لفظی تشریح کی، اگر یہ دائیں طرف تھا، تو منطقی طور پر اس کا مطلب ہوگا، بولنے والے شخص کے دائیں طرف، اس لئے وہ رسّے کے نیچے سے گزرنے کی کوشش کررہے تھے تاکہ ڈبّوں کو تلاش کرسکیں، جو خدا جانے کہاں پڑے تھے۔ مختلف حالات میں، یہ عجیب وغریب منظر، انتہائی سنجیدہ تماشائی کو بھی بے ساختہ قہقہے لگانے پر آمادہ کردیتا، یہ اتنا مضحکہ خیز تھا کہ الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، چند اندھے نظر بند، چوپایوں کی طرح آگے بڑھتے ہوئے، اُن کے چہرے واقعی زمین کو چھوتے ہوئے، جیسے وہ سؤر ہوں، ایک بازو ہوا میں لہراتا ہوا، جبکہ دوسرے، سروں پر محفوظ رکھنے والی، چھت کے بغیر، خوفزدہ کہ کہیں سفید فضا انہیں نگل نہ جائے، مایوسی کے مارے، رسّے کو تھامے ہوئے تھے، اور کان لگائے ہوئے اُس اعلان پر جو کسی بھی لمحے سنائی دے سکتا تھا کہ کھانے کے ڈبّے مل گئے ہیں۔ فوجیوں کا کتنا جی چاہتا ہوگا کہ اپنی بندوقوں سے نشانہ باندھ کر، وہ بلاتردد، ان ضعیف العقل لوگوں کو مارگرائیں، جو اپنی کھوئی ہوئی ٹانگوں کی تلاش میں، اپنی چمٹیوں کو لہراتے لنگڑے کیکڑوں کی طرح، اُن کی آنکھوں کے سامنے حرکت کررہے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ آج ہی صبح، رجمنٹ کمانڈر نے بارکوں میں کیا کہا تھا، کہ اندھے نظر بندوں کا مسئلہ صرف ایک ہی طریقے سے حل کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کا جسمانی طور پر صفایا کردیا جائے، ان کا بھی جو یہاں اس وقت موجود ہیں اور آنے والوں کا بھی، کسی بھی جعلی انسان پرستی کے خیال پر دھیان دیئے بغیر، اس کے بقول، جیسے باقی جسم کو بچانے کی خاطر کسی گلے سڑے عضو کو کاٹ دیا جاتا ہے۔ اُس نے اس نکتے کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاگل کتے کا جنون، اس کے مرنے کے بعد، فطری طور پر ختم ہوجاتا ہے۔ چند فوجیوں کو، جو زبان کے تمثیلی پیکروں سے کم آشنا تھے، یہ سمجھنے میں دشواری پیش آرہی تھی کہ پاگل کتے کے جنون کا اندھوں سے کیا تعلق ہے، لیکن رجمنٹ کمانڈر کا ایک ایک لفظ، ایک بار پھر تمثیلی زبان کو استعمال

میں لاتے ہوئے، سونے میں تولنے کے لائق ہوتا ہے۔ فوج میں، کوئی آدمی بھی، اپنی سوچ اور اپنے قول وعمل میں ہمیشہ حق پر ہوئے بغیر، اتنے اعلیٰ عہدے پر نہیں پہنچ سکتا۔ ایک اندھا آدمی بالآخر کھانے کے ڈبّوں سے جاٹکرایا تھا اور جب انہیں اپنی تحویل میں لے چکا تو پکارنے لگا، وہ یہاں ہیں، اگر ایک دن اس شخص نے اپنی بینائی دوبارہ حاصل کرلی تو وہ کسی حیرت انگیز خبر کا اعلان اس سے زیادہ مسرت کے ساتھ نہیں کرسکے گا۔ چند ہی ثانیوں کے اندر اندر دوسرے اندھے لوگ بھی کھانے کے ڈبوں پر ٹوٹ پڑے بازو اور ٹانگیں ایک دوسرے میں گھسیٹرے ہوئے، ہر شخص کسی ڈبّے کو اپنی طرف کھینچتا اور اس پر اپنا حق جتاتا، اسے میں لے جاؤں گا، نہیں، میں لے جاؤں گا، وہ جو ابھی تک رسّے کو تھامے ہوئے تھے، سراسیمہ ہونے لگے، اب اُنہیں ایک اور خوف نے آلیا تھا، کہ خوراک کی تقسیم کے وقت، اُن کی کاہلی اور بزدلی کی بنا پر، انہیں کہیں محروم نہ کردیا جائے، ارے تم لوگوں نے نیچے زمین پر اترنے سے انکار کردیا، ہوا میں اپنے چوتڑ اٹھائے کھڑے رہے کہ کہیں تمہیں گولی نہ لگ جائے، اس لئے اب رہو بھوکے، تمہیں کھانے کو کچھ نہیں ملے گا، یاد ہے وہ کہاوت، جوکھم میں نہ پڑنے والے کو حاصل بھی کچھ نہیں ہوتا۔ اِن پُر معنی الفاظ کی ترغیب پر، ایک اندھے نے ہاتھ سے رسّہ چھوڑ دیا اور بازو آگے پھیلائے اس سمت کے رُخ چلنے لگا جدھر ہنگامہ برپا تھا، وہ مجھے ٹاٹ باہر نہیں رکھیں گے، لیکن اچانک آوازیں خاموش ہوگئیں، اور صرف زمین پر رینگتے ہوئے لوگوں کا شور، اور استعجاب و افسوس کے ملفوف الفاظ سنائی دینے لگے، بہت سی بکھری ہوئی اور الجھی ہوئی آوازیں، جو ہر طرف سے اور نہ جانے کس طرف سے آرہی تھیں۔ وہ تذبذب کے عالم میں رُک گیا، رسّے کی محافظت کی طرف لوٹنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی سمت کا احساس کھو بیٹھا تھا، اُس کے سفید آسمان پر ستارے نہیں ہیں، اور اب صرف سارجنٹ کی آواز سنائی دے رہی تھی، وہ ڈبّوں پر تکرار کرنے والوں کو سیڑھیوں کی طرف واپس جانے کا حکم دے رہا تھا، کیونکہ جو وہ کہہ رہا تھا اُس کے صرف اُنہی لوگوں کے لئے کوئی معنی تھے، تم جہاں بھی پہنچنا چاہو، ہر بات کا انحصار اس پر ہے کہ تم کہاں موجود ہو۔ اب کسی بھی اندھے نظر بند نے رسّے کو نہیں تھام رکھا تھا، انہیں

صرف اتنا کرنا تھا کہ جس راستے سے وہ آئے تھے اُسی سے واپس چلے جائیں، اب وہ سیڑھیوں کے اوپر کھڑے دوسروں کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ راستہ کھو دینے والے اندھے آدمی نے اپنی جگہ سے ہلنے کی جرأت نہ کی۔ کرب کے عالم میں اس کے مُنھ سے ایک بلند چیخ نکل گئی، پلیز، پلیز میری مدد کریں، اُس کو خبر ہی نہ تھی کہ فوجیوں نے اُس کی جانب اپنی بندوقیں تان رکھی ہیں اور اس انتظار میں ہیں کہ وہ کب اُس غیر مرئی لکیر پر قدم رکھتا ہے جو زندگی اور موت کے درمیان حدِ فاصل ہے۔ اور اندھے چمگادڑ، کیا تم سارا دن وہیں کھڑے رہو گے، سارجنٹ نے تھوڑی سراسیمہ آواز میں پوچھا، سچ یہ ہے کہ وہ اپنے کمانڈر کی رائے سے متفق نہ تھا، کون ضمانت دے سکتا ہے کہ کل کو، یہی تقدیر اُس کے دروازے پر آ کر دستک نہیں دے گی، جہاں تک فوجی سپاہیوں کا تعلق ہے، تو سب اچھی طرح جانتے ہیں، کہ انہیں گولی چلانے کے لئے بھی ایک حکم کی ضرورت ہوتی ہے اور گولی کھانے کے لئے بھی، تم صرف اُسی وقت گولی چلاؤ گے، جب میں کہوں گا، سارجنٹ نے چلّا کر کہا۔ ان الفاظ نے اندھے آدمی کو احساس دلا دیا کہ اُس کی جان خطرے میں ہے۔ وہ گھٹنوں کے بل گرا اور اُن سے التجائیں کرنے لگا، پلیز میری مدد کریں۔ مجھے بتائیں کہ میں کس طرف جاؤں، چلتے رہو، اندھے آدمی، اسی طرح چلتے رہو، دُور سے کسی فوجی نے جھوٹی مُوٹی دوستداری کے لہجے میں کہا، اندھا آدمی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا، تین قدم چلا اچانک دوبارہ رُک گیا، فعل کے صیغے نے اُسے شک میں ڈال دیا تھا، اسی طرح چلتے رہنا اور چلتے جانا ہم معنی نہیں ہیں، اسی طرح چلتے رہنے کا مطلب ہے، اِسی طرح، بالکل اِسی طرح، اِسی سمت میں، تم پہنچ جاؤ گے جہاں تمہیں طلب کیا جا رہا ہے، گولی کی زد میں، جو ایک اندھے پن کو دوسرے اندھے پن میں بدل دے گی۔ یہ پیش قدمی، جسے ہم مناسب طور پر مجرمانہ کہہ سکتے ہیں، ایک بدنام چال چلن والے سپاہی نے کی تھی، جسے سارجنٹ نے فوراً جھاڑ پلائی اور یکے بعد دیگرے دو حکم دیئے، رُکو، نیم رُخ گھوم جاؤ، پھر اس نافرمان ساتھی کو سختی سے نظم و ضبط قائم رکھنے کا حُکم دیا، جو بظاہر آثار سے اُن لوگوں کے طبقے سے تعلق رکھتا تھا جن کو بندوق تھمانے کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا، سارجنٹ کی ہمدردانہ مداخلت سے حوصلہ پا کر، وہ اندھے نظر بند جو

سیڑھیوں کے اوپر پہنچ چکے تھے، زور زور سے شور مچانے لگے، جس نے راستہ بھول جانے والے آدمی کے لئے ایک مقناطیسی نقطے کا کام کیا۔ اب وہ زیادہ خود اعتمادی کے ساتھ سیدھا آگے بڑھنے لگا، شور مچاتے رہو، شور مچاتے رہو، وہ اُن سے التجائیں کرتا رہا، اس دوران، دوسرے اندھے آدمی اُس کا حوصلہ بڑھاتے رہے، جیسے وہ کسی شخص کو ایک لمبی، زوردار لیکن تھکا دینے والی دوڑ کو، پایۂ تکمیل تک پہنچاتے دیکھ رہے ہوں۔ اُس کا والہانہ خیر مقدم کیا گیا، جتنا کہ کیا جا سکتا تھا، مصیبت کے موقع پر، چاہے وہ پیش آ چکی ہو یا آئندہ پیش آ سکتی ہو، آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دوست کون ہیں۔

یہ دوستداری زیادہ لمبی نہیں چلی۔ بعض اندھے نظر بندوں نے ہنگامے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، کھانے کے جتنے ڈبّے بھی اٹھا سکتے تھے، اٹھائے اور چلتے بنے، خوراک کی تقسیم میں مفروضہ ناانصافیوں کے سدِ باب کی یہ ایک کھلی ہوئی باغیانہ کارروائی تھی۔ مخلص افراد نے، لوگ اُنہیں جو بھی کہتے رہیں، جو ہمیشہ موجود ہوتے ہیں، احتجاجاً اپنی نفرت کا اظہار کیا، کہ وہ اس طور تو زندگی نہیں گزار سکتے، اگر ہم ایک دوسرے پر بھروسہ نہیں کر سکتے تو ہمارا انجام کیا ہوگا؟ بعضوں نے اپنے زورِ خطابت میں، جو بلا جواز نہیں تھا، کہا یہ لفنگے دراصل چاہتے یہ ہیں کہ ان کی خوب ٹھکائی کی جائے، اس سے دوسرے ڈر گئے کہ انہوں نے تو ایسی کسی چیز کی خواہش نہیں کی تھی، لیکن ان الفاظ کا مطلب سب کی سمجھ میں آ گیا، ایک ناقص اسلوب بیان، جو سرف اسی لئے برداشت کیا جا سکتا ہے کہ موقع کے لحاظ سے عین مناسب ہوتا ہے۔ ڈیوڑھی میں پہلے سے جمع اندھے نظر بند آپس میں متفق ہو گئے کہ وہ باقی ماندہ ڈبّوں کو دو وارڈوں میں برابر برابر تقسیم کر لیں گے، جو خوش قسمتی سے ایک مساوی عدد تھا، اور برابری ہی کی بنیاد پر ایک کمیٹی بنائیں گے جو گم شدہ یعنی چوری ہو جانے والے ڈبّوں کی تفتیش اور بازیافت کا کام کرے گی کیونکہ موجودہ مشکل صورتِ حال میں سے نکلنے کا یہ انتہائی کارآمد طریقہ تھا۔ انہوں نے کچھ وقت بحث میں ضائع کیا جو اُن کی عادت بنتی جا رہی تھی، پہلے اور بعد، دوسرے لفظوں میں، آیا اُنہیں کھانا پہلے کھانا چاہیے اور تفتیش بعد میں کرنی چاہیے یا اس کے اُلٹ، عام رائے یہ تھی چونکہ انہیں کئی

گھنٹے مجبوراً بھوکا رہنا پڑا تھا، اس لئے زیادہ سہولت اسی میں رہے گی کہ پہلے پیٹ پوجا کرلی جائے اور تفتیش کا کام بعد میں کیا جائے، اور یہ مت بھولو، کہ ابھی تمہیں اپنے مُردوں کو بھی دفن کرنا ہے، پہلے وارڈ والوں میں سے کسی نے کہا، ہم نے تو اُنہیں ابھی مارا بھی نہیں اور تم چاہتے ہو کہ ہم انہیں دفن کردیں، ایک بذلہ سنج آدمی نے جواب دیا، اپنے لفظوں کے کھیل سے خود ہی محظوظ ہوتے ہوئے، ہر کوئی ہنسنے لگا۔ ہر چند اُنہیں جلد ہی پتہ چل جانا تھا کہ مجرم تو کسی بھی وارڈ میں موجود نہیں تھے۔ دونوں وارڈوں کے دروازوں پر، اپنے کھانے کے منتظر نظر بندوں کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے گیلریوں کے ساتھ ساتھ گزرنے والے ایسے لوگوں کی آوازیں سُنی تھیں، جو بہت جلدی میں لگتے تھے، لیکن کھانے کے ڈبّے اٹھائے ہونا تو کجا وہ تو وارڈوں میں بھی داخل نہیں ہوئے تھے کہ جس کی وہ گواہی دے سکتے۔

کسی کو سوجھی کہ اُن لوگوں کی شناخت کا محفوظ ترین طریقہ یہ ہوگا کہ سب لوگ اپنے اپنے بستروں پر آجائیں، ظاہر ہے کہ جو بستر خالی رہ جائیں گے وہ یقیناً اُن چوروں کے ہوں گے، چنانچہ اُنہی کرنا یہ ہوگا کہ جب تک چور، وہ جہاں بھی چھپے ہوئے ہیں، اپنی چانپیں اُڑا کر واپس نہیں آجاتے، اُن کا انتظار کریں اور پھر اُن پر جھپٹ پڑیں، شاید وہ مشترکہ ملکیت کے مقدس اصول کا احترام کرنا سیکھ جائیں۔ اس منصوبے پر عمل درآمد میں، جو ہر چند کہ باموقع تھا اور عدل و انصاف کے گہرے مفہوم سے مطابقت بھی رکھتا تھا، ایک قابلِ ذکر دشواری تھی، اور وہ تھی اُس مرغوب ناشتے کو غیر معینہ وقت تک ملتوی رکھنا، جو پہلے ہی ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ آیئے پہلے کھا لیتے ہیں، ایک اندھے آدمی نے رائے دی اور اکثریت نے اس سے اتفاق کیا، بہتر یہی ہے کہ پہلے کھا لیا جائے۔ افسوس، تھوڑا سا، جو اُس ملعون چوری کے بعد بچا رہ گیا تھا۔ اس وقت، ان گری پڑی پرانی عمارتوں کے کسی پوشیدہ گوشے میں چور، وہ دوگنا اور تین گنا کھانا اپنے شکموں میں بھر رہے ہوں گے، جو غیر متوقع طور پر پہلے سے بہتر لگتا تھا، جس میں دودھ کے ساتھ کوفی بھی شامل تھی، اگرچہ ٹھنڈی علاوہ ازیں مارجرین لگے بسکٹ بھی تھے اور ڈبل روٹی بھی جبکہ یہاں شریف لوگوں کو اُن سے آدھی اور تین چوتھائی کم، بلکہ اس سے بھی کم پر قناعت کرنا پڑ

ی تھی۔ باہر لاؤڈ اسپیکر پر، زیر نگرانی متاثرہ مریضوں کو کھانا لے جانے کے لئے بلایا جا رہا تھا، آواز پہلے حصّے والے نظر بندوں کے کانوں تک بھی پہنچ رہی تھی، وہ اداسی کے ساتھ، پانی اور آٹے سے بنائے ہوئے بسکٹ چبا رہے تھے۔ اندھے آدمیوں میں سے ایک کو، بلاشبہ کھانے کی چوری سے پیدا شدہ مخرب اخلاق ماحول سے متاثر ہوکر، ایک خیال سُوجھا، اگر ہم ڈیوڑھی میں جا کر انتظار کریں، تو ہمیں وہاں دیکھ کر متاثرہ مریضوں کے پران چھوٹ جائیں گے، اور ڈھلکتا ہے ڈبّے بھی اُن کے ہاتھوں سے گر پڑیں، لیکن ڈاکٹر بولا، میرے خیال میں یہ مناسب نہیں ہوگا۔ اُن لوگوں کو جن کا کوئی دوش نہیں، سزا دینا ناانصافی ہوگی۔ جب وہ کھانا ختم کر چکے تو ڈاکٹر کی بیوی اور کالے چشمے والی لڑکی گتّے کے بکسوں کو اٹھا کر صحن کے اندر لے گئیں۔ دودھ اور کوفی کے خالی ڈبّے، کاغذی پیالیاں، مختصر یہ کہ ہر وہ چیز جو کھائی نہ جا سکتی تھی۔ ہمیں اس کوڑے کرکٹ کو جلانا ہوگا، اور ان واہیات مکھیوں سے نجات حاصل کرنا ہوگی، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا۔ اندھے نظر بند، اپنے اپنے بستروں پر اطمینان سے بیٹھ گئے اور چوروں کے گروہ کی واپسی کا انتظار کرنے لگے، چوری کرنے والے کتے، یہی تو ہیں وہ، ایک کرخت آواز نے تبصرہ کیا، اس بات سے بے خبر، کہ وہ کسی ایسے آدمی کی یاد دلا رہا تھا، جس کو اس لئے دوش نہیں دیا جا سکتا کہ وہ کسی اور انداز میں بات کہنا جانتا ہی نہیں۔ لیکن بدمعاش سامنے نہیں آئے، انہیں شک ہوگیا ہوگا کسی چیز پر، شکوک میں ڈال دیا ہوگا اُن میں سے کسی زیرک آدمی نے، جیسے یہاں کسی نے تجویز پیش کی تھی کہ چوروں کی خوب ٹھکائی کی جائے۔ وقت گزرتا گیا، کئی اندھے آدمی لیٹ گئے، کچھ پہلے ہی سو چکے تھے۔ تو اِسے کہتے ہیں، میرے دوستو، کھانا اور سو جانا۔ مجموعی طور پر سوچیں تو معاملات اس سے بھی زیادہ خراب ہوسکتے تھے۔ جب تک وہ ہمیں کھانا فراہم کرتے رہیں گے، کیونکہ اس کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے، تو ایسا لگے گا جیسے ہم ہوٹل میں رہ رہے ہیں۔ اس کے مقابلے میں وہاں شہر کے اندر ایک اندھے آدمی کے لئے صورتِ حال کتنی اذیت ناک ہوگی، ہاں، واقعی اذیت ناک، گلیوں بازاروں میں سے ٹھوکریں کھاتے گزرنا، اُس کی شکل دیکھتے ہی ہر کسی کا بھاگ اٹھنا، گھر والوں کا دہشت زدہ رہنا، اُس کے قریب جاتے ہوئے ڈرنا، ماں

کی محبت، بچے کی محبت، سب فرضی قصے کہانیاں، وہ مجھ سے ایسا ہی برتاؤ کریں گے جیسا اس جگہ کیا جاتا ہے، مجھے ایک کمرے میں قید کر دیں گے، اور اگر میں زیادہ خوش قسمت ہوا تو میرے دروازے کے باہر ایک پلیٹ چھوڑ جایا کریں گے۔ صورتِ حال کو معروضی طور پر دیکھتے ہوئے، قیاس آرائیوں اور خفگیوں کے بغیر، جو ہمارے استدلال کو ہمیشہ دُھندلا دیتی ہیں، یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حُکام نے، اندھے کو اندھے کے ساتھ رکھنے کا فیصلہ کرتے وقت، نہایت دُور اندیشی کا مظاہرہ کیا تھا، ہر کوئی اپنے جیسے کے ساتھ، جو اُن کے لئے ایک دانشمندانہ طریقہ ہے جنہیں اکٹھے زندگی گزارنا ہوتی ہے، کوڑھیوں کی طرح اس میں تو شک نہیں کیا جاسکتا کہ وارڈ کے آخری سرے والا ڈاکٹر جب کہتا ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو منظم کرنا چاہیے، تو وہ ٹھیک کہتا ہے، سوال، دراصل تنظیم کا ہے، پہلے خوراک، پھر تنظیم، زندہ رہنے کے لئے دونوں ناگزیر ہیں، متعدد قابلِ اعتماد مردوں اور عورتوں کا چناؤ، اور انہیں ذمے داری سونپنا، یہاں، وارڈ میں، مل جل کر زندگی گزارنے کے لئے، متفقہ طور پر، مصدقہ قواعد بنانا، سادہ اور معمولی باتیں، فرشوں پر جھاڑو دینا، صفائی دُھلائی کا کام کرنا، ہمیں اُن سے کوئی شکایت نہیں، انہوں نے ہمیں صابن اور ڈی ٹرجنٹ بھی مہیا کئے ہیں، اس بات کو یقینی بنانا کہ بستر ہمیشہ بچھے ہوئے ہوں، اہم بات یہ ہے کہ ہم اپنی عزت نفس کو ہاتھ سے نہ جانے دیں، فوجیوں کے ساتھ کسی جھگڑے سے احتراز کریں، جو ہمیں زیر نگرانی رکھ کر محض اپنا فرض ادا کر رہے ہیں، ہم اور زیادہ ہلاکتیں نہیں چاہتے، آس پاس کے لوگوں سے پوچھنا، کہ اگر یہاں کوئی ایسا شخص ہو جو شام کو ہمیں قصے کہانیاں، حکایتیں، چٹکلے، جو بھی ہو، سنا کر ہمیں محظوظ کر سکے، ذرا سوچیں، ہم کتنے خوش نصیب ہوتے اگر کسی کو کتاب مقدس زبانی یاد ہوتی، ہم اُس کے ساتھ مل کر تخلیقِ کائنات سے لے کر آخر تک کے واقعات کو دُہراتے، ضروری بات یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کی بات سنیں، افسوس ہمارے پاس ریڈیو نہیں، موسیقی ہمیشہ سے دل بہلاوے کا ایک بہت بڑا ذریعہ رہی ہے، ہم خبریں سُن سکتے تھے، مثال کے طور پر، اگر ہماری بیماری کا کوئی علاج دریافت ہونے والا ہوتا تو ہم یہ سن کر کتنے خوش ہوتے۔

پھر، وہی ہوا جو ناگزیر تھا۔ انہوں نے بازار میں گولیاں چلنے کی آوازیں سنیں، وہ ہمیں

ہلاک کرنے کے لئے آ رہے ہیں، کسی نے چلاّ کر کہا، سکون سے بیٹھو، ڈاکٹر نے کہا، ہمیں عقل سے کام لینا چاہیے، اگر وہ ہمیں ہلاک کرنا چاہتے تو وہ یہاں آ کر ہم پر گولیاں چلاتے، باہر نہیں، ڈاکٹر نے ٹھیک کہا تھا، یہ سارجنٹ تھا جس نے ہوائی فائر کرنے کا حکم دیا تھا، کسی ایسے فوجی سپاہی نے نہیں جس کی انگلی جب لبلبی پر تھی تو وہ اچانک اندھا ہو گیا تھا، ویگنوں میں سے ٹھوکریں کھاتے ہوئے، باہر آتے نئے نظر بندوں کو قابو میں لانے اور انہیں خوفزدہ کرنے کا، واضح طور پر، اور کوئی طریقہ نہیں تھا، محکمۂ صحت نے محکمۂ دفاع کو مطلع کر دیا تھا، ہم چار بھری ہوئی ویگنیں بھیج رہے ہیں، اور یہ کتنی تعداد ہوئی؟ تقریباً دو سو نظر بند، یہ تمام لوگ سمائیں گے کہاں، عمارت کے دائیں حصّے میں تین وارڈ ہیں جو اندھے نظر بندوں کے لئے مختص کئے گئے ہیں، ہماری معلومات کے مطابق، جن میں ایک سو بیس کی گنجائش ہے اور وہاں پہلے ہی ساٹھ یا ستر اندھے نظر بند موجود ہیں، تقریباً ایک درجن کو منہا کرنے کے بعد جن کو ہمیں مجبوراً ہلاک کرنا پڑا، صرف ایک حل ہے، تمام وارڈ کھول دیئے جائیں، اس کا مطلب ہوگا کہ متاثرہ افراد بھی اندھوں سے رابطے میں آ جائیں گے، غالب امکان ہے کہ زود یا بدیر متاثرہ لوگ بھی اندھے ہو جائیں گے، علاوہ ازیں، صورتِ حال جیسی کہ اس وقت ہے، فرض کیا جاسکتا ہے کہ ہم سب متاثر ہو جائیں گے، کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں جو کسی اندھے کی نظروں کے سامنے نہ رہا ہو، میں سوچتا ہوں کہ اگر اندھا آدمی دیکھ ہی نہیں سکتا، تو وہ اس بیماری کو محض اپنی نظر سے، کسی کو کیسے منتقل کر سکتا ہے، جنرل، دنیا میں یہ انتہائی منطقی بیماری ہوگی، ایک آنکھ جو دیکھ نہیں سکتی، ایک ایسی آنکھ کو اپنی بیماری منتقل کر دیتی ہے جو دیکھ سکتی ہے، اس سے زیادہ سیدھی بات اور کیا ہو سکتی ہے، ہمارے یہاں ایک کرنل ہے، جس کو یقین ہے کہ اس کا ایک ہی حل ہے، جونہی اندھے آدمی نظر آئیں انہیں گولی مار دی جائے، اندھے آدمیوں کی بجائے لاشیں، صورت حال کو کم ہی بہتر بنا سکتی ہیں، اندھا ہونے کا مطلب مُردہ ہونا نہیں، ہاں لیکن مُردہ ہونے کا مطلب ہے اندھا ہونا، چنانچہ ان لوگوں کی تعداد، اب تقریباً دو سو ہو جائے گی، ہاں، اور ہم ٹیکسی ڈرائیوروں کا کیا کریں، اُن کو بھی اندر رکھو۔ اُسی دن، سہ پہر کے قریب، وزارت دفاع نے وزارت صحت سے

رابطہ کیا، کیا آپ تازہ ترین خبر سننا پسند کریں گے، و۔ کرنل، جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، اندھا ہوگیا تھا، یہ دیکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اب وہ اپنی روشن خیالی کے بارے میں کیا سوچتا ہوگا، اُس نے پہلے ہی سوچ رکھا تھا، خود کو سر میں گولی مار کر ہلاک کرلیا، اب اسی کو میں کہتا ہوں، بااصول رویہ، فوج ہمیشہ مثال قائم کرنے کے لئے تیار رہتی ہے۔

پھاٹک پورے کا پورا کھول دیا گیا تھا۔ بارکوں کے معمول کے مطابق، سارجنٹ نے حکم دیا کہ آگے سے پیچھے تک پانچ پانچ کی صفیں بنالی جائیں، لیکن اندھے نظر بند اپنی تعداد درست رکھنے کے قابل نہ تھے، وہ کبھی پانچ سے زیادہ ہوتے، کبھی پانچ سے کم، اور وہ داخلے کے دروازے کے اردگرد ہجوم کی صورت میں پہنچے، جیسے سویلین کرتے ہیں، نظم وضبط کے احساس کے بغیر، انہیں تو عورتوں اور بچوں کو اپنے سے آگے بھیجنا بھی یاد نہ رہا، جیسے سمندر میں جہاز کی غرقابی کے وقت کیا جاتا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم بھول جائیں، یہ بتانا ضروری ہے، کہ تمام کی تمام گولیاں ہوا میں نہیں چلائی گئی تھیں، ایک ویگن ڈرائیور نے اندھے نظر بندوں کے ساتھ اندر جانے سے انکار کردیا تھا، اس نے احتجاج کیا کہ وہ تو پوری طرح دیکھ سکتا ہے، نتیجہ، تین سیکنڈ بعد، وزارتِ صحت کے اُس فرمان کی تصدیق کہ مُردہ ہونے کا مطلب ہے اندھا ہونا۔ سارجنٹ نے وہی احکامات دیئے جن کا ذکر پہلے آچکا ہے، چلتے جاؤ، آگے ایک زینہ آئے گا جس کی چھ سیڑھیاں ہیں، سیڑھیوں پر آہستہ آہستہ اوپر جاؤ، اگر کوئی ٹھوکر کھاتا ہے تو کون جانے اس پر کیا گزرے، صرف ایک ہدایت کو نظر انداز کیا گیا، اور وہ تھی رستے کو پکڑ کر چلنا، لیکن یہ واضح ہے کہ اگر انہوں نے اسے استعمال کیا ہوتا تو انہیں اندر داخل ہونے میں زمانے لگ جاتے، سُنو، سارجنٹ نے خبردار کیا، اس کا ذہن مطمئن تھا کیونکہ وہ سب کے سب پھاٹک کے اندر تھے، تین وارڈ دائیں طرف ہیں اور تین بائیں طرف، ہر وارڈ میں چالیس بستر ہیں، کنبے اکٹھے رہیں، دھکم پیل سے بچیں، داخلے کے دروازے پر انتظار کریں اور جو لوگ وہاں پہلے سے موجود ہیں اُن سے مدد طلب کریں، سب ٹھیک ہوجائے گا، اندر سکونت پذیر ہوجائیں، اور پرسکون رہیں، پرسکون رہیں، تمہارا کھانا پہنچ جائے گا۔

یہ تصور کرنا درست نہ ہوگا کہ اتنی بڑی تعداد میں، یہ اندھے لوگ، بھیڑ بکریوں کی طرح ممیاتے ہوئے، جیسے کہ ان کی عادت ہے، تھوڑا دھکم پیل کرتے ہوئے، ذبح ہونے کے لئے جاتے ہیں، تاہم یہ بھی سچ ہے کہ یہ ہمیشہ سے، اسی طرح جبڑے سے جبڑا ملائے، اپنے سانسوں اور اپنی بُو باس کو خلط ملط کئے، زندگی بسر کرتے رہے ہیں، یہاں کچھ ایسے بھی ہیں جن کا رونا نہیں تھمتا، دوسرے خوف اور غصے کے مارے چیخ چلاّ رہے ہیں، بعضے بددعائیں دے رہے ہیں، کسی نے ایک خوفناک اور فضول دھمکی دی، اگر تم میرے ہاتھ لگ گئے تو میں تمہاری آنکھیں نوچ لوں گا، غالباً اُس کا اشارہ فوجیوں کی طرف تھا۔ زینے تک پہنچنے والے پہلے نظر بندوں کو، سیڑھیوں کی اونچائی اور گہرائی جانچنے کے لئے، لازمی طور پر، ایک پاؤں سے ٹٹولنا تھا، پیچھے آنے والوں کے دباؤ کی وجہ سے دو یا تین زمین پر گر پڑے، خوش قسمتی سے سوائے ہاتھوں اور ٹانگوں پر چند خراشوں کے، کوئی زیادہ سنگین حادثہ پیش نہیں آیا، سارجنٹ کی نصیحت رحمت ثابت ہوئی تھی۔ نوواردوں کی بڑی تعداد ڈیوڑھی میں داخل ہوچکی تھی۔ لیکن اندھے اور کسی رہنمائی کرنے والے کے بغیر، دو سو افراد سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ ازخود، اس صورت حال سے، آسانی کے ساتھ نمٹ لیں گے، اس اندوہناک صورت حال کو، اس حقیقت نے اور بھی بدتر بنا دیا تھا کہ وہ ایک پرانی عمارت میں تھے جس کا نقشہ بھی ڈھنگ سے نہیں بنایا گیا تھا، ایک سارجنٹ کا، جو صرف فوجی امور کے بارے میں جانتا ہے، یہ کہنا کافی نہیں کہ دونوں طرف تین تین وارڈ ہیں، آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ یہ عمارت اندر سے کیسی لگتی ہے، داخلے کے دروازے انتہائی تنگ، گیلریاں اتنی ہی پاگل کردینے والی جتنے کہ پاگل خانے کے دوسرے مکین، خدا جانے کس مقصد کے تحت کھلتی تھیں اور کہاں جاکر بند ہوتی تھیں۔ شاید کسی کو کبھی پتہ نہ چلے۔ فطری طور پر، اندھے نظر بندوں کا ہراول دستہ، دو کالموں میں تقسیم ہوچکا تھا، جو دونوں طرف، دیواروں کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے، وارڈوں میں داخل ہونے کے لئے دروازوں کی تلاش میں، یہ بلاشبہ ایک محفوظ طریقہ تھا، یہ فرض کرتے ہوئے کہ وہاں، ان کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے والا کوئی فرنیچر وغیرہ نہیں پڑا ہوگا، زود یا بدیر، نئے مکین، اپنی عقل سے کام لیتے ہوئے

اورصبر وتحمل کے ساتھ، اندر سکونت اختیار کرلیں گے، لیکن بائیں طرف کے کالم کی پہلی صفوں اور اُس طرف کے متاثرہ نظر بندوں کے درمیان لڑائی جیتنے سے پہلے نہیں، ایسا ہونا متوقع تھا، اس بات پر اتفاق بھی پایا جاتا تھا، وزارت صحت کا بنایا ہوا ایک ضابطہ بھی موجود تھا کہ یہ حصہ متاثرہ لوگوں کے لئے مخصوص ہوگا، اور اگر یہ سچ تھا، یہ پیش بینی کی جاسکتی تھی، کہ غالباً ان لوگوں میں سے ہر شخص بالآخر اندھا ہوجائے گا، تو خالص منطق کی رُو سے یہ بھی سچ تھا کہ جب تک وہ اندھے نہیں ہوجاتے، اس بات کی تصدیق نہیں کی جاسکتی کہ اندھا ہونا اُن کا مقدر ہے۔ پھر ایک شخص ہے جو سکون سے، اور اس اعتماد کے ساتھ اپنے گھر میں بیٹھا ہے کہ کم از کم اُسے کچھ نہیں ہوگا، کہ اچانک وہ لوگوں کے اُس واویلا کرتے ہجوم کو، جس سے وہ سب سے زیادہ خوفزدہ ہے، اپنی طرف آتے ہوئے دیکھتا ہے۔ پہلے پہل متاثرہ لوگوں نے سمجھا کہ یہ بھی اُنہی جیسے لوگوں کا گروہ ہے، صرف تعداد میں زیادہ ہیں، لیکن نظر کا یہ دھوکا زیادہ دیر قائم نہیں رہا، یہ لوگ تو واقعی اندھے تھے، تم یہاں اندر نہیں آسکتے، یہ حصہ ہمارا ہے، اندھوں کے لئے نہیں ہے، تم دوسری طرف والے حصے سے تعلق رکھتے ہو، دروازے پر پہرہ دینے والوں نے چلاّ کر کہا۔ کچھ اندھے نظر بندوں نے واپس مُڑنے اور دوسرا دروازہ معلوم کرنے کی کوشش کی، انہوں نے دائیں یا بائیں طرف جانے کی پرواہ نہین کی، لیکن باہر سے ہجوم کرنے والوں نے جن کا سلسلہ جاری تھا، اُن کو بے دردی سے دھکّے دیئے۔ متاثرہ لوگوں نے مکّے اور ٹھوکریں مار مار کر دروازے کا دفاع کیا، اندھوں نے بھی اپنی حد تک جوابی کاروائی کی، وہ اپنے حریفوں کو دیکھ نہیں سکتے تھے، لیکن انہیں پتہ تھا کہ گھونسے کس طرف سے آرہے ہیں۔ دوسو آدمی ڈیوڑھی میں داخل نہ ہوسکتے تھے یا اتنی بڑی تعداد جیسی کوئی چیز، چنانچہ زیادہ وقت نہیں لگا کہ صحن کی طرف جانے والا دروازہ، کافی کشادہ ہونے کے باوجود مکمل طور پر بلاک ہوگیا، جیسے کسی نے ڈاٹ لگا کر راستہ روک دیا ہو، وہ پیچھے کی طرف جاسکتے تھے نہ آگے کی طرف، وہ جو اندر تھے، کچلے گئے تھے اور زمین پر پڑے تھے، اپنے پڑوسیوں کو ٹھوکریں اور کہنیاں مار مار کر اپنی حفاظت کررہے تھے، جن کا دم گھٹا جارہا تھا، اُن کی چیخیں سُنی جاسکتی تھیں، اندھے بچّے سسکیاں لے رہے تھے، اندھی

مائیں بے ہوش ہوئی جارہی تھیں، جبکہ ایک بڑے ہجوم نے جو داخل نہیں ہو پارہا تھا، فوجی سپاہیوں کے چلاّنے سے خوفزدہ ہوکر، اور زیادہ سخت دباؤ ڈالا، جن کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ احمق اندر داخل کیوں نہیں ہوتے تھے۔ پُرتشدد پسپائی کا ایک خوفناک لمحہ آیا، جب لوگوں نے اس افراتفری سے، اور کچلے جانے کے فوری خطرے سے، اپنے آپ کو باہر نکالنے کی کشمکش شروع کردی، آیئے ہم اپنے آپ کو فوجیوں کی جگہ رکھ کر دیکھیں، اچانک وہ دیکھتے ہیں کہ اندر داخل ہونے والوں کی ایک قابلِ ذکر تعداد، شور مچاتی ہوئی تیزی سے باہر آرہی ہے، انہیں فوراً بدترین صورتِ حال کا خیال آتا ہے، کہ نووارد پلٹ کر واپس آنے ہی کو ہیں، وہ پہلے سانحات کو یاد کرتے ہیں، ہوسکتا ہے قتل عام کی نوبت آجائے۔ خوش قسمتی سے، سارجنٹ ایک بار پھر، مردِ بحران ثابت ہوا، اُس نے توجہ دلانے کی غرض سے، خود ہوائی فائر کئے، اور لاؤڈ اسپیکر پر آکر زور سے چلاّیا، پُرسکون رہو، جو سیڑھیوں پر ہیں تھوڑا پیچھے ہٹ جائیں، راستے سے ہٹ جاؤ، دھکیلنا بند کردو، اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کی کوشش کرو۔ یہ توقع کچھ زیادہ تھی، اندر کشمکش جاری رہی، لیکن ڈیوڑھی آہستہ آہستہ خالی ہوگئی۔ اندھے نظر بندوں کی کثیر تعداد کے دائیں حصے والے دروازے کی طرف حرکت کرنے کی بدولت جہاں کے اندھے مکینوں نے اُن کا استقبال کیا اور بخوشی، تیسرے وارڈ کی طرف، جو ابھی تک پورا خالی تھا، اُن کی رہنمائی کی، اور دوسرے وارڈ کے اُن بستروں کی طرف جو اب تک خالی تھے۔ ایک لمحے کے لئے لگا کہ لڑائی کا فیصلہ متاثرہ لوگوں کے حق میں ہوجائے گا اس لئے نہیں کہ وہ طاقتور تھے اور اُن کی بینائی زیادہ تھی بلکہ اس لئے کہ جب اندھے نظر بندوں کو ادراک ہوا کہ دوسری طرف والے دروازے پر مزاحمت کم تھی تو انہوں نے تمام رابطے منقطع کردیئے، جیسا کہ سارجنٹ، بنیادی فوجی تدابیر اور حکمت عملی کے بارے میں بحث مباحثے کے موقع پر کہتا۔ بہرحال مدافعت کاروں کی فتح عارضی تھی۔ دائیں حصے والے دروازے سے اعلان کیا جارہا تھا، یہاں کوئی جگہ نہیں رہی، تمام وارڈ بھر چکے ہیں، چند اندھے نظر بندوں کو اب بھی ڈیوڑھی کے اندر دھکیلا جارہا تھا، عین اس لمحے، جب صدر دروازے کو بلاک کرنے والی انسانی ڈاٹ بکھری، باہر والے اندھے نظر بندوں کی ایک قابلِ

ذکر تعداد آگے بڑھنے اور چھت کے نیچے پناہ لینے کے قابل ہوگئی، جہاں وہ فوجیوں کی دھمکیوں سے محفوظ رہیں گے۔ ان دو عملاً بیک وقت بیدخلیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بائیں حصّے والے دروازے پر ہونے والی پرانی جدوجہد ازسرنو شروع ہوگئی، ایک بار پھر گھونسوں مکّوں کا تبادلہ ہوا، ایک بار پھر چیخنے چلاّنے کی آوازیں آنے لگیں اور جیسے یہ کافی نہ تھا، اپنی پریشانی میں چند سراسیمہ اندھے نظر بند جنہیں اندرونی صحن کی طرف رہنمائی کرنے والا دروازہ مل گیا تھا اور جسے انہوں نے زور لگا کر کھول دیا تھا، چیخ و پکار کرنے لگے، وہاں لاشیں ہیں۔ تصور کریں اُس دہشت کا جو اُن پر طاری ہوئی ہوگی۔ وہ جس طرح بھی ہوسکتا تھا پیچھے ہٹے، وہاں لاشیں ہیں وہ بار بار کہتے رہے، جیسے اب اُن کی باری ہو مرنے کی، اور ایک سیکنڈ کے اندر اندر، ڈیوڑھی ایک بار پھر وہ غضبناک گرداب بن گئی تھی، جیسی وہ اپنی بدترین صورت حال کے وقت تھی، پھر ایک اچانک اور خطرناک ترنگ میں، ایک انسانی انبوہ دائیں حصے کی طرف جھونک کھاتا ہوا بڑھا، اس کے جو کچھ بھی ہاتھ لگا اُسے اٹھائے، متاثرہ افراد کی مزاحمت ختم ہوگئی، ان میں سے بہت لوگ اب محض متاثرہ نہ رہے تھے، دوسرے پاگلوں کی طرح بھاگتے رہے، اپنے بخت سیاہ سے بچنے کی کوشش میں، اُن کا بھاگنا لاحاصل تھا۔ وہ یکے بعد دیگرے اندھے ہوتے چلے گئے، اُن کی آنکھیں اچانک اُس وحشتناک سفید لہر میں ڈوب گئیں، جو گیلریوں، وارڈوں اور پوری فضا کو غرقاب کررہی تھی۔ وہاں ڈیوڑھی میں، صحن میں، بے یارومددگار اندھے نظر بند، بعض گھونسوں سے بُری طرح زخمی، دوسرے کچلے جانے کی وجہ سے، اپنے آپ کو گھسیٹتے رہے، ان میں اکثر عمر رسیدہ تھے، بہت سی عورتیں اور بچّے تھے، ایسی مخلوق جس کے پاس اپنے بچاؤ کے لئے کچھ نہ تھا یا بہت کم تھا، اور اسے معجزہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ وہاں لاشیں نہ تھیں جنہیں دفنانے کی ضرورت پیش آتی۔ علاوہ اُن چند جوتوں کے جنہوں نے اپنے پاؤں کھودیئے تھے، زمین پر ٹوکریاں، بیگ اور سوٹ کیس بکھرے ہوئے تھے، ہر شخص کی تھوڑی سی دولت ہمیشہ کے لئے کھوگئی تھی جس کے ہاتھ بھی یہ چیزیں لگیں گی اصرار کرے گا کہ جو وہ اٹھائے لئے جارہا ہے، اُس کا اپنا ہے۔

ایک بوڑھا آدمی جس کی ایک آنکھ پر سیاہ پیوند لگا تھا، صحن سے اندر آیا۔ اس کا سامان یا

تو گم ہوگیا تھا یا پھر وہ لایا ہی نہیں تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے لاشوں سے ٹھوکر کھائی تھی، لیکن چیخا چلاّیا نہیں۔ وہ ان کے پاس رہا، اور انتظار کرتا رہا امن اور خاموشی کے بحال ہونے کا۔ اُس نے کوئی ایک گھنٹہ انتظار کیا۔ اب اُس کی باری ہے، کوئی پناہ گاہ ڈھونڈھنے کی۔ آہستہ آہستہ اپنے بازو پھیلائے وہ راستہ ڈھونڈھتا رہا۔ اُسے دائیں ہاتھ والے پہلے وارڈ کا دروازہ مل گیا، اندر سے آتی ہوئی آوازیں سُنیں، پھر پوچھا، اتفاق سے کوئی بستر مل سکتا ہے یہاں۔

۸

اتنے بہت سے اندھے لوگوں کے آنے کا کم از کم ایک فائدہ ہوا، بلکہ دو فائدے، ان میں سے پہلا نفسیاتی نوعیت کا تھا، اس لئے کہ نئے مکینوں کی آمد کا انتظار کرنے، اور یہ جان لینے کے مابین کہ عمارت بالآخر مکمل طور پر بھر گئی ہے، بہت بڑا فرق ہے، کہ اب اپنے پڑوسیوں کے ساتھ مستحکم اور دیرپا تعلقات قائم کرنا اور قائم رکھنا ممکن ہوگا، اب تک ہونے والے ہنگاموں کے بغیر، کہ نئے آتے جانے والوں کی مستقل خلل اندازیوں اور مداخلتوں کی وجہ سے ہمیں ذرائع ابلاغ کی ازسرِنو تشکیل پر مجبور ہونا پڑتا تھا۔ دوسرا فائدہ، عملی، بلاواسطہ اور حقیقی نوعیت کا تھا کہ سول اور فوجی حکام کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ دو یا تین درجن افراد کو جو اپنی تھوڑی تعداد کی وجہ سے کم و بیش متحمل، کم و بیش تیار، کبھی کبھی کی غلطیوں یا خوراک کی ترسیل میں واقع ہونے والی تاخیروں پر، صبر شکر کئے ہوئے ہوں، کھانا مہیا کرنا ایک چیز ہے، اور بھانت بھانت کے دو سو چالیس افراد کو کھانا کھلانے کی اچانک اور پیچیدہ ذمے داری سے عہدہ برآ ہونا دوسری چیز۔ دو سو چالیس افراد، اور دھیان میں رکھیں، کہ یہ صرف کہنے کو ہے، اس لئے کہ کم از کم بیس اندھے نظر بند ایسے ہیں جنہیں بستر میسر نہ آسکے اور وہ فرش پر سوتے ہیں۔ بہرصورت، یہ ماننا پڑے گا کہ دس آدمیوں کے راشن سے تیس آدمیوں کا پیٹ بھرنا اور دو سو چالیس افراد کے راشن کو دو سو ساٹھ افراد میں تقسیم کرنا یکساں نہیں۔ بڑا نازک فرق ہے تو اب اس اضافی ذمے داری کو شعوری

طور پر قبول کر لینے سے، اور شاید ایک مفروضہ جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اس خوف سے کہ کہیں زیادہ ہنگامے نہ شروع ہو جائیں، حکام اپنے طریق کار میں تبدیلی پیدا کرنے پر آمادہ ہوگئے، ان معنوں میں کہ انہوں نے خوراک وقت پر اور ٹھیک تعداد میں پہنچائے جانے کے احکامات جاری کر دیئے۔ ظاہر ہے کہ اس جدوجہد کے بعد جو ہر لحاظ سے افسوسناک تھی، اور جس کے ہم عینی شاہد ہیں، اتنے بہت سے اندھے نظر بندوں کے درمیان ہم آہنگی قائم کرنا، کسی تنازعے کے بغیر آسان کام نہ تھا، ہمیں اس بے چاری متاثرہ مخلوق کو یاد کرنے کی ضرورت ہے جو پہلے دیکھ سکتی تھی اور اب کچھ نہیں دیکھ سکتی، اُن بچھڑے ہوئے جیون ساتھیوں کو اور اُن کے گمشدہ بچوں کو اور ان لوگوں کی بیکلی کو جو زمین پر گرا دیئے گئے اور پاؤں تلے کچلے گئے، بعض تو دو دو تین تین بار، اور اُن کو جو اپنے قیمتی اثاثوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں اور وہ انہیں مل نہیں رہے، کوئی انتہائی بے حس انسان ہوگا جو بھلا سکے گا، جیسے ان بیچارے لوگوں کی سیہ بختیاں کوئی چیز ہی نہ ہوں۔ بہرحال اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دوپہر کے کھانے کی ترسیل کا اعلان ہر شخص کے لئے مرہمِ تسکین ثابت ہوا۔ اگر اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس سلسلے میں عمل درآمد کے لئے کسی مناسب تنظیم کے فقدان کے ہوتے ہوئے یا کسی ایسے سربراہ کی غیر موجودگی میں جو ضروری نظم و ضبط کے نفاذ کی اہلیت رکھتا ہو، اتنی زیادہ خوراک کو اُٹھا کر لانا، اُس کی تقسیم اور اُسے اتنے بہت سے لوگوں کو کھلانا، اور زیادہ غلط فہمیوں کا راستہ ہموار کرسکتا تھا، ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس وقت ماحول میں قابلِ ذکر طور پر بہتری کے آثار نمودار ہوئے، جب اس قدیمی پاگل خانے میں، دو سو ساٹھ افراد کے جگالی کرنے کی آوازوں کے سوا اور کوئی شور سنائی نہیں دے رہا تھا۔ بعد میں اس گندگی کو کون صاف کرے گا، فی الحال اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں، صرف سہ پہر کے وقت، لاؤڈ اسپیکر سے آنے والی آواز، باضابطہ طرزِ عمل کے قواعد کو دھرائے گی، جن کی تعمیل کرنا سب کی بھلائی کے پیشِ نظر، لازمی ہوگا، اور اُس وقت یہ واضح ہوجائے گا کہ نو وارد ان قواعد کا کس حد تک احترام کرتے ہیں۔ یہ کوئی چھوٹی بات نہیں کہ دائیں حصے کے دوسرے وارڈ والے مکینوں نے، خدا خدا کر کے، اپنے مردوں کو دفن

کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا، کم از کم اُس مخصوص تعفن سے ہماری جان چھوٹ جائے گی، زندوں کی بُو کا عادی ہونا، چاہے وہ کتنی ہی متعفن کیوں نہ ہو، زیادہ آسان ہوگا۔

جہاں تک پہلے وارڈ والوں کا تعلق ہے، شاید اس وجہ سے کہ وہ سب سے پرانے تھے، اور اس لئے اندھے پن کو قبول کر لینے کی صلاحیت سے زیادہ بہرہ ور، اُن کے کھانا کھا چکنے کے پاؤ گھنٹہ بعد، فرش پر نہ کسی گندے کاغذ کا کوئی پُرزہ تھا نہ کوئی پلیٹ جسے وہ اٹھانا بھول گئے ہوں یا کوئی ٹپکتا ہوا برتن۔ ہر چیز اُٹھا لی گئی تھی چھوٹی چیزوں کو بڑی چیزوں میں اور زیادہ گندی چیزوں کو کم گندی چیزوں میں ڈال دیا گیا تھا، جیسا کہ صفائی اور صحت کے کسی بھی معقول ضابطے کا تقاضہ ہوتا ہے، بچی کھچی چیزوں اور کوڑے کرکٹ کو جمع کرنے کی انتہائی اعلیٰ کارگزاری پر اتنی ہی توجہ، جتنی کہ اس کوشش کی طرف کہ اس کام کو اُتنے ہی وقت میں نپٹا لیا جائے جتنا کہ اس کے لئے ضروری ہے۔ وہ ذہنی حالت جسے جبر کے تحت، اس نوع کے طرزِ عمل کا تعین کرنا ہوتا ہے، نہ تو اس سے دفعتاً کام لیا جا سکتا ہے اور نہ ہی وہ بے ساختہ وقوع پذیر ہوتی ہے، لگتا ہے کہ زیرِ غور صورت حال میں وارڈ کے آخری سرے والی اندھی عورت کی معلمانہ دسترس کا اثر فیصلہ کن رہا ہوگا، وہ عورت جو ایک ماہرِ امراضِ چشم کی بیوی ہے، جو ہمیں یہ بتاتے ہوئے کبھی نہیں تھکتی کہ اگر ہم مکمل طور پر انسانوں کی طرح نہیں جی سکتے، تو کم از کم، بالکل ہی حیوانوں کی طرح نہ زندہ رہنے کے لئے، اپنی پوری قوّت کو بروئے کار تو لائیں، الفاظ، جو اُس نے اتنی بار دھرائے کہ وارڈ کے باقی مکینوں نے اُس کی نصیحت کو ایک قول میں، ایک کہاوت میں، ایک نظریے میں، ایک ضابطۂ حیات میں تبدیل کر دیا، الفاظ جو اپنی گہرائی میں اتنے سادہ، اتنے بنیادی تھے، غالباً یہ وہ ذہنی حالت تھی جو کسی بھی ماحول اور اُس کی ضرورتوں کے لئے سازگار ہوتی ہے، جو مددگار ثابت ہوئی، چاہے معمولی طور پر ہی سہی، سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی کا پُرجوش خیر مقدم کرنے میں، جب اُس نے دروازے میں سے جھانک کر اندر والوں سے پوچھا، اتفاق سے کوئی بستر مل سکتا ہے یہاں۔ ایک مبارک اتفاق سے جو مستقبل کے نتائج کا آئینہ دار تھا، وہاں ایک بستر تھا، صرف ایک اور کوئی بھی قیاس آرائی کی جا سکتی ہے کہ اُن تمام یلغاروں

کے باوجود وہ کیسے بچا رہ گیا تھا، اُس بستر میں کار چور نے ناقابلِ بیان صعوبتیں برداشت کی تھیں، شاید اسی وجہ سے اس کے گرد دُکھ کا ایک ہالہ تھا، جس نے لوگوں کو قریب نہیں آنے دیا۔ یہ مقدّر کے کھیل ہیں، پوشیدہ اسرار، اور یہ اتفاق پہلا نہ تھا، ابھی آگے آگے دیکھئے، ہمیں صرف یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ جب کلینک میں پہلا اندھا ہونے والا آدمی نمودار ہوا تھا اس وقت آشوبِ چشم کے جتنے بھی مریض وہاں موجود تھے، اس وارڈ میں آ پہنچے ہیں، اور تب بھی یہی سمجھا گیا تھا کہ صورتِ حال اور خراب نہیں ہوگی، ہمیشہ کی طرح دھیمی آواز میں تاکہ وہاں اُس کی موجودگی کے راز کا کسی کو پتہ نہ چلے، ڈاکٹر کی بیوی نے اپنے خاوند کے کان میں سرگوشی کی، شاید وہ بھی تمہارے مریضوں میں سے ایک ہے، آدمی بوڑھا ہے، گنجا، تھوڑے سفید بال اور ایک آنکھ پر سیاہ پیوند لگا ہے، مجھے یاد ہے تم نے اس کے بارے میں مجھے بتایا تھا، کس آنکھ پر، بائیں یقیناً وہی ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر درمیانی راستے کی طرف بڑھنے لگا، پھر ذرا بلند آواز میں بولا میں اُس شخص کو جو ابھی ابھی ہم میں شامل ہوا ہے، چھو کر دیکھنا چاہتا ہوں، میں اس سے کہوں گا کہ وہ میری سمت چلتا آئے اور میں اُس کی طرف چلتا جاؤں گا۔ وہ آدھے راستے میں ایک دوسرے سے ٹکرا گئے، انگلیاں، انگلیوں سے مس ہوئیں، دو چیونٹیوں کی طرح جو ایک دوسرے کو اپنے انٹینوں کی نقل و حرکت سے پہچان جاتی ہیں، لیکن یہاں وہ صورت نہیں تھی، ڈاکٹر نے بوڑھے آدمی کی اجازت سے اُس کے چہرے پر اپنے ہاتھ پھیرے، اور جلد ہی پیوند کا پتہ چلا لیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں یہی ایک شخص کم تھا، سیہ پیوند والا مریض، اُس نے پکار کر کہا، کیا مطلب ہے تمہارا کون ہو تم، بوڑھے آدمی نے پوچھا، میں ہوں، یا تھا تمہارا آنکھوں کا ڈاکٹر، کیا تمہیں یاد ہے تمہارے موتیا بند کے آپریشن کی تاریخ ہم نے مل کر طے کی تھی، تم نے کیسے پہچانا مجھے، سب سے زیادہ تمہاری آواز سے، آواز بینائی ہوتی ہے اُس شخص کی جو دیکھ نہیں سکتا، ہاں، آواز میں بھی تھوڑا تھوڑا پہچاننے لگا ہوں، تمہاری آواز کو، کس نے سوچا ہوگا یہ ڈاکٹر اب آپریشن کی کوئی ضرورت نہیں، اگر اس کا کوئی علاج ہے تو اُس کی ہم دونوں کو ضرورت ہوگی، مجھے یاد ہے، تم مجھے بتا رہے تھے، ڈاکٹر کہ اپنے آپریشن کے بعد میں اُس دنیا کو بھی نہ

پہچان سکوں گا جس میں کہ اب تک جی رہا تھا، اب ہمیں پتہ چلا کہ تم ٹھیک کہتے تھے، کب اندھے ہوئے تم، کل رات اور وہ تمہیں یہاں لے بھی آئے، باہر دہشت اس قدر ہے کہ کوئی دن جاتا ہے، جونہی اُنہیں پتہ چلا کہ لوگ اندھے ہوگئے ہیں وہ انہیں ہلاک کرنا شروع کردیں گے، یہاں انہوں نے پہلے ہی دس کا صفایا کردیا ہے، کسی آدمی کی آواز آئی، میں اُن سے مل چکا ہوں، سیہ پیوند والے بوڑھے نے سادگی سے کہا، وہ دوسرے وارڈ والے ہوں گے، ہم نے تو اپنے مُردوں کو فوراً دفن کردیا تھا، اُسی آواز نے اضافہ کیا جیسے رپورٹ کی آخری سطریں سُنا رہا ہو۔ کالے چشمے والی لڑکی قریب آ گئی تھی، میں تمہیں یاد ہوں، میں کالا چشمہ لگائے ہوئے تھی، اپنے موتیا بند کے باوجود تم مجھے اچھی طرح یاد ہو، مجھے یہ بھی یاد ہے کہ تم بہت خوبصورت لگتی تھیں، لڑکی مسکرائی، تمہارا شکریہ کہا اور اپنی جگہ پر واپس چلی گئی۔ وہیں سے، اس نے پکار کر کہا، ننھا لڑکا بھی یہاں ہے، مجھے میری ماں چاہیے، لڑکے کی آواز سنائی دے رہی تھی، جیسے کسی دُور و دراز کے گریۂ لاحاصل سے واماندہ اور میں تھا سب سے پہلے اندھا ہونے والا، پہلے اندھے آدمی نے کہا، اور یہاں میں اپنی بیوی کے ساتھ ہوں، اور میں کلینک میں کام کرنے والی لڑکی ہوں، کلینک میں کام کرنے والی لڑکی نے کہا۔ اب صرف میں رہ گئی ہوں اپنا تعارف کرانے والی، ڈاکٹر کی بیوی بولی اور بتایا کہ وہ کون ہے۔ تب بوڑھے آدمی نے جیسے اپنے خیر مقدم کا قرض چکانا چاہتا ہو، اعلان کیا، میرے پاس ایک ریڈیو ہے، ریڈیو، کالے چشمے والی لڑکی نے تالی بجاتے ہوئے پکار کر کہا، موسیقی، واہ واہ، ہاں، لیکن یہ ایک چھوٹا سا ریڈیو ہے، بیٹری والا، اور بیٹریاں زیادہ دیر نہیں چلتیں، بوڑھے آدمی نے اُسے یاد دلایا، مت بتاؤ مجھے کہ ہم یہاں اس ناپے میں ہمیشہ رہیں گے، پہلے اندھے آدمی نے کہا، ہمیشہ کے لئے نہیں، ہمیشہ، ہمیشہ ہی بڑا لمبا وقت ہوتا ہے، ہم خبریں سُن لیا کریں گے، ڈاکٹر نے رائے دی، اور تھوڑی موسیقی، کالے چشمے والی لڑکی نے اصرار کیا، سب کو ایک ہی طرح کی موسیقی پسند نہیں ہوتی، لیکن ہم سب یہ جاننے میں دلچسپی رکھتے ہیں کہ باہر کی دنیا میں کیا صورتِ حال ہے، بہتر ہے کہ ریڈیو کو اسی کے لئے بچا کر رکھا جائے، مجھے اتفاق ہے، سیہ پیوند والے بوڑھے نے کہا، پھر اُس نے اپنی جیکٹ

کی جیب سے ریڈیو نکالا اور اُس کا سوئچ آن کردیا۔ وہ مختلف اسٹیشنوں کی تلاش کرتا رہا، لیکن اُس کا ہاتھ ابھی پوری طرح اُس کے قابو میں نہیں تھا، کہ کسی طولِ موج (Wave Length) کو گرفت میں لاسکتا، شروع میں وقفے وقفے سے شور، موسیقی اور الفاظ کے ٹکڑے سنائی دیتے رہے، آخر کار اُس کا ہاتھ مستحکم ہوگیا، موسیقی پہچان میں آنے لگی، اسے تھوڑی دیر کے لئے یہیں رکھو، کالے چشمے والی لڑکی نے درخواست کی، الفاظ واضح ہوتے چلے گئے، یہ خبریں تو نہیں ہیں، ڈاکٹر کی بیوی بولی، اور پھر جیسے اُسے اچانک کوئی خیال سُجھائی دیا ہو، اس وقت کیا بجا ہوگا، اُس نے پوچھا، لیکن وہ جانتی تھی کہ یہاں اُسے کوئی بھی نہیں بتا سکتا۔ ریڈیو کے لٹو کو گھمانا جاری رہا، ننھے سے بکسے سے شور کشید کرنے کے لئے، پھر یہ ایک جگہ ٹھہر گیا، یہ ایک گیت تھا، کوئی ایسا خاص گیت نہیں، لیکن اندھے نظر بند آہستہ آہستہ گرد جمع ہونے لگے ایک دوسرے کو دھکے دیئے بغیر، جس لمحے انہیں اپنے سامنے کسی موجودگی کا احساس ہوا، وہ ٹھہر گئے اور وہیں ٹھہرے رہے، سُنتے ہوئے اُن کی پوری طرح کھلی آنکھیں، گانے کی آواز کی سمت کے ساتھ ہم آہنگ تھیں، کچھ رو رہے تھے، جیسے غالباً اندھے ہی رو سکتے ہیں، بس آنسو بہے چلے جارہے تھے، جیسے کسی چشمے سے۔ گیت ختم ہوا، اناؤنسر نے کہا، سہ پہر کے چار بجا چاہتے ہیں، اندھی عورتوں میں سے ایک نے ہنستے ہوئے پوچھا، دوپہر کے بعد کے چار یا صبح کے چار، اور پھر یوں لگا جیسے اُسے اپنے قہقہے سے خود تکلیف پہنچی ہو۔ ڈاکٹر کی بیوی نے کلائی پر گھڑی کو چوری چوری درست کیا اور اُسے چابی دی، سہ پہر کے چار بجے تھے، اگرچہ، سچ پوچھئے تو گھڑی لاتعلق ہوتی ہے، یہ ایک سے بارہ تک جاتی ہے باقی سب انسانی تخیل کا کرشمہ ہے، وہ ماندسی آواز کیا ہے، کالے چشمے والی لڑکی نے پوچھا، ایسے لگا جیسے میں ہوں، میں نے انہیں ریڈیو پر کہتے سنا کہ چار بج گئے ہیں اور میں نے اپنی گھڑی کو چابی دی، یہ اُن خودکار حرکتوں میں سے ایک تھی جو ہم اکثر کرتے رہتے ہیں، ڈاکٹر کی بیوی نے پیش بندی کرتے ہوئے کہا۔ پھر اسے خیال آیا کہ یہ کام اس قابل نہیں تھا کہ اس کے لئے اپنے آپ کو یوں خطرے میں ڈالا جاتا، اُس کو بس اتنا کرنا تھا کہ اُس دن آنے والے آدمیوں کی کلائیوں پر بندھی گھڑیوں پر نظر ڈال لیتی، اُن میں سے کسی ایک کی

گھڑی یقیناً کام کر رہی ہوگی۔ سیاہ پیوند والے بوڑھے کی گھڑی کام کر رہی تھی، جیسا کہ اسی لمحے اُس نے دیکھا اور اُس پر وقت بھی درست تھا۔ پھر ڈاکٹر بولا، ہمیں بتاؤ کہ باہر صورتِ حال کیسی ہے، سیہ پیوند والے بوڑھے نے کہا، بے شک لیکن بہتر ہے کہ میں بیٹھ جاؤں، کھڑے کھڑے تھک گیا ہوں۔ اندھے نظر بند، ایک ایک بستر پر تین تین چار چار، اس موقع پر ایک دوسرے کی سنگت میں جتنا بہتر طور پر، آرام سے بیٹھ سکتے تھے، بیٹھ گئے، خاموش ہو کر، پھر سیہ پیوند والا بوڑھا انہیں بتانے لگا، جو اُسے معلوم تھا، جو اُس نے دیکھا تھا، اپنی آنکھوں سے جب وہ ابھی دیکھ سکتا تھا، جو کچھ اس نے اِدھر اُدھر سے سُنا تھا، اُن چند دنوں کے دوران جو وبا کے آغاز اور اُس کے اندھے پن کے درمیان گزرے تھے۔

پہلے چوبیس گھنٹوں میں اُس نے کہا، اگر گشت کرنے والی افواہ درست تھی، سینکڑوں اندھے ہوگئے، سب ایک ہی طرح، سب کی علامتیں یکساں، سب کے سب فوری طور پر، اُن کی آنکھوں میں کسی بھی خلل کی بدحواس کر دینے والی، غیر موجودگی ان کے منطقہ تصور کی منور سفیدی، کوئی درد محسوس نہیں ہوا، پہلے نہ بعد میں دوسرے دن نئے مریضوں کی تعداد میں کچھ تخفیف کی باتیں ہوتی رہیں، یہ سینکڑوں سے درجنوں پر آ گئی جس کی روشنی میں حکومت نے ایک دم اعلان کر دیا کہ اب یہ فرض کرنا مناسب ہوگا کہ صورتِ حال پر جلد ہی قابو پا لیا جائے گا۔ اس مقام سے آگے چند ناگزیر حاشیہ آرائیوں کے باوصف، سیہ پیوند والے بوڑھے کی کہانی موقوف ہوتی ہے، اُس کی جگہ بیانیے کی ازسرِ نو تنظیم یافتہ روایت لے رہی ہے، جس کی قدر و قیمت کا زیادہ درست اور موزوں ذخیرہ الفاظ کی روشنی میں نئے سرے سے تعین کیا گیا ہے۔ اس تبدیلی کا سبب جس کی طرف پہلے دھیان نہیں گیا تھا، وہ رسمی اور محدود زبان ہے جو راوی نے استعمال کی تھی جو اُسے کہانی کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والے نامہ نگار کے طور پر تقریباً ناقابلِ قبول بنا دیتی ہے، چاہے وہ جتنا بھی اہم ہو، جیسا کہ وہ ان غیر معمولی واقعات کے سلسلے میں تھا، کیونکہ اس کے بغیر ہمارے پاس، یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا کہ باہر کی دنیا میں کیا ہو رہا ہے، جب کہ ہم جانتے ہیں کہ حقائق کیسے بھی کیوں نہ ہوں صرف اُسی وقت اہمیت حاصل

کرتے ہیں جب اُن کے بیان میں استعمال ہونے والی اصطلاحیں، برمحل اور پُرزور ہوتی ہیں۔ اب موجودہ مسئلے کی طرف واپس آتے ہیں، چنانچہ حکومت نے اُس ابتدائی مفروضے کو خارج از امکان قرار دے دیا جس کی رُو سے ملک ایک ایسی وبا کی لپیٹ میں تھا، جس کی پہلے کوئی نظیر نہ تھی، جو کسی سقیم لیکن ناقابلِ شناخت عامل کی برانگیختہ کی ہوئی تھی، جس نے فوری طور پر نفوذ کیا اور جس میں کسی سابقہ وبا کے جراثیم یا اُن کی خفیہ موجودگی کے آثار نہ تھے۔ حکومت کا کہنا تھا کہ جدید ترین سائنٹفک رائے اور اس کی روشنی میں نظرثانی شدہ انتظامی تشریح کے مطابق وہ ایک اتفاقی اور حالات کی بدقسمت اور عارضی مطابقت سے نمٹنے کی کوشش کر رہی ہے، جو تا حال غیر مصدقہ بھی ہے، جس کے باعث مرض ہونے کی صلاحیت کے نشوونما پانے کی وجہ سے ایسا ہونا ممکن تھا، حکومت کے اعلامیے میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ میسر معلومات کے تجزیے سے اس مسئلے کے حل کی جانب ایک واضح خم کی نشاندہی ہوتی ہے اور یہ کہ اب اس کے روبہ زوال ہونے کے آثار نظر آتے ہیں۔ اس سے ایک ٹیلی وژن کے مبصر کو ایک استعارہ سوجھا، اُس نے اس وبا کا، یا جو بھی یہ تھی، ہوا میں چلائے گئے تیر سے موازنہ کیا، جو اپنے نکتہ عروج پر پہنچ کر ایک لمحے کے لئے رُکتا ہے جیسے معلق ہو گیا ہو، اور پھر لازمی طور پر نیچے کی طرف خم کھانا شروع کر دیتا ہے، جو اگر خدا نے چاہا...... اور اس استمداد کے ساتھ ہی وہ انسانی کلام کی بے مصرفی اور نام نہاد وبا کی طرف لوٹ آیا، کششِ ثقل جو اس کی گراوٹ کی رفتار تیز کر دے گی حتیٰ کہ ہمیں اذیت دینے والا یہ خوفناک خواب بالآخر ختم ہو جائے گا یہ تھے وہ الفاظ جو میڈیا پر مسلسل اور مستقل سنائی دیتے رہے اور تان ہمیشہ ایک ہی نیک خواہش پر ٹوٹتی کہ وہ بدقسمت لوگ جو اندھے ہو چکے ہیں، ہوسکتا ہے اپنی بینائی دوبارہ حاصل کر لیں اور اُن سے عہد کرتے ہوئے کہ پورا معاشرہ مجموعی طور پر اُن کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے۔ کسی ماضی، بعید میں، عام لوگوں کی دلیرانہ پُرامیدی نے، اسی طرح کے دلائل اور استعاروں کو ایسی کہاوتوں میں ڈھالا ہوگا، جیسے کچھ بھی ہمیشہ باقی نہیں رہتا، وہ اچھا ہو کہ بُرا، ایک ایسے شخص کے اقوالِ زریں جسے زندگی اور قسمت کے نشیب و فراز سے سیکھنے کا وقت ملا تھا اور جو اندھوں کی سرزمین میں پہنچنے پر یوں

پڑھے گئے ہوں گے کل ہم دیکھ سکتے تھے، آج نہیں دیکھ سکتے، کل دوبارہ دیکھیں گے، عبارت کی تیسری اور آخری سطر میں ہلکا سا استفہام، جیسے مصلحت اندیشی نے، آخری لمحے پر، پُرامید نتیجے میں معمولی سے شک کا اضافہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

افسوس کہ ایسی امیدوں کی بے حاصلی جلد ہی آشکار ہوگئی، حکومت کی توقعات اور سائنٹفک طبقے کی پیشگویاں کوئی نشان چھوڑے بغیر ڈوب گئیں۔ اندھا پن پھیل رہا تھا، کسی اچانک اٹھنے والی لہر کی طرح نہیں، جو ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لیتی اور جو سامنے آئے اُسے بہا کرلے جاتی ہے، بلکہ ایک ہزار ایک متلاطم ندی نالوں کی، چور چال دخل اندازی کی طرح جو زمین کو چپکے چپکے شرابور کرتے ہوئے، اچانک اُسے مکمل طور پر غرقاب کردیتے ہیں۔ اس اجتماعی آشوب کے روبرو اور خود بھی اس وبا کا مزہ چکھنے کے قریب حکام نے جلدی جلدی میڈیکل کانفرنسیں منعقد کرنا شروع کردیں، خاص طور پر ایسی جن میں ماہرینِ امراض چشم اور دماغی سرجنوں کو جمع کیا جاتا تھا۔ ایک کانگریس جو بعض نے طلب کرنے کو کہا تھا، اس لئے منعقد نہ ہوسکی کہ اُس کے انتظام میں ناگزیر طور پر وقت لگتا تھا، لیکن مکالمات، سیمینار اور گول میز مباحثے ہوتے رہے، کچھ جن میں عام لوگ شریک ہوسکتے تھے، کچھ بند کمروں میں۔ ان مباحثوں کی صریحی بے حاصلی کے مجموعی تاثر اور اجلاسوں کے دوران کسی کے اچانک اندھا ہوجانے کے بعض واقعات کی وجہ سے جن میں بولنے والا دُہائی دینے لگتا، میں اندھا ہوگیا ہوں، میں اندھا ہوگیا ہوں، تقریباً تمام اخبارات، ریڈیو، اور ٹیلیویژن والوں نے ایسے اقدامات میں اپنی دلچسپی کھودی، سوائے ذرائع ابلاغ کے بعض ترجمانوں کے محتاط اور ہر لحاظ سے قابلِ تعریف روّیے کے، جن کا پیشہ ہی سنسنی خیز کہانیاں اور دوسروں کی خوش قسمتیوں اور بدقسمتیوں سے فائدہ اٹھانا ہے، اور جو اچانک اندھے پن کی مثال کے طور پر ایک علم چشم کے پروفیسر کے اچانک اندھا ہوجانے کی، زندہ رپورٹنگ کے ڈرامائی موقع سے محروم ہونے پر تیار نہیں تھے۔ بتدریج بڑھتے ہوئے اخلاقی زوال کا ثبوت خود حکومت نے مہیا کیا، اُس کی حکمتِ عملی چھ دن کے اندر اندر، دوبارہ تبدیل ہوئی۔ شروع میں حکومت کو اعتماد تھا کہ بیماری کو محدود کرنا ممکن ہے، اندھوں کو

اور اندھے پن سے متاثر ہونے والوں کو مخصوص عمارتوں میں نظر بند رکھ کر، جیسے یہ پاگل خانہ جہاں ہمیں رکھا گیا ہے۔ پھر اندھے پن کے مریضوں کی تعداد میں بے رحمانہ اضافے نے حکومت کے چند بااثر اراکین کو جو خوفزدہ تھے کہ موجودہ سرکاری اقدام اس مسئلے سے نمٹنے کے لئے کافی نہیں ہے، اور یہ کہ شاید اس کی بھاری سیاسی قیمت چکانا پڑے، اس خیال کی حمایت پر مجبور کردیا کہ یہ خاندانوں کا کام ہے کہ وہ اپنے اندھوں کو گھروں کے اندر رکھیں، انہیں کسی بھی حال میں باہر سڑک پر جانے کی اجازت نہ دیں، تاکہ ٹریفک کی پہلے ہی مشکل صورت حال اور بدتر نہ کریں یا اُن لوگوں کی زودحسی کو ٹھیس نہ پہنچائیں، جن کی بینائی ابھی سلامت ہے اور جو ہمت بڑھانے والی آراء سے کم وبیش لاتعلق اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ سفید بیماری، بصری اِتصال کی وجہ سے پھیل رہی ہے، چشم بد کی مثال یقیناً ایک ایسے شخص سے، کسی اور ردِّعمل کی توقع رکھنا مناسب نہ تھا، جو اپنے خیالات میں غرق تھا، چاہے وہ اداس ہوں، لاتعلق ہوں یا خوشی کے، اگر ایسے خیالات اب بھی موجود ہیں، کہ اس نے اچانک اپنی طرف بڑھتے ہوئے کسی شخص کے تاثرات کو تبدیل ہوتے دیکھا، چہرے سے مکمل وحشت کے آثار ہویدا اور پھر وہ ناگزیر پکار، میں اندھا ہوگیا ہوں، میں اندھا ہوگیا ہوں، کسی کے اعصاب بھی یہ برداشت نہیں کرسکتے۔ بدترین بات یہ ہے کہ پورے کے پورے خاندان، خاص طور پر چھوٹے، تیزی سے اندھے لوگوں کے خاندان بن گئے، نہ اُن کی رہنمائی اور دیکھ بھال کرنے والا کوئی بچا، نہ ہی بینائی رکھنے والے (Sighted) پڑوسیوں کو، اُن سے محفوظ کرنے والا، اور یہ واضح بات ہے کہ نہیں کرسکتے، ورنہ ان کا مقدر بھی وہی ہوگا جو مصور کی بنائی ہوئی تصویر میں اندھے لوگوں کا، اکٹھے چلنا، اکٹھے گرنا، اکٹھے مرنا۔

اس صورت حال میں، حکومت کے پاس پسپا ہونے کے سوا، اور کوئی متبادل نہ تھا، اُس نے عمارتوں اور دوسری خالی جگہوں کے حصول کا جو معیار قائم کیا تھا اُسے وسعت دینا پڑی، جس کا نتیجہ، بے کار کارخانوں، بے آباد گرجا گھروں، کھیل کے پویلینوں، اور خالی گوداموں کے فوری اور وقت کے وقت استعمال کی صورت میں نکلا۔ پچھلے دو دنوں سے فوجی خیمے کھڑے کرنے کی

باتیں ہورہی ہیں، سیہ پیوند والے بوڑھے نے اضافہ کیا۔ شروع میں، بالکل شروع میں بہت سے خیراتی ادارے، اندھے لوگوں کی معاونت کے لئے، اپنے رضا کار بھیجتے رہے، جو ان کے بستر بچھاتے، بیت الخلاؤں کو صاف کرتے، کپڑے دھوتے، کھانا تیار کرتے، کم سے کم خبر گیری، جس کے بغیر، زندگی اُن کے لئے بھی نا قابلِ برداشت بن جاتی ہے، جو دیکھ سکتے ہیں۔ وہ پیارے لوگ جلد ہی اندھے ہوگئے، لیکن اُن کا یہ جذبۂ کرم تاریخ میں باقی رہے گا۔ کیا اُن میں سے کوئی یہاں آیا، سیہ پیوند والے بوڑھے نے پوچھا، نہیں، ڈاکٹر کی بیوی نے جواب دیا، کوئی نہیں آیا، شاید یہ ایک افواہ تھی، شہر اور ٹریفک کا کیا حال ہے، پہلے اندھے ہونے والے آدمی نے، اپنی کار کو یاد کرتے ہوئے پوچھا، اور اُس ٹیکسی ڈرائیور کو جو اُسے ڈاکٹر کے کلینک لے گیا تھا، اور جس نے قبر کھودنے میں اُس کی مدد کی تھی، ٹریفک ایک انتشار کے عالم سے گزر رہی ہے، سیہ پیوند والے بوڑھے نے جواب یا اور خاص خاص واقعات اور حادثوں کی تفاصیل بتائیں۔

جب پہلی بار ایک بس ڈرائیور جو ایک شارعِ عام پر بس چلا رہا تھا اچانک اندھا ہوا تو اس سانحے کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتوں اور زخمیوں کے باوجود، لوگوں نے صورتحال کے عادی ہوجانے کی وجہ سے زیادہ توجہ نہ دی، اور ٹرانسپورٹ کمپنی کے، تعلقاتِ عامہ کے ڈائریکٹر کو یہ اعلان کرنے میں، زیادہ پریشانی محسوس نہیں ہوئی کہ حادثہ انسانی غلطی کی وجہ سے پیش آیا تھا، جو بلاشبہ قابلِ افسوس ہے، لیکن اگر پوری طرح غور کریں، تو ایک ایسے شخص کے معاملے میں بھی تو کوئی پیش بینی نہیں کی جاسکتی جس نے دل کی تکلیف کی کبھی شکایت نہ کی ہو اور اُسے دل کا دورہ پڑ جائے۔ ہمارے ملازمین اور ہماری بسوں کے مشینی اور برقی پرزوں کو، وقفے وقفے سے بڑے سخت معائنے سے گزارا جاتا ہے جسے اگر عِلت و معلول کے تعلق کی روشنی میں دیکھا جائے تو ہماری کمپنی کی گاڑیوں کے حوالے سے عمومی طور پر، حادثات کے انتہائی کم تناسب کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ بناوٹی وضاحت اخبارات میں شائع بھی ہوئی، لیکن لوگوں کے ذہنوں کو اور طرح کی پریشانیاں لگی ہوئی تھیں، وہ بس کے ایک معمولی حادثے پر کیا فکرمند ہوتے، تاہم اگر بریکیں بھی فیل ہوگئی ہوتیں تو اور کون سی قیامت ٹوٹ پڑتی۔ مزید برآں، دو دن بعد، دوسرے حادثے

کی وجہ بالکل یہی تھی، بریکوں کا فیل ہونا، لیکن دنیا جیسی کہ ہے، جہاں اپنے مقاصد کے حصول کے لئے، سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا کر پیش کیا جاتا ہے، افواہ اڑائی گئی کہ ڈرائیور اندھا ہوگیا تھا، دراصل ہوا کیا تھا، اُس پر لوگوں کو قائل کرنے کا کوئی طریقہ نہ تھا، اور نتیجہ جلد ہی ظاہر ہوگیا، اگلے ہی لمحے لوگوں نے بسوں میں بیٹھنا چھوڑ دیا، انہوں نے کہا کہ دوسروں کے اندھا ہوجانے کی وجہ سے مرنے سے یہ بہتر ہے کہ وہ خود اندھے ہوجائیں۔ اُس کے جلد ہی بعد، ایک تیسرا حادثہ، اور وجہ پھر وہی، جو ایک ایسی بس کو پیش آیا تھا جس میں کوئی مسافر نہ تھا، لیکن جس نے کچھ اس قسم کے تبصرے کو راہ دی، جسے جان بوجھ کر مقبول عام لہجے میں ادا کیا گیا تھا، وہ میں بھی ہوسکتا تھا، ایسی باتیں کرنے والے تصور بھی نہیں کرسکتے تھے کہ وہ کتنے سچے ہیں۔ پھر ایک مسافر بردار طیارہ، جس کے دونوں پائلٹ بیک وقت اندھے ہوگئے تھے، زمین سے ٹکرایا اور اس میں آگ بھڑک اٹھی، عملہ اور تمام مسافر ہلاک ہوگئے، بعد میں بچ جانے والے بلیک باکس سے معلوم ہوا کہ طیارے کی تنصیبات میں، کوئی مشینی اور برقی خرابی نہیں تھی۔ یہ ایک بہت بڑا المیہ تھا، کوئی بس کا معمولی حادثہ نہ تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ بھی جو ابھی تک کسی خوش فہمی میں مبتلا تھے، مایوس ہوگئے۔ اس کے بعد سے نہ انجنوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دی نہ ہی کوئی بڑا یا چھوٹا، تیز چلنے والا یا آہستہ رو پہیہ ہی دوبارہ گھوما۔ وہ لوگ جو پہلے ہمہ وقت بڑھتی ہوئی ٹریفک کے مسائل سے نالاں رہتے تھے، پیدل چلنے والے، جنہیں پہلی بار دیکھنے پر لگتا تھا کہ اُنہیں خبر ہی نہیں کہ وہ کدھر جارہے ہیں کیونکہ کھڑی یا چلتی ہوئی کاریں، ان کے گزرنے میں ہمیشہ رکاوٹ پیدا کرتی تھیں، ڈرائیور جنہیں اپنی کار پارک کرنے سے پہلے کئی بار بلاک کے چکر لگانے پڑتے تھے، پیدل چلنے والوں میں شامل ہوگئے اور انہی اسباب کی بنا پر احتجاج کرنے لگے، لیکن اپنی شکایتوں کا اظہار کرنے کے بعد، ان تمام لوگوں کو اب مطمئن ہوجانا چاہیے، سوائے اس حقیقت کے بارے میں جو صاف صاف نظر آرہی تھی کہ بعد ازاں ایسا کوئی شخص باقی نہ بچا تھا جسے ایک قدم تک جانے کے لئے بھی گاڑی چلانے کی ہمت پڑتی، پورے شہر میں، کاریں، ٹرک، موٹر سائیکلیں حتیٰ کہ بائیسکلیں بھی ہر طرف بے ترتیبی سے بکھری ہوئی تھیں، جہاں کہیں بھی، معقولیت

کے احساس پر خوف کو بالادستی حاصل ہوگئی تھی چیزوں کو وہیں چھوڑ دیا گیا تھا جیسا کہ ایک عجیب وغریب منظر سے ظاہر ہوتا تھا، بند گاڑیوں کو اپنے پیچھے باندھ کر لے جانے والے ایک ٹرک کے اگلے دُھرے سے ایک گاڑی لٹکی ہوئی تھی، غالباً پہلے اندھا ہونے والا آدمی ٹرک ڈرائیور ہوگا۔ صورتِ حال ہر ایک کے لئے خراب تھی لیکن اچانک اندھے ہوجانے والوں کے لئے اور بھی تباہ کن تھی اس لئے کہ مروّجہ محاورے کے مطابق، انہیں دکھائی ہی نہیں دیتا تھا کہ وہ کہاں پاؤں رکھ رہے ہیں، کھلی چھوڑی ہوئی کاروں سے اُنہیں ٹکراتے دیکھ کر اُن پر ترس آتا تھا، وہ یکے بعد دیگرے ٹکراتے، اُن کی پنڈلیوں پر خراشیں آتیں، کچھ گر جاتے اور التجائیں کرتے کہ کوئی انہیں اُٹھا کر کھڑا کردے، لیکن اُن میں ایسے بھی تھے جو یا تو فطرتاً حیوان تھے یا مایوسی نے انہیں ایسا بنا دیا تھا، وہ لعنت ملامت کرتے اور مدد کے لئے بڑھے ہوئے ہاتھوں کو دُھتکار دیتے، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، جلدی ہی تمہاری باری بھی آجائے گی، تب وہ رحم دل شخص خوفزدہ ہوکر تیزی سے فرار ہوجاتا، اُس گاڑھی سفید دُھند میں غائب ہوجاتا، اچانک اُس خطرے سے آگاہ، جس میں اُس کی رحم دلی نے اُسے ڈال دیا تھا، شاید چند ہی قدم آگے جاکر اندھا ہوجانے کے لئے۔

تو یہ حال ہے باہر کا، سیہ پیوند والے بوڑھے نے اپنی روداد ختم کی، مجھے ساری باتیں معلوم نہیں، میں صرف وہی بتا سکتا ہوں جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، یہاں وہ چپ ہوا، رُکا اور اپنی تصحیح کی، اپنی آنکھوں سے نہیں کیونکہ میری تو ایک ہی آنکھ تھی، اب تو وہ بھی نہیں، خیر، اب بھی ہے تو سہی، لیکن میرے کس کام کی، میں نے تم سے کبھی نہیں پوچھا کہ پیوند لگانے کی بجائے تم نے شیشے کی آنکھ کیوں نہ لگوائی، اور مجھے کیوں ایسا کرنا چاہیے تھا، مجھے یہ تو بتائیں، سیہ پیوند والے بوڑھے نے پوچھا، یہ عام چیز ہے کیونکہ بہتر لگتی ہے، علاوہ ازیں صحت کے لئے بھی مفید ہے، اسے نکالا جاسکتا ہے، دھوکر دوبارہ لگایا جاسکتا ہے، مصنوعی دانتوں کی طرح، ہاں جناب، لیکن مجھے یہ بتائیں کہ یہ آج کیسا لگتا، اگر وہ تمام لوگ جو اب اپنے آپ کو اندھا پاتے ہیں، اپنی آنکھیں کھو بیٹھے ہوتے، میرا مطلب ہے جسمانی طور پر کھو بیٹھے ہوتے اپنی دونوں آنکھیں، تو انہیں شیشے کی آنکھوں کے ساتھ چلنے پھرنے کا آج کیا فائدہ ہوتا، تم ٹھیک کہتے ہو،

بالکل کوئی فائدہ نہ ہوتا، ہم سب کو جو اندھے ہوئے اور لگتا ہے یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے، کس کو دلچسپی ہے جمالیات میں، اور رہی بات حفظانِ صحت کی، تو یہ بتائیں ڈاکٹر آپ اس جگہ کس قسم کے حفظانِ صحت کی امید رکھ سکتے ہیں، شاید اندھوں کی دنیا میں ہی چیزیں اپنی حقیقی شکل میں نظر آئیں، ڈاکٹر نے کہا، اور لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے، کالے چشمے والی لڑکی نے پوچھا، لوگ بھی وہاں انہیں دیکھنے والا کوئی نہ ہوگا، مجھے ابھی ابھی ایک خیال سوجھا ہے، سیہ پیوند والے بوڑھے نے کہا، آیئے وقت گزاری کے لئے کوئی کھیل کھیلیں، ہم کیا کھیل سکتے ہیں اگر ہم دیکھ ہی نہیں سکتے کہ ہم کیا کھیل کھیل رہے ہیں، پہلے اندھے آدمی کی بیوی نے پوچھا، خیر، بہلے اسے کھیل نہیں کہتے ہم میں سے ہر شخص کو بتانا ہوگا کہ جس لمحے وہ اندھا ہوا تھا اس نے کیا دیکھا تھا یہ پریشان کن ہوسکتا ہے، کسی نے اشارتاً کہا، جو کھیل میں حصہ نہیں لینا چاہتے وہ خاموش رہ سکتے ہیں، اہم بات یہ ہے کہ کسی بھی شخص کو من گھڑت بات سنانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، ہمیں کوئی مثال دیں، ڈاکٹر نے کہا، یقیناً، سیہ پیوند والے بوڑھے نے جواب دیا، میں اُس وقت اندھا ہوا جب میں اپنی اندھی آنکھ کو دیکھ رہا تھا، کیا مطلب ہے تمہارا، بہت آسان ہے، مجھے محسوس ہوا جیسے خالی خانۂ چشم کے اندرونی کناروں میں سوزش ہے، اور اپنے تجسس کو دُور کرنے کے لئے میں نے پیوند اتارا، عین اُسی لمحے میں اندھا ہوگیا۔ یہ تو کوئی علامتی قصہ لگتا ہے، کسی انجانی آواز نے کہا، اپنی ناموجودگی کو تسلیم کرنے سے انکاری آنکھ، جہاں تک میرا تعلق ہے، ڈاکٹر نے کہا، میں گھر میں تھا امراضِ چشم کے بارے میں حوالے کی کتابیں دیکھ رہا تھا، موجودہ صورتِ حال کے پیشِ نظر، آخری چیز جو میں نے دیکھی وہ ایک کتاب پر رکھے ہوئے میرے ہاتھ تھے، میری آخری تمثال مختلف تھی، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، جب میں اپنے خاوند کو ایمبولینس کے اندر بیٹھنے میں مدد دے رہی تھی، میں ڈاکٹر کو پہلے ہی بتا چکا ہوں، جو مجھ پر گزری تھی۔ پہلے اندھے ہونے والے آدمی نے کہا، میں ٹریفک لائٹ پر رُکا ہوا تھا کیونکہ بتی سُرخ تھی لوگ دونوں طرف سے سڑک پار کر رہے تھے، عین اس لمحے، میں اندھا ہوگیا، پھر، وہ شخص جو چند دن پہلے مَرا ہے وہ مجھے میرے گھر لے گیا، ظاہر ہے میں اُسے دیکھ نہیں سکتا تھا، جہاں

تک میرا سوال ہے، پہلے اندھے آدمی کی بیوی بولی، میری آخری دیکھی ہوئی چیز میرا رومال تھا، میں گھر میں بیٹھی زاروقطار رو رہی تھی، آنکھوں کی طرف رومال اٹھایا ہی تھا کہ اندھی ہوگئی، میں ایلیویٹر میں داخل ہوئی ہی تھی، بٹن دبانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اچانک اپنی بینائی سے محروم ہوگئی، کلینک میں کام کرنے والی لڑکی نے کہا، آپ میری مصیبت کا تصور کر سکتے ہیں، وہاں پھنسی ہوئی، اکیلی، پتہ نہیں اوپر جاؤں گی کہ نیچے، اور مجھے دروازہ کھولنے والا بٹن بھی نہ مل سکا، میری صورت حال فارمیسی اسسٹنٹ بولا، اور بھی سادہ تھی، میں نے سُنا کہ لوگ اندھے ہو رہے ہیں، سوچا کہ اگر مجھے بھی اندھا ہونا پڑے تو کیسا لگے گا، میں نے آزمانے کے لئے آنکھیں بند کیں، کھولیں تو اندھا ہو چکا تھا، ایک اور علامتی بیان، انجانی آواز نے قطعی کلامی کرتے ہوئے کہا، اندھا ہونا چاہو گے تو اندھے ہو جاؤ گے۔ وہ خاموش رہے۔ دوسرے اندھے نظر بند اپنے اپنے بستروں پر واپس جا چکے تھے، جو آسان کام نہیں تھا، اس لئے کہ اگرچہ یہ درست ہے کہ انہیں اپنے اپنے نمبروں کا علم تھا، صرف وارڈ کے ایک سرے سے گنتی شروع کرتے ہوئے، ایک سے اُوپر یا بیس سے نیچے کی طرف، وہ جہاں پہنچنا چاہتے یقینی طور پر پہنچ سکتے تھے۔ جب اُن کی گنتی کرتے وقت کی بڑبڑاہٹ جو دعائیں پڑھنے کی طرح یکسانیت کی حامل تھی، ختم ہوگئی تو کالے چشمے والی لڑکی نے اپنی سرگزشت کا بیان شروع کیا، میں ایک ہوٹل میں تھی، ایک مرد کے ساتھ جو میرے اوپر چڑھا ہوا تھا، اس مقام پر وہ چُپ ہوگئی، اُسے یہ بتاتے ہوئے شرم محسوس ہو رہی تھی کہ وہاں وہ کیا کر رہی تھی، کہ مجھے ہر شے سفید نظر آنے لگی، اور سیہ پیوند والے بوڑھے نے پوچھا، اور تمہیں ہر شے سفید نظر آئی، ہاں، وہ جواب میں بولی، شاید تمہارا اندھا پن ہمارے اندھے پن سے مختلف ہے، سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے کہا۔ بولنے والی اب صرف ہوٹل کی خادمہ ہی رہ گئی تھی، میں ایک بستر بچھا رہی تھی کوئی آدمی وہاں اندھا ہوا تھا، میں نے ایک چادر کو اپنے چہرے کے مقابل اٹھا کر پھیلایا، اُس کی طرفیں درست کیں، جیسا کہ آدمی کرتا ہے، اور اُسے اپنے دونوں ہاتھوں سے ہموار کر رہی تھی کہ اچانک مجھے دکھائی دینا بند ہوگیا، مجھے یاد ہے میں چادر کو کیسے ہموار کر رہی تھی، بڑے پیار سے، آہستہ آہستہ، نیچے والی چادر تھی، اُس

نے مزید کہا جیسے اس بات کی کوئی خاص اہمیت ہو۔ کیا ہر شخص اپنی آخری دیکھی ہوئی چیز کے بارے میں بتا چکا ہے، سیہ پیوند والے بوڑھے نے پوچھا، اگر کوئی اور نہیں رہ گیا تو میں تمہیں اپنی سناتا ہوں، انجانی آواز نے کہا، اگر ایسا کوئی ہے بھی تو وہ تمہارے بعد بول سکتا ہے، چنانچہ تم رواں ہو جاؤ، آخری چیز جو میں نے دیکھی وہ ایک پینٹنگ تھی، پینٹنگ، سیہ پیوند والے بوڑھے نے دہرایا، اور یہ پینٹنگ کہاں تھی، میں میوزیم میں گیا ہوا تھا، یہ ایک اناج کے کھیت کی تصویر تھی، اس میں کوّے تھے، سرو کے درخت تھے اور ایک سُورج، جسے دیکھ کر لگتا تھا کہ دوسرے سورجوں کے ٹکڑوں کو جوڑ کر بنایا گیا ہے، یہ تو کوئی ڈچ مصور جان پڑتا ہے، میرا خیال ہے کہ وہ تھا، لیکن اُس میں ایک ڈوبتا ہوا کتا بھی تھا، بیچارہ آدھا ڈوبا ہوا، اگر یہ بات ہے تو پھر یہ تصویر ایک ہسپانوی مصور کی ہونی چاہیے، اُس سے پہلے کتے کو اس صورت حال میں کبھی کسی نے پینٹ نہیں کیا اور نہ ہی اُس کے بعد کسی کو ایسی کوشش کرنے کا حوصلہ ہوا۔ غالباً ایک گاڑی بھی تھی جس پر سُوکھی گھاس لدی ہوئی تھی جسے گھوڑے کھینچ رہے تھے اور جو ندی عبور کر رہی تھی، کیا بائیں جانب ایک گھر بھی تھا، ہاں، تو پھر یہ کسی انگریز مصور کی بنائی ہوئی ہوگی، ہو سکتا ہے، لیکن میرا خیال نہیں کیونکہ اس میں ایک عورت بھی تھی جس نے اپنے بازوؤں میں ایک بچے کو اُٹھا رکھا تھا۔ مائیں اور بچے روغنی تصویروں میں عام طور پر ہوتے ہیں، دُرست، میں نے بھی دیکھا ہے، جو بات میری سمجھ میں نہیں آتی وہ یہ ہے کہ اتنی بہت سی تصویریں اور ایسے مختلف مصوّروں کی بنائی ہوئی ایک ہی پینٹنگ میں کیسے ہو سکتی ہیں، اور اُس میں کچھ مرد تھے جو کھانا کھا رہے تھے، فن مصوری کی تاریخ میں بہت سے ظہرانے، سہ پہر کے ناشتے اور عشائیے ہیں، اس لئے یہ تفصیل از خود، ہمیں یہ بتانے کے لئے کافی نہیں کہ کھا کون رہا تھا، کُل ملا کر تیرہ آدمی تھے، ارے پھر تو آسان ہے، بولے جاؤ، ایک خوبصورت بالوں والی برہنہ عورت تھی، ایک گھونگے کے اندر جو سمندر میں تیر رہا تھا اور اُس کے چاروں طرف پھول ہی پھول تھے، بلاشبہ اطالوی اور اس میں ایک لڑائی بھی دکھائی گئی تھی، جیسی اُن تصویروں میں جن میں ضیافتوں کی اور بچوں کو بازوؤں میں لئے ماؤں کی نقش گری کی جاتی ہے، یہ تفاصیل کافی نہیں ہیں یہ بتانے کے لئے کہ تصویر کس

نے بنائی ہے، اُس میں لاشیں تھیں اور زخمی مرد تھے، یہ قدرتی بات ہے، زود یا بدیر تمام بچے مرجاتے ہیں اور فوجی سپاہی بھی، اور ایک دہشت زدہ گھوڑا تھا اُس کی آنکھیں جیسے اپنے خانۂ چشم سے باہر نکلنے ہی والی ہوں، بالکل ٹھیک، گھوڑے ایسے ہی کرتے ہیں، تمہاری پینٹنگ میں اور دوسری تصویریں کیا تھیں، افسوس، میں کبھی معلوم نہ کرسکا، میں گھوڑے کو دیکھ ہی رہا تھا کہ اندھا ہوگیا۔ خوف بھی اندھا کرسکتا ہے، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا، کوئی بات اس سے زیادہ سچی ہو ہی نہیں سکتی، ہم اپنے اندھے ہونے سے پہلے ہی اندھے ہوچکے تھے، خوف نے ہمیں اندھا کیا، خوف ہمیں اندھا رکھے گا، کون بول رہا ہے، ڈاکٹر نے پوچھا، ایک اندھا آدمی، ایک آواز نے جواب دیا، محض ایک اندھا آدمی، اس لئے کہ یہاں اس کے علاوہ اور ہے کیا، پھر سیہ پیوند والے بوڑھے نے پوچھا کہ اندھے پن کی تشکیل کے لئے کتنے اندھے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے، کوئی بھی جواب نہ دے سکا۔ کالے چشمے والی لڑکی نے اُسے ریڈیو لگانے کو کہا، ہوسکتا ہے کوئی خبر ہو انہوں نے خبریں بعد میں لگائیں اس دوران تھوڑی موسیقی سنتے رہے۔ ایک موقع پر وارڈ کے دروازے میں چند اندھے نظر بند نمودار ہوئے، اُن میں سے ایک نے کہا، افسوس کہ کسی کو بھی ایک گٹار ساتھ لانے کی نہ سُوجھی۔ خبریں کچھ زیادہ حوصلہ افزا نہیں تھیں ایک افواہ گردش کررہی تھی کہ جلد ہی قومی نجات اور اتحاد کی حکومت بننے والی ہے۔

۹

شروع میں، جب، اس وارڈ کے اندھے نظر بند ابھی دس انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے، جب، دو یا تین لفظوں کا تبادلہ اجنبیوں کو مصیبت کے وقت کے ساتھیوں میں تبدیل کرنے کے لیے کافی تھا، اور تین یا چار لفظوں کے ساتھ وہ ایک دوسرے کی تمام خامیوں کو معاف کرسکتے تھے، بعض انتہائی سنگین خامیوں کو بھی، اور اگر مکمل معافی نہ بھی ملی ہوتی تو یہ صرف تھوڑا صبر کرنے اور انتظار کرنے کا مسئلہ تھا، پھر یہ پوری طرح واضح ہوگیا کہ ان بیچارے مصیبت کے ماروں کو کس قدر بیہودہ صعوبتوں کو جھیلنا تھا، ہر بار جب ان کے جسموں کو رفع حاجت کی طلب ہوگی یا جسے ہم کہتے ہیں، اپنی ضرورتیں پوری کرنے کی، اس کے باوجود، اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ مکمل معاشرتی سلیقہ شعاری کم کم ہی نظر آتی ہے اور یہ کہ انتہائی محتاط اور شرمیلی طبیعت والے لوگوں میں بھی کمزوریاں ہوتی ہیں، یہ ماننا پڑے گا کہ طبی نظر بندی کی خاطر، یہاں سب سے پہلے لائے جانے والے لوگ بول و براز کی فطری ضروریات کے بارے میں انسانی نسلوں کے امتیازی مطالعے کی، گلے میں پڑی صلیب کو، کم و بیش ایمانداری سے اور وقار کے ساتھ اٹھانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اب جبکہ تمام بستروں پر لوگ قابض ہوچکے تھے، دو سو چالیس، اُن اندھے ساتھیوں کو منہا کرنے کے بعد جو فرش پر سوتے تھے، کوئی بھی تخیل، چاہے موازنہ کرنے اور تشبیہیں استعارے بنانے میں کتنا ہی زرخیز اور تخلیقی کیوں نہ ہو، یہاں کی نجاست کو ہُو بہُو

بیان نہیں کرسکتا تھا۔ یہ صرف بیت الخلاؤں کی حالت تک ہی محدود نہ تھا جو متعفن غار بن گئے تھے جیسے گنہ گار اور مجرم روحوں سے بھرے ہوئے جہنم کے گندے نالے، بلکہ بعض ساتھیوں میں معاشرتی اصولوں کے احترام کی کمی یا دوسروں کی اچانک عجلت، جس نے گیلریوں اور آنے جانے کے دیگر راستوں کو بیت الخلاؤں میں تبدیل کر دیا تھا، شروع میں کسی کسی وقت، لیکن اب اُن کی عادت بن گئی تھی۔ ایک لاپرواہ اور بے صبر سوچ، کوئی فرق نہیں پڑے گا، مجھے کون دیکھ سکتا ہے اور اس سے آگے وہ سوچتے ہی نہیں تھے۔ جب کسی بھی طور پاخانوں تک پہنچنا ناممکن ہو گیا تو اندھے نظربندوں نے احاطے کو رفع حاجت کی جگہ کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا اور وہاں اپنی آنتیں خالی کرنے لگے۔ وہ لوگ جو فطری طور پر یا گھر کی تربیت کی وجہ سے ذرا نازک مزاج تھے، سارا دن اپنے آپ کو تھامے رکھتے، رات ہونے تک کسی نہ کسی طور گزارا کرتے، اُن کے قیاس کے مطابق رات اُس وقت ہوتی تھی جب وارڈوں میں تمام لوگ سو جاتے تھے، پھر وہ اپنے پیٹ پکڑے، ٹانگوں کو ایک دوسری سے جوڑے، تیزی کے ساتھ، ایک یا دو فٹ صاف زمین کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے، جو شاید، فضلے کے اُس پامال اور بے انت قالین پر، بچی رہ گئی ہو، جس کی وسعت میں اُن کے کھوئے جانے کا بھی خطرہ تھا، کیونکہ وہاں کوئی رہنما نشان تک نہ تھا سوائے چند درختوں کے تنوں کے، جو پُرانے مکینوں کے جنونِ تفتیش سے کسی نہ کسی طرح بچ گئے تھے، اور مٹی کے چھوٹے چھوٹے ڈھیروں کے، جو اب تقریباً ہموار ہو چکے تھے اور مدفونوں کو بمشکل ڈھانپے ہوئے تھے۔ دن میں ایک بار، اور ہمیشہ دوپہر کے بعد، ایک الارم کلاک کی طرح جو ایک مقررہ ساعت پر آپ سے آپ بج اٹھتا ہے، لاؤڈ اسپیکر سے آنے والی آواز، جانی پہچانی ہدایات اور امتناعی احکامات کو دُہراتی، صفائی ستھرائی کے لیے مہیا کی گئی چیزوں کے باقاعدہ استعمال کے فوائد پر اصرار کرتی، مکینوں کو یاد دہانی کراتی کہ ہر وارڈ میں ایک ٹیلیفون لگا ہے، جس کے ذریعے ضروری چیزوں کی مزید سپلائی کے لیے، جب وہ ختم ہو جائیں درخواست کی جاسکتی ہے۔ لیکن یہاں جن چیزوں کی واقعی ضرورت تھی، اُن میں پانی کی نالی کا تیز فوارہ تھا، اس تمام گندگی کو دھونے اور باہر نکالنے کے لیے، پھر نلوں کی مرمت کرنے والے بہت سے

کاریگروں کی ضرورت تھی جو پانی کے حوضوں کی مرمت کرتے اور انہیں دوبارہ قابلِ استعمال بناتے، پانی کی ضرورت تھی، وافر پانی کی، جس سے اس گندگی کو دھو کر اُن پائپوں میں ڈالا جاسکے جو اس کی اصلی جگہ تھی، پھر ہم آپ سے استدعا کرتے ہیں کہ ہمیں آنکھیں مہیا کی جائیں، آنکھوں کا ایک جوڑا، ایک ہاتھ جو ہماری رہنمائی کر سکے، ایک آواز جو مجھ سے کہے، اس طرف۔ اگر ہم نے ان اندھے نظربندوں کی اعانت نہ کی تو یہ بہت جلدی حیوانوں میں بدل جائیں گے، بلکہ اور بھی بدتر، اندھے حیوانوں میں۔ یہ الفاظ اُس انجانی آواز کے نہیں تھے جس نے اس دنیا کی روغنی تصویروں کی اور تمثالوں کی باتیں کی تھیں، یہ الفاظ ڈاکٹر کی بیوی کے ہیں، جو رات گئے اپنے خاوند کے ساتھ لیٹی ہوئی ہے، دونوں کے سر کمبل کے اندر ہیں، اس خوفناک اور اضطراب انگیز صورت حال کا کوئی حل نکالنا ہوگا، میں اسے برداشت نہیں کر سکتی، میں اب یہ سوانگ نہیں بھر سکتی کہ مجھے دکھائی نہیں دیتا، نتائج کے بارے میں سوچو، یہ لوگ یقینی طور پر تمہیں اپنی کنیز بنانے کی کوشش کریں گے، ایک معمولی نوکرانی، ہر کوئی تمہیں اپنے اشاروں پر چلائے گا، وہ تم سے توقع رکھیں گے کہ تم اُنہیں کھانا کھلاؤ، اُنہیں صاف کرو، اُنہیں بستر پر سلاؤ، اور صبح کے وقت اُنہیں اُٹھاؤ، اُنہیں یہاں سے وہاں تک لے جاؤ، اُن کی ناک صاف کرو اور اُن کے آنسو خشک کرو، جب تم سو رہی ہوگی وہ تمہیں پکاریں گے، اور اگر اُنہیں انتظار کراؤ گی تو تمہاری توہین کریں گے، سب سے زیادہ تم مجھ سے یہ کیسے توقع رکھتے ہو کہ میں ان سب پریشانیوں اور غلاظتوں کو دیکھتی رہوں، یہ ہمیشہ میری آنکھوں کے سامنے رہیں اور میں مدد کے لیے ایک انگلی تک نہ اٹھاؤں، تم پہلے ہی کافی سے زیادہ کر رہی ہو، میں کیا کام کر سکتی ہوں جب مجھے یہی فکر لگی رہے کہ کسی کو پتہ نہ چل جائے کہ میں دیکھ سکتی ہوں، بعض لوگ تمہارے دیکھ سکنے کی بنا پر تم سے نفرت کریں گے، مت سوچو کہ اندھے پن نے ہمیں بہتر انسان بنا دیا ہے، اس نے ہمیں زیادہ بدتر بھی نہیں بنایا، اگرچہ ہم اُسی طرف جا رہے ہیں، دیکھتی ہو نا کہ کھانا تقسیم کرتے وقت کیا ہوتا ہے، بالکل ٹھیک جو دیکھ سکتا ہے وہ کھانے کی تقسیم کی نگرانی کر سکتا ہے، یہاں کے تمام لوگوں میں غیر جانبداری کے ساتھ بانٹ سکتا ہے، عقلِ سلیم کے ساتھ، شکایتیں ختم ہو جائیں گی، یہ مسلسل

تکرار جو مجھے پاگل کیے دیتی ہے بند ہوجائے گی تمہیں کوئی اندازہ نہیں کہ دو اندھوں کو لڑتے دیکھنا کیسا لگتا ہے، لڑائی کم وبیش ہمیشہ اندھے پن کی ایک شکل رہی ہے، یہ مختلف ہے، جوتم بہتر سمجھتی ہو کرو، لیکن مت بھولو کہ ہماری یہاں کیا حیثیت ہے، اندھے، سیدھے سیدھے اندھے، اندھے لوگ جو عمدہ عمدہ تقریریں نہیں کرسکتے یا دردمندی کا اظہار، ننھے ننھے اندھے تیسوں کی، دلکش اور نیک دل دنیا ختم ہوئی، ہم اب اندھوں کی بے رحم، ظالم اور سنگدل سلطنت میں ہیں، کاش تم دیکھ سکو جو میں دیکھنے پر مجبور ہوں، تم چاہو گے کہ اندھے ہوجاؤ مجھے تمہاری بات پر یقین ہے، اب اس کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ میں پہلے ہی اندھا ہوں، مجھے معاف کردو میری پیاری، کاش تم جانتیں، میں جانتی ہوں، میں جانتی ہوں، میں نے لوگوں کی آنکھوں کے اندر جھانکتے ہوئے زندگی گزاری ہے، جسم کا صرف یہی حصہ ہے جہاں روح شاید اب بھی موجود ہے، اور اگر وہ آنکھیں بھی کھوگئیں، کل میں ان سب کو بتا دوں گی کہ میں دیکھ سکتی ہوں، آؤ امید کریں کہ تمہیں جیتے جی اس پر پچھتانا نہیں پڑے گا، کل میں انہیں بتا دوں گی، پھر رُکی اور اضافہ کیا، اگر اُس وقت تک میں بھی ان کی دنیا میں داخل نہ ہوگئی۔

مگر ایسا ہونے میں ابھی دیر تھی۔ جب وہ اگلی صبح جاگی، حسبِ معمول علی الصبح، اُس کی آنکھیں پہلے کی طرح صاف دیکھ سکتی تھیں۔ وارڈ کے تمام اندھے نظر بند سو رہے تھے۔ اُسے تعجب ہوا کہ وہ اُنہیں کیسے بتائے گی، آیا وہ اُن سب کو جمع کرے اور یہ خبر سنائے، شاید بہتر یہی ہوگا کہ وہ یہ کام محتاط طریقے سے کرے، بغیر کسی طمطراق کے، کچھ ایسے، جیسے وہ اس مسئلے کو زیادہ سنجیدگی سے نہ لینا چاہتی ہو، ذرا تصور کریں، کس نے سوچا ہوگا کہ میں ان سب لوگوں میں جو اندھے ہوگئے ہیں اپنی بینائی سلامت رکھ سکوں گی، یا آیا، شاید زیادہ عقلمندی سے کام لیتے ہوئے، ظاہر کرے کہ وہ واقعی اندھی تھی اور اب اچانک اُس کی بینائی لوٹ آئی ہے، ہوسکتا ہے یہ دوسروں کو پُرامید رکھنے کا ایک طریقہ بھی ہو۔ وہ ایک دوسرے سے کہیں گے اگر یہ عورت دوبارہ دیکھ سکتی ہے تو شاید ہم بھی، دوسری طرف یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اُس سے کہیں اگر یہ بات ہے تو پھر جاؤ باہر نکل جاؤ یہاں سے، جس پر وہ جواب دے گی کہ وہ اپنے خاوند کے بغیر یہاں

سے نہیں جاسکتی اور چونکہ فوج کسی بھی اندھے شخص کو طبی نظر بندی سے رہا نہیں کرے گی، لہٰذا اس کے پاس یہیں رہنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ بعض اندھے نظر بند اپنے بستروں میں کسمسا رہے تھے اور ہر صبح کی طرح اپنی ہوا خارج کر رہے تھے لیکن اس سے ماحول اور زیادہ متلی آور نہیں ہوا، یقیناً یہ پہلے ہی پورے طور پر آلودہ ہوچکا تھا۔ یہ محض عفونت بھری بدبو ہی نہیں تھی جو پاخانوں کی طرف سے جھکڑوں کی صورت میں آتی تھی اور آپ کا قے کرنے کو جی چاہتا تھا، یہ دو سو پچاس لوگوں کے جسموں کی مجموعی بساند بھی تھی، جن کے جسم اپنے ہی پسینے سے شرابور تھے، جو نہ تو اس قابل تھے اور نہ ہی جانتے تھے کہ اپنے آپ کو کیسے دھوئیں، کیسے صاف رکھیں، جن کے کپڑے ہر گزرتے دن کے ساتھ غلیظ سے غلیظ تر ہوتے جا رہے تھے، جو اُن بستروں میں سوتے تھے جن میں اُنہوں نے بار بار اپنا فضلہ خارج کیا تھا۔ کیا فائدہ ہوگا ان صابنوں اور مصفا پاؤڈروں سے جو اس جگہ کہیں نہ کہیں پڑے ہوں گے، جب اکثر شاور کچرا پھنسنے کی وجہ سے بند تھے یا اپنی نالیوں سے الگ ہوچکے تھے۔ اگر نکاسی کی نالیوں میں سے گندا پانی چھلک کر طہارت خانوں کے باہر پھیلنے لگے، گیلریوں کے چوبی فرش کے تختوں میں سرایت کرنے لگے، پتھر کی سلوں کی درازوں میں داخل ہونے لگے، یہ کیا پاگل پن ہے پرائے پھڈے میں ٹانگ اڑانے کا سوچنا، ڈاکٹر کی بیوی نے ازسرنو غور کرنا شروع کر دیا، چاہے وہ یہ مطالبہ نہ بھی کریں کہ میں ہمہ وقت اُن کی خدمت پر مامور رہوں، کوئی بات بھی غیریقینی نہیں ہے، میں خود برداشت نہ کر پاؤں گی اور جب تک مجھ میں طاقت ہوگی دُھلائی صفائی کا کام کرتی رہوں گی، یہ ایک شخص کا کام نہیں ہے۔ اُس کا حوصلہ جو پہلے بلند نظر آتا تھا، پست ہونے لگا، رفتہ رفتہ اُس کا ساتھ چھوڑنے لگا، جب سامنا اُس شرمناک حقیقت سے ہوا جو اس کے نتھنوں پر حملہ آور ہوئی اور اُس کی آنکھوں کو آزردہ کرنے لگی، اب جبکہ قول کا نہیں عمل کا لمحہ آ پہنچا تھا۔ میں بزدل ہوں، وہ غصے کے عالم میں بڑبڑائی، کسی کمزور دل مشنری کی طرح مارے مارے پھرنے کی بجائے اندھا ہونا بہتر ہوتا۔ تین اندھے نظر بند اُٹھ بیٹھے تھے، ان میں سے ایک فارمیسی اسسٹنٹ تھا، وہ پہلے وارڈ والوں کے حصے کا کھانا لانے کے لیے ڈیوڑھی میں اپنی جگہ سنبھالنے والے تھے۔ اُن کی

بینائی نہ ہونے کے پیشِ نظر، یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کھانے کی تقسیم بالکل ویسے ہی ہوگی جیسے کوئی آنکھوں والا کرتا، یہاں ایک ڈبّہ زیادہ، وہاں ایک ڈبّہ کم، اس کے برعکس، یہ دیکھ کر ترس آتا تھا کہ وہ گنتی کرتے ہوئے کیسے گڑبڑا جاتے اور انہیں پھر سے گنتی کرنا پڑتی، کوئی شکی مزاج جاننا چاہتا کہ دوسرے کیا لیے جا رہے ہیں، آخر میں ہمیشہ تکرار شروع ہوجاتی، کسی کو خواہ مخواہ کا دھکا، کسی اندھی عورت کے منھ پر تھپڑ، جیسے ناگزیر تھا، وارڈ میں اب ہر کوئی جاگا ہوا تھا، اپنا راشن وصول کرنے کے لیے تیار، تجربے نے انہیں کھانا تقسیم کرنے کا آسان طریقہ سُجھا دیا تھا، وہ پہلے کھانے پینے کا سارا سامان اٹھا کر وارڈ کے آخری سرے پر لے جاتے، جہاں ڈاکٹر اور اُس کی بیوی اور ان کے ساتھ ہی کالے چشمے والی لڑکی اور ماں کو پکارنے والے لڑکے کے بستر تھے، یہی وہ جگہ تھی جہاں وارڈ کے مکین، دو دو کی تعداد میں، باری باری کھانا لانے کے لیے جاتے تھے، دروازے کے نزدیک ترین بستروں سے شروع ہوکر دائیں ہاتھ کا پہلا اور بائیں ہاتھ کا پہلا بستر، دائیں ہاتھ کا دوسرا اور بائیں ہاتھ کا دوسرا علیٰ ہذا القیاس، کسی بدکلامی کے تبادلے یا دھکم پیل کے بغیر، اس میں زیادہ وقت تو لگتا تھا اور یہ سچ بھی ہے، لیکن امن وسکون قائم رکھنے کے لیے تھوڑا انتظار کرلینا فائدہ مند تھا۔ سب سے پہلے بستر والے، یعنی وہ لوگ جو ہاتھ بڑھا کر کھانا لے سکتے تھے، سب سے آخر میں لیتے، سوائے بھینگی آنکھ والے لڑکے کے، جو کالے چشمے والی لڑکی کے کھانا حاصل کرنے سے پہلے اپنا کھانا ختم کرلیتا، تاکہ اُس کے حصے کے کھانے میں سے بھی کچھ اپنے پیٹ میں ڈال سکے۔ تمام اندھے نظر بندوں نے اپنے سر دروازے کے رُخ موڑ رکھے تھے، اپنے ساتھیوں کے قدموں کی آواز سُننے کی امید میں، کسی شخص کے کوئی چیز اٹھا کر لانے کی ڈگمگاتی اور ناقابلِ مغالطہ آواز، لیکن یہ شور وہ نہیں تھا جو اچانک سنائی دیتا ہے، بلکہ یہ تو تیزی سے بھاگتے ہوئے لوگوں کا شور تھا، کیا یہ کارنامہ ایسے لوگوں سے ممکن تھا جو یہ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے کہ اُن کے پاؤں کہاں پڑ رہے ہیں۔ تاہم انہیں دروازے پر نمودار ہوتے ہوئے دیکھ کر آپ اسے اور کیسے بیان کرسکتے تھے۔ وہ بُری طرح ہانپ رہے تھے، کیا ہوا تھا وہاں، اُن کے ساتھ جو وہ یہاں بھاگ کر آنے پر مجبور ہوئے، کوئی

غیر متوقع خبر سنانے کے لیے وہ تینوں کے تینوں بیک وقت دروازے میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے، وہ ہمیں کھانا نہیں لانے دیتے، اُن میں سے ایک نے کہا اور باقی دونوں نے بھی اُس کے الفاظ دُہرائے، وہ ہمیں نہیں لانے دیں گے، کون؟ سپاہی؟ کسی ایک آواز نے پوچھا، نہیں اندھے نظر بند، کون سے اندھے نظر بند؟ یہاں ہم سب اندھے ہیں، ہم نہیں جانتے وہ کون ہیں، فارمیسی اسسٹنٹ بولا، لیکن میرا خیال ہے وہ اُس گروپ سے تعلق رکھتے ہیں جو سب کے سب اکٹھے آئے تھے، وہ گروپ جو سب سے آخر میں آیا اور یہ تمہیں کھانا نہ لانے کی اجازت نہ دینے کا کیا معاملہ ہے؟ ڈاکٹر نے پوچھا، ابھی تک تو یہاں کوئی ایسا مسئلہ کھڑا نہیں ہوا وہ کہتے ہیں جو کچھ اب تک ہوتا آیا ہے اُسے ختم جانو، اب سے بعد اگر کوئی کھانا چاہتا ہے تو اُسے قیمت ادا کرنا ہوگی۔ وارڈ کے ہر طرف سے صدائے احتجاج بلند ہوئی، یہ نہیں ہوسکتا، انہوں نے ہمارا کھانا چھین لیا ہے، چور یہ شرمناک بات ہے، اندھے کا دشمن اندھا، میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں یہ دن دیکھنے کے لیے زندہ رہوں گا، چلو چل کر سارجنٹ سے شکایت کرتے ہیں، کسی زیادہ باہمت آدمی نے تجویز پیش کی، ہم سب کو مل کر جانا چاہیے اور جائز طور پر ہمارا جو حق ہے اُس کا مطالبہ کرنا چاہیے یہ اتنا آسان نہ ہوگا، فارمیسی اسسٹنٹ بولا، اُن کی تعداد زیادہ ہے، میرا واضح تاثر یہ ہے کہ انہوں نے ایک بہت بڑا گروپ بنا رکھا ہے اور بدترین بات یہ ہے کہ وہ مسلح ہیں، مسلح ہونے سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ کم از کم، اُن کے پاس ڈنڈے ہیں، میرا یہ بازو اُن کی ضرب سے اب تک دُکھ رہا ہے، اُن میں سے ایک نے کہا، آؤ کوشش کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ پُرامن طور پر حل ہوجائے، ڈاکٹر نے کہا، میں جاؤں گا تمہارے ساتھ اُن لوگوں سے بات کرنے، یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی، بے شک ڈاکٹر، آپ کو میرا تعاون حاصل ہے، فارمیسی اسسٹنٹ نے کہا، لیکن جس طریقے سے وہ برتاؤ کر رہے ہیں، مجھے شبہ ہے کہ آپ انہیں کسی بات پر آمادہ کرسکیں گے، جو بھی ہو، ہمیں وہاں جانا ہوگا، ہم چیزوں کو ان کے حال پر نہیں چھوڑ سکتے، میں بھی تمہارے ساتھ آرہی ہوں، ڈاکٹر کی بیوی بولی، ایک چھوٹا سا گروپ وارڈ سے نکلا، سوائے اُس شخص کے جو اپنے بازو کی چوٹ کی شکایت کر رہا تھا، اُس نے محسوس کیا

کہ وہ اپنا فرض ادا کر چکا ہے، اس لیے وہ پیچھے ٹھہر گیا، دوسروں کے سامنے اس مہم میں پیش آنے والے مصائب کو بیان کرنے کے لیے، اُن کا راشن دو قدم پرے اور راستے میں ایک انسانی دیوار حائل اور وہ بھی ڈنڈا بردار، اس نے اصرار کے ساتھ کہا۔

ایک پلٹن کی صورت میں، وہ دوسرے وارڈوں کے مکینوں میں سے بزور اپنا راستہ بناتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ ڈیوڑھی میں پہنچتے ہی ڈاکٹر کی بیوی کو احساس ہوگیا کہ یہاں کوئی سفارتی گفتگو ممکن نہیں اور نہ ہی غالباً کبھی ہوگی۔ ڈیوڑھی کے وسط میں، اندھے مکینوں نے کھانے کے ڈبوں کے چاروں طرف دائرہ بنا رکھا تھا، وہ پلنگوں سے نکالے ہوئے ڈنڈوں اور سلاخوں سے مسلح تھے، جن کو انہوں نے سنگینوں یا نیزوں کی طرح سیدھا تان رکھا تھا، دوسرے اندھے نظر بندوں کی مایوسانہ بے باکی کا سامنا کرنے کے لیے، جو اُن کے چاروں طرف جمع ہو کر اُن کی دفاعی لائن کو توڑنے کی اُلٹی سیدھی کوششیں کر رہے تھے، کسی مناسب موقع کی امید میں، یا کسی رخنے کی جو ان میں سے کسی شخص کی لاپرواہی کی وجہ سے پوری طرح بند ہونے سے رہ گیا ہو، کچھ ہاتھ اوپر اُٹھا کر لگنے والی ضربوں سے اپنا بچاؤ کر رہے تھے، دوسرے چوپایوں کی طرح گھسٹتے ہوئے اپنے مخالفوں کی ٹانگوں سے جا ٹکراتے، جو اُن کی کمروں پر ضربیں لگا کر یا انہیں ٹھوکریں مار کر پیچھے ہٹا دیتے۔ جیسے کہ کہاوت ہے اندھا دُھند ہاتھ چلانا، ان مناظر میں، نفرت بھرا احتجاج اور غضبناک چیخیں بھی شامل تھیں، ہمیں اپنے کھانے پینے کا سامان چاہیے، ہمیں ہمارا حق ملنا چاہیے، بدمعاش یہ شرمناک ہے، اگرچہ یہ ناقابلِ یقین لگتا ہے لیکن وہاں ایک پریشان، یا اختراع پسند شخص بھی تھا جس نے کہا، پولیس کو بلاؤ، شاید ان میں کچھ پولیس والے بھی تھے، اندھا پن، جیسا کہ سب جانتے ہیں، پیشوں اور کام دھندوں کو خاطر میں نہیں لاتا، لیکن اندھے پن کا مارا پولیس والا اور اندھا پولیس والا یکساں نہیں ہوتا اور جہاں تک اُن دو پولیس والوں کا تعلق ہے جنہیں ہم جانتے تھے، وہ مر چکے ہیں اور انہیں بڑی مشکلوں کے ساتھ دفنایا بھی جا چکا ہے۔ ایک اندھی عورت، اس احمقانہ اُمید کے زور پر کہ کوئی صاحبِ اختیار ہستی، پاگل خانے میں سابقہ امن بحال کر دے گی، انصاف لاگو کرے گی، تھوڑا ذہنی سکون واپس لائے گی، کسی

طرح صدر دروازے تک پہنچی اور زور سے پکارا تاکہ سب سن لیں، ہماری مدد کریں، یہ بدمعاش ہمارا کھانا ہتھیانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ فوجی سپاہیوں نے یوں ظاہر کیا جیسے کچھ سُنا ہی نہیں، سارجنٹ کو کپتان نے جو اس طرف سے کسی سرکاری کام سے گزرا تھا، جو احکامات دیے تھے، وہ اس سے زیادہ واضح ہو ہی نہیں سکتے تھے کہ اگر یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کرنے لگیں تو اور بھی بہتر، ان کی تعداد کم ہو جائے گی۔ اندھی عورت گلا پھاڑ کر ہذیان بکتی رہی تھی۔ آخر میں یہ جان لینے کے بعد کہ اُس کی التجائیں بے سُود تھیں، خاموش ہو گئی، اندر واپس چلی آئی، سسکیوں میں، اپنے دل کا غبار نکالنے کے لیے، اُس کو یہ ہوش ہی نہ رہا کہ وہ کدھر جا رہی ہے، اُس کے سر پر ایک ضرب لگی جس نے اُسے زمین پر گرا دیا۔ ڈاکٹر کی بیوی، بھاگ کر اُسے اٹھانا چاہتی تھی لیکن وہاں اس قدر افراتفری تھی کہ وہ اپنی جگہ سے ہل کر دو قدم تک بھی نہ جا سکی۔ اندھے نظر بند جو خوراک کا مطالبہ کرنے آئے تھے بکھر کر پسپا ہونا شروع ہو گئے تھے۔ سمت کے احساس سے مکمل طور پر عاری، ایک دوسرے سے ٹھوکریں کھاتے، گرتے، اُٹھتے، پھر گرتے، بعضوں نے اٹھنے کی کوشش بھی چھوڑ دی، ہار مان لی، فرش پر چت لیٹے رہے، تھکے ماندے، شکستہ حال، درد کے عذاب میں مبتلا، چہرے فرش کی ٹائلوں کو چھوتے ہوئے۔ پھر ڈاکٹر کی بیوی نے دہشت زدہ ہو کر اُن میں سے ایک غنڈے کو اپنی جیب سے پستول نکالتے اور اُسے کھلے عام فضا میں لہراتے ہوئے دیکھا۔ ایک دھماکے کے ساتھ سیمنٹ کا ایک بڑا ٹکڑا چھت سے ٹوٹ کر اُن کے غیر محفوظ سروں کی طرف آیا جس سے دہشت میں اور اضافہ ہوا۔ غنڈے نے چلّا کر کہا، چُپ ہو جاؤ سب اور بند رکھو اپنے منھ، اگر کسی نے آواز بلند کرنے کی کوشش کی تو پھر سب شکایتیں ختم ہو جائیں گی۔ اندھے نظر بند اپنی جگہ سے نہیں ہلے، پستول والے شخص نے اپنی بات جاری رکھی، ہر کوئی جان لے اور یہ اٹل ہے کہ آج کے بعد سے خوراک ہماری تحویل میں رہے گی، تم سب کو خبردار کیا جاتا ہے کہ کوئی بھی شخص باہر آ کر خوراک ڈھونڈنے کی بات اپنے دماغ میں نہ لائے، ہم دروازے پر پہرہ بٹھا دیں گے اور جو بھی ان احکامات کی خلاف ورزی کی کوشش کرے گا، نتائج کا خود ذمے دار ہوگا، خوراک اب بیچی جائے گی، جو شخص کھانا چاہتا ہے

اسے قیمت ادا کرنا ہوگی۔ قیمت ہم کیسے ادا کریں گے، ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا، میں نے کہا تھا کوئی نہ بولے، مسلح غنڈے نے اپنے ہتھیار کو ہلاتے ہوئے گرج کر کہا، کسی کو تو بولنا ہے، ہمیں جاننا ہوگا کہ آئندہ کا لائحہ عمل کیا ہوگا، ہمیں اپنی خوراک حاصل کرنے کے لیے کہاں جانا ہوگا، کیا ہم سب اکٹھے جائیں یا ایک ایک کر کے، یہ عورت کچھ کرنے کا سوچ رہی ہے، گروپ میں سے کسی نے کہا، اگر تم اسے گولی مار دو تو کھانے والا ایک منہ کم ہو جائے گا، اگر میں اسے دیکھ سکتا تو گولی اب تک اس کے پیٹ میں ہوتی۔ پھر سب سے مخاطب ہوتے ہوئے فوراً اپنے اپنے وارڈوں میں چلے جاؤ، اسی وقت جب ایک بار ہم خوراک اندر لے جائیں گے تو پھر فیصلہ کریں گے کہ کیا کرنا ہے، اور قیمت کا تعین کیسے ہوگا۔ ڈاکٹر کی بیوی نے ساتھ ہی پوچھا، ایک دودھ والی کوفی اور بسکٹ کے لیے ہمیں کیا دینا ہوگا، یہ عورت گولی کھانے پر تلی ہوئی ہے، اُسی آواز نے پھر کہا، اسے میرے سپرد کر دو، کسی دوسرے ساتھی نے کہا اور پھر لہجہ تبدیل کرتے ہوئے، ہر وارڈ اپنے دو نمائندے نامزد کرے گا جو لوگوں کی قیمتی اشیا اکٹھی کریں گے، تمام قیمتی اشیا ہر قسم کی، نقدی، جواہرات، انگوٹھیاں، کانوں کے بالے، کنگن، گھڑیاں، ہر چیز جو ان کے پاس ہے اور وہ یہ سارا جمع جتھہ بائیں ہاتھ والے تیسرے وارڈ میں لے کر آئیں گے جہاں ہم قیام پذیر ہیں اور تمہیں ہمارا یہ دوستانہ مشورہ ہے کہ ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لانا، ہمیں معلوم ہے کہ تم میں ایسے بھی ہیں جو اپنی کچھ قیمتی چیزیں چھپا لیں گے، لیکن میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ ایک بار پھر سوچ لیں، جب تک ہم یہ محسوس نہیں کرتے کہ تم نے کافی کچھ حوالے کر دیا ہے، تمہیں کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں دی جائے گی، پھر تم بیٹھے اپنے کرنسی نوٹ چبانا اور اپنے ہیرے پتوں کی جگالی کرتے رہنا، دائیں ہاتھ کے دوسرے وارڈ والے ایک اندھے آدمی نے پوچھا، ہمیں اور کیا کرنا ہوگا، کیا ہم اپنی ساری پونجی ایک ہی بار دے دیں یا کھانے کے تناسب سے ادا کرتے رہیں، لگتا ہے میں نے اپنا مطلب واضح طور پر بیان نہیں کیا، پستول والے نے ہنستے ہوئے کہا، پہلے قیمت ادا کرو، پھر کھاؤ اور رہا تناسب کے حساب سے ادا کرنا اور کھانا تو اس سے حساب کتاب میں بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی، بہتر یہی ہے کہ

ہر چیز ایک ہی بار حوالے کر دی جائے اور پھر ہم دیکھیں گے کہ تم کتنی خوراک کے حقدار ہو، لیکن میں تمہیں ایک بار پھر خبردار کرتا ہوں، کوئی چیز چھپانے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ یہ تمہیں بہت مہنگا پڑے گا اور مبادا ہمیں کوئی ایمانداری سے کام نہ لینے کا الزام دے، یہ جان لو کہ تمہارے اپنی تمام جمع پونجی حوالے کر دینے کے بعد بھی ہم معائنہ کریں گے، لعنت ہو تم پر اگر ہم ایک دمڑی کا بھی پتہ چلا لیں اور اب میں چاہتا ہوں کہ یہاں سے ہر شخص جتنا تیزی سے ممکن ہو سکے، چلا جائے اُس نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور ایک اور گولی ہوا میں داغ دی، دھماکے سے کچھ اور سیمنٹ زمین پر گرا اور جہاں تک تمہارا سوال ہے، پستول بردار غنڈے نے کہا، میں تمہاری آواز کو کبھی نہ بھولوں گا، نہ ہی میں تمہارے چہرے کو، ڈاکٹر کی بیوی نے جواب دیا۔

لگتا تھا کسی بھی شخص نے دھیان نہیں دیا ایک اندھی عورت کی اس لایعنی بات پر کہ وہ ایک ایسے چہرے کو جسے اُس نے دیکھا تک نہ تھا، کبھی نہ بھولے گی۔ اندھے نظربند پہلے ہی ممکنہ حد تک تیزی کے ساتھ اپنے اپنے وارڈوں کے دروازوں کی تلاش میں پیچھے ہٹ چکے تھے اور پہلے وارڈ والے تو اپنے ساتھیوں کو صورت حال سے آگاہ بھی کر رہے تھے، جو ہم نے سُنا ہے مجھے یقین نہیں کہ ہم فی الحال اس کی تعمیل کرنے کے علاوہ کچھ اور کر سکتے ہیں، ڈاکٹر نے کہا، اُن کی تعداد یقیناً زیادہ ہوگی اور سب سے بدتر یہ کہ اُن کے پاس ہتھیار ہیں۔ ہم بھی اپنے آپ کو مسلح کر سکتے ہیں، فارمیسی اسسٹنٹ بولا، ہاں، درختوں سے کچھ چھڑیاں کاٹ کر، اگر ان میں کچھ شاخیں بچی رہ گئی ہیں جن تک ہمارے ہاتھ پہنچ سکیں، چند لوہے کی سلاخیں جنہیں ہم اپنے پلنگوں سے نکال سکتے ہیں، اگر اُن کو اُٹھانے کی طاقت ہم میں ہوئی جب کہ ان کے پاس کم از کم ایک پستول بھی ہے، میں اُن کتیا کے بچوں کو اپنا اثاثہ دینے سے انکار کرتا ہوں، کسی نے کہا، میں بھی، کسی اور نے صاد کیا، بس، یا ہم سب اپنی ہر چیز اُن کے حوالے کریں گے یا کوئی بھی اپنی چیز نہیں دے گا، ڈاکٹر بولا، ہمارے پاس کوئی اور متبادل نہیں، اُس کی بیوی نے کہا، مزید برآں، یہاں بھی وہی نظامِ حکومت ہونا چاہیے جو انہوں نے باہر مسلط کر رکھا ہے، جو کوئی قیمت ادا نہیں کرنا چاہتا اُس کی مرضی، یہ اس کا حق ہے لیکن اُسے کھانے کو کچھ نہیں ملے گا اور اُسے توقع

نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ دوسروں کے خرچے پر اپنا پیٹ بھر سکتا ہے، ہم سب دیدیں گے جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے اور ہر چیز حوالے کردیں گے، ڈاکٹر نے کہا، اور جن کے پاس دینے کو کچھ نہیں اُن کا کیا بنے گا، فارمیسی اسسٹنٹ نے پوچھا، وہ کھائیں گے، جو دوسرے اُن کو دینے کا فیصلہ کریں گے۔ جیسے کہاوت ہے کہ ہر ایک سے اُس کی توفیق کے مطابق اور ہر ایک کو اُس کی ضرورت کے مطابق۔ کچھ توقف کے بعد سیہ پیوند والے بوڑھے نے پوچھا، اچھا تو پھر ہم کسے کہیں کہ وہ یہ ذمے داری سنبھالے، میری رائے ہے کہ ڈاکٹر، کالے چشمے والی لڑکی بولی۔ رائے شماری کی ضرورت نہیں تھی، پورا وارڈ متفق تھا۔ دو کا ہونا ضروری ہے، ڈاکٹر نے انہیں یاد دلایا، کوئی ہے جو اپنی مرضی سے آگے آئے، اُس نے پوچھا، میں تیار ہوں، اگر کوئی اور آگے نہیں آتا، پہلے اندھے آدمی نے کہا، بہت اچھا، آیئے پھر چیزیں اکٹھی کرتے ہیں، ہمیں ایک بوری کی ضرورت ہے ایک تھیلے یا ایک چھوٹے سُوٹ کیس کی، ان میں سے کوئی بھی چیز چلے گی، مَیں اس سے نجات حاصل کرسکتی ہوں، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا اور فوراً ایک تھیلا خالی کرنے لگی جس میں اُس نے اپنے میک اپ کی چیزیں اور دوسرا چھوٹا موٹا ساز و سامان ٹھونس رکھا تھا، اُس زمانے میں جب اُس نے کبھی سوچا بھی نہ ہوگا کہ وہ اس حالت میں زندگی گزارنے پر مجبور ہوگی۔ کسی اور دنیا کی بوتلوں، ڈبوں اور ٹیوبوں کے درمیان ایک تیز دھار والی لمبی قینچی بھی تھی۔ اُسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ اُس نے اُسے وہاں رکھا تھا لیکن وہاں وہ تھی۔ ڈاکٹر کی بیوی نے اپنا سر اوپر اٹھایا۔ اندھے نظر بند انتظار کر رہے تھے، اُس کا خاوند پہلے اندھے آدمی کے بستر کے پاس کھڑا تھا اور اُس سے باتیں کر رہا تھا، کالے چشمے والی لڑکی، بھینگی آنکھ والے لڑکے سے کہہ رہی تھی کہ کھانا جلد ہی آنے والا ہے، فرش پر، بستر کے ساتھ والی میز کے پیچھے ایک خون آلود نیپکن چپکا ہوا تھا، جیسے کالے چشمے والی لڑکی، اپنی کنواریوں جیسی اور بے معنی شرم کی وجہ سے اسے ان لوگوں کی آنکھوں سے چھپانا چاہتی ہو جو دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ ڈاکٹر کی بیوی نے قینچی کو دیکھا، اُس نے یہ سوچنے کی کوشش کی آخر وہ اس قینچی کو اس انداز سے ٹکٹکی باندھ کر کیوں دیکھے جارہی ہے، کس انداز سے، اس طرح لیکن اُسے کوئی وجہ سمجھ میں نہ آئی، صاف بیانی سے

کام لیتے ہوئے ایک عام سی قینچی میں اُسے کون سی وجہ کے موجود ہونے کی امید تھی، جو اُس کے کھلے ہاتھوں میں رکھی تھی، اپنے سفید دھات کے بنے ہوئے دو پھلوں کے ساتھ جن کی نوکیں تیز تھیں اور جگمگ جگمگ کرتی تھیں وہ تھیلا وہاں ہے تمہارے پاس؟ اُس کے خاوند نے پوچھا، ہاں یہ رہا، وہ جواب میں بولی اور جس ہاتھ میں خالی تھیلا پکڑ رکھا تھا اُسے آگے کردیا اور قینچی کو چھپانے کے لیے دوسرا ہاتھ اپنی پشت کے پیچھے کرلیا، کیا بات ہے، ڈاکٹر نے پوچھا، کچھ نہیں، بیوی نے جواب دیا، جو بڑی آسانی سے جواب میں کہہ سکتی تھی، کچھ نہیں، تم دیکھ سکتے ہو، ہوسکتا ہے میری آواز تمہیں عجیب لگی ہو، بس یہی اور کچھ نہیں۔ پہلے اندھے آدمی کے ساتھ ڈاکٹر اس کی طرف بڑھا، تھیلے کو اپنے متذبذب ہاتھوں میں لیا اور کہا اپنی چیزوں کو تیار رکھو، ہم جمع کرنے کی ابتدا کرنے ہی کو ہیں۔ ڈاکٹر کی بیوی نے اپنی گھڑی اتاری، پھر یہی عمل اپنے خاوند کے ساتھ دُہرایا، اپنی بالیاں اتاریں، ایک ننھا سیٹ انگوٹھیوں کا جن میں یاقوت جڑے تھے، سونے کی زنجیر جو اُس نے گلے میں پہنی ہوئی تھی، اپنی شادی کی انگوٹھی، پھر اپنے خاوند کی، دونوں کو اتارنا آسان تھا، ہماری انگلیاں زیادہ پتلی ہوگئی ہیں، اُسے خیال آیا، وہ تمام چیزوں کو تھیلے میں ڈالنے لگی، پھر وہ نقدی جو وہ گھر سے لائے تھے، مختلف قیمتوں کے کرنسی نوٹ، کچھ سکے، یہی سب کچھ ہے، وہ بولی، کیا تمہیں یقین ہے، ڈاکٹر نے کہا دھیان سے دیکھ لو، یہی ہے سب کچھ جو ہمارے پاس تھا اور جس کی کوئی قیمت ہے۔ کالے چشمے والی لڑکی نے بھی اپنی سب چیزیں جمع کرلی تھیں، وہ بھی کچھ زیادہ مختلف نہ تھیں، اُس کے پاس ایک کے بجائے دو کنگن تھے لیکن کوئی شادی کی انگوٹھی نہیں تھی۔ ڈاکٹر کی بیوی انتظار کرتی رہی جب تک کہ اس کے خاوند اور پہلے اندھے آدمی نے اپنی پشت نہیں موڑلی اور کالے چشمے والی لڑکی بھینگی آنکھ والے لڑکے کی طرف جھک نہیں گئی، مجھے اپنی ماں سمجھو، وہ اس سے کہہ رہی تھی میں اپنی اور تمہاری دونوں کی ادائیگی کروں گی، پھر ڈاکٹر کی بیوی آخری سرے والی دیوار کی طرف چلی گئی۔ وہاں جیسے دوسری دیواروں کے ساتھ ساتھ، بڑی بڑی کیلیں لگی ہوئی تھیں، جنہیں یقیناً پاگل اپنی محبوب اور بے حقیقت چیزوں کو ٹانگنے کے لیے استعمال کرتے ہوں گے۔ اُس نے سب سے اونچی لگی ہوئے

کیل کا، جس تک اُس کا ہاتھ پہنچ سکتا تھا، انتخاب کیا اور وہاں قینچی کو لٹکا دیا۔ پھر وہ اپنے بستر پر بیٹھ گئی۔ اُس کا خاوند اور پہلا اندھا آدمی آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے، وہ کھڑے ہوجاتے اور دونوں طرف کے اُن لوگوں سے چیزیں اکٹھی کرتے جن کے پاس دینے کو کچھ ہوتا، بعض احتجاج کرتے کہ انہیں شرمناک طور پر لوٹا جا رہا ہے اور یہ ایک بے لاگ سچائی تھی، دوسرے ایک قسم کی لاتعلقی کے ساتھ، اپنے اثاثوں سے گلوخلاصی حاصل کرتے جیسے سوچتے ہوں کہ آخر میں، اگر واقعی غور کیا جائے تو شعورِ مطلق کی رُو سے، اِس دنیا کی کون سی چیز ہماری ہے، ایک اور شفاف حقیقت۔ جب وہ اُگاہی ختم کرنے کے بعد وارڈ کے دروازے کے پاس پہنچے تو ڈاکٹر نے پوچھا کیا ہم نے اپنی تمام چیزیں حوالے کر دی ہیں؟ بہت سی راضی برضا آوازوں نے جواب دیا، ہاں، چند ایسے بھی تھے جو خاموش رہے اور وقت آنے پر ہم جان لیں گے کہ کہیں یہ جھوٹ بولنے سے بچنے کی خاطر تو نہیں کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر کی بیوی نے نظریں اُٹھا کر قینچی کی طرف دیکھا۔ اُسے اتنی اونچائی پر دیکھ کر وہ حیران ہوئی، ایک کیل سے لٹکی ہوئی، جیسے اُس نے وہاں اُسے خود نہیں لٹکا دیا تھا، تب اُس نے سوچا کہ یہ ایک نہایت عمدہ خیال تھا، قینچی ساتھ لانے کا، اب وہ اپنے خاوند کی داڑھی تراش سکتی تھی، اُسے زیادہ خوش وضع بنا سکتی تھی، اس لیے کہ جیسا ہمیں معلوم ہے موجودہ حالت میں کسی آدمی کا معمول کے مطابق شیو کرنا ممکن نہیں. جب اُس نے دوبارہ دروازے کی سمت دیکھا تو دونوں آدمی گیلری کے اندھیروں میں غائب ہوچکے تھے اور بائیں طرف والے تیسرے وارڈ کی طرف بڑھ رہے تھے، جہاں انہیں جانے اور اپنے کھانے کی قیمت ادا کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ آج کا کھانا، کل کا بھی اور شاید باقی ہفتے کا، اور پھر؟ اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا، ہمارا کل اثاثہ تو قیمت کی ادائیگی میں چلا گیا ہوگا۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ گیلریوں میں زیادہ ہجوم نہیں تھا اور یہ خلافِ معمول بات تھی، کیونکہ عام طور پر جب اندھے نظربند اپنے وارڈوں سے نکلتے تو ناگزیر طور پر انہیں ٹھوکریں لگتی تھیں، وہ ایک دوسرے سے ٹکراتے تھے، گرتے تھے، جن کو دھکے ملتے تھے وہ گالیاں بکتے اور گندی باتیں کہتے تھے، دھکے دینے والے اُن کی اور توہین کر کے بدلہ لیتے لیکن کوئی بھی توجہ نہیں

انا تھا، آدمی کو کسی نہ کسی طور پر اپنے احساسات کا اظہار کرنا ہوتا ہے، خاص طور پر اگر وہ اندھا ہو۔ آگے قدموں کی چاپ اور آوازیں سنائی دے رہی تھیں، وہ یقیناً دوسرے وارڈوں کے اندھے ہوں گے جو انہی احکامات کی تعمیل کے لیے جا رہے تھے، ہم کس صورتِ حال میں پھنس گئے ہیں، ڈاکٹر، پہلے اندھے آدمی نے کہا، جیسے ہمارا اندھاپن کافی نہیں تھا، ہم اندھے چوروں کے چنگل میں پھنس گئے ہیں، یہی لگتی ہے مجھے اپنی قسمت، پہلے کار چور ملا، اب یہ رذیلوں کا گروہ جو بندوق کی نال ہمارا کھانا چُرا رہے ہیں، یہی فرق ہے وہ مسلح ہیں لیکن گولیاں ہمیشہ باقی نہیں رہتیں، کچھ بھی ہمیشہ باقی نہیں رہتا، لیکن اس صورت حال میں اُن کا باقی رہنا ہی شاید قابلِ ترجیح ہے، کیوں، اگر گولیاں ختم ہوگئیں تو اس کا مطلب ہوگا کہ کسی نے انہیں پوری طرح استعمال کیا ہے اور ہمارے پاس پہلے ہی بہت زیادہ لاشیں ہیں، ہم ایک ناقابل برداشت صورت حال میں ہیں، یہ تو اس وقت سے ناقابلِ برداشت ہے جب سے ہم اس جگہ آئے ہیں، پھر بھی ہم اس کا مقابلہ کر رہے ہیں، آپ ایک اُمید پرست ہیں، ڈاکٹر، نہیں میں امید پرست نہیں ہوں لیکن میں اپنی موجودہ حالتِ زندگی سے زیادہ بدتر کسی اور چیز کا تصور بھی نہیں کرسکتا، خیر میں پوری طرح اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ بدی اور بدقسمتی کی کوئی حد بھی ہوتی ہے، ہوسکتا ہے تمہاری بات ٹھیک ہو، ڈاکٹر نے کہا، اور پھر جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہو، یہاں کچھ ہو کے رہے گا، ایک نتیجہ جو اپنے میں تضادات کا حامل ہے، یا کچھ اس سے بھی بدتر، یا پھر اب کے بعد چیزیں بہتر ہونے والی ہیں، اگرچہ آثار اس کے برعکس دکھائی دیتے ہیں۔ سنبھل سنبھل کر اپنا راستہ بنانے اور کئی موڑ مڑنے کے بعد وہ تیسرے وارڈ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ نہ ڈاکٹر نے اور نہ ہی پہلے اندھے آدمی نے اس سے پیشتر کبھی اِدھر کا رُخ کیا تھا، لیکن دونوں حصوں کی تعمیر منطقی طور پر ایک ہی متناسب سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، کوئی بھی شخص جو دائیں حصے سے واقف ہو اُس کے لیے بائیں حصے کی سمت معلوم کرنا مشکل نہ ہوتا یا اس کے برعکس، ایک حصے میں دائیں طرف کو مُڑنا ہوتا دوسرے میں بائیں طرف کو۔ اُن کو آوازیں سنائی دے رہی تھیں، یہ آوازیں ہم سے پہلے جانے والوں کی ہونی چاہئیں، ہمیں انتظار کرنا ہوگا، ڈاکٹر نے ہولے سے کہا، کیوں، اندر والے جاننا چاہیں گے کہ

یہ لوگ کیا اٹھائے ہوئے ہیں اُن کے لیے یہ اتنا اہم نہیں ہے، چونکہ وہ پہلے ہی کھانا کھا چکے ہیں، اس لیے وہ کسی جلدی میں نہیں ہیں، یہ تقریباً دوپہر کے کھانے کا وقت ہوگا، اگر وہ دیکھ بھی سکتے تو یہ جان کر اس گروپ کو کیا فائدہ ہوتا، ان کے پاس تو اب گھڑیاں بھی نہیں ہیں۔ کوئی پندرہ منٹ کے بعد ایک منٹ کم یا زیادہ تبادلہ ختم ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر اور پہلے اندھے آدمی کے سامنے سے دو آدمی گزرے، اُن کی گفتگو سے لگتا تھا کہ وہ کھانے پینے کا سامان اٹھائے ہوئے تھے، محتاط رہو، کوئی چیز گرنے نہ پائے، ان میں سے ایک نے کہا اور دوسرا بڑبڑا رہا تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ کھانا اتنا ہوگا بھی، جو سب کے لیے کافی ہو۔ ہمیں کفایت شعاری سے کام لینا ہوگا۔ آگے ڈاکٹر دیوار کے ساتھ ساتھ ہاتھ پھسلاتا پیچھے پہلا اندھا آدمی، آگے بڑھتے رہے، حتیٰ کہ اُس کے ہاتھ دروازے کے کواڑ سے جا لگے، ہم دائیں حصے کے پہلے وارڈ سے آئے ہیں، اُس نے چلّا کر کہا۔ وہ اور ایک قدم بڑھانے ہی والا تھا کہ اُسے ایک رکاوٹ سے سابقہ پڑا اُس کو اندازہ ہوا کہ ایک پلنگ کو ایسے کھڑا کیا گیا تھا کہ وہ تجارتی کاؤنٹر کا کام دے سکے۔ وہ منظّم طریقے پر کام کر رہے ہیں، اس نے دل میں سوچا، یہ اچانک اور وقت کے وقت نہیں کیا گیا تھا اُسے آوازیں سنائی دیں اور قدموں کی چاپ وہ یہاں کتنے ہوں گے، اُس کی بیوی نے دس کا ذکر کیا تھا، لیکن یہ سمجھنا بھی غلط نہ ہوگا کہ وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں، جب وہ کھانا لینے کے لیے گئے تھے تو یقیناً اُس وقت وہ سب کے سب وہاں موجود نہیں تھے۔ پستول بردار آدمی اُن کا لیڈر تھا، یہ اُسی کی تمسخر آمیز آواز تھی، جو کہہ رہی تھی آیئے دیکھتے ہیں کہ دائیں حصے کا پہلا وارڈ ہمارے لیے کتنا مال و متاع لایا ہے اور پھر بہت ہی دھیمی آواز میں کسی نزدیک کھڑے آدمی سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا لکھتے جاؤ۔ ڈاکٹر الجھن میں پڑ گیا، کیا مطلب ہوسکتا ہے اس بات کا۔ لکھتے جاؤ، تو یہاں کوئی ایسا بھی ہے جو لکھ سکتا ہے۔ کوئی ایسا شخص جو اندھا نہیں ہے، اس کا مطلب ہے، ایک اور بھی ہے، ہمیں محتاط رہنا پڑے گا، اُس نے سوچا، کل کو یہ لفنگا آ کر ہمارے پاس کھڑا ہوسکتا ہے اور ہمیں پتہ بھی نہ چلے گا، ڈاکٹر کا یہ خیال کچھ اس سے زیادہ مختلف نہ تھا جو پہلا اندھا آدمی سوچ رہا تھا، ایک پستول اور ایک جاسوس کے ہوتے ہوئے، ہم تو ڈوب گئے، ہم تو دوبارہ اپنا سر اٹھانے کے قابل

بھی نہیں رہیں گے۔ اندر والا اندھا آدمی، چوروں کا لیڈر تھیلے کو پہلے ہی کھول چکا تھا، وہ مشّاق ہاتھوں سے چیزوں کو باہر نکال رہا تھا، نقدی اور دیگر اشیا کو ٹھونک بجا کر دیکھ رہا تھا اور شناخت کر رہا تھا، وہ چُھو کر صاف طور پر سمجھ سکتا تھا کہ کون سی چیز سونا اور کون سی نہیں، نوٹوں اور سِکّوں کی مالیت کو بھی چھو کر بتا سکتا تھا، آدمی تجربہ کار ہو تو آسان ہوتا ہے، چند منٹوں کے بعد ڈاکٹر کو کاغذ میں سوراخ کرنے کی آواز آنا شروع ہوئی، جو اُس نے فوراً پہچان لی، قریب ہی کوئی بریل کے حروفِ تہجی میں لکھ رہا تھا، جسے اَینا گلپٹو گرافی بھی کہتے ہیں۔ سُوئی جب موٹے کاغذ میں سوراخ ڈال کر مشین کے نیچے والے دھاتی پترے سے ٹکراتی تھی تو اُس کی بیک وقت خاموش اور صاف آواز سُنی جا سکتی تھی۔ تو اِن اندھے خطاکاروں میں کوئی عام اندھا بھی تھا، ایک اندھا شخص، اُن لوگوں میں سے جنہیں کبھی اندھا کہا جاتا تھا، غریب، باقی دوسروں کے ساتھ لپیٹ میں آ گیا ہوگا، لیکن یہ وقت ٹوہ لینے اور پوچھ گچھ کرنے کا نہیں تھا، کیا تم حالیہ دنوں میں اندھے ہوئے تھے، یا برسوں سے اندھے ہو، بتاؤ تمہاری بینائی کیسے ضائع ہوئی۔ وہ یقیناً خوش قسمت تھے، انہوں نے لاٹری میں نہ صرف ایک کلرک جیت لیا تھا بلکہ ایک ایسا آدمی بھی جس سے وہ گائیڈ کا کام لے سکتے تھے، ایک اندھا شخص جس کے پاس اندھے شخص کا تجربہ بھی ہو، کوئی اور ہی شے ہوتا ہے، وہ تو سونے میں تُلنے کے لائق ہوتا ہے۔ اشیا کی فہرست سازی جاری رہی، کبھی کبھی پستول بردار ٹھگ اکاؤنٹنٹ سے مشورہ کرتا، اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے اور وہ حساب کتاب کو روک کر اپنی رائے دیتا، سستی نقلی چیز ہے، وہ کہتا جس پر پستول بردار تبصرہ کرتا، اگر ایسی چیزوں کی تعداد زیادہ ہوئی تو اُن کو کھانے کے لیے کچھ نہیں ملے گا، یا اگر اچھا مال ہوا تو تبصرہ کچھ ایسا ہوتا، ایماندار لوگوں سے معاملہ کرنے کا تو کوئی جواب ہی نہیں۔ آخر میں خوراک کے تین بڑے ڈبّے اُٹھا کر پلنگ پر رکھ دیے گئے، انہیں لے جاؤ، مسلح لیڈر نے کہا، ڈاکٹر نے گِنے اور کہا، یہ کافی نہیں ہیں، جب کھانا صرف ہمارے لیے آتا تھا تو ہمیں چار بڑے ڈبّے ملا کرتے تھے، اُسی لمحے اُسے پستول کی ٹھنڈی نالی اپنی گردن پر محسوس ہوئی، ایک اندھے شخص کا یہ نشانہ بُرا نہیں تھا، تم جب بھی شکایت کرو گے میں ایک ڈبّہ اُٹھا لوں گا، اب ہٹاؤ اسے، لے جاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہارے

پاس اب بھی کچھ کھانے کے لیے ہے، ڈاکٹر بُڑبُڑایا، بہت اچھا، دو ڈبوں کو اپنی طرف کھینچا جبکہ تیسرا پہلے اندھے آدمی نے سنبھالا اور وہ بوجھ کی وجہ سے، سُست رفتاری کے ساتھ اُسی راستے واپس چل پڑے جو انہیں اس وارڈ تک لایا تھا۔ جب وہ ہال وے میں پہنچے جہاں آس پاس کوئی نہیں تھا تو ڈاکٹر بولا، اب مجھے کبھی ایسا موقع نہ ملے گا، کیا مطلب ہے تمہارا، پہلے اندھے آدمی نے پوچھا، اُس نے اپنی پستول کی نالی میری گردن پر رکھی تھی، میں اُسے چھین سکتا تھا اُس کے ہاتھ سے، یہ خطرناک ہوتا، اتنا خطرناک نہیں جتنا لگتا ہے، مجھے پتا تھا پستول کہاں ٹکی ہوئی ہے، اُس کے پاس یہ جاننے کا کوئی طریقہ نہ تھا کہ میرے ہاتھ کہاں ہیں، یوں بھی اُس لمحے وہ ہم دونوں میں سے زیادہ اندھا تھا کیسی شرم کی بات ہے کہ مجھے یہ خیال ہی نہیں آیا، یا خیال تو آیا لیکن ہمت نہیں پڑی اور پھر کیا ہوتا، پہلے اندھے آدمی نے پوچھا، تمہارا کیا مطلب ہے، بفرضِ محال اگر تم نے کسی طور اُس سے ہتھیار چھین بھی لیا ہوتا، مجھے یقین نہیں کہ تم اسے استعمال بھی کر سکتے، اگر مجھے یقین ہوتا کہ اس سے مسئلہ حل ہو جائے گا تو ہاں میں اسے ضرور استعمال کرتا، لیکن تمہیں یقین نہیں، نہیں، درحقیقت مجھے یقین نہیں ہے، پھر بہتر ہے کہ وہ اپنے ہتھیار اپنے پاس رکھیں، کم از کم اتنی دیر جب تک وہ انہیں ہمارے خلاف استعمال نہیں کرتے۔ کسی کو ہتھیار سے دھمکانے اور ہتھیار سے اُس پر حملہ کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے، اگر تم نے اُس کی بندوق چھین لی ہوتی تو حقیقی جنگ شروع ہو جاتی اور زیادہ امکان یہی تھا کہ ہم اس جگہ سے کبھی زندہ بچ کر نہ نکلتے، تم ٹھیک کہتے ہو، ڈاکٹر نے کہا، میں ظاہر یہی کروں گا کہ میں نے یہ سب باتیں پوری طرح سوچی تھیں، تمہیں بھولنا نہیں چاہیے ڈاکٹر کہ تھوڑی دیر پہلے تم نے مجھے کیا بتایا تھا، کیا کہا تھا میں نے کہ کچھ ہونے والا ہے، وہ ہو چکا لیکن میں نے اُس کا اچھی طرح فائدہ نہ اٹھایا، وہ یقیناً کچھ اور ہوگا، یہ نہیں۔

وہ جب وارڈ میں داخل ہوئے اور وہ تھوڑا سا کھانا پیش کیا جو وہ اُن کے لیے لائے تھے، بعض نے سوچا یہ اُن کا یہ قصور تھا، انہوں نے کیوں احتجاج نہیں کیا اور زیادہ کا مطالبہ کیوں نہیں کیا، اُنہیں اسی لیے گروپ کی نمائندگی کرنے کے لیے چُنا گیا تھا۔ تب ڈاکٹر نے وہاں جو ہوا تھا

اُن کے ساتھ، بیان کیا، اُس نے انہیں اندھے کلرک کے بارے میں بتایا، اندھے پستول بردار نے جو سلوک اُس سے کیا تھا اس کو بیان کیا اور خود پستول کے بارے میں بھی۔ نامطمئنوں نے اپنی آوازیں دھیمی کر لیں، آخر میں اس بات سے اتفاق کیا کہ وارڈ والوں کے مفادات بلاشبہ اچھے ہاتھوں میں ہیں۔ بالآخر کھانا تقسیم کیا گیا، وہاں ایسے بھی تھے جو کسی بے صبرے کو اس بات کی یاد دہانی کرانے سے باز نہ آئے کہ تھوڑا ہونا کچھ نہ ہونے سے بہتر ہے، علاوہ ازیں اب تقریباً دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چکا ہوگا، بدترین بات یہ ہوگی اگر ہمیں اس مشہور گھوڑے کی طرح ہونا پڑا جو اُس وقت مرا جب وہ کھانے کی عادت چھوڑ بیٹھا تھا، کسی نے خیال ظاہر کیا، دوسروں کے چہروں پر پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور ایک نے کہا کہ اگر یہ سچ ہے کہ گھوڑے کو اپنے مرنے سے پہلے پتہ نہیں ہوتا کہ وہ مرنے والا ہے تو یہ اتنا بُرا بھی نہ ہوگا۔

۱۰

سیہ پیوند والا بوڑھا آدمی سمجھ گیا تھا کہ دستی ریڈیو کو نہ صرف اس کے کمزور ڈھانچے کی وجہ سے بلکہ یہ سوچ کر بھی کہ یہ زیادہ دیر چلنے والا تو ہے نہیں، اُن قیمتی اشیا کی فہرست سے باہر رکھا جائے گا، جنہیں کھانے کی قیمت ادا کرنے کی غرض سے اُن لوگوں کے حوالے کیا جانا تھا، اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ ریڈیو سیٹ کی افادیت کا انحصار اوّل تو اس بات پر تھا کہ آیا اُس میں بیٹریاں ہیں بھی یا نہیں، دوسرے اس پر کہ اگر ہیں تو کتنے دن چلیں گی، ننھے بکسے سے ابھی تک آتی بھاری اور کھُردری آوازوں کو دیکھ کر تو اس سے کچھ زیادہ کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس لیے اُس نے فیصلہ کیا کہ اب اور عام نشریات نہ ہی سُنی جائیں، علاوہ ازیں ہوسکتا ہے کہ بائیں حصے کے تیسرے وارڈ والے اندھے لوگ آدھمکیں اور اسے کسی اور نقطۂ نظر سے دیکھیں، اس کی مادی قدر و قیمت کی وجہ سے نہیں جو فی الوقت نہ ہونے کے برابر تھی، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، بلکہ اس کی فوری افادیت کی وجہ سے جو بلاشبہ قابلِ ذکر تھی، اس کارآمد مفروضے کا ذکر کیے بغیر کہ جہاں کم از کم ایک بندوق ہے ہوسکتا ہے وہاں تو پیں بھی ہوں۔ چنانچہ سیہ پیوند والے بوڑھے نے کہا کہ اب سے وہ اپنے سر کو مکمل طور پر ڈھانپ کر اور کمبل کے اندر خبریں سُنا کرے گا اور کوئی دلچسپ خبر ہوگی تو وہ دوسروں کو فوراً ہوشیار کردے گا۔ کالے چشمے والی لڑکی نے اُس سے کہا، کہ وہ کبھی کبھی اُسے تھوڑی سی موسیقی تو سننے کی اجازت دیدے، اس کی دلیل یہ تھی کہ

کہیں اُسے موسیقی بھول ہی نہ جائے لیکن بوڑھا ٹس سے مَس نہ ہوا، وہ مُصر رہا کہ باہر کے حالات کا جاننا زیادہ ضروری تھا، اگر کسی کو موسیقی سُننے کی ضرورت ہے تو وہ اُسے اپنے ذہن میں سُن سکتا ہے، آخر ہمارے حافظے کا کوئی اچھا مصرف بھی ہونا چاہیے۔ سیہ پیوند والا بوڑھا ٹھیک کہتا تھا، ریڈیو پر آنے والی موسیقی کسی دُکھ بھری یاد کی طرح ناگوار لگتی تھی، اسی لیے جب وہ خبروں کا انتظار کر رہا ہوتا تو آواز کو ممکنہ حد تک دھیما رکھتا تھا۔ پھر آواز کو تھوڑا اونچا کرلیتا اور توجہ سے خبریں سننے لگتا تا کہ کہیں کوئی حرف سُننے سے رہ نہ جائے۔ پھر وہ اپنے الفاظ میں خبروں کا خلاصہ کرتا اور اپنے قریبی پڑوسیوں کو سنا دیتا، اور یوں ایک بستر سے دوسرے بستر تک خبر آہستہ آہستہ گردش کرتی پورے وارڈ میں پھیل جاتی، اس طور کہ سنانے والے کی ذاتی امید پرستی یا قنوطیت پسندی کے مطابق، تفاصیل کو کم کرتی یا بڑھاتی، ایک سے دوسرے تک پہنچتے ہوئے مسخ ہوتی چلی جاتی۔ یہاں تک کہ الفاظ بیکار ہوجاتے اور سیہ پیوند والے بوڑھے کے پاس کہنے کو کچھ نہ رہ جاتا اور یہ اس لیے نہیں کہ ریڈیو نے کام کرنا بند کردیا تھا یا بیٹریاں پوری طرح استعمال ہوچکی تھیں، زندگی اور زندگیوں کے تجربے سے یقینی طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ وقت کو کوئی مطیع نہیں کرسکتا، ریڈیو سیٹ کے زیادہ دیر تک چلنے کا امکان نہیں تھا، لیکن اس کے بند ہونے سے پہلے ہی کوئی خاموش ہوگیا۔ اندھے ٹھگوں کے چُنگل میں گزرنے والا یہ پورے کا پورا دن، سیہ پیوند والے بوڑھے نے خبریں سُننے میں گزار دیا، دوسروں تک خبریں پہنچانے اور صریحاً جھوٹی امید پرستانہ پیشینگوئیوں کو رد کرنے میں جن کا سرکاری طور پر اظہار کیا جا رہا تھا، اور اب کافی رات گئے، وہ کمبل سے اپنا سر باہر نکالے، احتیاط کے ساتھ اس خرخراہٹ کو سُن رہا تھا، جس میں ریڈیو کی کم ہوتی ہوئی طاقت نے، اناؤنسر کی آواز کو تبدیل کردیا تھا کہ اچانک اُس نے اناؤنسر کو پکارتے سُنا، میں اندھا ہوگیا ہوں، پھر مائیکروفون کے ساتھ کسی چیز کے ٹکرانے کی آواز، تیز اور ملی جُلی اصوات کا ایک سلسلہ، استفہامیہ کلمات، پھر اچانک خاموشی چھا گئی۔ واحد ریڈیو اسٹیشن جسے وہ اپنے ریڈیو سیٹ پر پکڑنے کے قابل ہوسکا تھا، اب خاموش تھا۔ کچھ دیر تک سیہ پیوند والے بورھے نے بکسے کے ساتھ کان لگائے رکھا، جو اب ساکن ہوچکا تھا، جیسے اناؤنسر کی

واپسی اور خبروں کے جاری رہنے کا انتظار کر رہا ہو، بہر حال اسے احساس ہوگیا یا وہ جان گیا کہ اب یہ واپس نہیں آئے گا۔ سفید بیماری نے صرف اناؤنسر کو اندھا نہیں کیا۔ بارود کی ایک تار کی طرح، یہ تیزی کے ساتھ اور سلسلہ وار اُن تمام لوگوں تک پہنچی جو اتفاق سے اُس وقت سٹوڈیو میں موجود تھے۔ تب سیہ پیوند والے بوڑھے نے ریڈیو کو فرش پر گرا دیا۔ اگر اندھے ٹھگ چھپائے ہوئے جواہرات کو سُونگھتے ہوئے اِدھر آ نکلتے، تو انہیں بہانہ مل جاتا، یہ کہنے کا، اگر یہ خیال اُن کے ذہن میں آ جاتا کہ قیمتی اشیا کی فہرست میں یہ دستی ریڈیو شامل نہیں تھا۔ سیہ پیوند والے بوڑھے نے کمبل کو اپنے سر کے اوپر کھینچ لیا تا کہ آزادی سے رو سکے۔

رفتہ رفتہ مدھم لیمپوں کی زردی مائل دھندلی روشنی کے نیچے، وارڈ ایک گہری نیند کے اندر اُتر گیا، جسم اُس دن کے تین کھانوں سے آسودہ جس کا پہلے شاذ و نادر ہی موقع ملا تھا۔ اگر چیزیں اسی طرح چلتی رہیں تو ہم بالآخر اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ بدترین مصیبتوں میں بھی اچھائی کا کوئی ایسا پہلو نکل آنا ممکن ہے جو آدمی کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ اُن کو تحمل کے ساتھ برداشت کر سکے، جس کا اطلاق اگر موجودہ صورت حال پر کیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ پہلی اضطراب انگیز پیش گوئیوں کے برخلاف، خوراک کی سپلائی، اسے مختص کرنے اور تقسیم کرنے کا کام ایک ہی ذات میں ارتکاز، مثبت پہلو بھی رکھتا تھا۔ چاہے بعض تخیل پرست کتنا بھی احتجاج کیوں نہ کریں کہ وہ زندگی کی جدوجہد کو، اپنے وسائل سے جاری رکھنے پر ترجیح دیتے، بھلے اُن کی ہٹ دھرمی کا مطلب بھوکے ہی رہنا کیوں نہ ہوتا۔ آنے والے کل کے بارے میں تردد کیے بغیر یہ بھولتے ہوئے کہ پیشگی قیمت ادا کر دینے والا ہمیشہ نقصان میں رہتا ہے، تمام وارڈوں میں اندھے نظر بندوں کی اکثریت گہری نیند سوئی۔ دوسرے بھی جو پیش آمدہ صعوبتوں سے باہر نکلنے کا کوئی باعزت راستہ تلاش کرتے کرتے تھک چکے تھے، ایک ایک کر کے سو گئے، ان سے بہتر دنوں کے خواب دیکھتے، زیادہ آزادی کے دنوں کے، چاہے وہ زیادہ افراط کے بھی نہ ہوں۔

دائیں طرف کے پہلے وارڈ میں صرف ڈاکٹر کی بیوی ابھی تک جاگتی تھی، اپنے بستر پر لیٹی وہ اُس بات کے بارے میں سوچ بچار کر رہی تھی جو اُس کے خاوند نے اُسے بتائی تھی جب ایک لمحے

کے لیے اُسے شک ہوا کہ اندھے چوروں کے درمیان کوئی ایسا بھی تھا جو دیکھ سکتا تھا جس سے وہ جاسوس کا کام بھی لے سکتے تھے۔ عجیب بات ہے کہ ان کے درمیان یہ موضوع دوبارہ زیر بحث نہیں آیا۔ ڈاکٹر کو جیسے اس بات کا خیال ہی نہیں آیا تھا، شاید اپنی بیوی کے اب تک دیکھ سکنے کا عادی ہونے کی وجہ سے۔ اُس کی بیوی کے ذہن سے یہ گزرا تھا، لیکن اس نے کچھ کہا نہیں، واضح الفاظ منہ سے نکالنے کی اُسے کوئی خواہش نہیں تھی، تاہم جو وہ نہیں کر سکتا میں کر سکتی ہوں۔ وہ کیا ہے، ڈاکٹر پوچھتا، یوں بنتے ہوئے جیسے وہ سمجھ نہ پایا ہو۔ اب دیوار سے لٹکتی قینچی پر اپنی نظریں جمائے، ڈاکٹر کی بیوی اپنے آپ سے پوچھ رہی تھی کیا فائدہ ہے میری بینائی کا، اس بینائی نے اُسے ایسے ایسے ہولناک منظر دکھائے تھے، جن کا وہ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے اُسے قائل کر لیا تھا کہ اندھا ہو جانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ احتیاط سے جنبش کرتی، وہ بستر پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس کے بالمقابل کالے چشمے والی لڑکی اور بھینگا لڑکا سو رہے تھے، دونوں کے پلنگ بالکل ساتھ ساتھ لگے تھے، کالے چشمے والی لڑکی نے اپنا پلنگ آگے سرکا لیا تھا، لڑکے کو جتنے دلاسے، یا ماں کی غیر موجودگی میں کسی آنسو پونچھنے والے کی ضرورت تھی، یقیناً اُس سے بھی زیادہ قریب۔ میں نے اس کے بارے میں پہلے کیوں نہیں سوچا، میں بھی اپنے پلنگ ساتھ ساتھ لگا سکتی تھی اور ہم اکٹھے سو سکتے تھے، اُس مستقل پریشانی کے بغیر کہ کہیں وہ بستر سے نہ گر جائے۔ اُس نے اپنے خاوند کی طرف دیکھا جو جلد ہی سو گیا تھا اور تھکن کی وجہ سے اب گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ ابھی اپنے آپ کو اس بات پر آمادہ نہ کر پائی تھی کہ اپنے خاوند کو بتا دے کہ وہ قینچی بھی ساتھ لیتی آئی تھی، انہی دنوں میں کسی دن وہ اُس کی داڑھی بنائے گی، ایسا کام جو ایک اندھا آدمی بھی کر سکتا ہے، اگر بلیڈ کو اپنی جِلد کے زیادہ قریب نہ لائے۔ اُسے قینچی کے ذکر نہ کرنے کا اچھا بہانہ مل گیا ہے، ورنہ بعد میں یہاں کے تمام مرد مجھے دِق کرتے اور میں سوائے داڑھیاں مُونڈنے کے اور کوئی کام نہ کر سکتی۔ اُس نے بستر سے اپنا جسم باہر لٹکایا، پاؤں فرش پر ٹِکائے اور اپنی جُوتیاں ڈھونڈنے لگی۔ وہ اُن میں پاؤں ڈالنے ہی والی تھی کہ رُک گئی، انہیں غور سے دیکھا پھر اپنا سر ہلایا اور شور کیے بغیر اُنہیں واپس رکھ دیا۔ وہ بستروں کے درمیانی

راستے کے ساتھ ساتھ گزرتی، آہستگی کے ساتھ وارڈ کے دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ اُس کے ننگے پیر فرش کے بول و براز سے مس ہو رہے تھے لیکن اُسے معلوم تھا کہ آگے گیلریوں میں حال اس سے بھی بدتر ہوگا۔ وہ دونوں جانب نگاہ ڈالتی رہی یہ دیکھنے کے لیے کہ کہیں کوئی اندھا نظر بند جاگ تو نہیں رہا، اگرچہ چاہے ان میں چند شب بیدار ہوتے یا پورا وارڈ ہی، جب تک وہ شور پیدا نہ کرتی کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا اگر وہ شور پیدا کرتی بھی، تو ہم جانتے ہیں کہ ہماری جسمانی ضرورتیں کتنی شدید ہوسکتی ہیں اُن کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں، مختصر یہ وہ دراصل یہ نہیں چاہتی تھی کہ اُس کا خاوند جاگ اُٹھے اور اُس کی غیر موجودگی کو بروقت محسوس کرتے ہوئے اُس سے پوچھے تم کہاں جا رہی ہو، پہلا سوال جو غالباً تمام خاوند اپنی بیویوں سے اکثر پوچھتے ہیں، دوسرا یہ کہ تم کہاں تھیں، اندھی عورتوں میں سے ایک عورت اپنے بستر پر سیدھی بیٹھی تھی، اُس کے کندھے پلنگ کے سرہانے والے تختے پر ٹکے ہوئے تھے اور اُس کی خالی نظریں سامنے والی دیوار پر مرکوز تھیں، لیکن وہ اُسے دیکھ نہ سکتی تھی۔ ڈاکٹر کی بیوی نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا، جیسے غیر یقینی کی حالت میں ہو کہ اُس غیر مرئی تار کو چھوئے کہ نہ چھوئے، جو فضا میں ڈول رہا تھا، جیسے ہلکا سا لمس بھی اُسے ہمیشہ کے لیے تباہ کردے گا۔ اندھی عورت نے اپنا بازو اُٹھایا، اس نے ماحول میں یقیناً کسی نازک سے ارتعاش کو محسوس کیا ہوگا، پھر اُس نے اپنا بازو گر جانے دیا، جیسے اب اُسے دلچسپی نہ رہی ہو، اپنے پڑوسی کے خراٹوں کی وجہ سے اُس کا سو نہ سکنا ہی اُس کے لیے کافی تھا۔ ڈاکٹر کی بیوی دروازے کے پاس پہنچ کر اور بھی جلدی جلدی چلنے لگی ہال وے کی جانب بڑھنے سے پہلے اُس نے اس حصے کے دوسرے وارڈوں کی طرف لے جانے والی گیلری کے دونوں طرف دیکھا، یہ گیلری اور آگے جاکر بیت الخلاؤں کی سمت اور آخر میں باورچی خانے اور طعام خانے تک لے جاتی تھی۔ دیواروں کے ساتھ ساتھ، اندھے نظر بند لیٹے ہوئے تھے، وہ جو یہاں آنے پر بستر حاصل کرنے میں ناکام رہے تھے یا اس لیے کہ ہلّے کے وقت وہ پیچھے رہ گئے تھے، یا اُن میں مقابلہ کرنے اور لڑائی جیتنے کی طاقت نہ تھی۔ کوئی دس گز پرے، ایک اندھا مرد ایک اندھی عورت کے اوپر چڑھا ہوا تھا، اُس کی ٹانگوں کے درمیان پھنسا

ہوا تھا، وہ ممکنہ حد تک احتیاط کر رہے تھے، دونوں محتاط قسم کے لوگ تھے لیکن جس کام میں مصروف تھے اُسے جاننے کے لیے زیادہ سماعت کی ضرورت نہ ہوتی، خاص طور پر جب پہلے والا اور پھر دوسرا اپنی آہوں اور کراہوں کو اور ضبط نہ کرسکا، چند مہمل کلمات جو آثار تھے کہ کھیل اب اپنے ختم پر ہے۔ انہیں دیکھنے کے لیے ڈاکٹر کی بیوی جہاں تھی وہیں ٹھہر گئی، رشک کی وجہ سے نہیں، اُس کا خاوند تھا جو اُس کی تشفی کردیتا تھا، لیکن کسی اور ہی عالمِ تصور کے پیش نظر، جس کو وہ کوئی نام نہ دے سکتی تھی، شاید ہمدری کا احساس جیسے وہ ان سے کہنے کا سوچ رہی ہو کہ میری موجودگی کی پرواہ نہ کرو میں بھی جانتی ہوں کہ اس کے کیا معنی ہیں، لگے رہو، شاید دردمندی کا احساس، چاہے مستی و سرشاری کا یہ اعلیٰ ترین لمحہ، تمہاری پوری زندگی پر ہی محیط کیوں نہ ہو، تم کبھی ایک جان نہ ہوسکو گے۔ دونوں اندھے مرد عورت اب آرام کر رہے تھے، ایک دوسرے سے الگ، ایک دوسرے کے ساتھ لیٹے لیکن ابھی تک ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے، دونوں نوجوان تھے، شاید ایک دوسرے سے محبت بھی کرتے ہوں، جو سینما دیکھنے گئے اور وہاں اندھے ہوگئے، یا شاید کوئی معجزاتی اتفاق انہیں اکٹھے اس جگہ لے آیا تھا، انہوں نے ایک دوسرے کو پہچانا کیسے ہوگا؟ ایک دوسرے کی آوازوں سے، یہ صرف لہو کی آوازیں ہی نہیں جنہیں آنکھوں کی ضرورت نہیں ہوتی، محبت کی بھی جسے اندھا کہا جاتا ہے، اپنی آواز ہوتی ہے، قرینِ قیاس یہی ہے کہ وہ ایک ہی وقت تحویل میں لیے گئے تھے، تو پھر، اُن کے ہاتھ کوئی آج نہیں ملے، یہ تو ابتدا ہی کے ملے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر کی بیوی نے آہ بھری، ہاتھ اٹھا کر آنکھوں سے لگائے، اُسے دیکھنے میں دقّت پیش آرہی تھی، لیکن وہ سراسیمہ نہیں ہوئی، وہ جانتی تھی کہ یہ صرف آنسو ہیں۔ پھر وہ اپنی راہ چلنے لگی۔ ہال وے میں پہنچنے پر صحن کی طرف جانے والے دروازے میں گئی۔ باہر دیکھا۔ پھاٹک کے پیچھے روشنی تھی، جس میں ایک فوجی سپاہی کا تاریک سلہوٹ نظر آرہا تھا۔ سڑک کے دوسری طرف کی عمارتیں پوری کی پوری اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھیں، وہ باہر والی سیڑھیوں کے اوپر چلی گئی۔ وہاں کوئی خطرہ نہ تھا۔ فوجی سپاہی کو، اُس کے سائے کا اگر پتہ بھی چل جاتا تو وہ اس وقت تک

گولی نہ چلاتا، جب تک اُس غیر مرئی لکیر کے اُدھر سے، جو اُس سپاہی کے لیے اُس کی سلامتی کی سرحد تھی، خبردار کرنے کے باوجود وہ سیڑھیاں اُتر کر اُس کے زیادہ قریب نہ چلی جاتی۔ وارڈ کے مسلسل شور کی عادی ہونے کی وجہ سے اُسے خاموشی عجیب لگی، ایک خاموشی، جو ایک غیاب کی جگہ پر قابض لگتی تھی، جیسے انسانیت، پوری انسانیت غائب ہو چکی تھی اور پیچھے صرف ایک روشنی چھوڑ گئی تھی اور اُس پر پہرہ دینے والا ایک سپاہی۔

وہ زمین پر بیٹھ گئی، دروازے کے کِواڑ سے کمر لگائے، اُسی پوز میں جس میں اُس نے اندھی عورت کو بیٹھے دیکھا تھا اور اُسی کی طرح سامنے دیکھتی ہوئی۔ رات میں خنکی تھی، ہوا عمارت کے بیرونی رُخ کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی، اچھا تو ابھی اس دنیا میں ہوا باقی ہے۔ رات کالی ہے، یہ وہ اپنے بارے میں نہیں سوچ رہی تھی، وہ تو اندھوں کے بارے میں سوچ رہی تھی جن کے لیے دن کبھی ختم ہی نہ ہوتا تھا۔ روشنی پر ایک اور سلہوٹ نمودار ہوا، غالباً یہ پہرے دار کا بدل تھا، پہلا پہرے دار اپنے خیمے کی طرف کچھ دیر سونے کے لیے جانے سے پہلے اُس سے کہہ رہا ہوگا، کوئی قابلِ ذکر بات نہیں، دونوں میں سے کسی کے وہم و گمان میں نہ تھا کہ دروازے کے پیچھے کیا ہوا ہوگا، غالباً گولی چلنے کی آواز بھی سنائی نہ دی ہوگی، ایک عام پستول زیادہ شور نہیں کرتا۔ قینچی تو اس سے بھی کم، ڈاکٹر کی بیوی نے سوچا۔ اُس نے خود سے یہ پوچھنے پر وقت ضائع نہیں کیا کہ ایسا خیال آیا کہاں سے تھا۔ وہ تو صرف اُس کی سست رفتاری پر حیران تھی۔ اِس پر کہ پہلے لفظ نے نمودار ہونے میں کتنی دیر لگائی تھی اور اس کے بعد آنے والے لفظوں کی سست رفتاری پر اور خود اُسے کیسے معلوم ہوا کہ خیال تو پہلے سے وہیں کہیں موجود تھا اور صرف الفاظ غائب تھے، ایک جسم کی مثال جو بستر میں اس پولی جگہ کو ڈھونڈتا ہو جو اُس کے لیے محض لیٹنے کے خیال سے بنائی گئی ہو۔ سپاہی پھاٹک کی طرف بڑھا، اگرچہ وہ روشنی کے بالمقابل کھڑا ہے، صاف لگتا ہے کہ وہ اسی طرف دیکھ رہا ہے، اُس نے یقیناً بے حرکت سائے کو دیکھ لیا ہے، اگرچہ فی الوقت اتنی روشنی نہیں ہے کہ وہ زمین پر بیٹھی ہوئی ایک عورت کو دیکھ سکے، جس نے اپنی ٹانگوں کو بازوؤں میں لے رکھا ہے اور ٹھوڑی کو گھٹنے پر ٹکائے ہوئے ہے، سپاہی اُس پر ٹارچ کی

شعاعیں ڈالتا ہے، اب شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی، یہ ایک عورت ہے جو اُٹھنے ہی والی ہے، اپنے سابقہ خیال کی ایسی سست روی کے ساتھ، لیکن سپاہی کو اس کا کیا علم، وہ تو بس اتنا جانتا ہے کہ وہ عورت کے اُس پیکر سے خوفزدہ ہے جس کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں زمانے لگ جائیں گے، دفعتاً وہ خود سے پوچھتا ہے، آیا اُسے خطرے کی گھنٹی بجانی چاہیے، اگلے ہی لمحے فیصلہ کرتا ہے کہ نہیں، وہ ایک عورت ہی تو ہے اور ہے بھی تھوڑی پرے، پھر بھی احتیاطاً وہ اپنے ہتھیار کا رُخ اُس کی جانب کرتا ہے، لیکن اس کے لیے اسے ٹارچ کو ایک طرف رکھنا تھا وہ ایسا کر رہا تھا کہ ایک منور شعاع سیدھی اُس کی آنکھ میں پڑی ایک اچانک جلن کی طرح، چکا چوند ہو جانے کا ایک تاثر اس کی آنکھ کے پردے پر باقی رہ گیا۔ جب اُس کی بصارت واپس آئی تو عورت غائب ہو چکی تھی، اب یہ پہرے دار سپاہی اپنے بدل سے نہ کہہ سکے گا، کوئی قابلِ ذکر بات نہیں۔ ڈاکٹر کی بیوی عمارت کے بائیں ہاتھ والے حصے میں پہنچ چکی ہے، اُس گیلری میں، جو اُسے تیسرے وارڈ کی طرف لے جائے گی۔ یہاں بھی اندھے نظربند فرش پر سو رہے ہیں، دائیں حصے میں سونے والوں سے تعداد میں زیادہ۔ وہ ہولے ہولے، کوئی آواز پیدا کیے بغیر چل رہی ہے، فرش پر غلاظت اسے اپنے پیروں سے چپکتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔ وہ پہلے دونوں وارڈوں کے اندر جھانک کر دیکھتی ہے اور وہاں اُسے وہی نظر آتا ہے جس کی اُسے توقع تھی، کمبلوں کے نیچے لیٹے ہوئے جسم وہاں ایک اندھا آدمی ہے، اُسے بھی نیند نہیں آتی اور وہ اپنی گھبرائی آواز میں یہ کہتا بھی ہے، ڈاکٹر کی بیوی کو وہاں ہر طرف سے خراٹوں کی وقفے وقفے سے اچانک اٹھنے والی بے ہنگم آوازیں سنائی دیتی ہیں، رہی بدبو جو اِن سب چیزوں سے آ رہی ہے تو اس پر اُسے کوئی حیرت نہیں ہوتی پوری عمارت میں اور کوئی بُو ہے ہی نہیں، یہ اُس کے اپنے جسم کی بدبو ہے، اُن کپڑوں کی جنھیں وہ پہنے ہوئے ہے۔ وہ تیسرے وارڈ کی گیلری کا وہ موڑ مڑی ہی تھی جہاں سے وہ وارڈ کے اندر جا سکتی تھی، کہ رُک گئی۔ دروازے پر ایک آدمی کھڑا ہے، ایک اور محافظ۔ ہاتھ میں ڈنڈا پکڑے، جسے وہ دائیں بائیں لہرا رہا ہے جیسے امکانی طور پر گھس آنے والے کسی بھی شخص کا راستہ روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔ یہاں کوئی اندھا نظربند فرش

پر نہیں سو رہا اور گیلری خالی ہے، دروازے پر کھڑا اندھا آدمی اپنی کارروائی کو یکسانیت کے ساتھ جاری رکھے ہوئے ہے، لگتا ہے وہ کبھی نہیں تھکے گا، لیکن ایسا نہیں ہے، کئی منٹوں کے بعد وہ اپنے ڈنڈے کو دوسرے ہاتھ میں پکڑتا ہے اور پھر شروع ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر کی بیوی، دوسری طرف والی دیوار کے نزدیک رہتے ہوئے آگے بڑھی، اس بات کا خیال رکھتے ہوئے کہ کہیں دیوار سے رگڑ نہ کھا جائے، ڈنڈے کا بنایا ہوا خم کشادہ گیلری کے نصف تک بھی نہیں پہنچتا، کسی کو یہ کہنے کا خیال آ سکتا ہے کہ یہ محافظ، گولیوں سے خالی بندوق کے ساتھ پہرہ دے رہا ہے۔ ڈاکٹر کی بیوی اب اندھے آدمی کے عین سامنے کھڑی ہے، وہ اپنے پیچھے وارڈ کو دیکھ سکتی ہے۔ سارے بستر پُر نہیں ہیں۔ یہاں کتنے ہوں گے، اس نے تعجب کا اظہار کیا۔ وہ تھوڑا اور آگے بڑھی تقریباً اس نقطے تک جہاں اُس کے ڈنڈے کی رسائی ممکن تھی اور یہاں رُک گئی، جہاں وہ کھڑی تھی اندھے آدمی نے اپنا رُخ اُس طرف کیا جیسے اُس نے کوئی خلافِ معمول چیز سُونگھ لی ہو، کوئی آہ، فضا میں کوئی ارتعاش۔ وہ ایک لمبا تڑنگا آدمی تھا، بڑے بڑے ہاتھوں والا، اس نے پہلے اپنا ڈنڈے والا ہاتھ آگے کیا اور اُسے تیزی کے ساتھ اپنے سامنے والے خلا میں پھیرا، پھر ایک چھوٹا سا قدم اٹھایا، ڈاکٹر کی بیوی ڈری کہ کہیں وہ اسے دیکھ تو نہیں سکتا، اُس پر حملہ کرنے کے لیے کسی بہتر جگہ کی تلاش میں تو نہیں، یہ آنکھیں اندھی نہیں ہیں، اُس نے گھبراہٹ میں سوچا ہاں، بے شک وہ اندھی تھیں، اُتنی ہی اندھی، جتنی اس چھت کے نیچے ان دیواروں کے درمیان رہنے والے تمام اندھوں کی تھیں، اُن سب کی، اُن سب کی سوائے اُس کے۔ انتہائی دھیمی آواز میں تقریباً سرگوشی میں، آدمی نے پوچھا، کون ہے؟ وہ کسی حقیقی پہرے دار کی طرح چلّایا نہیں، کون جا رہا ہے، دوست یا دشمن، مناسب جواب ہوتا، دوست، جس پر وہ کہتا گزر جاؤ لیکن ذرا فاصلے پر رہو، بہرحال یہ سب ہوا نہیں، اُس نے بس اپنا سر ہلایا، جیسے دل میں کہہ رہا ہو، کیا حماقت ہے، یہاں کون ہو سکتا ہے، اس وقت تو ہر کوئی سو رہا ہے۔ اپنے دوسرے خالی ہاتھ سے ٹٹولتا ہوا وہ دروازے کی طرف واپس چلا گیا، اور اپنے ہی الفاظ سے مطمئن ہو کر اُس نے بازو لٹکا دیے۔ اُس پر نیند طاری ہو رہی تھی، وہ کتنے زمانوں سے اپنے کسی ساتھی کا منتظر تھا جو آ کر

اُس کی جگہ لے سکے، لیکن ایسا ہونے کے لیے ضروری تھا کہ دوسرا اپنے فرض کی اندرونی آواز کو سُنتے ہوئے، از خود جاگ کر اُٹھ کھڑا ہو، کیونکہ یہاں نہ الارم کلاک تھے نہ ہی انہیں بروئے کار لانے کے لیے وسائل۔ احتیاط کے ساتھ ڈاکٹر کی بیوی دروازے کے دوسری طرف پہنچی اور اندر جھانک کر دیکھا۔ وارڈ پورا بھرا ہوا نہیں تھا۔ اُس نے تیزی سے حساب لگایا، اس نتیجے پر پہنچی کہ کوئی اُنیس یا بیس لوگ ہوں گے۔ آخری سرے پر اُسے خوراک کے بہت سے ڈبے نظر آئے، جو ایک دوسرے پر، اوپر تک رکھے تھے، باقی خالی پلنگوں پر پڑے تھے۔ جیسا کہ اُن سے توقع کی جاتی تھی، وہ جتنا کھانا وصول کرتے ہیں اُسے پورے کا پورا تقسیم نہیں کرتے، اُس نے سوچا۔ لگتا تھا اندھا آدمی پھر فکرمند ہو رہا ہے، لیکن اس نے تفتیش کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وقت گزرتا رہا۔ اندر سے کسی کے زور سے کھانسنے کی آواز سنائی دی، یقیناً کوئی بڑا بھاری سگرٹ نوش ہوگا۔ اندھے آدمی نے تشویش کے ساتھ اپنا سر موڑا، آخر کار اسے تھوڑی نیند میسر آ سکے گی۔ بستروں میں لیٹے ہوؤوں میں سے کوئی بھی نہ اُٹھا۔ تب اندھا آدمی جیسے ڈرتا ہو کہ وہ لوگ اُسے اپنی جگہ پر نہ ہونے کی صورت میں یا اُن تمام قوانین کی جن کی تعمیل پہرے دار کی ذمے داری ہوتی ہے، خلاف ورزی کرتے ہوئے دیکھ کر کہیں اچانک نہ آ پکڑیں، آہستہ سے اُس پلنگ کے کنارے پر ٹِک گیا، جو اندر آنے والے راستے میں رکاوٹ پیدا کرنے کے لیے رکھا گیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے وہ سر ہلاتا رہا، پھر وہ نیند کے دریا کی تاب نہ لا سکا اور ڈوبتے وقت اُس نے یقینی طور پر سوچا ہوگا، کیا مضائقہ ہے، مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ ڈاکٹر کی بیوی نے اندر سوئے ہوؤوں کو ایک بار پھر گِنا، پہرے دار سمیت وہ بیس ہیں، کم از کم اُس نے کچھ حقیقی معلومات حاصل کر لی تھیں، اُس کا شبانہ سفر رائیگاں نہیں گیا تھا، لیکن کیا میرے یہاں آنے کی صرف یہی وجہ تھی، اس نے خود سے پوچھا اور اُس نے جواب کی کھوج میں نہ جانے کو ترجیح دی۔ اندھا آدمی سو رہا تھا، دروازے کے کواڑ پر سر کو ٹکائے، اس کا ڈنڈا خاموشی سے پھسل کر فرش کی طرف چلا گیا تھا، وہاں ایک نہتا اور بے بس آدمی تھا، جس کی مدد کے لیے کوئی کمک بھی موجود نہ تھی۔ ڈاکٹر کی بیوی شعوری طور پر یہ سوچنا چاہتی تھی کہ اس آدمی نے کھانا چرایا تھا،

قانون کے مطابق جس پر دوسروں کا حق تھا اور یہ کہ اُس نے بچوں کے منہ سے نوالہ چھینا تھا، لیکن ان خیالات کے باوجود، اُس نے کوئی حقارت محسوس نہیں کی، معمولی سی جھلاہٹ بھی نہیں، کچھ نہیں سوائے ایک عجیب رحم دلی کے، اُس مضمحل جسم کے لیے جو اُس کے سامنے پڑا تھا، سر پیچھے کی طرف ڈھلکا ہوا، پھولی ہوئی رگوں سے بھری لمبی گردن۔ جب سے وہ اپنے وارڈ سے نکلی تھی، پہلی بار اُس نے اپنے اندر ایک سرد کپکپی دوڑتی محسوس کی، یوں لگتا تھا جیسے پتھر کی سِلیں اس کے پیروں کو برف میں تبدیل کر رہی ہوں جیسے انہیں جلایا جا رہا ہو۔ خدا نہ کرے یہ بخار ہو، اُس نے سوچا۔ یہ بخار نہیں ہوسکتا تھا، غالباً یہ کوئی بیکراں تھکن تھی، اپنے اندر کُنڈل مار کر بیٹھنے کی تمنا، اُس کی آنکھیں خاص طور پر اُس کی آنکھیں، اُس کے باطن کی طرف مُڑنے لگیں، آگے، آگے اور آگے، حتیٰ کہ وہ اس کے اپنے دماغ میں پہنچ کر اندر سے اُس کا مشاہدہ کرسکتی تھیں، وہاں جہاں چشم برہنہ کے لیے دیدن و نادیدن میں فرق باقی نہیں رہتا۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے جسم کو گھسیٹتے ہوئے اُنہی قدموں پر چلتی ہوئی اُسی جگہ آ گئی جس سے اُس کا تعلق تھا، وہ اندھے نظربندوں کے قریب سے گزری، جو خواب میں چلنے والوں کی طرح لگتے تھے، جیسے یقیناً وہ خود بھی اُنہیں لگتی ہوگی، اُسے جھوٹ مُوٹ کی اندھی بھی نہیں بننا پڑا۔ اندھے پریمی اب ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے نہیں تھے، وہ سوئے ہوئے تھے اور پاس پاس گٹھری بنے پڑے تھے عورت گرم رہنے کے لیے مرد کے جسم کے بنائے ہوئے خم میں، زیادہ قریب سے دیکھنے پر پتہ چلتا تھا کہ انہوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ تھام رکھا ہے، بااین ہمہ، مرد کا بازو عورت کے جسم پر تھا اور ان کی انگلیاں باہم پیوست۔ وہاں وارڈ کے اندر وہ اندھی عورت جسے نیند نہیں آتی تھی اب بھی اپنے بستر میں سیدھی بیٹھی ہوئی تھی، اُس وقت کے انتظار میں جب وہ اتنی تھک جائے کہ اُس کا جسم بالآخر اُس کے ضدی دماغ پر غلبہ پالے۔ دوسرے تمام لوگ، لگتا تھا سو رہے ہیں، بعض نے اپنے سروں کو ڈھانپ رکھا تھا، جیسے وہ اب بھی کسی محال تاریکی کی تلاش میں ہوں۔ کالے چشمے والی لڑکی کے بستر کے پاس والی میز پر آنکھوں میں ڈالنے والے قطروں کی بوتل رکھی تھی، اُس کی آنکھیں بہتر ہو چکی تھیں، لیکن وہ کیسے جانتی۔

11

اگر کسی اچانک حاصل ہوجانے والی بصیرت کی وجہ سے جو اُس کے شکوک مٹا ڈالتی، بدمعاشوں کے ہتھیائے ہوئے مال و متاع کا حساب کتاب رکھنے پر مامور اندھے آدمی نے، اپنے تختۂ تحریر موٹے کاغذ اور سوراخ کرنے والے آلے سمیت، دائیں حصے والوں کی طرف چلے جانے کا فیصلہ کیا ہوتا، تو اب وہ یقیناً اُس سبق آموز اور افسوسناک روزنامچے کو لکھنے میں مصروف ہوتا، جس میں اُس کے نئے ساتھیوں کی، جنہیں واقعی اچھی طرح لُوٹا جاچکا تھا، ناکافی غذا اور کئی دوسری احتیاجوں کا احوال درج ہوتا۔ وہ اس بات سے آغاز کرتا کہ جہاں سے وہ آیا تھا وہاں کے ٹھگوں نے نہ صرف یہ کہ عزت دار اندھے مکینوں کو وارڈ سے نکال باہر کیا تا کہ پوری جگہ پر قبضہ جما سکیں، بلکہ مزید برآں بائیں حصے والے دو وارڈوں کے مکینوں کو اس سے ملحقہ بیت الخلاؤں اور غسل خانوں وغیرہ کو استعمال کرنے کی بھی ممانعت کردی تھی۔ وہ لکھتا کہ اس قابلِ نفرین آمریت کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تمام مجبور لوگ اس حصے کے غسلخانوں اور بیت الخلاؤں کی طرف ہجوم کرنے لگے، جس کے نتائج کا کوئی بھی شخص جسے اس جگہ کی پہلے والی حالت یاد ہو، آسانی سے تصور کرسکتا ہے۔ وہ بتاتا کہ اندرونی صحن میں سے اُن اندھے مکینوں کے ساتھ ٹھوکر کھائے بغیر گزرنا ناممکن ہے، جو وہاں اپنی پیچشوں یا قبضوں سے نجات پانے کے لیے بیٹھے ہوتے ہیں، جن کے پیچ و تاب سے توقع تو بہت کی جاتی ہے لیکن حل کوئی نہیں

نکلتا اور چونکہ وہ ایک مشاہدہ کرنے والی روح کا مالک تھا، اس لیے ناکام نہ رہتا، اس صریحی تضاد کا ذکر کرنے میں جو ان لوگوں کو ملنے والی تھوڑی سی خوراک اور وہاں خارج ہونے والے بہت سے بول و براز کے درمیان تھا، جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ علت و معلول کے مشہور تعلق پر، جس کا اکثر حوالہ دیا جاتا ہے، کم از کم عددی اعتبار سے ہمیشہ بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ وہ یہ بھی کہتا کہ وہاں تو اُن چور اُچکّوں کا وارڈ کھانے کے ڈبوں سے بھرا ہوگا، لیکن کوئی دن جاتا ہے کہ یہاں یہ غریب مسکین گندے فرشوں پر سے خوراک کے گرے پڑے ٹکڑے اکٹھے کر رہے ہوں گے۔ نہ ہی وہ اندھا اکاؤنٹنٹ خود بھی اس عمل میں شریک رہنے اور ساتھ ہی ساتھ اُس کی روداد لکھنے کے دوغلے کردار پر بھی لعنت ملامت کرنا بھولتا، اُن اندھے جابروں کے مجرمانہ طرزِ عمل پر بھی نفرین بھیجتا جو خوراک کو خراب ہوجانے دیتے ہیں لیکن اُسے ضرورت مندوں کو نہیں دیتے، جبکہ یہ بھی سچ ہے کہ کھانے کی کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جو ہفتوں خراب نہیں ہوتیں، باقی خاص طور پر پکایا ہوا کھانا اگر اُسے فوراً کھا نہ لیا جائے جلدی ہی بُس جاتا ہے یا اس کو پھپھوندی لگ جاتی ہے اور اس لیے انسانوں کے کھانے کے قابل نہیں رہتا، اگر اس بدقسمت طبقے کو اب بھی انسانوں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ مضمون کو نہیں بلکہ موضوع کو بدلتے ہوئے روزنامچہ نویس لکھتا، زیادہ رنج دلی کے ساتھ کہ یہاں کی بیماریاں محض نظام ہاضمہ ہی سے تعلق نہیں رکھتیں، چاہے اس کا سبب خوراک کی کمی ہو یا کھانے کو اچھی طرح ہضم نہ کرسکنا، یہاں آنے والے لوگ نہ صرف صحت مند تھے، اگرچہ وہ اندھے تھے بلکہ بعض تو لگتا تھا تندرستی سے چھلکے پڑتے ہیں، لیکن اب وہ بھی دوسروں جیسے ہوگئے ہیں، اپنے شکستہ حال بستروں سے خود اُٹھ بھی نہیں سکتے، انفلوئنزا کے مارے، جو خدا جانے کیسے پھیل گیا تھا اور یہاں ان پانچ کے پانچ وارڈوں میں ایسپرن کی ایک گولی تک دستیاب نہیں جو ان کے بخار کو کم کرسکے اور سر درد کی شدت سے نجات دے سکے، جو تھوڑی بہت دوا دارُو کہیں بچی بھی رہ گئی تھی وہ بھی عورتوں کے بیگوں کی جھالروں کو جھاڑنے کے بعد ختم ہوگئی۔ روزنامچہ نویس، احتیاط کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے دوسری تمام بیماریوں کی تفصیلی رپورٹ لکھنے کا خیال ترک کردیتا، جو تقریباً تین سو لوگوں میں سے اکثر کو لاحق تھیں، جنھیں اس

غیرانسانی طبی نظربندی میں رکھا گیا ہے لیکن وہ اُن دو نظربندوں کی حالت کا ذکر کیے بغیر نہ رہ سکتا جن کا سرطان کافی پھیل چکا تھا، اس لیے کہ حکام جب ان اندھوں کو گرفتار کرکے لا رہے تھے تو اُن کے اندر کسی قسم کی انسانی پس و پیش کا شائبہ تک موجود نہ تھا، وہ تو یہ کہتے ہوئے بھی نہیں تھکتے تھے کہ ایک دفعہ جو قانون بن جاتا ہے وہ سب پر برابر لاگو کیا جاتا ہے اور جمہوریت کسی قسم کے ترجیحی سلوک کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ قسمت کا جبر دیکھیے کہ ان تمام طبی نظربندوں میں صرف ایک ڈاکٹر ہے اور وہ بھی ماہرِ امراضِ چشم، جس کی ہمیں ضرورت ہی نہیں تھی۔ اس مقام پر پہنچ کر اندھا اکاؤنٹنٹ اس دکھ درد اور ذلت و خواری کے بیان سے تھک جاتا اور اپنا سوراخ کرنے والا دھات کا آلہ میز پر گرادیتا، پھر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے باسی روٹی کے ایک ٹکڑے کو ڈھونڈتا جو اُس نے ایک طرف رکھ دیا تھا جب وہ وقت کے خاتمے کی رُوداد لکھنے کی ذمہ داری پوری کر رہا تھا، لیکن روٹی کا وہ ٹکڑا اُسے نہ ملتا کیونکہ ایک اور اندھے آدمی نے جس کی قوتِ شامہ زیادہ تیز ہوگئی ہوگی، ہولناک ضرورت کی حالت میں اُسے چُرا لیا تھا۔ تب اپنے جذبۂ اخوت سے دستبرداری کا اعلان کرتے ہوئے وہ بے غرضانہ ترنگ، جو اُسے اس طرف بھگا لائی تھی، اندھا اکاؤنٹنٹ فیصلہ کرتا کہ بہترین طریقِ عمل، اگر اُس کے پاس ابھی وقت تھا، یہ ہوگا کہ وہ بائیں حصے والے تیسرے وارڈ میں واپس چلا جائے، وہاں کم از کم وہ بھوکا تو نہیں رہے گا، چاہے اُن غنڈوں کی ناانصافیوں نے اُس کے اندر اُن کے خلاف دیانتدارانہ نفرت کے جذبات کو کتنا ہی برانگیختہ کیوں نہ کیا ہوتا۔

مسئلہ دراصل یہی ہے۔ جب بھی وہ لوگ جنھیں کھانا لانے کے لیے بھیجا جاتا ہے وہاں سے بہت ہی کم کھانا لے کر وارڈ میں واپس آتے ہیں تو احتجاج کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی شخص اجتماعی اقدام کی تجویز پیش کرتا ہے۔ عوامی مظاہرے کی اپنی عددی قوت کے پُرزور استدلال کی بنا پر جس کی صداقت بارہا ثابت ہوچکی ہے اور منطقی شہادت کی توثیق نے جسے درجۂ کمال تک پہنچا کر ہمیشہ ہی ارادوں کو مصمم کیا ہے، جو بالعموم تو ایک جمع ایک مساوی دو سے زیادہ کے قابل نہیں ہوتا لیکن بعض حالات میں از خود اپنی تعداد میں بے حد و

حساب اضافہ کرنے کی بے پناہ صلاحیت رکھتا ہے۔ بہرحال اندھے مکینوں کے جذبات کو ٹھنڈا پڑنے میں زیادہ دیر نہیں لگی، کسی زیادہ محتاط شخص کا یہ کہنا کافی تھا کہ تجویز کردہ عمل کے مضمرات پر سادہ اور معروضی انداز میں سوچ بچار کیا جانا چاہیے، پُرجوش لوگوں کو بندوقوں کے مہلک اثرات کو بھی یاد رکھنا چاہیے وہ جو پہلے سانحات کو دیکھ چکے ہیں، وہ جانتے ہوں گے اور بتا سکیں گے کہ آگے کیا چیز اُن کی منتظر ہوگی اور جہاں تک رہ جانے والوں کا تعلق ہے وہ اُن حالات کا تصور بھی نہیں کرسکتے جو اس قسم کی صورتِ حال میں امکانی طور پر وقوع پذیر ہوسکتے ہیں، ہم پہلی گولی پر ہی خوفزدہ ہوکر بھاگ کھڑے ہوں گے، ہم میں بہت سے گولیوں سے نہیں بلکہ پاؤں تلے کچلے جانے کی وجہ سے مرجائیں گے۔ آخر ایک مصالحتی فیصلے کی وجہ سے اُن معمول کے نمائندوں کو راشن لانے کے لیے نہیں بھیجا جائے گا جنہیں تمسخر کا نشانہ بنایا جاچکا ہے بلکہ دس یا بارہ لوگوں پر مشتمل ایک بڑا گروپ تشکیل دیا جائے گا جو وہاں جائے اور بیک آواز ہوکر عمومی بے اطمینانی کا اظہار کرنے کی کوشش کرے۔ اعلان کیا گیا کہ جو لوگ رضاکارانہ طور پر اس کام کے لیے تیار ہوں، آگے آئیں لیکن شاید محتاط شخص کے پیشگی خبردار کردینے کی وجہ سے، بہت ہی کم لوگ اس مشن پر جانے کے لیے آگے آئے۔ خوش قسمتی سے اخلاقی کمزوری کا یہ مظاہرہ نہ صرف اپنی اہمیت کھو بیٹھا بلکہ باعثِ شرم بھی نہ رہا، جس کے نتیجے میں اُس وارڈ پر جس نے اس مہم کو منظم کرنے کا خیال پیش کیا تھا یہ ثابت ہوگیا کہ احتیاط پسندی ہی درست ردِعمل ہے۔ آٹھ حوصلہ مند نفوس کو جو بہت بہادر بنتے تھے فوراً لاٹھیوں ہی سے بھگا دیا گیا اور جب کہ یہ سچ ہے کہ صرف ایک گولی چلائی گئی تھی، یہ بھی سچ ہے کہ نشانہ اُتنا اونچا نہیں تھا جتنا پہلی بار گولیاں چلاتے وقت لیا گیا تھا جس کا ثبوت احتجاج کرنے والوں کا یہ دعویٰ ہے کہ انہوں نے گولی کی سیٹی کو سروں کے قریب سے گزرتے وقت سنا تھا۔ آیا نیت ہلاک کرنے کی تھی شاید اس کا ہمیں بعد میں پتہ چلے، فی الوقت ہم نشانہ باز کو شک کا فائدہ دیں گے، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یا تو یہ گولی خبردار کرنے کے لیے چلائی گئی تھی، اگرچہ زیادہ تشویشناک تھی یا پھر اُن بدمعاشوں کے لیڈر نے مظاہرین کے قد و قامت کا غلط اندازہ لگایا، جنہیں اس نے زیادہ چھوٹے قد والے سمجھا یا ایک

بدحواس کردینے والا خیال، اُس کی غلطی یہ تھی کہ اُس نے انہیں زیادہ لمبے قد والے تصور کیا جو کہ حقیقت میں وہ نہیں تھے، اس صورت میں ''ہلاک کرنے کی نیت'' پر لامحالہ غور کرنا ہوگا۔ ایک لمحے کے لیے ان غیراہم سوالات کو ایک طرف رکھتے ہیں اور عام سروکار کے مسائل پر توجہ دیتے ہیں جو اس وقت زیادہ اہم ہیں، یہ درحقیقت منجانبِ خدا تھا، چاہے محض اتفاق ہی کیوں نہ ہو کہ احتجاج کرنے والوں کو یہ بتانا تھا کہ وہ کس کس وارڈ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس طور صرف اسی وارڈ کو تین دن تک بھوکا رہنے کی سزا بھگتنا تھی جس سے احتجاجیوں کا تعلق تھا اور یہ ان کی خوش قسمتی ہے، اس لیے کہ اُن کا راشن ہمیشہ کے لیے بھی بند ہوسکتا تھا۔ جب کوئی اُسی ہاتھ کو کاٹ دینے پر تُلا ہو جو اُسے کھلاتا ہے تو اس کے لیے یہ سزا انصاف پر مبنی ہے۔ چنانچہ ان تین دنوں کے دوران، باغی وارڈ والوں کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ ہر دروازے پر جاکر رحم کی خاطر روٹی کے ٹکڑوں کی بھیک مانگیں اور اگر ممکن ہو تو گوشت یا پنیر کے ایک ٹکڑے کی۔ وہ بھوک سے مرے نہیں، یقینی طور پر لیکن اُن کی گوشمالی ضروری تھی، ایسے خیالات کے ساتھ آپ اور کیا توقع رکھ سکتے ہیں، اگر ہم نے آپ کی بات پر عمل کیا ہوتا تو اب ہم کس حال میں ہوتے، لیکن بدترین بات کسی کا یہ کہنا ہوتا صبر کرو، صبر کرو، اس سے زیادہ ظالمانہ الفاظ ہو ہی نہیں سکتے، اہانت اس سے کہیں بہتر ہے اور جب سزا کے تین دن ختم ہوئے اور خیال یہ تھا کہ اب نیا دن طلوع ہونے کو ہے پتہ یہ چلا کہ اُس دُکھیارے وارڈ کی، جس میں کہ وہ چالیس باغی افراد مقیم تھے، سزا ابھی ختم نہیں ہوئی، کیونکہ جو راشن بیس افراد کے لیے بھی مشکل سے کافی ہوتا تھا، اب اتنا کم ہوگیا تھا کہ دس آدمیوں کی بھوک بھی نہیں مٹا سکتا تھا۔ اس لیے آپ اُن کے غم و غصے اور تنفر کا تصور کرسکتے ہیں اور ساتھ ہی اگر اس سے کسی کو تکلیف پہنچتی ہے تو پہنچے، حقائق حقائق ہیں۔ باقی وارڈوں کا خوف جو پہلے ہی اپنے آپ کو حاجت مندوں کے نرغے میں دیکھتے تھے، اُن کا ردِعمل انسانی یکجہتی کے کلاسیکی فرائض اور اس قدیم اور مقدس فرمان کی پابندی کے درمیان تقسیم ہوگیا جس کی رُو سے خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے۔

معاملات اس منزل میں تھے، جب غنڈوں کی طرف سے حکم آیا کہ اور زیادہ نقدی اور

قیمتی اشیا ان کے حوالے کی جانی چاہئیں کیونکہ اُن کے خیال کے مطابق سپلائی کی گئی خوراک کی مالیت ان کو ادا کی جانے والی ابتدائی قیمت سے زیادہ ہو چکی تھی، مزید برآں یہ کہ انہوں نے اشیا کی مالیت کا اندازہ ہمدردانہ نقطہ نظر سے لگایا تھا تا کہ وارڈ والوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچ سکے وارڈ والوں نے مایوسی کے عالم میں جواب دیا کہ اب تو اُن کی جیب میں ایک پھوٹی کوڑی تک نہیں بچی کہ انہوں نے اپنی تمام قیمتی اشیا پوری احتیاط کے ساتھ جمع کر کے حوالے کر دی تھیں اور ساتھ ہی یہ کہا جو واقعی ایک شرمناک دلیل تھی کہ اگر مختلف لوگوں کی طرف سے دی جانے والی اشیا کی قیمتوں کا تعین کرتے وقت اُن کے درمیان مالیت کے فرق کو ملحوظ نہ رکھا گیا تو ایسا فیصلہ انصاف پر مبنی نہ ہوگا، عام زبان میں وہ یہ کہہ رہے تھے کہ نیکوکار آدمی سے کسی گنہگار شخص کو دی جانے والی خوراک کی قیمت وصول کرنا جائز بات نہ ہوگی، اس لیے اُس شخص کو خوراک ملتی رہنی چاہیے جس کے کھاتے میں ابھی پیسے باقی ہیں۔ظاہر ہے کسی بھی وارڈ کو دوسروں کے دیے ہوئے مال و متاع کی مالیت کا علم نہیں تھا لیکن ہر وارڈ یہی سمجھتا تھا کہ مزید خوراک کا صرف وہی حقدار ہے کیونکہ باقیوں نے اپنی ادا کی ہوئی قیمت پوری وصول کر لی ہے۔خوش قسمتی سے، اس حقیقت کی بدولت کہ غنڈے اپنی بات پر اڑے رہے، دبے ہوئے تضادات کو سر اٹھانے کا موقع نہیں ملا، ہر ایک کو اُن کا حکم ماننا ہوگا اور اگر اشیا کی قیمتوں کے درمیان کوئی اختلاف ہے بھی تو اُس کا علم صرف اندھے اکاؤنٹنٹ کو ہے۔وارڈوں کے اندر آپسی تکراروں میں تندی اور تلخی آتی جا رہی تھی، نوبت کبھی کبھی تشدد تک پہنچ جاتی۔بعضوں کو شک تھا کہ چند خود غرض اور بددیانت مکینوں نے جمع کراتے وقت کچھ قیمتی اشیا چھپا لی تھیں اور وہ ان لوگوں کے خرچ پر کھاتے رہے جنہوں نے برادری کے فائدے کے پیش نظر اپنا سب کچھ حوالے کر دیا تھا۔ دوسروں کا دعویٰ تھا، اکثریت کے دلائل سے اتفاق کرتے ہوئے کہ جتنا کچھ انہوں نے دیا تھا وہ ازخود آئندہ کئی دنوں تک اُن کو کھانا ملنے کے لیے کافی ہونا چاہیے، اگر انہیں لیموں نچوڑوں کو کھانا کھلانے پر مجبور نہ کیا جائے۔شروع میں غنڈوں نے جو دھمکی دی تھی کہ اگر ان کے احکامات کی پوری پوری تعمیل نہ کی گئی تو وہ خود آ کر وارڈوں کا معائنہ کریں گے اور نافرمانوں کو

سزا دیں گے، اُس پر وارڈوں کے اندر ازخود ہی عمل درآمد شروع ہو گیا، بددیانتوں اور دیانتداروں کے درمیان تناتنی کی صورت میں بلکہ خود بدباطنوں کے اپنے درمیان بھی۔کوئی خاص قیمتی اشیا تو برآمد نہ ہوئیں لیکن کچھ انگوٹھیاں اور گھڑیاں ضرور سامنے آئیں جو زیادہ تر مردوں کی تھیں۔عورتوں کی نہیں، رہی داخلی انصاف اور اس کے نتیجے میں دی جانے والی سزا، کی بات تو وہ چند بے تکے تھپڑوں، کچھ نیم دلانہ ہوائی مکّوں سے زیادہ نہ تھی۔زیادہ تر توہین آمیز کلمات سے کام لیا گیا، قدیم فن خطابت سے چنے ہوئے الزامی جملے، مثلاً تم اپنی ماں کی چیزیں بھی چُرالو گے، ذرا تصور کریں، اگر ایسی ہی شرمناک حرکت اور دوسری اس سے زیادہ غور طلب اُس دن کی گئی ہوتیں جب ہر کوئی اندھا ہو گیا تھا اور انہوں اپنی آنکھوں کا نور کھو دینے کے ساتھ ساتھ عزتِ نفس بھی کھو دی ہوتی۔اندھے ٹھگوں نے مطلوبہ قیمت وصول کی اور سخت نتائج کی دھمکیاں دیں، جنہیں خوش قسمتی سے وہ رُوبہ عمل نہ لا سکے، یہ فرض کر لیا گیا کہ وہ بھول گئے ہوں گے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اب وہ کسی اور ہی خیال میں تھے، جسے جلد ہی ظاہر ہو جانا تھا۔اگر وہ اپنی دھمکیوں پر عمل کرتے اور زیادہ ناانصافیوں سے کام لیتے تو وہ صورت حال کو مزید خراب کر دیتے، شاید جس کے فوری اور ڈرامائی نتائج برآمد ہوتے، دو وارڈوں کی حد تک اپنی قیمتی اشیا کو حوالے نہ کرنے کے جرم کو چھپانے کی خاطر انہوں نے اپنے آپ کو دوسروں کے نام پر پیش کیا تھا، اپنے جرائم کا بوجھ بے گناہ وارڈوں پر ڈال کر، جو ان کے مرتکب نہیں ہوئے تھے، اُن میں سے ایک وارڈ تو اتنا دیانتدار تھا کہ اُس نے حقیقتاً پہلے ہی دن اپنا سب کچھ حوالے کر دیا تھا۔خوش قسمتی سے اندھے اکاؤنٹنٹ نے خود کو زیادہ محنت سے بچانے کے لیے حالیہ ملنے والی قیمتی اشیا کا حساب ایک علیحدہ کاغذ پر رکھنے کا فیصلہ کیا تھا اور اس میں سب کا فائدہ تھا، بے گناہوں کا بھی اور مجرموں کا بھی، اس لیے کہ جب وہ انہیں متعلقہ کھاتوں میں درج کرتا تو مالیاتی بے قاعدگیاں اُس کی توجہ یقیناً اپنی طرف مبذول کروالیتیں۔

ایک ہفتے کے بعد اندھے لفنگوں نے یہ پیغام بھیجا کہ انہیں عورتیں چاہئیں، فوراً ہمارے لیے عورتیں لاؤ۔اس غیر متوقع مطالبے نے، جو اگرچہ اتنا انوکھا بھی نہیں تھا، توقع کے عین

مطابق ایک ہنگامہ برپا کردیا، سراسیمہ ہوجانے والے پیغام بر، جو حکم لے کر آئے تھے ایک دم واپس چلے گئے یہ بتانے کے لیے کہ دائیں حصے والے تین اور بائیں حصے والے دو وارڈوں نے بشمول فرش پر سونے والے مردوں عورتوں کے متفقہ طور پر اس ذلت آمیز حکم پر توجہ نہ دینے کا فیصلہ کیا ہے، اس دلیل کے ساتھ کہ انسانی عزتِ نفس، اس معاملے میں نسوانی عزتِ نفس کو اس حد تک پامال نہیں کیا جاسکتا اور یہ کہ اگر بائیں حصے والے تیسرے وارڈ میں عورتیں نہیں ہیں تو اس کی ذمے داری اگر کوئی ہے تو وہ باقی وارڈوں پر نہیں ڈالی جاسکتی۔ پیغام لانے والوں کو اُس طرف سے بھی انتہائی سخت اور مختصر جواب ملا، جب تک تم ہمارے لیے عورتیں نہیں لاتے، تمہیں کھانے کو نہیں ملے گا۔ بے عزت ہوکر، وہ پھر اس حکم کے ساتھ وارڈ میں واپس آئے، یا تم وہاں جاؤ یا پھر وہ ہمیں کھانے کو کچھ نہیں دیں گے۔ اُن عورتوں نے جن کا کوئی ساتھی نہیں تھا یا مستقل ساتھی نہیں تھا، فوراً ازخود احتجاج کیا، وہ اپنی ٹانگوں کے درمیان والی چیز سے دوسری عورتوں کے مرد لوگوں کے کھانے کی قیمت ادا کرنے پر تیار نہیں تھیں، اُن میں ایک تو اتنی بے باک تھی کہ اُس نے اپنی ہم جنسوں کی عزت کی پروا کیے بغیر یہ تک کہہ دیا کہ اگر میرا جی چاہا تو میں اُن کے پاس جاؤں گی لیکن میں وہاں سے جو بھی کما کر لاؤں گی اُس پر صرف میرا حق ہوگا اور اگر میری خوشی ہوئی تو وہاں منتقل بھی ہوجاؤں گی، پھر میرا اپنا بستر بھی ہوگا اور میری کفالت بھی یقینی ہوجائے گی۔ اُس نے اتنے واضح اور غیر مبہم الفاظ منہ سے نکال تو دیے لیکن اُن پر عمل نہیں کیا۔ اُسے اُن ہولناکیوں کا بروقت خیال آ گیا جن کا تجربہ اُس وقت ہوگا جب اُسے بیس مُشٹنڈوں کے جنسی ہیجان سے اکیلے نپٹنا پڑے گا، جن کی فوری اور اشد ضرورت سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ شہوت سے اندھے ہوچکے ہیں۔ تاہم دائیں طرف والے نے موقع کی مخصوص مناسبت سے اس عورت کی حمایت کرتے ہوئے تجویز پیش کی کہ اس خدمت کے لیے رضا کار عورتوں کو آگے آنا چاہیے، اس بات کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے کہ جو کام اپنی خوشی سے کیا جاتا ہے وہ جبر کے تحت کیے جانے والے کام کے مقابلے میں کم تکلیف دہ ہوتا ہے صرف ایک آخری جھجھک نے احتیاط برتنے کی ضرورت کے ایک آخری خیال نے اُسے اپنی اپیل کے آخر میں اس

مشہور کہاوت کا حوالہ دینے سے روک دیا کہ جب من چاہتا ہو تو قدم ہلکے ہوجاتے ہیں۔ اس کے باوجود جونہی اُس نے بولنا بند کیا صدائے احتجاج بلند ہونے لگی، ہر طرف سے شدید غم و غصے کا اظہار کیا جانے لگا جس میں رحم اور ہمدردی کا شائبہ تک نہ تھا، مرد اخلاقی طور پر شکست کھا چکے تھے، عورتوں نے جن کی برہمی حق بجانب تھی، مردوں کو اپنے اپنے کلچر، سماجی پس منظر اور ذاتی افتادِ طبع کے مطابق، دَلّے، بھڑوے، ویمپائر، لیموں نچوڑ اور استحصالی کہا، اُن میں سے چند ایک نے اپنی پشیمانی کا علان کیا کہ وہ اپنے مصیبت زدہ ساتھیوں کی جنسی سلسلہ جنبانی کے جواب میں سراسر سخاوت مندی اور ہمدردی کی بنا پر جذبات میں بہہ گئی تھیں، جواب انہیں انتہائی بدبختی میں دھکیل کر ناشکری کا اظہار کر رہے ہیں۔ مرد اپنے آپ کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے، ایسی بات بالکل نہیں ہے، عورتوں کو اسے ڈرامہ نہیں بنانا چاہیے، کون سی قیامت آ گئی، آخر بات چیت کے ذریعے ہی لوگ کسی نہ کسی سمجھوتے پر پہنچتے ہیں، یہ صرف اس لیے تھا کہ رسمِ قدیم کے مطابق مشکل اور خطرناک مواقع پر لوگ رضا کارانہ طور پر آگے آتے ہیں، جیسا کہ بلاشبہ یہ موقع ہے، ہم سب کو بھوک سے مرجانے کا خطرہ درپیش ہے، تمہیں بھی اور ہمیں بھی دونوں کو۔ اس استدلال سے بعض عورتوں کے جذبات ٹھنڈے پڑنے لگے، لیکن دُوسریوں میں سے ایک کو اچانک سُوجھا، جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا، اُس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا اور تمام کیا کرتے اگر اُن لفنگوں نے عورتوں کی بجائے مردوں کو بلایا ہوتا، پھر تم کیا کرتے، بولو تاکہ ہر کوئی سن سکے۔ عورتوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، وہ بیک آواز ہوکر بولنے لگیں، ہمیں بتاؤ، ہمیں بتاؤ، مردوں کو دیوار سے لگا کر خوش ہوتے ہوئے جو اپنے ہی استدلال کے پھندے میں پھنس چکے تھے جس سے فرار کا کوئی راستہ نہ تھا، اب وہ دیکھنا چاہتی تھیں کہ اتنی قابلِ تعریف مردانہ منطق کہاں تک جائے گی، یہاں کوئی ہیجڑے نہیں ہیں، ایک مرد نے ہمت کرکے احتجاج کیا اور طوائفیں بھی نہیں ہیں، اُس عورت نے جس نے وہ اشتعال انگیز سوال پوچھا تھا، تُرکی بہ تُرکی جواب دیا ادر اگر ہوتیں بھی، تو شاید وہ تمہاری خاطر تو جسم فروشی پر تیار نہ ہوتیں۔ برہمی میں، مردوں نے اپنے کندھے اچکائے، جانتے ہوئے کہ اِن منتقم المزاج عورتوں کو صرف ایک

جواب مطمئن کرسکتا ہے، اگر انہوں نے مردوں کو بُلایا تو ہم جائیں گے، لیکن ان میں سے کسی میں بھی یہ مختصر، صریحی اور بے باک الفاظ بولنے کی ہمت نہ تھی، وہ تو اتنے دہشت زدہ تھے کہ انہیں یہ خیال بھی نہ آیا کہ ایسا کہہ دینے سے کوئی بڑا نقصان نہیں ہوگا، کیونکہ وہ کُتی کے بچے مردوں کے ساتھ نہیں عورتوں کے ساتھ خلاص ہونے میں دلچسپی رکھتے تھے۔

اب لگتا ہے کہ جو بات کسی بھی مرد کو نہیں سوجھی تھی، عورتوں کو اُس کا خیال آ گیا تھا، اور کوئی تشریح نہیں کی جاسکتی تھی اُس خاموشی کی جو رفتہ رفتہ اُس وارڈ پر چھا گئی جہاں یہ مقابلہ بازی واقع ہوئی تھی، جیسے اُن کی سمجھ میں آ گیا ہو کہ اُن کے لیے لفظی جنگ میں فتح اس شکست سے مختلف نہ ہوگی جو ناگزیر ہے، شاید دوسرے وارڈوں میں بھی بحث زیادہ تر انہی خطوط پر ہوئی تھی کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ انسانی عقل آرائی اور بے عقلی ہر جگہ ایک سی ہوتی ہے۔ یہاں وہ شخص جس نے آخری فیصلہ سنایا، ایک عورت تھی، پچاس پچپن برس کی، جس کے ساتھ اس کی بوڑھی ماں تھی اور اُس کو کھانا مہیا کرنے کا کوئی اور ذریعہ نہ تھا، میں جاؤں گی، وہ بولی یہ جانے بغیر کہ یہ الفاظ اُن الفاظ کی صدائے بازگشت تھے جو ڈاکٹر کی بیوی نے دائیں طرف والے پہلے وارڈ میں بولے تھے، میں جاؤں گی، اس وارڈ میں چند عورتیں ہیں شاید اسی وجہ سے احتجاج کم ہوئے اور ان میں اتنی شدت بھی نہ تھی، وہاں ایک کالے چشمے والی لکڑی تھی، پہلے اندھے آدمی کی بیوی تھی، کلنک والی لڑکی تھی، ہوٹل کی خادمہ تھی، ایک ایسی عورت بھی تھی جس کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہ تھا، وہ عورت تھی جسے نیند نہیں آتی تھی لیکن وہ اتنی ناخوش اور مصیبت کی ماری تھی کہ اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دینا ہی بہتر ہوتا، اس لیے کہ کوئی وجہ نہ تھی کہ آخر صرف مرد ہی کیوں عورتوں کے جذبۂ یکجہتی سے فائدہ اٹھائیں۔ پہلے اندھے آدمی نے اس اعلان سے ابتدا کی کہ اُس کی بیوی کسی بھی قسم کے تبادلے کے عوض اپنا جسم اجنبیوں کے حوالے کرنے کی ذلت کا نشانہ نہیں بنے گی، اُس کی ایسا کرنے کی کوئی خواہش نہیں اور نہ ہی وہ اس کی اجازت دے گا، کیونکہ عزتِ نفس انمول ہوتی ہے، جب کوئی چھوٹی چھوٹی رعایتیں دینا شروع کرتا ہے تو آخر میں زندگی اپنے معنی ہی کھو دیتی ہے۔ تب ڈاکٹر نے اُس سے پوچھا کہ اس صورت حال میں

جس میں اس وقت وہ سب گرفتار ہیں اُسے کیا معنی نظر آتے ہیں، بھوکے، کانوں تک غلاظت میں لتھڑے، جوؤں سے بھرے، کھٹملوں کے کھائے، مچھروں کے کاٹے، میں بھی چاہوں گا کہ میری بیوی نہ جائے، لیکن میرے چاہنے نہ چاہنے سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا، اُس نے کہا ہے کہ وہ جانے پر تیار ہے، یہ اُس کا فیصلہ تھا میں جانتا ہوں کہ میری مردانہ انا، وہ چیز جسے ہم مردانہ احساسِ تفاخر کہتے ہیں، اگر اتنی بہت سی بے عزتیوں کے بعد بھی ہم کوئی ایسی چیز محفوظ رکھ سکے ہیں جو اس نام کی اہل ہو، مجھے معلوم ہے کہ اُسے زک پہنچے گی، پہلے ہی پہنچ چکی ہے میں اس سے آنکھیں نہیں چُرا سکتا، لیکن غالباً واحد حل یہی ہے اگر ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں، ہر شخص اپنے اخلاقی اصولوں کے مطابق چلتا ہے، وہ جو بھی ہوں میں اسے اس زاویے سے دیکھتا ہوں اور اپنے خیالات کو تبدیل کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں پہلے آدمی نے جارحانہ انداز میں تُرکی بہ تُرکی جواب دیا۔ اب کالے چشمے والی لڑکی بولی دوسروں کو معلوم نہیں کہ یہاں کتنی عورتیں ہیں، اس لیے تم اپنے والی کو اپنے خصوصی استعمال کے لیے رکھ سکتے ہو، ہم تم دونوں کی کفالت کریں گے، تمہاری بھی اور اُس کی بھی، مجھے یہ دیکھنے میں دلچسپی ہوگی کہ تب تم اپنی عزتِ نفس کے بارے میں کیسا محسوس کرتے ہو، ہماری لائی ہوئی روٹی کا ذائقہ تمہیں کیسا لگتا ہے، بات یہ نہیں ہے، پہلے اندھے آدمی نے جواب دینا شروع کیا، بات یہ ہے، لیکن اس کے الفاظ دُم دبا کر بھاگ گئے، فضا میں لٹکے رہ گئے، دراصل اُسے معلوم ہی نہیں تھا کہ بات کیا ہے، جو باتیں بھی اس نے پہلے کہی تھیں، مبہم قیاس آرائیوں سے زیادہ کچھ نہ تھیں، محض قیاس آرائیاں جو کسی دوسری دنیا سے تعلق رکھتی تھیں، اس سے نہیں، بلاشبہ اُسے کرنا یہ چاہیے تھا کہ ہاتھ اُٹھا کر آسمان سے اپنی قسمت کا شکریہ ادا کرے، شاید اس کی شرم رہ جائے، جیسی کہ پہلے تھی، گھر میں، اُسے اس علم کی صعوبت نہ اٹھانی پڑے کہ وہ دوسروں کی بیویوں کی بدولت زندہ ہے، خاص طور پر ڈاکٹر کی بیوی کی بدولت، کیونکہ جہاں تک باقیوں کا تعلق ہے، کالے چشمے والی لڑکی کو علیحدہ رکھتے ہوئے، جو غیر شادی شدہ ہے اور آزاد، جس کے پراگندہ اسلوبِ زندگی کے بارے میں ہمارے پاس کافی سے زیادہ معلومات ہیں اگر اُن کے خاوند تھے بھی تو کہیں دکھائی نہیں دیتے تھے۔ ٹوکے

ہوئے فقرے کے بعد کی خاموشی، لگتا تھا کہ منتظر ہے کسی ایسے شخص کی جو صورت حال کو ہمیشہ کے لیے واضح کردے، اسی وجہ سے وہ شخص جسے بولنا چاہیے تھا اُسے بولنے میں زیادہ دیر نہیں لگی، وہ پہلے اندھے آدمی کی بیوی تھی، اُس نے اپنی آواز میں ہلکی سی بھی لرزش پیدا کیے بغیر کہا، میں دوسروں سے مختلف نہیں ہوں، میں بھی وہی کروں گی جو وہ کریں گی، تم وہ کروگی جو میں کہوں گا، اُس کے خاوند نے ٹوکا، حکم چلانا بند کرو، اس سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا، تم بھی اتنے ہی اندھے ہو جتنی میں ہوں، یہ ناشائستہ حرکت ہے، اب ناشائستہ نہ ہونے کا انحصار تم پر ہے، اب کے بعد سے تم مت کھاؤ، یہ بڑا بے رحم جواب تھا۔ جس کی کسی ایسی عورت سے توقع نہیں کی جاسکتی تھی جو آج تک اپنے خاوند کی اطاعت شعار رہی تھی اور ہمیشہ سے اُس کا احترام کرتی آئی تھی۔ ایک مختصر سا قہقہہ بلند ہوا، یہ ہوٹل کی خادمہ کا تھا، خاہ، کھانا کھانا، بے چارے کیا کریں، اچانک اُس کا قہقہہ گریے میں تبدیل ہوگیا، اُس کے الفاظ بدل گئے، ہمیں کیا کرنا چاہیے وہ بولی، یہ تقریباً ایک سوال تھا، قریب قریب ایک راضی برضا سوال، جس کا کوئی جواب نہ تھا، جیسے مایوسی کے عالم میں سر ہلانا یہاں تک کہ کلنک میں کام کرنے والی لڑکی بھی یہی الفاظ دُہرا کر رہ گئی: ہمیں کیا کرنا چاہیے، ڈاکٹر کی بیوی نے سر اُٹھا کر دیوار پر لٹکی ہوئی قینچی کی طرف دیکھا، اُس کی آنکھوں کے تاثر سے لگتا تھا کہ وہ بھی اپنے آپ سے یہی سوال پوچھ رہی تھی، جب تک کہ جس جواب کی اُسے توقع تھی، جو اس نے اُلٹا اُن سے پوچھ لیا، تم مجھ سے کیا چاہتی ہو۔

تاہم ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے، اگر آپ دوسروں سے پہلے اُٹھ جاتے ہیں تو اُس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ مریں گے بھی دوسروں سے پہلے۔ بائیں حصے کے تیسرے وارڈ والے اندھے منظم طریقے سے کام کرتے ہیں، انہوں نے پہلے ہی فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ اپنے قریب ترین وارڈ سے آغاز کریں گے، اپنی طرف کے وارڈوں میں مقیم عورتوں سے گردشِ محوری (Rotation) کے اس طریقے کو اختیار کرنے کے فائدے ہی فائدے تھے نقصان کوئی نہیں تھا۔ پہلا تو یہ کہ یوں وہ کسی وقت بھی جان سکتے ہیں کہ اب تک کیا ہوچکا ہے اور کیا ہونا باقی ہے، جیسے کلاک دیکھ کر دن کے گزران کے بارے میں بتانا، میں یہاں سے یہاں تک گزار چکا

ہوں، اتنا زیادہ یا اتنا کم باقی ہے، دوسرا یہ کہ جب تمام وارڈوں کا چکر مکمل ہوجائے گا تو آغاز کی طرف واپسی اپنے ساتھ تجدید کی فضا لے کر آئے گی، خاص طور سے اُن کے لیے جن کا حِسیاتی حافظہ بہت کمزور ہے۔ چنانچہ دائیں حصے والے وارڈوں کی عورتوں کو ابھی مزے لُوٹنے دو، مجھے اپنے پڑوسیوں کی مصیبتوں کی کوئی پرواہ نہیں، اگرچہ کسی عورت نے یہ بات کہی نہیں لیکن سوچی سب نے تھی، حقیقت یہ ہے کہ وہ انسان، جس کے وہ دوسری چمڑی نہ ہو جسے ہم خودغرضیت کہتے ہیں، ابھی پیدا نہیں ہوا، یہ چمڑی پہلی چمڑی کے مقابلے میں زیادہ پائیدار ہوتی ہے، جس سے فوراً خون رسنے لگتا ہے یہ بھی کہنا پڑے گا کہ یہ عورتیں اپنے آپ سے دوگونہ لطف اندوز ہو ہی رہیں، ایسے ہوتے ہیں انسانی روح کے اسرار، بے حُرمتی کے سر پر منڈلاتے ہوئے خطرے، جس کی زد سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا، ہر وارڈ میں اُس شہوانی اشتہا کو ازسرنو بیدار اور برانگیختہ کردیا، جو حد سے بڑھے ہوئے جنسی اختلاط کی وجہ سے بے حس ہوچکی تھی، ایسا لگتا تھا جیسے عورتوں کے لے جائے جانے سے پہلے، مرد بے باکی کے ساتھ، اُن پر اپنے نشان ثبت کر رہے تھے، ایسا لگتا تھا جیسے عورتیں رضاکارانہ طور پر تجربے میں آئے ہوئے ہیجانوں کو اپنے حافظے میں پورے طور پر محفوظ کرلینا چاہتی تھیں، تاکہ اُن پُرتشدد ہیجانوں کے خلاف بہتر طور پر اپنا دفاع کرسکیں اور اگر ممکن ہو تو انہیں رد کرسکیں۔ ہم یہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکتے، دائیں طرف والے پہلے وارڈ کو مثال کے طور پر لیتے ہوئے، کہ وہاں عورتوں اور مردوں کے درمیان عددی فرق کے مسئلے کو کیسے حل کیا گیا، اس گروپ کے مردوں میں معذوروں کو منہا کرتے ہوئے، مثلاً سیہ پیوند والا بوڑھا آدمی اور دوسرے جن کی شناخت نہ ہوسکی، بوڑھے اور جوان دونوں جنہوں نے کسی نہ کسی وجہ سے کوئی ایسی بات کی نہ کہی جو ہمارے بیانیے میں جگہ پانے کے قابل ہوتی۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے، اس وارڈ میں سات عورتیں ہیں بشمول اُس اندھی عورت کے جو بے خوابی کی مریض ہے اور جس سے کسی کی جان پہچان نہیں اور نام نہاد شادی شدہ جوڑے، جو دو سے زیادہ نہیں، جس کی وجہ سے مردوں اور عورتوں کے درمیان عددی توازن نہیں رہتا، کیونکہ بھینگی آنکھ والے لڑکے کو ابھی گنتی میں نہیں لیا جاتا، شاید دوسرے وارڈوں میں عورتیں،

مردوں سے زیادہ ہیں، لیکن ایک ان لکھے ضابطے کے تحت جسے یہاں جلد ہی قبولیت حاصل ہوگئی اور جو بعد میں قانون کا درجہ اختیار کر گیا، یہ طے کیا گیا کہ جس وارڈ میں، جو بھی مسئلہ سر اٹھائے، اس کا حل وہیں تلاش کیا جانا چاہیے، بقول ان بزرگوں کے، جن کی دانائی کے گُن گاتے ہوئے ہم کبھی نہ تھکیں گے: اگر اپنی بہتری چاہتے ہو تو اپنا خیال خود رکھو۔ اس لیے دائیں طرف والے پہلے وارڈ کی عورتیں اپنے ہی وارڈ کے مردوں کو تسکین مہیا کریں گی، سوائے ڈاکٹر کی بیوی کے، جسے کسی نہ کسی وجہ سے کوئی بھی مرد حاصل کرنے کی ہمت نہ کر سکا، نہ زبانی نہ ہاتھ بڑھا کر، پہلے اندھے آدمی کی بیوی نے اپنے خاوند کو بے ساختہ جواب دے کر اپنی پہلی چال چلنے کے بعد وہی کیا، اگرچہ محتاط ہو کر جو دوسری عورتوں نے کیا تھا، جیسا کہ وہ خود اعلان کر چکی تھی۔ تاہم بعض ایسی مزاحمتیں ہیں کہ جن کا توڑ نہ عقل کے پاس ہے نہ جذبات کے پاس، ایسا ہی معاملہ کالے چشمے والی لڑکی کا ہے، جس کے دل کو فارمیسی اسسٹنٹ اپنی تمام التجاؤں اور اپنے تمام دلائل کے باوجود نہ جیت سکا اور یوں اُسے اپنے ابتدائی بدتمیزی کی قیمت چکانا پڑی۔ اُسی لڑکی نے، عورتوں کو سمجھنا محال ہے، جو یہاں کی تمام عورتوں میں سب سے زیادہ خوبصورت ہے، جس کا جسم کسی مجسّمے کی طرح ترشا ہوا ہے، جو انتہائی دلکش ہے، جس کے حسن کے چرچے سُن کر تمام مرد دیوانے ہوئے جا رہے تھے، بالآخر ایک رات اپنی مرضی سے سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی کے ساتھ ہم بستر ہوئی، جس نے گرمیوں کی بارش کی طرح اُس کا سواگت کیا اور اپنی عمر کے لحاظ سے اُس کی پوری تسلی کی، یوں ایک بار پھر ثابت کر دیا کہ ظاہر کے دھوکے میں نہیں آنا چاہیے، کسی کے دل کی قوت کا اندازہ اس کے چہرے اور اس کے جسم کی نرمی کی بنا پر نہیں لگایا جا سکتا، وارڈ میں ہر شخص نے سوچا کہ کالے چشمے والی لڑکی کا اپنے آپ کو سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی کے حوالے کرنا ایک خیراتی عمل تھا، لیکن وہاں ایسے مرد بھی تھے، حساس اور خواب دیکھنے والے جنہوں نے اس کی عنایات سے لطف اندوز ہو چکنے کے بعد اپنے خیالات کو اِدھر اُدھر بھٹکنے کی اجازت دینا شروع کر دی۔ سوچنے لگے کہ کسی آدمی کے لیے دنیا میں اس سے بڑا انعام اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے بستر میں لیٹا ہو، اکیلا، ناممکن کے گمان میں صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ ایک

عورت دھیرے سے کمبل اٹھا کر بستر میں داخل ہو رہی ہے، اپنے بدن کو اُس کے بدن سے رگڑتی ہے اور پھر ساکت لیٹ جاتی ہے، اس انتظار میں کہ کب اُن کے لہو کی تپش ان کے بدحواس جسموں کی اچانک لرزشوں کو آسودہ کرتی ہے اور یہ سب بغیر کسی معقول وجہ کے محض اس لیے کہ وہ ایسا چاہتی تھی۔ یہ ہیں وہ ثروت مندیاں جو کبھی ضائع نہیں ہوتیں، کبھی کبھی آدمی کو بوڑھا ہونا پڑتا ہے، سیہ پیوند لگانا پڑتا ہے اُس خالی آنکھ کو ڈھانپنے کے لیے جو واقعی اندھی ہے اور پھر بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کی تشریح نہ کرنا ہی بہتر ہے، بہتر یہ ہے کہ بس اُتنا ہی کہا جائے جتنا وقوع پذیر ہوا، لوگوں کے اندرونی خیالات و احساسات کو نہ کھنگالا جائے، جیسے اُس موقعے پر جب ڈاکٹر کی بیوی بستر سے اٹھی اور جا کر بھینگی آنکھ والے لڑکے پر دوبارہ کمبل ڈال دیا جو پھسل کر زمین پر گر گیا تھا۔ وہ فوراً اپنے بستر کی طرف واپس نہیں گئی، وارڈ کے آخری سرے کی دیوار سے ٹیک لگائے، بستروں کی قطاروں کے درمیان والی تنگ جگہ میں کھڑی، مایوسی کے عالم میں دوسرے سرے پر دروازے کو دیکھتی رہی، وہ دروازہ جس میں سے گزر کر وہ اندر آئے تھے، اُس دن کہ اب اتنا دور دراز لگتا تھا اور جو اب کہیں لے جاتا نہیں تھا۔ وہ وہاں کھڑی تھی کہ اُس نے اپنے خاوند کو اُٹھتے اور سامنے نظریں جمائے جیسے نیند میں چل رہا ہو، سیدھا کالے چشمے والی لڑکی کے بستر کی طرف جاتے دیکھا۔ اُس نے اپنے خاوند کو روکنے کی کوئی کوشش نہ کی، بے حس و حرکت کھڑی، اُسے کمبل اٹھاتے اور بستر میں لیٹتے دیکھتی رہی، لڑکی جاگ اُٹھی اور کسی احتجاج کے بغیر اُسے اپنے ساتھ لپٹا لیا، وہ اُن دونوں کے ایک دوسرے کو ڈھونڈتے مونہوں کو دیکھتی رہی جب تک کہ وہ آپس میں مل نہیں گئے اور پھر ہونی ہو کر رہی، ایک کی سرمستی، دوسرے کی سرمستی، ملفوف کراہیں، لڑکی نے کہا، آہ ڈاکٹر، اور یہ الفاظ جو اتنے مضحکہ خیز لگ سکتے تھے لیکن نہیں لگے، وہ بولا مجھے معاف کر دو، معلوم نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا، درحقیقت ہم حق بجانب تھے، ہم جنہیں بمشکل نظر آتا ہے کیسے جان سکتے تھے اُس بات کو جو خود اُس کو بھی معلوم نہیں، تنگ بستر میں لیٹے ہوئے وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ انہیں دیکھا جا رہا ہے، ڈاکٹر تو یقیناً تصور نہیں کر سکتا تھا، وہ اچانک فکرمند ہو گیا، کیا اس کی بیوی سو رہی ہوگی، اُس

نے دل میں سوچا، یا گیلریوں میں ماری ماری پھر رہی ہوگی، جیسے ہر رات کرتی تھی، اس نے اپنے بستر میں واپس جانے کے لیے اٹھنے کی کوشش کی لیکن ایک آواز نے کہا، اٹھومت، اور ایک پرندے کا ایسا نرم ہاتھ اُس کے سینے پر ٹِک گیا، وہ کچھ بولنے ہی کو تھا، شاید دُہرانے ہی والا تھا کہ پتہ نہیں مرے دل میں کیا سمائی تھی، لیکن آواز نے کہا، اگر تم کچھ نہیں کہو گے تو میرے لیے سمجھنا آسان ہوگا۔ کالے چشمے والی لڑکی رونے لگی، کتنے دُکھی لوگ ہیں ہم، وہ بڑبڑائی اور پھر، میں بھی چاہتی تھی، میں بھی چاہتی تھی، تمہارا قصور نہیں، چپ ہوجاؤ، ڈاکٹر کی بیوی نے نرمی سے کہا، ہم سب چپ ہوجائیں، ایسے وقت بھی آتے ہیں جب الفاظ سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا، کاش میں بھی روسکتی، ہر بات آنسوؤں کے ذریعے کہہ سکتی، دوسروں کو سمجھانے کے لیے بولنا نہ پڑتا، وہ بستر کے کنارے پر بیٹھ گئی، دو جسموں پر اپنا بازو پھیلایا، جیسے اُنہیں ایک ہی آغوش میں بھر لینا چاہتی ہوں اور کالے چشمے والی لڑکی کے اوپر جھکتے ہوئے اُس کے کان میں سرگوشی کی: میں دیکھ سکتی ہوں۔ لڑکی ساکت و صامت لیٹی رہی، پُرسکون، بس متعجب کہ اُسے حیرانی کیوں محسوس نہیں ہوئی، لگتا تھا اُسے پہلے دن ہی سے پتہ تھا لیکن وہ باآواز بلند کہنا نہیں چاہتی تھی، کیونکہ یہ اُس کا اپنا راز نہیں تھا۔ اُس نے سر کو ہلکا سا موڑ کر، ڈاکٹر کی بیوی کے کان میں ہولے سے کہا، مجھے کم از کم پتہ تھا، مجھے پوری طرح یقین تو نہیں ہے لیکن میرا خیال ہے کہ مجھے پتہ تھا، یہ راز ہے، کسی کو بتانا نہیں، فکر نہ کرو، مجھے تم پر بھروسہ ہے اور تمہیں کرنا بھی چاہیے، میں مرجاؤں گی لیکن تم سے بیوفائی نہیں کروں گی، مجھے "تُو" کہا کرو، نہیں، میں ایسا نہیں کرسکتی، بس میں ایسا نہیں کرسکتی۔ وہ سرگوشیوں میں باتیں کرتی رہیں، پہلے ایک، پھر دوسری ایک دوسرے کے بالوں کو چُھوتی، کانوں کی لوؤں کو اپنے ہونٹوں سے یہ ایک غیر اہم مکالمہ تھا، یہ ایک انتہائی سنجیدہ مکالمہ تھا، کاش اس تضاد کو ہم آہنگ کیا جاسکے، ایک مختصر سازشانہ گفتگو، جو درمیان میں لیٹے ہوئے شخص کو نظرانداز کرتے ہوئے کی جارہی تھی لیکن اُسے ایک ایسی منطق کے ذریعے شامل بھی رکھے ہوئے تھی جو باہر کی دنیا کے عام خیالات اور حقائق سے ماورا تھی۔ پھر ڈاکٹر کی بیوی نے اپنے خاوند سے کہا، اگر تم چاہو تو یہاں تھوڑی دیر لیٹے رہو، نہیں،

میں اپنے بستر میں واپس جارہا ہوں، تو پھر میں تمہاری معاونت کروں گی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تاکہ اُسے ہلنے جُلنے میں آسانی ہو، ایک لمحے کے لیے گیلے تکیے پر ساتھ ساتھ ٹِکے ہوئے، دو اندھے سروں کو دیکھ کر سوچتی رہی، اُن کے چہرے غلیظ تھے، بال اُلجھے ہوئے، صرف اُن کی آنکھیں بے مقصد چمک رہی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ اُٹھا کسی سہارے کو ڈھونڈھتا ہوا، پھر بستر کے ایک طرف بے حس و حرکت بیٹھا رہا، متذبذب جیسے اچانک اُس کے تصور ہی سے نکل گیا ہو کہ وہ کہاں ہے، پھر اُس کی بیوی نے جیسے کہ وہ ہمیشہ کرتی تھی، اُسے بازو سے پکڑا، لیکن اب اس اشارے کے اور معنی تھے، اب سے پہلے اُس نے کسی کی رہنمائی کی کبھی اتنی شدید ضرورت محسوس نہیں کی تھی، اگرچہ وہ کبھی نہ جان پائے گا کہ کس حد تک، واقعی صرف دو عورتوں کو معلوم تھا، جب ڈاکٹر کی بیوی نے اپنے دوسرے ہاتھ سے لڑکی کا گال تھپتھپایا تو لڑکی نے ترنگ میں آکر اُسے پکڑ لیا اور اٹھا کر اپنے ہونٹوں تک لے گئی۔ ڈاکٹر کو خیال آیا کہ اسے سسکیاں سنائی دی تھیں، ایک نہ سنائی دینے والی آواز جو صرف آنسوؤں سے آسکتی تھی، جو دھیرے دھیرے ٹپکتے ہوئے گوشۂ دہن تک جاتے ہیں اور پھر غائب ہوجاتے ہیں، انسانی دُکھوں اور مسرتوں کے ناقابلِ تشریح ابدی چکر کو پھر سے شروع کرنے کے لیے۔ کالے چشمے والی لڑکی کو اکیلے رہ جانا تھا، وہی تو تھی جسے دلاسے کی ضرورت تھی، اسی وجہ سے ڈاکٹر کی بیوی اپنا ہاتھ ہٹانے میں تاخیر کر رہی تھی۔

اگلے دن ڈنر کے وقت اگر باسی روٹی کے چند بچے کُھچے ٹکڑوں اور پھپھوندی لگے گوشت کو یہ نام دیا جاسکتا ہے، وارڈ کے دروازے میں دوسری طرف کے تین اندھے آدمی نمودار ہوئے۔ یہاں کتنی عورتیں ہیں، اُن میں سے ایک نے پوچھا، چھ، ڈاکٹر کی بیوی نے جواب دیا، نیک نیتی سے، بے خوابی کی مریض اندھی عورت کو شمار نہ کرتے ہوئے، لیکن پھر اس نے مدھم آواز میں تصحیح کرتے ہوئے کہا، ہم سات ہیں۔ اندھے ٹھگ ہنسنے لگے، بُری بات، ایک بولا، آج رات تمہیں سخت محنت کرنی پڑے گی، کسی دوسرے نے تجویز دی، شاید بہتر یہی ہوگا کہ ہم اگلے وارڈ میں جاکر کمک حاصل کریں، بیکار ہے، تیسرے اندھے آدمی نے کہا جو اپنے حساب

کتاب کا پکا تھا، اس حساب سے تین مردوں کے حصے میں ایک عورت آتی ہے، یہ سہار سکتی ہیں۔

اس پر ایک اور قہقہہ بلند ہوا اور اُس شخص نے جس نے پوچھا تھا، یہاں کتنی عورتیں ہیں، حکم دیا، جب فارغ ہو جاؤ تو ہمارے پاس آ جانا اور مزید کہا یعنی اگر کل تم خود بھی کھانا چاہتی ہو اور مردوں کو بھی کھلانا چاہتی ہو۔ یہی الفاظ انہوں نے تمام وارڈوں میں کہے تھے اور پھر اپنے اس لطیفے پر اتنے ہی جوش سے ہنسے جتنا اُس دن ہنسے ہوں گے، جس دن یہ لطیفہ انہوں نے ایجاد کیا ہوگا، وہ ہنستے ہنستے دوہرے ہو جاتے، اپنے پاؤں پٹختے اپنے موٹے موٹے سونٹے زمین پر مارتے، حتیٰ کہ اچانک ان میں سے ایک نے خبردار کرتے ہوئے کہا، سنو اگر تم میں سے کوئی کسی بددعا کے اثر میں ہے تو ہمیں تمہاری ضرورت نہیں، ہم اسے کسی آئندہ وقت پر اُٹھا رکھیں گے۔

کسی پر بھی بددعا کا اثر نہیں، ڈاکٹر کی بیوی نے اُسے اطمینان سے بتایا، تو پھر تیاری کرو اور دیر مت لگانا، ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ مُڑے اور نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ وارڈ میں خاموشی طاری رہی۔ ایک منٹ کے بعد پہلے اندھے آدمی کی بیوی بولی، میں اب اور نہیں کھا سکتی، اُس کے ہاتھ میں ایک نوالہ تھا اُس سے وہ بھی نہیں کھایا گیا۔ میں بھی نہیں، بے خوابی کی مریض اندھی عورت نے کہا، نہ میں، اُس عورت نے کہا جسے کوئی نہیں جانتا تھا، میں پہلے ہی ختم کر چکی ہوں، ہوٹل کی خادمہ بولی، میں بھی، کلنک والی لڑکی نے کہا، پھر کالے چشمے والی لڑکی بولی، جس آدمی نے بھی میرے نزدیک آنے کی کوشش کی، میں اُس کے منہ پر قے کر دوں گی۔

وہ سب کی سب اُٹھ کر کھڑی ہو گئیں، کانپتی ہوئی لیکن ثابت قدم۔ پھر ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، سب سے آگے میں چلوں گی۔ پہلے اندھے آدمی نے اپنے سر کو کمبل میں چھپا لیا، جیسے شاید اس سے کوئی مقصد حاصل ہو سکتا ہو، وہ تو پہلے ہی اندھا تھا، ڈاکٹر نے اپنی بیوی کو اپنی طرف کھینچا اور کچھ بولے بغیر تیزی سے اُس کا ماتھا چوم لیا، وہ اور کیا کر سکتا تھا، جہاں تک اِن میں سے کسی بھی عورت کا تعلق تھا، دوسرے مردوں کو کیا فرق پڑ سکتا تھا، نہ تو کسی کو حق پہنچتا تھا نہ ہی ان کی کوئی ذمے داری تھی جو ایک خاوند کی ہوتی ہے کہ اتنا بھی کہہ سکتا: ایک رضامند بھڑوا دوگنا بھڑوا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر کی بیوی کے پیچھے، کالے چشمے والی لڑکی کھڑی ہو گئی، اُس کے پیچھے ہوٹل کی خادمہ،

پھر کلنک میں کام کرنے والی لڑکی، اس کے پیچھے پہلے اندھے آدمی کی بیوی، پھر وہ عورت جسے کوئی نہیں جانتا تھا، سب سے آخر میں بے خوابی کی مریض اندھی عورت، یہ اُن عورتوں کی ایک بے ڈھنگی قطار بندی تھی۔ جن سے بدبو آ رہی تھی، جن کے کپڑے غلاظت سے بھرے تھے اور تار تار ہو چکے تھے، ممکن نہیں لگتا کہ جنسی شہوت انگیزی میں اس حد تک قوت ہوتی ہے کہ وہ انسان کی حس شامہ کو بھی اندھا کر سکتی ہے جو حواسِ خمسہ میں سب سے لطیف حس ہوتی ہے، ایسے علمائے دین بھی ہیں جو اس بات کی تصدیق کرتے ہیں اگرچہ بعینہ ان لفظوں میں نہیں کہ جہنم میں جینے کی بدترین صورت وہاں کی خوفناک سڑاند کا عادی ہو جانا ہے۔ آہستہ آہستہ ڈاکٹر کی بیوی کی رہنمائی میں ایک دوسرے کے کندھے پر ہاتھ رکھے، اُن عورتوں نے چلنا شروع کر دیا۔ وہ سب کی سب ننگے پاؤں تھیں اس لیے کہ انہیں ڈر تھا کہ اس ابتلا و آزمائش میں جس سے کہ انہیں گزرنا تھا، وہ کہیں اپنی جوتیوں سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں۔ جب وہ صدر دروازے کے ہال وے میں پہنچیں تو ڈاکٹر کی بیوی نے بیرونی دروازے کی طرف رُخ کیا، اُسے بلاشبہ یہ تشویش تھی کہ آیا باہر کی دنیا ابھی تک موجود ہے یا نہیں۔ ہوٹل کی خادمہ کو جب تازہ ہوا کا احساس ہوا تو اُسے کوئی بات یاد آئی اور وہ خوفزدہ ہو گئی، ہم باہر نہیں جا سکتیں، باہر فوجی سپاہی ہیں اور بے خوابی کی مریض اندھی عورت نے کہا اور بھی اچھا ہے ہمارے لیے، ایک منٹ سے بھی کم میں ہم سب مری پڑی ہوں گی اور ہمیں ہونا بھی چاہیے سب کی سب مُردہ، تمہارا مطلب ہے ہم، کلنک میں کام کرنے والی لڑکی نے پوچھا، نہیں، ہم سب یہاں کی تمام عورتیں، تب کم از کم ہمارے پاس اندھا ہونے کی بہترین وجوہات تو ہوں گی۔ جب سے وہ یہاں لائی گئی تھی، اس نے کبھی ازخود باتیں نہیں کی تھیں۔ ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، آؤ چلیں، صرف وہی مریں گے جنہیں مرنا ہے۔ موت جب کسی کو چُنتی ہے تو پہلے اُسے خبردار نہیں کرتی۔ وہ بائیں حصے کی طرف جانے والے دروازے میں سے گزریں، طویل گیلریوں میں سے اخیر تک راستہ بناتی چلتی گئیں، پہلے دو وارڈوں والی عورتیں اگر چاہتیں تو انہیں بتا سکتی تھیں کہ آگے اُن پر کیا گزرے گی، وہ بے چاریاں تو اپنے بستروں میں دُبکی پڑی تھیں، اُن جانوروں کی طرح جن کی خوب پٹائی ہو چکی

ہو، مردوں کو ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اُن کو چھُو بھی لیں اور نہ ہی اُن کے قریب جانے کی کوشش کی، کیونکہ وہ فوراً چیخنا چلاّنا شروع کر دیتی تھیں۔

آخری گیلری میں، دور سرے پر، ڈاکٹر کی بیوی نے ایک اندھے آدمی کو دیکھا، جو پہلے سے انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے ضرور اُن کے گھسٹتے ہوئے قدموں کی آواز سُنی ہوگی اور دوسروں کو بتا دیا ہوگا، وہ آرہی ہیں، وہ آرہی ہیں۔ اندر سے چیخوں کی، ہنہنانے کی اور قہقہوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ چار اندھے آدمیوں نے وقت ضائع کیے بغیر، اُس پلنگ کو ہٹا دیا جسے داخلے میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے رکھا گیا تھا، لڑکیو، جلدی سے اندر آجاؤ، اندر آجاؤ، ہم سب یہاں، مستی میں آئے ہوئے اصیل گھوڑوں کی طرح ہیں، تمہارے پیٹ بھر دیے جائیں گے، اُن میں سے ایک نے کہا۔ اندھے ٹھگوں نے انہیں گھیرے میں لے لیا، اُن کے جسموں پر ہاتھ پھیرنے کی کوشش کی، لیکن جب ان کا پستول بردار لیڈر چیخ کر بولا تو منتشر ہو کر پیچھے ہٹ گئے، پہلے میں چُنوں گا، جیسا کہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ اُن سب آدمیوں کی آنکھیں بے چینی سے عورتوں کو ڈھونڈنے لگیں، بعض نے اپنے حریص ہاتھ آگے بڑھائے، اگر اتفاق سے وہ ان میں سے کسی کو چھو لیتے تو انہیں پتہ چل جاتا کہ انہیں کس طرف دیکھنا چاہیے۔ بستروں کے درمیانی راستے کے وسط میں عورتیں اُن سپاہیوں کی طرح کھڑی تھیں جو پریڈ کے وقت اپنے معائنے کے منتظر ہوتے ہیں۔ اندھے لفنگوں کا لیڈر ہاتھ میں پستول لیے، ان کے پاس اتنی پھُرتی اور شوخی کے ساتھ آیا جیسے وہ انہیں دیکھ سکتا ہو۔ اُن نے اپنا خالی ہاتھ، بے خوابی کی مریض اندھی عورت پر رکھا جو قطار میں پہلی تھی، اُس کا آگا پیچھا ٹٹولتا رہا، اُس کے کولہے، اُس کی چھاتیاں، اُس کی ٹانگوں کے بیچ۔ اندھی عورت چیخنے لگی اور اُس نے اُسے پرے دھکیل دیا، تم ایک دو کوڑی کی رنڈی ہو۔ وہ اگلی عورت کے پاس آیا، اتفاق سے یہ وہ عورت تھی جسے کوئی نہیں جانتا تھا، اب اُس نے پستول اپنی جیب میں ڈال لیا تھا اور اس کے جسم پر اپنے دونوں ہاتھ پھیر رہا تھا، میں کہتا ہوں کہ یہ ہرگز بُری نہیں ہے اور پھر وہ پہلے اندھے آدمی کی بیوی کی طرف بڑھا، پھر کلنک میں کام کرنے والی لڑکی کی طرف، پھر ہوٹل کی خادمہ کے پاس آیا اور اعلان کیا، سُنو سُنو یہ

پچھیریاں واقعی بہت اچھی ہیں۔ اندھے بدمعاش ہنہنانے لگے، زمین پر پاؤں پٹخنے لگے، آؤ اب شروع ہو جائیں، دیر ہو رہی ہے، بعضوں نے چلاّ کر کہا، گھبراؤ مت، پستول والے ٹھگ نے کہا، میں ذرا دوسریوں پر بھی ایک نگاہ ڈال لوں۔ اُس نے کالے چشمے والی لڑکی کے جسم پر ہاتھ پھیرا اور سیٹی بجائی، اب دیکھو یہ ہوتی ہے خوبیٔ قسمت، اس قسم کی پچھیری پہلے کبھی نہیں آئی۔ اسی جوش میں کالے چشمے والی لڑکی کے جسم پر ہاتھ پھیرتے پھیرتے وہ ڈاکٹر کی بیوی کے قریب آگیا، ایک اور سیٹی بجائی یہ پختہ عمر کی ہے لیکن مزے کی عورت ثابت ہو سکتی ہے۔ اُس نے دونوں عورتوں کو اپنی طرف کھینچ لیا اور یہ کہتے ہوئے اُس کے منہ سے رال ٹپکنے لگی، میں ان دونوں کو رکھوں گا اور جب میں ان سے فارغ ہو جاؤں گا تو انہیں تمہارے سپرد کر دوں گا۔ وہ انہیں گھسیٹتا ہوا وارڈ کے آخری سرے کی طرف لے گیا، جہاں خوراک کے بکسوں، پیکٹوں اور ٹین کے ڈبوں کے انبار لگے تھے، جو ایک پوری رجمنٹ کا پیٹ بھرنے کے لیے کافی تھے۔ تمام عورتیں چیخ پکار کر رہی تھیں، گھونسوں تھپڑوں کے ساتھ ساتھ انہیں جو حکم دیے جا رہے تھے، اُن کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں، بکواس بند کرو، رنڈیو، یہ ساری کتیاں ایک سی ہوتی ہیں، ہمیشہ چیختی چلاتی ہیں، اچھا اور سخت مل گیا تو جلدی ہی چُپ ہو جائیں گی، بس ذرا میری باری کا انتظار کرو، پھر دیکھنا کہ یہ کہیں گی، اور، اور، جلدی کرو بھئی، میں اب اور انتظار نہیں کر سکتا۔ بے خوابی کی مریض عورت، ایک ہٹے کٹے مرد کے نیچے پڑی، مایوسی سے بین کیے جا رہی تھی، دوسری چار عورتیں اُن مردوں کے گھیرے میں تھیں جن کی پتلونوں کے پائنچے ٹخنوں تک گرے ہوئے تھے اور وہ اُن پر پل پڑنے کے لیے ایک دوسرے کو یوں دھکے دے رہے تھے جیسے کسی جانور کی لاش پر لکڑ بھگے۔ ڈاکٹر کی بیوی نے اپنے آپ کو اُس بستر کے پاس پایا جہاں اُسے لے جایا گیا تھا، وہ کھڑی تھی اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے پلنگ کے کٹہرے کو پکڑنے کی کوشش کر رہی تھی، اُس کے دیکھتے دیکھتے پستول والے اندھے لیڈر نے، کالے چشمے والی لڑکی کی سکرٹ کو زور سے کھینچا اور تار تار کر ڈالا، اپنی پتلون نیچے کی اور اپنی انگلیوں سے پکڑ کر آلۂ تناسل کا رُخ لڑکی کی شرمگاہ کی طرف کیا اور اسے زور سے اندر دھکیلا، وہ اس کی غرفشوں اور فحش گالیوں کو سُنتی رہی،

کالی چشمے والی لڑکی نے کچھ نہیں کہا، اُس نے صرف قے کرنے کے لیے اپنا منہ کھولا، اُس کا سر ایک طرف کو ڈھلکا ہوا تھا اور آنکھیں دوسری عورت کی طرف، اندھے بدمعاش کو پتہ ہی نہیں چلا کہ کیا ہو رہا ہے، قے کی بدبو صرف اُسی وقت محسوس ہوتی ہے جب ماحول اور باقی سب چیزوں سے ایسی بدبو نہ آرہی ہو، آخرکار وہ سر سے پاؤں تک لرزنے لگا، تین پُرتشدد دھکے لگائے جیسے تین شہتیر ٹھونک رہا ہو، پھر ایک ایسے سؤر کی طرح ہانپنے لگا جس کا دم گھٹا جا رہا ہو، وہ خلاص ہو چکا تھا۔ کالے چشمے والی لڑکی خاموشی سے روتی رہی۔ پستول والے اندھے آدمی نے اپنا آلۂ تناسل باہر نکالا جو ابھی تک ٹپک رہا تھا اور ہچکچاتی ہوئی آواز میں ڈاکٹر کی بیوی کی طرف اپنا بازو بڑھاتے ہوئے بولا، حسد مت کرو، اب میں تم سے معاملہ کروں گا، اور پھر اپنی آواز کو بلند کرتے ہوئے، لڑکو اب تم آ کر اس لڑکی کو لے جا سکتے ہو، لیکن اس سے عمدہ برتاؤ کرنا، شاید مجھے اس کی پھر ضرورت پڑے۔ آدھی درجن کے قریب اندھے آدمی، درمیانی راستے میں سے لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھے، کالے چشمے والی لڑکی کو دبوچا اور اُسے گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔ سب یہی کہہ رہے تھے، پہلے میں، پہلے میں۔ پستول والا اندھا آدمی بستر پر بیٹھ گیا تھا اُس کا پلپلا آلۂ تناسل گدے کے کنارے ٹِکا ہوا تھا، اس کی پتلون ٹخنوں کے گرد لپٹی ہوئی تھی۔ یہاں میری ٹانگوں کے درمیان گھٹنے ٹیک کر بیٹھ جاؤ، وہ بولا۔ ڈاکٹر کی بیوی گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ چُوسو مجھے، اس نے کہا، نہیں، وہ جواب میں بولی، اگر تم نہیں چُوسو گی تو میں تمہاری خوب پٹائی کروں گا اور تمہیں کھانے کو بھی کچھ نہیں ملے گا، اُس نے کہا، کیا تمہیں یہ خوف نہیں کہ میں کہیں تمہارے آلۂ تناسل کو نہ کاٹ کھاؤں؟ تم کوشش کر کے دیکھ سکتی ہو، میرے ہاتھ تمہاری گردن پر ہیں، اس سے پہلے کہ تم میرا خون نکالنے کی کوشش کرو، میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا، اُس نے اُسے ڈراتے ہوئے کہا، پھر بولا، مجھے تمہاری آواز جانی پہچانی ہوئی لگتی ہے اور میں تمہارا چہرہ پہچانتی ہوں، تم اندھی ہو، مجھے دیکھ نہیں سکتی، نہیں میں تمہیں دیکھ نہیں سکتی، تو پھر کیوں کہتی ہو کہ میں تمہارا چہرہ پہچانتی ہوں، اس لیے کہ اس آواز کا صرف ایک ہی چہرہ ہو سکتا ہے، چھوڑو اِدھر اُدھر کی باتیں اور مجھے چوسو، نہیں، یا تو تم مجھے چوسو گی یا پھر تمہارے وارڈ والوں کو روٹی کا بھورا

بھی دیکھنے کو نہ ملے گا، واپس چلی جاؤ، وہاں اور اُن کو بتاؤ کہ اگر اُن کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے اُس کو چوسنے سے انکار کر دیا تھا اور پھر واپس آ کر مجھے بتاؤ کہ وہاں کیا ہوا۔ ڈاکٹر کی بیوی آگے کی جانب جھکی، اپنے دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کی پوروں سے اُس کے لِسلِسے آلۂ تناسل کو پکڑ کر اٹھایا، بائیں ہاتھ کو فرش پر رکھ کر اُس کی پتلون کو چھوا، ٹٹولا، پستول کی ٹھنڈی دھاتی سختی کو محسوس کیا، میں اس آدمی کو ہلاک کر سکتی ہوں، اُسے خیال آیا، وہ نہیں کر سکتی تھی، ٹخنوں کے گرد لپٹی ہوئی پتلون کی وجہ سے اُس کی جیب تک پہنچنا مشکل تھا، جس میں اُس نے پستول ڈال رکھا تھا، اِس وقت میں اسے ہلاک نہیں کر سکتی، اس نے سوچا۔ اُس نے اپنا سر آگے کیا، منہ کو کھولا اور بند کر لیا، اپنی آنکھیں میچ لیں تا کہ دیکھ نہ سکے اور چُوسنے لگی۔

دن چڑھ رہا تھا جب اندھے بدمعاشوں نے عورتوں کو جانے کی اجازت دی۔ بے خوابی کی مریض اندھی عورت کو اس کی ساتھی عورتوں نے، جو خود بھی مشکل سے گھسٹ سکتی تھیں، اپنے بازوؤں پر اٹھا کر لے جانا تھا۔ وہ کئی گھنٹوں تک منتقل ہوتی رہی تھیں ایک آدمی سے دوسرے آدمی کی طرف، ایک خجالت سے دوسری خجالت کی طرف، ایک بے حرمتی سے دوسری بے حرمتی کی طرف، جو کچھ بھی کسی عورت کے ساتھ اُسے زندہ رکھتے ہوئے کیا جا سکتا ہے۔ جب وہ چلنے لگیں تو پستول والے اندھے آدمی نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا، جیسا کہ تم جانتی ہو، جنس کی ادائیگی جنس میں کی جاتی ہے، اپنے اُن قابلِ رحم مردوں سے کہو کہ آئیں اور آ کر اپنی خوراک لے جائیں اور پھر مزید استہزا کے ساتھ، پھر ملیں گے لڑکیو، اپنے آپ کو اگلی ملاقات کے لیے تیار کرو۔ دوسرے اندھے بدمعاشوں نے بھی کم و بیش یک زبان دُہرایا، پھر ملیں گے، لیکن بعض نے بچھیریو کہا، بعض نے طوائفو، اُن کی آوازوں میں یقین کے فقدان کی وجہ سے اُن کی ماند پڑتی ہوئی نفس پرستی صاف نظر آتی تھی، بہرے، اندھے، خاموش، پاؤں لڑکھڑاتے ہوئے اُن میں اتنی قوتِ ارادی بھی نہیں تھی کہ اپنے سامنے کھڑی عورت کو ہاتھ نہ چھڑانے دیں، ہاتھ، کندھا نہیں، جیسے، جب وہ آئیں تھیں، یقیناً اُن میں سے کسی کو بھی معلوم نہ ہو گا کہ وہ کیا جواب دیتا، اگر اُس سے پوچھا جاتا کہ اب جاتے وقت ہاتھ کیوں تھامے ہوئے ہو، سب آپ سے آپ

ہو گیا تھا، ایسے اشارے بھی ہوتے ہیں جن کی تشریح آسان نہیں ہوتی، کبھی کبھی تو مشکل تشریح بھی ہاتھ نہیں آتی۔ جب وہ ہال وے میں سے گزریں تو ڈاکٹر کی بیوی نے باہر دیکھا، وہاں فوجی سپاہی تھے اور ایک ٹرک کھڑا تھا جس میں طبی نظر بندوں کے لیے کھانے کا سامان لایا جاتا تھا۔ عین اُس لمحے، بے خوابی کی مریض اندھی عورت کی ٹانگیں سچ مُچ جواب دے گئیں، جیسے انہیں ایک ہی ضرب سے کاٹ کر الگ کر دیا گیا ہو، اُس کا دل بھی ساتھ چھوڑ گیا، وہ اپنے شروع کیے ہوئے پیچ و تاب کی لَے بھی ختم نہ کر سکا۔ اب ہم جان گئے ہیں کہ یہ اندھی عورت کیوں نہیں سو سکتی تھی۔ اب وہ سوئے گی، ہمیں اُسے جگانا نہیں چاہیے۔ وہ مر گئی ہے، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا اور اُس کی آواز کسی بھی قسم کے تاثر سے خالی تھی، اگر ایسی آواز کے لیے جو اتنی ہی مُردہ تھی جتنا اس کا بولا ہوا لفظ، ایک زندہ منہ سے نکلنا ممکن تھا۔ ڈاکٹر کی بیوی نے اُس کے اچانک بکھرے ہوئے جسم کو اٹھایا، ٹانگیں خون میں لتھڑی ہوئی، پیٹ پر خراشیں، بے چاری چھاتیاں برہنہ اور بُری طرح داغدار، کندھے پر گڑھے ہوئے دانتوں کے نشان، یہ ہے تصویر میرے جسم کی، اُس نے سوچا، یہاں کی تمام عورتوں کے جسم کی تصویر، اِن بے حرمتیوں اور ہمارے دُکھوں کے درمیان صرف ایک فرق ہے، ہم فی الحال ابھی زندہ ہیں۔ ہم اسے کہاں لے جائیں گے؟ کالے چشمے والی لڑکی نے پوچھا، اس وقت تو وارڈ میں، بعد میں ہم اسے دفن کریں گے، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا۔

مرد دروازے پر انتظار کر رہے تھے، صرف پہلا اندھا آدمی نظر نہیں آیا، جب اُسے علم ہوا کہ عورتیں واپس آ رہی ہیں تو اُس نے ایک بار پھر اپنا سر کمبل میں چھپا لیا تھا اور بھینگی آنکھ والا لڑکا بھی دکھائی نہیں دیا، وہ سو رہا تھا۔ ڈاکٹر کی بیوی نے ہچکچائے بغیر، بستر گنے بغیر بے خوابی کی مریض عورت کو اُس کے بستر پر لِٹا دیا۔ اس نے پرواہ نہیں کی کہ ہوسکتا ہے یہ بات دوسروں کو عجیب لگے، تاہم وہاں سب کو معلوم تھا کہ وہ اندھی عورت ہے جو اس جگہ کے ہر کونے کھدرے سے واقف ہے۔ یہ مر گئی ہے، اُس نے دہرایا، کیا ہوا، ڈاکٹر نے پوچھا، لیکن اُس کی بیوی نے جواب دینے کی زحمت گوارا نہ کی، ہوسکتا ہے اُس کے سوال کا مطلب وہی ہو، جو لگتا

تھا کہ ہے: وہ کیسے مری، لیکن بین السطور یہ بھی تھا کہ وہاں اُن لوگوں نے تم سے کیا سلوک کیا، اب پہلے اور دوسرے دونوں سوالوں کا کیا جواب دیا جاسکتا تھا، بس وہ مر گئی، کس وجہ سے، یہ اب اہم نہیں رہا، یہ پوچھنا ایک احمقانہ بات ہوگی کہ کوئی کس وجہ سے مرا، وقت کے ساتھ وجہ بھی بھول جائے گی، صرف دو لفظ باقی ہیں: وہ مر گئی، اور اب ہم وہ عورتیں نہیں ہیں جو یہاں سے چلتے وقت تھیں، جو الفاظ انہوں نے بولے ہوتے اب ہم نہیں بول سکتے، اور جہاں تک دوسروں کا تعلق ہے وہ موجود ہے جسے کوئی نام نہیں دیا جاسکتا، بے نام، یہی اُس کا نام اور کچھ نہیں۔ جاؤ اور جا کر کھانا لے آؤ، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا۔ اتفاق، تقدیر، مقسوم، مقدر یا جو کوئی بھی موزوں نام ہے اُس کے لیے جس کے اتنے بہت سے نام ہیں، خالص ستم ظریفی کا بنا ہوا ہے، بصورتِ دیگر ہم کیسے سمجھ سکتے کہ آخر ان دو عورتوں کے خاوند ہی کیوں چُنے گئے تھے وارڈ کی نمائندگی کرنے اور اُن کا کھانا لانے کے لیے، جب کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس کھانے کی وہ قیمت ادا کرنا پڑے گی جو ابھی ابھی ادا کی گئی تھی۔ دوسرے مرد بھی ہو سکتے تھے، غیر شادی شدہ، آزاد، ازدواجی عزت کے دفاع سے فارغ، لیکن پھر ان دونوں ہی کو ہونا تھا، جو یقیناً اُن کمینے بدمعاشوں کے سامنے، جنھوں نے ان کی بیویوں کی بے حرمتی کی تھی، ہاتھ پھیلانے کی ذلت برداشت کرنے کے روادار نہ ہوں گے۔ پہلے اندھے آدمی نے تو اپنے قطعی فیصلے پر زور دیتے ہوئے یہ کہہ بھی دیا، جو بھی جانا چاہے جاسکتا ہے، میں نہیں جا رہا، میں جاؤں گا، ڈاکٹر نے کہا، میں جاؤں گا تمہارے ساتھ، سیہ پیوند والا بوڑھا آدمی بولا۔ کھانے پینے کا سامان زیادہ تو نہیں ہوگا لیکن یہ سوچ لو کہ ان چیزوں کا وزن اچھا خاصا ہوتا ہے، جو روٹی میں کھاتا ہوں اُسے اٹھانے کی طاقت مجھ میں اب بھی ہے، وہ دوسروں کی روٹی ہوتی ہے جس کا بوجھ ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے، مجھے شکایت کا کوئی حق نہیں، دوسروں کا اُٹھایا ہوا بوجھ میری روٹی کی قیمت ادا کرے گا۔ آیئے تصور میں لانے کی کوشش کریں، مکالمے کو نہیں کہ وہ تو ہو چکا بلکہ اُن آدمیوں کو جن کے مابین یہ مکالمہ ہوا، وہ وہاں موجود ہیں ایک دوسرے کے رُوبرو جیسے ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں، جو اس حالت میں ناممکن ہے؛ اتنا ہی کافی ہے کہ اُن دونوں کا حافظہ، دنیا کی چکاچوند سفیدی

میں سے وہ ذہن لے آئے جو الفاظ کی ترتیل کر رہا ہے اور پھر اس مرکز سے نکلتی ہوئی آہستہ خرام روشنی کی طرح اُن کے باقی چہرے نمودار ہونا شروع ہوں گے، ایک چہرہ، ایک بوڑھے آدمی کا دوسرا اُس آدمی کا جو اُتنا بوڑھا نہیں ہے اور کوئی بھی شخص جو اب اس طریقے سے دیکھ سکتا ہے، اُسے درحقیقت اندھا نہیں کہا جاسکتا۔ جب انہوں نے وہاں جانے اور خجالت کی مزدوری وصول کرنے کے لیے قدم اٹھائے، جیسا کہ پہلے اندھے آدمی نے اپنے جوشِ خطابت میں احتجاجاً کہا تھا، ڈاکٹر کی بیوی نے دوسری عورتوں سے کہا، تم یہیں ٹھہرو، میں ابھی آئی۔ اُسے یہ تو معلوم تھا کہ اُسے کیا چاہیے، یہ معلوم نہیں تھا کہ اُسے ملے گا بھی یا نہیں، اُسے ایک بالٹی کی ضرورت تھی یا ایسی ہی کسی چیز کی جو اُس کے مقصد کے لیے کارآمد ہو وہ اُس میں پانی بھر کر لانا چاہتی تھی، چاہے بدبودار ہی کیوں نہ ہو، آلودہ ہی کیوں نہ ہو، وہ بے خوابی کی مریض اندھی عورت کی لاش کو غسل دینا چاہتی تھی، اُس کے اپنے خون اور دوسروں کی منی کو دھونا چاہتی تھی، تاکہ اُسے پاک صاف حالت میں سپردِ خاک کر سکے، اگر جسم کی پاکیزگی کے اب بھی کوئی معنی ہیں، اس پاگل خانے میں جہاں ہم رہتے ہیں، اس لیے کہ روح کی پاکیزگی تو ہماری پہنچ سے باہر ہے۔

طعام خانے کی لمبی میزوں پر اندھے آدمی لیٹے ہوئے تھے۔ کاٹھ کباڑ سے بھرے سنک کے اوپر لگی ٹپکتی ٹونٹی میں سے پانی کی ایک مہین سی دھار قطرہ قطرہ گر رہی تھی۔ ڈاکٹر کی بیوی نے کسی بالٹی یا تسلے کی تلاش میں چاروں طرف نظر دوڑائی، لیکن ایسی کوئی چیز دکھائی نہ دی جو اُس کے لیے کارآمد ہوسکتی، ایک اندھے آدمی نے جو اُس کی موجودگی سے پریشان ہوگیا تھا، پوچھا، کون ہے؟ ڈاکٹر کی بیوی نے جواب نہیں دیا، وہ جانتی تھی کہ اُس کی موجودگی کو پسند نہیں کیا جائے گا، کوئی نہیں کہے گا، تمہیں پانی کی ضرورت ہے؟ لے لو، اور اگر کسی مُردہ عورت کی لاش کو غسل دینے کے لیے چاہیے تو جتنا جی چاہے لے جاؤ۔ فرش پر پلاسٹک کے تھیلے بکھرے ہوئے تھے، جو خوراک کے لیے استعمال ہوئے ہوں گے۔ اُن میں کچھ بڑے بڑے بھی تھے۔ اُس نے سوچا انہیں کاٹ لینا چاہیے، پھر خیال آیا کہ دو یا تین تھیلوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر اگر اس میں

پانی بھرا جائے تو زیادہ پانی ضائع نہیں ہوگا۔ اُس نے تیزی سے اپنا کام شروع کردیا، اندھے آدمی پہلے ہی میزوں سے اُترتے ہوئے پوچھ رہے تھے، کون ہے یہاں، جب انہوں نے بہتے ہوئے پانی کی آواز سنی تو اور بھی سراسیمہ ہوئے، وہ اُس جانب بڑھنے لگے، ڈاکٹر کی بیوی پرے ہٹ گئی اور اُن کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے ایک میز دھکیل دی تاکہ وہ نزدیک نہ آسکیں، پھر اُس نے دوبارہ تھیلا اٹھایا، پانی آہستہ آہستہ گر رہا تھا، گھبراہٹ میں اُس نے ٹونٹی کو زور سے گھمایا، تب جیسے وہ کسی جیل سے رِہا ہوا ہو، پانی پھوٹ کر بہہ نکلا، ہر طرف چھینٹے اُڑانے لگا اور اُسے سر سے پاؤں تک شرابور کردیا۔ اندھے آدمی خوفزدہ ہوکر پیچھے ہٹ گئے، انہوں نے سوچا کوئی پائپ پھٹ گیا ہے اور وہ اپنی اس سوچ میں اور بھی پکے ہوگئے جب سیلاب اُن کے پیروں تک آ پہنچا، وہ کیسے جان سکتے تھے کہ یہ سب اُس اجنبی کا کیا دھرا ہے جو کچھ دیر پہلے یہاں آیا تھا، یہ ہوتے ہی عورت کو احساس ہوگیا تھا کہ وہ اتنے زیادہ بوجھ کی متحمل نہ ہوسکے گی۔ اُس نے تھیلے کو گانٹھ لگائی، اُسے اپنے کندھے پر ڈالا اور جیسے بھی ہوا بھاگ کھڑی ہوئی۔

جب ڈاکٹر اور سیہ پیوند والا بوڑھا آدمی، کھانا اٹھائے وارڈ میں داخل ہوئے، انہوں نے نہیں دیکھا، وہ دیکھ ہی نہیں سکتے تھے، سات ننگی عورتیں اور بستر پر پڑی ہوئی لاش، بے خوابی کی مریض اندھی عورت کی، اتنی پاک صاف کہ اپنی پوری زندگی میں شاید ہی کبھی رہی ہو، جبکہ ایک دوسری عورت نہلا رہی تھی، ایک ایک کرکے اپنی ساتھی عورتوں کو، اور پھر خود کو۔

۱۲

چوتھے دن، وہ ٹھگ دوبارہ نمودار ہوئے۔ وہ دوسرے وارڈ کی عورتوں سے اُگاہی کرنے کے لیے آئے تھے، لیکن پہلے وارڈ کے دروازے پر ایک لمحے کے لیے رُک گئے تھے یہ پوچھنے کے لیے کہ آیا وہاں کی عورتیں اُس رات کی جنسی بدمستیوں کے بعد اب سنبھل چکی ہیں یا نہیں، ایک غیر معمولی رات، ہاں جناب، اُن میں سے ایک نے اپنے جبڑوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا اور دوسرے نے اُس کی تصدیق کی۔ وہ سات عورتیں چودہ کے برابر تھیں، یہ سچ ہے کہ اُن میں سے ایک کوئی ایسی بڑی تھرتھری پیدا کرنے والی نہیں تھی، لیکن اُس ہنگامے میں کسے خیال آیا ہوگا، اُن کے مرد خوش قسمت لُوطی ہیں، اگر وہ ان کے لیے واقعی مرد ہیں۔ بہتر ہوگا اگر وہ نہ ہوں، پھر وہ زیادہ شوقین ہوں گی۔ وارڈ کے دوسرے سرے سے ڈاکٹر کی بیوی بولی، اب ہم سات نہیں ہیں، کیا تم میں سے کوئی بھاگ گئی ہے، اُس گروپ میں سے کسی نے پوچھا، ہنستے ہوئے، وہ بھاگی نہیں، وہ مرگئی، ارے بُرا ہوا، اب تمہارے گروہ کو آئندہ اور زیادہ محنت کرنی پڑے گی، خیر کوئی ایسا نقصان نہیں ہوا، وہ کوئی خاص چلبلی بھی نہیں تھی، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا۔ بدحواسی میں اُن ٹھگوں کی سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ کیا جواب دیں، جو ابھی انہوں نے سُنا تھا، انہیں ناشائستہ لگا، اُن میں سے بعض تو یہ سوچنے لگے، آخر میں یہی کُھلتا ہے کہ عورتیں ہوتی ہی کُتیاں ہیں، احترام کا اتنا فقدان، کسی عورت کے بارے میں ایسی بات کہنا، محض اس لیے کہ اُس

کی چوچیاں اپنی جگہ پر نہ تھیں اور اُس کی سُرینیں قابلِ ذکر نہ تھیں۔ ڈاکٹر کی بیوی، اُن کو دروازے کے راستے میں ڈولتے ہوئے، متذبذب اور مشینی گڑیوں کی طرح اپنے جسموں کو ہلاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ وہ اُنہیں پہچان گئی، ان تینوں نے اس کے ساتھ زنا بالجبر کیا تھا۔ آخر کار ان میں سے ایک نے اپنی لاٹھی زمین پر ماری اور کہا آؤ چلیں، اُن کی کھٹ کھٹ اور اُن کی خبردار کرنے والی چیخیں، پیچھے رہو، پیچھے رہو، یہ ہم ہیں، ختم ہوگئیں جب وہ گیلری کے ساتھ ساتھ راستہ بناتے چلنے لگے، پھر خاموشی چھا گئی، مبہم آوازیں، دوسرے وارڈ کی عورتوں کو حکم دیا جارہا تھا کہ ڈنر کے بعد اپنے آپ کو پیش کریں۔ ایک بار پھر لاٹھیوں کی کھٹ کھٹ سنائی دی، پیچھے رہو، پیچھے رہو، تین اندھے آدمیوں کے سائے دروازے کے راستے پر سے گزرے اور وہ چلے گئے۔

ڈاکٹر کی بیوی نے جو بھینگی آنکھ والے لڑکے کو ایک کہانی سنا رہی تھی، اپنا بازو اٹھایا اور کوئی آواز پیدا کیے بغیر کیل سے قینچی اتار لی۔ اُس نے لڑکے سے کہا، باقی کہانی بعد میں سناؤں گی۔ وارڈ میں کسی نے نہیں پوچھا تھا کہ اُس نے بے خوابی کی مریض اندھی عورت کے بارے میں اتنی تحقیر آمیز بات کیوں کی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے اپنے جوتے اتارے اور اپنے خاوند کو اطمینان دلانے کے لیے چلی گئی، مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی، میں سیدھی واپس آرہی ہوں۔ وہ دروازے کی طرف بڑھی، وہاں رکی اور انتظار کرتی رہی۔ دس منٹ بعد گیلری میں دوسرے وارڈ والی عورتیں نمودار ہوئیں۔ وہ پندرہ تھیں۔ بعض رو رہی تھیں۔ وہ قطار میں نہیں تھیں، بلکہ گروپوں کی صورت میں، ڈوریوں کے ساتھ ایک دوسرے سے بندھی، جو یقیناً بستروں کی چادروں سے پھاڑے ہوئے کپڑوں کے چیتھڑوں سے بنائی گئی تھیں۔ جب وہ گزر گئیں تو ڈاکٹر کی بیوی اُن کے پیچھے پیچھے چلنے لگی، ان میں سے کسی کو بھی اندازہ نہ ہوا کہ اُن کے ساتھ کوئی اور بھی ہے وہ جانتی تھیں کہ اُن کے ساتھ کیا ہونے والا ہے، اُن غلط کاریوں کی خبر، جو اُن کے ساتھ روا رکھی جائیں گی، اب کوئی راز نہیں رہی تھی اور نہ ہی حقیقت میں یہ غلط کاریاں کوئی نئی تھیں، اس لیے کہ لاریب دنیا کی ابتدا ہی اسی طرح ہوئی تھی۔ وہ زنا بالجبر سے

اتنی دہشت زدہ نہیں تھیں بلکہ اُن خرمستیوں سے، اُس خجالت سے، اُس خوفناک رات کی پیش بینی سے، پندرہ عورتیں بستروں پر ٹانگیں پھیلائے اور فرش پر مرد ایک عورت سے دوسری کی طرف جاتے، خنزیروں کی طرح خخناتے ہوئے، بدترین بات اس میں یہ ہے کہ شاید مجھے اس میں کچھ لطف محسوس ہونے لگے، ان عورتوں میں سے ایک نے دل میں سوچا۔ جب وہ اُس وارڈ کی طرف لے جانے والی گیلری میں داخل ہوئیں جس میں انہیں جانا تھا تو اطلاع دینے پر مامور اندھے آدمی نے دوسروں کو ہوشیار کردیا، مجھے اُن کی آوازیں آ رہی ہیں، وہ کسی بھی لمحے یہاں ہوں گی۔ جس پلنگ کو پھاٹک کے طور پر کھڑا کیا گیا تھا فوراً ہٹا دیا گیا، ایک ایک کر کے عورتیں داخل ہوئیں، اوخ خو، اتنی ساری، اندھا اکاؤنٹنٹ پکار اٹھا، جب اُس نے انہیں اشتیاق کے عالم میں گننا شروع کیا، گیارہ، بارہ، تیرہ، چودہ، پندرہ، پندرہ عورتیں ہیں۔ وہ آخری عورت کے قریب گیا، اپنے پُراشتیاق ہاتھ اُس کی سکرٹ پر رکھے، یہ والی کھلاڑ (Game) ہے اِسے میں لوں گا، وہ کہہ رہا تھا۔ وہ عورتوں کا جائزہ لے چکے تھے اور اب اُن کی جسمانی خوبیوں کی ابتدائی جانچ پڑتال میں مصروف تھے۔ اصل میں اگر ان سب عورتوں کو ایک ہی انجام سے دوچار ہونا تھا تو پھر وقت ضائع کرنے اور اپنی خواہش کو ٹھنڈا کرنے کی کیا تُک تھی، جب وہ قد و قامت کو دیکھ کر اور سینوں اور کولہوں کے تناسب کے مطابق اپنا چناؤ کر ہی چکے تھے۔ وہ جلد ہی اُن کو زبردستی ننگا کرتے ہوئے اپنے بستروں کی جانب لے جانے لگے اور زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ان کا رونا دھونا اور رحم کی اپیلیں سنائی دینے لگیں، لیکن ان کے جواب ہمیشہ یکساں ہوتے تھے، اگر تم کھانا چاہتی ہو تو ٹانگیں کھول دو اور انہوں نے اپنی ٹانگیں کھول دیں، بعض عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے منہ استعمال کریں، جیسے اس عورت کو جو اِن لفنگوں کے لیڈر کے گھٹنوں کے درمیان دُبکی ہوئی بیٹھی تھی اور منہ سے کچھ بول نہیں رہی تھی۔ ڈاکٹر کی بیوی آہستگی کے ساتھ بستروں کے درمیان سے سرکتی، وارڈ میں داخل ہوئی لیکن اُسے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی بھی ضرورت نہیں تھی، اُس نے اگر کھڑاویں بھی پہنی ہوتیں تو بھی کوئی اُس کی آواز نہ سُن سکتا اور اگر اس ہنگامے کے درمیان کوئی اندھا آدمی اُسے چُھو بھی لیتا اور جان لیتا کہ یہ ایک عورت ہے تو

زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ اُسے بھی دوسروں میں شامل ہونا پڑتا، اس لیے نہیں کہ کسی کو اُس کا پتہ چل جاتا، اس قسم کی صورتِ حال میں پندرہ اور سولہ کے درمیان فرق کرنا آسان نہیں ہوتا۔

اِن غنڈوں کے لیڈر کا بستر اب بھی وارڈ کے آخری سرے پر تھا جہاں کھانے پینے کے سامان کے ڈبوں کے ڈھیر پڑے تھے۔ اس کے قریب والے بستر ہٹا دیے گئے تھے۔ وہ شخص اپنے پڑوسیوں کے پلنگوں سے ٹکرائے بغیر اپنی مرضی سے چلنا پھرنا پسند کرتا تھا۔ اُسے ہلاک کرنا آسان ہوگا۔ تنگ درمیانی راستے میں سے آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہوئے ڈاکٹر کی بیوی نے اُس آدمی کی نقل و حرکت کا جائزہ لیا جسے وہ ہلاک کرنے والی تھی، سرمستی کے عالم میں اُس نے کیسے اپنے سر کو پیچھے کی طرف پھینکا تھا، جیسے وہ اُسے اپنی گردن پیش کر رہا ہو۔ آہستہ سے ڈاکٹر کی بیوی قریب پہنچی، پلنگ کا چکر لگایا اور اندھے آدمی کے پیچھے اپنی پوزیشن بنا کر کھڑی ہوگئی۔ اندھی عورت اپنے کام میں لگی رہی۔ ڈاکٹر کی بیوی نے آہستہ آہستہ قینچی کو اوپر اُٹھایا، دونوں پھل تھوڑے کھلے ہوئے تاکہ دو خنجروں کی طرح گھونپے جا سکیں۔ عین اس وقت آخری لمحے پر لگا کہ اندھے آدمی کو کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا لیکن شہوت کا غیرمعمولی ہیجان اُسے معمولی احساسات کی دنیا سے دور لے جا چکا تھا، اُسے کسی اضطراری فعل سے معذور کر چکا تھا۔ تمہیں دوبارہ آنے کا وقت نہیں ملے گا، ڈاکٹر کی بیوی نے اپنا بازو پوری قوت سے نیچے لاتے ہوئے سوچا، قینچی کے پھل آدمی کے گلے میں اندر تک دھنس چکے تھے، از خود مُڑنے کے لیے، وہ کُر کُری ہڈی اور جھلی دار ریشوں سے نبرد آزما ہوتے ہوئے، غضبناکی کے ساتھ اور بھی گہرائی میں اُترتے چلے گئے، جب تک کہ گردن کی ریڑھ کی ہڈی تک نہیں پہنچ گئے۔ اُس کی چیخ بمشکل سنائی دینے والی تھی، یہ ایک جانور کے ڈسچارج ہوتے وقت کی غرغش ہو سکتی تھی جیسا کہ بعض دوسرے آدمیوں کے ساتھ ہو رہا تھا اور شاید ویسا ہی تھا اور عین اس وقت جب اندھی عورت کے چہرے پر خون کا ایک زوردار چھینٹا پڑا، اُسی وقت اُس کے منہ سے آلۂ تناسل سے خلاص ہونے والی منی بھی گری۔ یہ اس عورت کی چیخ تھی جس نے اندھے آدمیوں کو بدحواس کر دیا، وہ چیخوں سے بھی زیادہ کچھ سننے کے عادی تھے لیکن یہ اُن چیخوں جیسی نہ تھی۔ اندھی عورت چلائے جا رہی

تھی، یہ خون کہاں سے آ گیا، شاید، پتہ نہیں کیسے، اُس نے وہ کر دکھایا تھا، جو اُس کے ذہن سے گزرا تھا کہ کرے اور اُس نے کاٹ ڈالا اس کے آلۂ تناسل کو۔ اندھے آدمیوں نے عورتوں کو چھوڑ دیا، اپنا راستہ ٹٹولتے ہوئے قریب پہنچے، کیا ہو رہا ہے، یہ سب چیخم دھاڑ کیا ہے، انہوں نے پوچھا، لیکن اندھی عورت کے منہ پر اب ایک ہاتھ تھا، کسی نے اُس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا تھا، چپ رہو، اور نرمی سے اُسے پیچھے کھینچ لیا تھا، کچھ مت کہو، یہ ایک عورت کی آواز تھی، اور اُسے اطمینان ہوا، اگر ایسے ہولناک ماحول میں یہ ہونا ممکن ہے۔ اندھا اکاؤنٹنٹ دوسروں سے پہلے آیا، وہ پہلا شخص جس نے جسم کو چھوا جو پلنگ کے آر پار گرا پڑا تھا۔ پہلا شخص جس نے اُس پر ہاتھ پھیرے، وہ مر گیا ہے، اُس نے فوراً اعلان کیا۔ اُس کا سر پلنگ کی دوسری طرف نیچے لٹک رہا تھا، خون ابھی تک اُبل اُبل کر باہر آ رہا تھا، انہوں نے مار دیا ہے اُسے، وہ بولا۔ اندھے آدمی جہاں تھے وہیں کھڑے رہ گئے، انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا، وہ اُسے کیسے مار سکتے تھے، کس نے مار ڈالا اُسے، انہوں نے اُس کے گلے میں بہت بڑا شگاف ڈال دیا ہے، یہ وہی رنڈی ہوگی جو اُس کے ساتھ تھی، ہمیں اُسے پکڑنا ہوگا۔ اندھے آدمی دوبارہ حرکت میں آئے، اس بار بہت آہستہ، جیسے وہ اُس بلیڈ کے سامنے آنے سے ڈرتے ہوں جس نے اُن کے لیڈر کو ہلاک کر دیا تھا، وہ دیکھ نہ سکے کہ اندھا اکاؤنٹنٹ جلدی جلدی مرنے والے کی جیبیں ٹٹول رہا ہے، اُس کا پستول نکال رہا ہے اور پلاسٹک کا وہ تھیلا جس میں کوئی دس کے قریب گولیاں تھیں۔ ہر کسی کی توجہ عورتوں کی چیخ و پکار کی طرف مبذول ہوگئی تھی جو اب اپنے پاؤں پر کھڑی ہو چکی تھیں، دہشت زدہ، اس جگہ سے فوراً نکل جانے کی خواہشمند، لیکن بعض کو تو یہ اندازہ بھی نہیں رہا تھا کہ اس وارڈ سے باہر نکلنے کا دروازہ کہاں ہے، وہ غلط سمت میں گئیں اور اندھے آدمیوں سے جا ٹکرائیں، جو یہ سمجھے کہ عورتیں اُن پر حملہ کرنے والی ہیں، جس پر جسموں کی افراتفری نے سراسیمگی کی نئی بلندیوں کو چھو لیا، وارڈ کے دوسرے سرے پر ڈاکٹر کی بیوی اپنے فرار ہونے کے لیے خاموشی سے مناسب وقت کا انتظار کرتی رہی۔ اس نے ایک ہاتھ سے اندھی عورت کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ میں قینچی پکڑ رکھی تھی کہ اگر کوئی آدمی

اُس کے نزدیک آئے تو وہ اس پر پہلے ضرب لگا سکے۔ فی الوقت خالی جگہ اُس کے حق میں جاتی تھی، لیکن اسے معلوم تھا کہ وہ وہاں زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے گی۔ بہت سی عورتوں کو بالآخر دروازہ مل گیا تھا، دوسری اُن ہاتھوں سے اپنے آپ کو چھڑانے کی جدوجہد کر رہی تھیں جو انہیں روکے ہوئے تھے، ایک ایسی عجیب عورت بھی تھی جو اب بھی دشمن کا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہی تھی اور ایک اور لاش کا اضافہ کرنے کی۔ اندھے اکاؤنٹنٹ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیتے ہوئے کہا، پُرسکون رہو، اپنے حواس مت گم کرو، ہم اس معاملے کی تہ تک پہنچیں گے اور اپنے حکم کو اور پُرزور بنانے کے شوق میں اُس نے ہوائی فائر کیا۔ نتیجہ اُس کی توقع کے بالکل برعکس نکلا۔ یہ پتہ چلنے پر کہ پستول اب کسی اور کے ہاتھ میں ہے اور اب کوئی اور اُن کا لیڈر بننے والا ہے، اندھے بدمعاشوں نے عورتوں سے الجھنا بند کر دیا اور ان پر غلبہ پانے کی کوششیں چھوڑ دیں، اُن میں سے ایک نے تو الجھنا بالکل ہی چھوڑ دیا تھا، اس لیے کہ اُس کا گلا گھونٹ دیا گیا تھا۔ یہ وہ موقع تھا جب ڈاکٹر کی بیوی نے وہاں سے نکلنے کا فیصلہ کیا۔ دائیں بائیں وار کرتے ہوئے اُس نے راستہ بنا لیا۔ اب اندھے ٹھگ چیخ و پکار کر رہے تھے، ہر جگہ گرے پڑتے تھے اور ایک دوسرے کے اوپر سے پھلانگ رہے تھے، وہاں اگر کسی کے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہوتیں تو اُسے اندازہ ہو جاتا کہ اس کے مقابلے میں پہلے والا ہنگامہ تو ایک مذاق تھا۔ ڈاکٹر کی بیوی کو مرنے مارنے کی کوئی خواہش نہیں تھی، وہ تو بس یہ چاہتی تھی کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے یہاں سے نکل جائے اور مزید برآں کسی اندھی عورت کو پیچھے نہ چھوڑ جائے۔ یہ والا تو غالباً نہیں بچے گا، اُس نے سوچا جب وہ ایک آدمی کی چھاتی میں قینچی گھونپ رہی تھی۔ ایک اور گولی کی آواز سنائی دی، آؤ چلیں، آؤ چلیں، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، اپنے آگے والی ہر اندھی عورت کو دھکیلتے ہوئے اُس نے اُن کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد دی، دُہراتی رہی، جلدی، جلدی، اور وارڈ کے دوسرے سرے سے اب اندھا اکاؤنٹنٹ چلّا رہا تھا، پکڑ لو انہیں، بھاگنے نہ دو، لیکن بہت دیر ہو چکی تھی، عورتیں گیلری میں پہنچ چکی تھیں، وہ بھاگنے لگیں، جاتے ہوئے ٹھوکریں کھاتی ہوئی، نیم برہنہ، جہاں تک ہو سکتا تھا اپنے چیتھڑوں کو سنبھالے۔ وارڈ کے دروازے میں ابھی تک کھڑی ڈاکٹر کی بیوی نے

غضبناک ہوکر للکارا یاد ہے میں نے اُس دن کیا کہا تھا، کہ میں اُس کا چہرہ کبھی نہ بھولوں گی اور اب میں جو تمہیں بتا رہی ہوں اُس کو بھی سوچ لینا، اس لیے کہ میں تمہارے چہروں کو بھی نہیں بھولوں گی، تمہیں اس شرمناک حرکت کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی، اندھے اکاؤنٹنٹ نے دھمکی دی، تم اور تمہارے ساتھی، وہ تمہارے نام نہاد مرد نہ تو یہ جانتے ہیں کہ میں کون ہوں اور نہ ہی یہ کہ میں کہاں سے آئی ہوں، تم دوسری طرف کے پہلے وارڈ سے آئی ہو، ان میں سے ایک آدمی نے جو عورتوں کو بلانے کے لیے گئے تھے، آگے بڑھ کر کہا اور اندھے اکاؤنٹنٹ نے ساتھ ہی کہا، تمہاری آواز کے بارے میں مغالطہ ہو ہی نہیں سکتا اور اب تم نے میری موجودگی میں ایک لفظ بھی بولا تو یہاں تمہاری لاش پڑی ہوگی۔ اُس آدمی نے بھی یہی کہا تھا اور اب وہ خود ایک لاش ہے، لیکن میں اُس کی یا تمہاری طرح کا اندھا نہیں ہوں، جب تم لوگ اندھے ہوئے میں اس دنیا کی ہر چیز سے آگاہ ہو چکا تھا، تمہیں میرے اندھے پن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں، تم اندھی نہیں ہو، تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتیں، شاید میں ہی سب سے زیادہ اندھی ہوں، میں پہلے بھی قتل کر چکی ہوں اور پھر کروں گی، اگر مجھے کرنا پڑا، آج کے بعد تمہارا کھانا پینا بند، چاہے تم سب کی سب اپنے تینوں پیدائشی سوراخ پلیٹ میں رکھ کر ہی پیش کیوں نہ کرو، جس دن بھی ہم تمہاری وجہ سے کھانے پینے سے محروم رہے اُس دن تمہارے یہاں کے کسی بھی آدمی نے اگر اس دروازے سے ایک لمحے کے لیے بھی قدم باہر نکالا تو اُسے مار دیا جائے گا، تم بچ کے نہیں جا سکو گی، واقعی؟ ہم دیکھیں گے کہ ہمیں کون روکتا ہے، اب سے ہم کھانا وصول کرنے جائیں گے اور تم کھاتے رہو جو کچھ تم نے وہاں ذخیرہ کر رکھا ہے، کُتّی، کُتیاں نہ تو مرد ہوتی ہیں نہ عورتیں وہ بس کتیاں ہوتی ہیں، اور اب تو تمہیں اُن کی قدر بھی معلوم ہوگئی ہے، طیش میں آ کر اندھے اکاؤنٹنٹ نے دروازے کے رُخ گولی چلائی گولی اندھے آدمیوں کے قریب سے سنسناتی ہوئی گزری اور کسی کو لگے بغیر گیلری کی دیوار میں پیوست ہوگئی۔ تمہارا نشانہ خطا گیا، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، اور یاد رکھو، اگر تمہاری گولیاں ختم ہوگئیں تو یہاں اور بھی ہیں جو خود لیڈر بننا چاہیں گے۔

وہ پرے چلی گئی، ثابت قدمی کے ساتھ چند قدم اٹھائے، پھر گیلری کی دیوار کے ساتھ

ساتھ تقریباً غشی کی حالت میں آگے بڑھنے لگی، اچانک اُس کی ٹانگیں جواب دے گئیں اور وہ زمین پر گر گئی، آنکھوں کے آگے دُھند چھا گئی، میں اندھی ہو رہی ہوں، اس نے سوچا لیکن پھر احساس ہوا، ابھی نہیں، یہ صرف آنسو تھے جو اُس کی بصارت کو دھندلا رہے تھے، ایسے آنسو جو اس نے اپنی ساری زندگی میں کبھی نہیں بہائے تھے، میں نے ایک انسان کو قتل کیا ہے، میں اُسے مار ڈالنا چاہتی تھی اور میں نے مار دیا ہے۔ اُس نے گردن موڑ کر وارڈ کے دروازے کی طرف دیکھا، اگر اس وقت اندھے آدمی آ جائیں تو میں اپنا دفاع نہ کر سکوں گی۔ گیلری خالی تھی، عورتیں غائب ہو چکی تھیں، گولی چلنے سے اور اُس سے بھی زیادہ اپنے ساتھیوں کی لاشوں سے ابھی تک حواس باختہ اندھے آدمی باہر نکلنے کی ہمت نہ کر سکے۔ رفتہ رفتہ اُس کی قوت بحال ہوگئی۔ اُس کے آنسو بہتے رہے، آہستہ تر اور زیادہ پُرسکون جیسے کسی لاعلاج شے کے مقابل۔ اس نے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کی، اس کے ہاتھ اور کپڑے خون میں رنگے ہوئے تھے اور اس کے تھکے ہوئے جسم نے اچانک اُسے بتایا کہ وہ بوڑھی ہو چکی ہے۔ بوڑھی اور قاتلہ اسے خیال آیا، لیکن اُسے یہ معلوم تھا کہ اگر ضروری ہوا تو وہ دوبارہ بھی قتل کر سکتی ہے اور قتل کرنا کب ضروری ہوتا ہے؟ اس نے ہال وے کی طرف بڑھتے ہوئے خود سے پوچھا اور خود ہی جواب دیا، جب وہ جو ابھی زندہ ہے مردہ ہو چکا ہو۔ اس نے سر ہلایا اور سوچا اور اس کے کیا معنی ہیں، الفاظ، کچھ نہیں، محض الفاظ۔ وہ چلتی رہی، اکیلی۔ وہ اگلے صحن کی طرف لے جانے والے دروازے کے قریب پہنچ گئی، پھاٹک کے جنگلے میں اُسے بمشکل ایک سپاہی کا سایہ نظر آیا، جو پہرہ دے رہا تھا۔ باہر ابھی لوگ ہیں، لوگ جو دیکھ سکتے ہیں۔ پیچھے سے، کسی آنے والے کے قدموں کی آواز نے اُسے لرزا دیا، یہ وہ ہیں، اُس نے سوچا اور تیزی سے مُڑی اپنی تیار قینچی کے ساتھ۔ اُس کا خاوند تھا۔ قریب سے گزرتے ہوئے عورتیں چلّا چلّا کر بتا رہی تھیں کہ دوسری طرف کیا ہوا تھا، کہ ایک عورت نے اندھے ٹھگوں کے لیڈر کو چُھرا گھونپ کر ہلاک کر دیا تھا، وہاں گولیاں چلی تھیں، ڈاکٹر نے اُن سے نہیں پوچھا کہ وہ عورت کون تھی، صرف اُس کی بیوی ہو سکتی تھی، اُس نے بھینگی آنکھ والے لڑکے سے کہا تھا کہ وہ اُسے باقی کہانی بعد میں سنائے گی

اور اب اُس کا کیا بنا ہوگا۔ غالباً وہ بھی مرگئی ہوگی، میں یہاں ہوں، وہ اُس کی طرف بڑھی اور اس سے بغلگیر ہوگئی، اُسے خیال ہی نہ آیا کہ وہ اُس کے کپڑے خون سے رنگے دے رہی ہے، یا خیال آیا تھا لیکن اُس نے پرواہ نہیں کی، اس لیے کہ ابھی تک اُن میں ہر چیز مشترک تھی۔ کیا ہوا؟ ڈاکٹر نے پوچھا، وہ کہہ رہی تھیں کہ ایک آدمی قتل ہوگیا، ہاں میں نے اُسے قتل کیا، کیوں، کسی کو تو کرنا تھا، اور میرے علاوہ اور کون کرتا، اور اب ہم آزاد ہیں، اب اگر کبھی دوبارہ انہوں نے ہمارے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی تو انہیں پتہ ہے کہ اُن کے ساتھ کیا سلوک ہوگا، ممکن ہے لڑائی ہو، یا جنگ، اندھے ہمیشہ جنگ کرتے ہیں، ہمیشہ جنگ کرتے رہے ہیں، کیا تم دوبارہ قتل کرو گی، اگر مجھے کرنا پڑا، میں اس اندھے پن سے کبھی چھٹکارا حاصل نہ کر پاؤں گی، اور خوراک کا کیا ہوگا، ہم لے کر آئیں گے، مجھے شک ہے کہ وہ اِدھر آنے کی جرأت کریں گے، کم از کم آئندہ چند دن تک تو وہ خوفزدہ رہیں گے کہ کہیں اُن کے ساتھ بھی وہی کچھ نہ ہو، کہیں قینچی اُن کا گلا بھی نہ کاٹ دے، ہم مزاحمت کرنے میں ناکام رہے، جو ہمیں اُسی وقت کرنا چاہیے تھی جب وہ پہلی بار اپنے مطالبات لے کر آئے تھے، بلاشبہ ہم خوفزدہ تھے اور خوف کبھی دانا صلاح کار نہیں ہوتا، آؤ واپس چلیں، اپنی بہتر حفاظت کی خاطر ہمیں وارڈوں کے دروازے میں پلنگ کے اوپر پلنگ رکھ کر رکاوٹ کھڑی کرنی چاہیے جیسے وہ کرتے ہیں، چاہے ہم میں سے چندلوگوں کو فرش پر ہی کیوں نہ سونا پڑے، بہت بری بات ہے، بھوکے مرنے سے تو بہتر ہے۔

آنے والے دنوں میں وہ خود سے پوچھنے لگے کہ اگر وہ بات نہیں تھی تو پھر اُن کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔ پہلے تو اُنہیں حیرانی نہیں ہوئی، وہ شروع دن ہی سے اس کے عادی ہو چکے تھے، خوراک کی فراہمی میں ہمیشہ ہی تاخیر ہوتی رہی تھی، اندھے ٹھگ غلط نہیں کہتے تھے کہ کبھی کبھی سپاہی دیر لگا دیتے ہیں، لیکن پھر انہوں نے اس دلیل سے انحراف شروع کردیا، دل لگی کے لہجے میں کہنے لگے کہ اسی وجہ سے وہ راشن بندی پر مجبور ہوئے ہیں اور کوئی راستہ ہی نہ تھا، حکمرانوں کی بڑی تکلیف دہ ذمے داریاں ہوتی ہیں۔ تیسرے دن جب روٹی کا ایک بھورا یا چھلکا تک باقی نہ رہا تو ڈاکٹر کی بیوی اپنے چند ساتھیوں سمیت باہر اگلے صحن میں گئی اور پوچھا،

ارے بھئی دیر کیوں ہو رہی ہے، ہماری خوراک کے ساتھ جو بھی ہوا ہو، ہم نے پچھلے دو دن سے کچھ نہیں کھایا۔ کوئی دوسرا سارجنٹ، وہ نہیں جو پہلے آیا کرتا تھا، جنگلے کے قریب آیا اور اعلان کیا کہ فوج اس کی ذمے دار نہیں ہے، کوئی بھی اُن کے منہ کا نوالہ چھیننے کی کوشش نہیں کر رہا، فوج کی عزتِ نفس اس کی کبھی اجازت نہیں دے گی، اگر تم کو خوراک نہیں ملی تو اس لیے کہ خوراک ہے ہی نہیں اور تم سب کے سب جہاں ہو وہیں کھڑے رہو، جس نے بھی آگے بڑھنے کی کوشش کی اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ اُس کا انجام کیا ہوگا، احکامات تبدیل نہیں ہوئے۔ اُنہیں اندر واپس بھیجنے کے لیے یہ انتباہ کافی تھا، وہ آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگے اور اب اگر وہ ہمارا کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں لاتے تو ہمیں کیا کرنا چاہیے، ہوسکتا ہے وہ کل کچھ لے آئیں، یا پرسوں، یا جب ہم ہلنے جلنے ہی سے معذور ہوجائیں، ہمیں باہر نکلنا چاہیے، ہم پھاٹک تک بھی نہیں پہنچ پائیں گے، کاش ہم دیکھ سکتے، اگر ہمارے آنکھیں ہوتیں تو ہم اس جہنم میں آتے ہی کیوں، نہ جانے باہر زندگی کیسی لگتی ہوگی، شاید وہ حرامی ہی ہمیں کچھ کھانے کو دیدیں، اگر ہم ان سے مانگنے جائیں، آخر ہمارے لیے اگر خوراک کی قلت ہے تو اُن کے لیے بھی تو یقیناً کم ہوتی جا رہی ہوگی، اس لیے جو کچھ بھی اُن کے پاس ہے وہ ہمیں تو دینے سے رہے اور ان کی خوراک کے ختم ہونے سے پہلے ہم فاقوں سے مرگئے ہوں گے، تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے، وہ فرش پر بیٹھے تھے، ہال وے کے واحد بلب کی زردی مائل روشنی کے نیچے، کم و بیش ایک دائرے کی صورت میں، ڈاکٹر اور ڈاکٹر کی بیوی، سیہ پیوند والا بوڑھا آدمی، دوسرے مردوں اور عورتوں کے ساتھ، ہر وارڈ سے ایک یا دو، دائیں اور بائیں دونوں حصوں سے، اور پھر اندھوں کی یہ دنیا جیسی کہ ہے، وہاں وہی ہوا جو ہمیشہ ہوتا رہا ہے، ان مردوں میں سے ایک نے کہا، میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ اگر اُن کے لیڈر کو قتل نہ کیا گیا ہوتا تو ہم کبھی اس صورت حال سے دوچار نہ ہوتے کیا مضائقہ تھا اگر عورتوں کو مہینے میں دو بار جا کر اُن کو وہ دینا پڑتا جو قدرت نے انہیں دینے کے لیے دیا ہے، میں خود سے پوچھتا ہوں، کسی نے اسے تفریح کے طور پر لیا، کچھ زبردستی مسکرائے، جو احتجاج کرنے کی طرف مائل تھے انہیں خالی پیٹ نے روک دیا پھر وہی شخص اصرار کرنے لگا، میں جاننا چاہتا

ہوں کہ چھرا کس نے گھونپا تھا، وہ عورتیں جو وہاں گئی تھیں وہ تو قسمیہ کہتی ہیں کہ یہ کام انہوں نے نہیں کیا، ہمارے لیے ضروری ہے کہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لیں اور مجرم کو انصاف کے کٹہرے میں کھڑا کریں، اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ مجرم کون ہے تو ہم اُن سے کہتے یہ ہے وہ شخص جس کی تمہیں تلاش ہے، اب ہمیں کھانا دو، کاش ہمیں معلوم ہوتا۔ ڈاکٹر کی بیوی نے سر جھکا لیا اور سوچا، ٹھیک ہی تو کہتا ہے، یہاں اگر کوئی بھوک سے مرا تو قصور میرا ہوگا، لیکن پھر اُس غصے کو قوت اظہار دیتے ہوئے جسے وہ اپنے اندر جمع ہوتا محسوس کر رہی تھی اور جو کسی بھی قسم کی ذمے داری قبول کرنے سے انکاری تھا: بلکہ پہلے ان مردوں کو مرنے دیا جائے، تا کہ میرا جرم ان کے جرم کی سزا پا سکے۔ پھر اُس نے آنکھیں اوپر اٹھاتے ہوئے سوچا اور اگر اس وقت میں انہیں بتا دوں کہ وہ میں تھی جس نے اُسے قتل کیا تھا تو یہ مجھے اُن کے سپرد کر دیں گے، جانتے بوجھتے ہوئے کہ وہ مجھے یقینی موت کے حوالے کر رہے ہیں۔ خواہ بھوک کا اثر تھا یا خیال نے اُسے اچانک ورغلایا، کسی پاتال کی طرح، اس کا سر چکرایا جیسے وہ غشی کی حالت میں ہو، اُس کا جسم خود بخود حرکت کرنے لگا، بولنے کے لیے منہ کھولا، لیکن عین اُسی لمحے کسی نے اُس کو پکڑ لیا اور زور زور سے اُس کا بازو دبایا، اُس نے دیکھا وہ سیہ پیوند والا بوڑھا آدمی تھا جس نے کہا، جو کوئی بھی لچک دکھائے گا میں اُسے اپنے ہاتھوں سے مار ڈالوں گا، کیوں؟ حلقے میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے پوچھا، اس لیے کہ اس جہنم میں جس میں توقع یہی ہے کہ ہم ابھی رہیں گے، اور جسے ہم نے جہنموں کا جہنم بنا دیا ہے، اگر شرم کے اب بھی کوئی معنی ہیں تو یہ اُس شخص کی بدولت ہے جس میں اتنی ہمت تھی کہ اُس لکڑ بھگے کو اُس کے بھٹ میں جا کر ہلاک کرے۔ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں لیکن شرم سے ہماری پلیٹیں تو نہیں بھر جائیں گی، تم جو کوئی بھی ہو، تم نے اپنی جگہ ٹھیک کہا ہے، ایسے لوگ ہمیشہ رہے ہیں جنہوں نے اسی طور اپنے پیٹ بھرے ہیں، کسی احساس ندامت کے بغیر، لیکن ہم جن کے پاس کچھ نہیں ہے سوائے عزتِ نفس کی اس آخری کترن کے جس کے ہم مستحق نہیں، آیئے کم از کم اتنا تو دکھائیں کہ ہم اب بھی اپنے قانونی حق کے لیے لڑنے کے اہل ہیں، تم کیا کہنے کی کوشش کر رہے ہو؟ یہ کہ بھڑووں کی طرح شروع میں پہلے عورتوں کو بھیج کر

اُن کے خرچ پر پیٹ بھرنے کے بعد اب مردوں کو بھیجنے کا وقت آ گیا ہے، اگر کوئی ہے، اپنے بیان کی وضاحت کرو، لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ تم کس وارڈ سے تعلق رکھتے ہو، میرا تعلق دائیں طرف والے پہلے وارڈ سے ہے، پھر اپنا بیان جاری رکھو، سیدھی سی بات ہے، آیئے جائیں اور اپنے ہاتھوں سے کھانا وصول کریں، وہ لوگ مسلح ہیں، جہاں تک ہمیں معلوم ہے اُن کے پاس صرف ایک پستول ہے اور گولیاں جلد یا بدیر ختم ہو جائیں گی، اُن کے پاس اتنا اسلحہ تو یقینی طور پر ہے جس سے وہ ہم میں سے چند لوگوں کو ہلاک کر سکتے ہیں، دوسروں نے اس سے بھی کم پر جانیں دی ہیں، میں تو اپنی جان گنوا دوں اور باقی مزے اڑائیں، میں اس کے لیے تیار نہیں، اگر کوئی اور شخص اپنی جان گنوا دے تا کہ تمہیں کھانا مل سکے، تو کیا اس صورت میں تم بھوک سے مرنا پسند کرو گے، سیہ پیوند والے بوڑھے نے طنزیہ لہجے میں پوچھا اور مخاطب نے کوئی جواب نہ دیا۔ دائیں حصے والے وارڈوں کی طرف لے جانے والے دروازے کے قریب ایک عورت نمودار ہوئی، جو چھپ کر ساری باتیں سنتی رہی تھی۔ یہ وہی تھی جس کے چہرے پر خون کی اُچھلتی دھار پڑی تھی، جس کے منہ میں مرنے والا خلاص ہوا تھا، جس کے کان میں ڈاکٹر کی بیوی نے سرگوشی کی تھی: چپ رہو، اور اب ڈاکٹر کی بیوی سوچ رہی تھی، یہاں سے جہاں میں دوسرے لوگوں کے درمیان بیٹھی ہوں تمہیں بتا نہیں سکتی کہ چپ رہو، میری شناخت ظاہر نہ کرو، بے شک تم میری آواز پہچانتی ہو، ممکن ہی نہیں کہ تم اسے بھول سکو، میرا ہاتھ تمہارے منہ پر، تمہارا جسم میرے جسم سے لگا ہوا اور میں نے کہا، چپ رہو اور اب وقت آ گیا ہے یہ جاننے کا کہ میں نے درحقیقت کس کو بچایا تھا، یہ جاننے کا کہ تم کون ہو، اسی لیے میں اب بولوں گی، اسی لیے میں کچھ کہوں گی بلند اور صاف آواز میں تا کہ تم میری طرف انگلی اٹھا سکو، مجھے الزام دے سکو، اگر یہی مقدر ہے تمہارا اور میرا، سنو میں کہتی ہوں، اکیلے مرد ہی نہیں عورتیں بھی جائیں گی، ہم واپس جائیں گے اُس جگہ جہاں انہوں نے ہمیں ذلیل کیا تھا، تا کہ اُس ذلت کا شائبہ تک باقی نہ رہے، تا کہ ہم نجات حاصل کر سکیں، اُسی طرح جیسے ہم نے باہر تھوک دیا تھا اُس چیز کو جو انہوں نے ہمارے منہ میں خلاص کی تھی۔ یہ کہنے کے بعد ڈاکٹر کی بیوی انتظار کرنے لگی، حتیٰ کہ عورت

نے جواب دیا، جہاں تم جاؤ گی میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی، یہی جواب تھا اُس کا۔ سیہ پیوند والا بوڑھا مسکرایا یہ ایک مسرور مسکراہٹ لگتی تھی اور شاید ہوگی بھی، یہ وقت اُس سے پوچھنے کا نہیں ہے، بلکہ مشاہدہ کرنے کا ہے، دلچسپی کے ساتھ اُن تاثرات کا جو حیرت زدہ اندھے آدمیوں کے بُشروں سے ظاہر ہو رہے تھے، جیسے کوئی چیز سروں پر سے گزر گئی تھی، کوئی پرندہ، کوئی بادل، روشنی کی کوئی شرمیلی کرن۔ ڈاکٹر نے اپنی بیوی کا ہاتھ تھام لیا، پھر پوچھا، کیا یہاں اب بھی ایسے لوگ ہیں جو یہ دریافت کرنے پر تُلے ہوئے ہیں کہ اُس آدمی کو کس نے مارا تھا؟ یا ہم سب اس بات پر متفق ہیں کہ جس ہاتھ نے اُس کے چھرا گھونپا، ہم سب کا ہاتھ تھا، یا زیادہ درست طور پر ہم میں سے ہر ایک کا ہاتھ۔ کسی نے جواب نہیں دیا۔ ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، اُنہیں تھوڑا وقت اور دیں، اگر کل تک فوجی ہمارا کھانا لے کر نہ آئے تو پھر ہم پیش قدمی کریں گے۔ وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے اپنے رستے پر ہو لیے، کچھ دائیں طرف جانے کے لیے کچھ بائیں طرف، اُن کی بے احتیاطی دیکھیے کہ اُنہیں یہ خیال بھی نہ رہا کہ کہیں ٹھگوں کے وارڈ کا کوئی اندھا آدمی اُن کی باتیں نہ سُن رہا ہو، خوش قسمتی سے شیطان ہمیشہ ہی دروازے کے پیچھے نہیں ہوتا، اس سے زیادہ برمحل کہاوت ہو ہی نہیں سکتی۔ کسی قدر کم برمحل وہ دھماکہ تھا جو لاؤڈ اسپیکر سے ہوا، حالیہ زمانے میں لاؤڈ اسپیکر سے بعض دنوں میں اعلان ہوتا تھا، بعض دنوں میں نہیں ہوتا تھا، لیکن حسبِ وعدہ ہمیشہ مقررہ وقت پر ٹرانسمیٹر میں ایک ٹائمر لگا تھا، جو ایک مخصوص وقت پر پہلے سے ریکارڈ شدہ ٹیپ چلا دیتا تھا، اُس میں کبھی کبھی خرابی کیوں پیدا ہو جاتی تھی، اس کی وجہ شاید ہم کبھی نہ جان سکیں، یہ باہر کی دنیا کے معاملات ہیں، بہرحال یہ ایک سنجیدہ معاملہ ہے جہاں تک اس سے کیلنڈر میں خلل پڑتا ہے، روز و شب کا نام نہاد شمار، جس کی بعض اندھے آدمی، فطری طور پر جنونی یا نظم و ضبط کے پرستار، جو جنون کی ایک معتدل شکل ہے، بڑے محتاط طریقے سے پیروی کرنے کی کوشش کرتے تھے، سُتلی کے ایک ٹکڑے میں چھوٹی چھوٹی گرہیں لگا کر ایسا وہ لوگ کرتے تھے جنہیں اپنے حافظے پر بھروسہ نہیں تھا، جیسے وہ کوئی روزنامچہ لکھ رہے ہوں۔ اب یہ دھماکہ اُس وقت ہوا جو مقررہ وقت کے مطابق نہیں تھا، یقیناً کوئی مشینی خرابی واقع ہوئی ہوگی،

کوئی پُرزہ اپنی جگہ سے سرک گیا ہوگا، کوئی ٹانکا ڈھیلا پڑ گیا ہوگا، اُمید کرتے ہیں کہ ٹیپ اپنے پہلے فقرے ہی کو نہیں دُہرائے چلا جائے گا، اندھے اور پاگل تو ہم تھے ہی اب اسی کی کسر باقی تھی۔ ایک تحکمانہ آواز، کسی آخری اور لاحاصل وارننگ کی طرح گیلریوں میں اور وارڈوں کے اندر گونج رہی تھی: حکومت کو افسوس ہے کہ اُسے موجودہ بحران میں آبادی کے تحفظ کی خاطر اپنے تمام ممکنہ وسائل کو فوری طور پر بروئے کار لانے کے لیے مجبوراً یہ قدم اٹھانا پڑا، جس کا وہ جائز طور پر حق رکھتی ہے، کیونکہ کوئی ایسی چیز جو بظاہر اندھے پن کی وبا لگتی ہے، پھوٹ پڑی ہے، جسے عارضی طور پر سفید بیماری کا نام دیا جا رہا ہے، اس کے مزید پھیلاؤ کی روک تھام کے سلسلے میں ہمیں اپنے تمام شہریوں کے جذبۂ معاشرت اور اُن کے تعاون پر بھروسہ ہے، اس ذمے داری کو قبول کرتے ہوئے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم اس تا حال ناقابلِ تشریح اتفاقات کے سلسلے کے محض تماشائی نہیں ہیں بلکہ اس متعدی بیماری سے نبرد آزما ہیں۔ اس بیماری سے متاثرہ تمام افراد کو ایک جگہ جمع کرنے اور ان سے رابطے میں رہنے والے دوسرے افراد کو اُن سے الگ لیکن متصل جگہ پر رکھنے کا فیصلہ نہایت احتیاط کے ساتھ اور پورے سوچ بچار کے بعد کیا گیا تھا۔ حکومت اپنی ذمے داریوں سے آگاہ ہے اور امید کرتی ہے کہ وہ لوگ بھی جنھیں یہ پیغام دیا جا رہا ہے بطور اچھے شہریوں کے جو کہ بلاشبہ وہ ہیں اپنی ذمے داریاں پوری کریں گے، یہ ذہن میں رکھتے ہوئے کہ یہ نظربندی کسی ذاتی پاس و لحاظ کے بغیر، معاشرے کے باقی لوگوں کے ساتھ اُن کے تعاون اور جذبۂ اخوت کی علامت سمجھی جائے گی۔ یہ سب کہنے کے بعد ہم ہر شخص سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ دی جانے والی ہدایات کو پوری توجہ سے سُنے، پہلی، بتیاں ہر وقت جلتی رہیں گی، بجلی کے بٹنوں کے ساتھ کسی بھی قسم کی چھیڑ چھاڑ سے کچھ حاصل نہ ہوگا، وہ کام نہیں کرتے، دوسری، اجازت کے بغیر عمارت سے نکلنا فوری موت کو دعوت دینا ہے، تیسری، ہر وارڈ میں ایک ٹیلیفون رکھا ہے، جسے باہر سے صحت و صفائی کی تازہ سپلائی منگوانے کے لیے ہی استعمال میں لایا جا سکتا ہے، چوتھی، نظربند اپنے کپڑے، اپنے ہاتھوں سے دھونے کے ذمے دار ہوں گے، پانچویں، نظربندوں کو چاہیے کہ وہ اپنے نمائندے چُنیں، یہ حکم نہیں سفارش ہے، وہ

جیسے مناسب سمجھیں اپنی مرضی سے خود کو منظم کریں، بشرطیکہ وہ اُن تمام قواعد وضوابط کے مطابق ہو، جن کا کہ پہلے اعلان کیا جا چکا ہے اور آئندہ کیا جائے گا، چھٹی، کھانے پینے کے سامان کے ڈبے ہر روز تین مرتبہ صدر دروازے میں رکھے جائیں گے، دائیں طرف اور بائیں طرف جو اندھے نظر بندوں کے لیے بھی ہوں گے اور اُن کے لیے بھی جنھیں طبی نظر بندی میں رکھا گیا ہے، ساتویں، بچے کھچے کھانے کو جلانا ہوگا، اس میں صرف کھانا ہی نہیں بلکہ اس سے متعلقہ ڈبے، پلیٹیں، چمچ، چھری کانٹے وغیرہ سب شامل ہیں، جو آتش گیر مادے سے بنے ہیں، آٹھویں آگ عمارت کے اندرونی صحنوں میں جلائی جائے یا ورزش کے میدان میں، نویں، نظر بند اس آگ سے ہونے والے نقصانات کے ذمے دار ہوں گے، دسویں، آگ کے بے قابو ہو جانے کی صورت میں حادثاتی طور پر یا کسی مقصد کے تحت آگ بجھانے والا عملہ مدد کو نہیں آئے گا، گیارہویں اسی طرح کوئی بیماری پھیل جانے پر یا کسی بدنظمی اور مار کٹائی کی صورت میں نظر بند کسی قسم کی بیرونی مداخلت کی توقع بھی نہ رکھیں، بارہویں کسی بھی وجہ سے اگر کوئی مر جائے تو نظر بند اُس کی میت کو ورزش کے میدان میں دفن کریں، کسی بھی قسم کی رسم ادا کیے بغیر، تیرھویں اندھے نظر بندوں اور طبی نظر بندوں میں رکھے گئے لوگوں کے درمیان رابطہ، عمارت کے مرکزی ہال میں ہونا چاہیے، جس میں داخل ہو کر وہ اندر آئے تھے، چودھویں، اگر وہ لوگ جنھیں طبی نظر بندی میں رکھا گیا ہے اچانک اندھے ہو جائیں تو انھیں فوری طور پر اندھے لوگوں کے وارڈوں میں منتقل کر دیا جائے، پندرھویں، تمام نواردوں کے لیے بھی ہدایات ہر روز ٹھیک اسی وقت پر نشر کی جائیں گی۔ حکومت... لیکن عین اسی لمحے بتیاں بجھ گئیں اور لاؤڈ اسپیکر خاموش ہو گیا، ایک اندھے آدمی نے لاتعلقی کے ساتھ اپنی سُتلی میں جسے وہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھا، ایک اور گرہ کا اضافہ کیا، پھر اس نے اُن گرہوں کو گننے کی کوشش کی، گرہوں کو، دنوں کو، لیکن ہار کر یہ کام چھوڑ دیا، گرہیں ایک دوسری پر چڑھی ہوئی تھیں، اندھی گرہیں۔ ڈاکٹر کی بیوی نے اپنے خاوند سے کہا، بتیاں بجھ گئی ہیں، کوئی لیمپ فیوز ہو گیا ہوگا، اس میں تعجب کی کیا بات ہے، اُنھیں اتنے عرصے تک جلائے جو رکھا گیا تھا، وہ سب بجھ گئی ہیں، یقیناً باہر کوئی خرابی پیدا ہوئی

ہوگی، اب تم بھی اُتنی ہی اندھی ہو جتنے ہم سب، میں سورج کے طلوع ہونے تک انتظار کروں گی۔ وہ وارڈ سے باہر چلی گئی، ہال وے کو عبور کیا اور باہر دیکھنے لگی۔ شہر کا یہ حصہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، فوج کی سرچ لائٹ بھی کام نہیں کر رہی تھی، وہ بھی یقیناً مجموعی نیٹ ورک سے جُڑی ہوگی اور اب آثار سے یہی لگتا ہے کہ بجلی منقطع ہو گئی ہے۔

اگلے دن بعض نے جلدی، بعض نے دیر سے، کیونکہ سورج تمام اندھے لوگوں کے لیے ایک ہی وقت پر طلوع نہیں ہوتا، اکثر حالتوں میں اس کا انحصار اُن کی اپنی قوتِ سماعت پر ہوتا ہے، مختلف وارڈوں کے مردوں اور عورتوں نے عمارت کی بیرونی سیڑھیوں پر جمع ہونا شروع کر دیا، سوائے اُس وارڈ کے جس پر اندھے بدمعاشوں کا قبضہ تھا، جو اس قوت یقیناً اپنے ناشتے میں مصروف ہوں گے۔ وہ انتظار کرنے لگے، پھاٹک کے بھد سے کھلنے کی آواز کا، قلابوں کی چُوں چُوں کا جنھیں چکنائی کی ضرورت تھی، اُن صداؤں کا جو اُن کی خوراک کی آمد کا اعلان کرتی تھیں، پھر ڈیوٹی پر موجود سارجنٹ کی آواز کا، جہاں کھڑے ہو وہاں سے مت ہلو، کسی کو نزدیک نہ آنے دو، سپاہیوں کا پاؤں گھسیٹنا، خوراک سے بھرے ڈبوں کے فرش پر رکھے جانے کی ٹھس آواز، پھر سپاہیوں کی فوری پسپائی، ایک بار پھر پھاٹک کی چُوں چُوں اور آخر کار اجازت، اب تم باہر آ سکتے ہو۔ وہ تقریباً نصف النہار کے وقت تک انتظار کرتے رہے، پھر نصف النہار دوپہر میں بدل گیا۔ کوئی بھی نہیں، حتیٰ کہ ڈاکٹر کی بیوی بھی خوراک کے بارے میں پوچھنا نہیں چاہتی تھی۔ جب تک بھی وہ سوال نہیں کرتے وہ اُس ہولناک جواب ''نہیں'' سے بچے رہیں گے، اور جب تک یہ لفظ بولا نہیں جاتا، وہ ایسے الفاظ سننے کی امید پر قائم رہیں گے — کھانا آ رہا ہے، کھانا آ رہا ہے، صبر سے کام لو، اپنی بھوک کو تھوڑی دیر اور قابو میں رکھو، بعضے چاہتے ہوئے بھی اسے اور برداشت نہ کر سکے اور بے ہوش ہو گئے، جیسے انھیں اچانک نیند نے آ لیا ہو، خوش قسمتی سے، اُن کو بچانے کے لیے وہاں ڈاکٹر کی بیوی موجود تھی، یقین نہیں آتا تھا کہ یہ عورت کیسے وہاں وقوع پذیر ہونے والی ہر چیز کو دیکھ لیتی تھی، یقیناً اُسے چھٹی حس ودیعت ہوئی ہوگی، کوئی بے آنکھ بصارت، جس کی بدولت وہ شکستہ حال اور آفت زدہ لوگ دھوپ میں جلنے بُھننے سے بچ

گئے۔ انہیں فوراً اندر لے جایا گیا، جہاں وقت کے گزران کے ساتھ پانی کی وجہ سے اور گالوں پر ہلکے ہلکے چپت کھانے کے بعد وہ بالآخر اپنے آپ میں آگئے۔ لیکن آنے والی جنگ میں ان لوگوں کی شمولیت کا یہ موقع نہ تھا، وہ تو ایک بلی کی دُم بھی پکڑنے کے قابل نہ ہوں گے، ایک پرانے محاورے کے مطابق، جو یہ وضاحت نہیں کرتا کہ آخر کس غیر معمولی منطق کی بنا پر بلّے کے مقابلے میں بلی پر قابو پانا آسان ہونا چاہیے۔ آخر کار، سیہ پیوند والا بوڑھا آدمی بولا، کھانا نہیں آیا اور آئے گا بھی نہیں، آؤ چلیں اور جا کر اپنا کھانا لائیں، وہ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے، خدا جانے کیسے، اور اُس دن والی بے احتیاطی کو دُہرانے سے بچنے کی خاطر، بدمعاشوں کی گڑھی سے بہت پرے ایک وارڈ میں جمع ہوئے۔ وہاں سے انہوں نے دوسرے حصے میں اپنے جاسوس بھیجے، اندھے ساتھی جو پہلے وہاں رہتے تھے اور آس پاس سے بخوبی واقف تھے، ہمیں کسی بھی مشتبہ نقل وحرکت پر آکر فوراً خبردار کرو۔ ڈاکٹر کی بیوی بھی اُن کے ساتھ گئی اور ایک مایوس کن خبر لے کر واپس آئی، انہوں نے داخلے کے رستے میں چار پلنگ اوپر نیچے رکھ کر رکاوٹ کھڑی کر رکھی ہے۔ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ چار پلنگ ہیں، کسی نے پوچھا، یہ کون سی مشکل بات ہے، میں نے انہیں اپنے ہاتھوں سے محسوس کیا ہے، وہاں کسی کو تمہاری موجودگی کا احساس نہیں ہوا؟ میرے خیال میں تو نہیں، اب ہمیں کیا کرنا ہوگا، آیئے چلیں، سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے ایک بار پھر تجویز پیش کی، آیئے جو فیصلہ ہم نے کیا تھا اس پر عمل کریں۔ یا تو ہم اُس پر عمل کریں گے، یا پھر ہمیں سسک سسک کر مرنا ہوگا۔ اگر ہم وہاں گئے تو ہم میں سے بعض جلدی مریں گے، پہلے اندھے آدمی نے کہا، جس کسی کو بھی مرنا ہے وہ پہلے ہی مر چکا ہے اور وہ اس بات کو جانتا نہیں، یہ بات کہ ہمیں مرنا ہے، ہمیں اُسی وقت معلوم ہو جاتی ہے جس وقت ہم پیدا ہوتے ہیں، اسی لیے ایک طریقے سے ایسے لگتا ہے جیسے ہم پیدا ہی مُردہ ہوئے تھے، بہت ہو گئیں تمہاری احمقانہ باتیں، کالے چشمے والی لڑکی بولی، میں اکیلی وہاں نہیں جا سکتی، لیکن جس بات پر متفق ہوئے تھے اگر اُس سے پھر گئے تو میں اپنے بستر پر لیٹ جاؤں گی اور اپنے آپ کو مرنے دوں گی، صرف وہی مریں گے جن کے دن گنے جا چکے ہیں، ڈاکٹر نے کہا اور اپنی آواز

کو ذرا بلند کرتے ہوئے پوچھا، جو اپنے فیصلے پر قائم ہیں، ہاتھ کھڑے کریں، یہ ہوتا ہے اُن کے ساتھ جو اپنا منہ کھولنے سے پہلے دو بار نہیں سوچتے، آخر کیا تُک تھی اُن لوگوں سے یہ کہنے کی کہ ہاتھ کھڑے کریں اگر وہاں اُن کی گنتی کرنے والا کوئی نہیں تھا، یا اس پر عام طور سے یقین تھا، اور پھر کہے، تیرہ، اس صورت میں لامحالہ طور پر ایک نئی بحث چھڑ جاتی، یہ منوانے کے لیے جو منطق کی رُو سے زیادہ درست ہوتا کہ آیا ایک اور رضا کار کو شامل ہونے کے لیے کہا جائے، تاکہ اس منحوس عدد سے بچا جا سکے، یا اُس کی عدم موجودگی میں کسی ایک کو نکالنے کے لیے قرعہ اندازی کی جائے۔ بعضوں نے نیم رضامندی سے ہاتھ کھڑے کیے تھے، ایسے اشارے کے ساتھ جو ہچکچاہٹ یا شک کی چغلی کھاتا تھا، آیا اس لیے کہ وہ اُس خطرے سے آگاہ تھے، جس میں کہ وہ خود کو ڈال رہے تھے یا اُنہیں اس حکم کی مہملیت کا احساس ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر ہنسا، کیسی مضحکہ خیز بات ہے، تم سے کہنا کہ ہاتھ کھڑے کرو۔ آیئے ایک اور طریقہ اختیار کرتے ہیں، وہ لوگ جو نہیں جا سکتے یا نہیں جانا چاہتے، پیچھے ہٹ جائیں، باقی ٹھہرے رہیں تاکہ آئندہ کا لائحہ عمل طے کیا جا سکے۔ وہاں ہلچل شروع ہو گئی، قدموں کی آوازیں، بڑبڑاہٹیں آہیں، آہستہ آہستہ دل کے کمزور اور ذہنی طور پر پریشان باہر ہو گئے، ڈاکٹر کا خیال جتنا عمدہ تھا اُتنا ہی فیض رساں اس طریقے سے یہ جاننا اتنا آسان نہ ہوگا کہ کون ٹھہرا رہا تھا اور کون نہیں۔ ڈاکٹر کی بیوی نے باقی رہ جانے والوں کو گنا، خود کو اور اپنے خاوند کو شامل کر کے وہ سترہ لوگ تھے، دائیں طرف کے پہلے وارڈ والوں میں سے، سیہ پیوند والا بوڑھا آدمی تھا، فارمیسی اسسٹنٹ تھا۔ سیہ چشمے والی لڑکی تھی، دوسروں واڈروں کے تمام رضا کار مرد تھے، سوائے اُس عورت کے جس نے کہا تھا، جہاں بھی تم جاؤ گی، میں تمہارے ساتھ جاؤں گی، وہ یہاں بھی موجود ہے۔ وہ گیلری میں قطار بنا کر کھڑے ہو گئے، ڈاکٹر نے اُن کی گنتی کی، سترہ، ہم سترہ ہیں، یہ کوئی بڑی تعداد نہیں ہے، فارمیسی اسسٹنٹ نے تبصرہ کیا، ہم یہ کام کبھی سرانجام نہ دے سکیں گے۔ سب سے اگلی صف، اگر مجھے فوجی اصطلاح استعمال کرنے کی اجازت دی جائے، چھوٹی ہونی چاہیے، سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے کہا، ہمیں اس قابل ہونا چاہیے کہ دروازے میں سے آسانی کے ساتھ گزر سکیں،

مجھے کوئی شک نہیں کہ ہمارا تعداد میں زیادہ ہونا مسائل کو صرف پیچیدہ ہی بنائے گا، وہ ہم میں سے بہت سوں کو گولیاں چلا کر ہلاک کر دیں گے، دوسرے نے صاد کیا، آخر میں لگتا تھا کہ ہر کوئی اپنی تعداد کے کم ہونے پر خوش ہے۔ اُن کے ہتھیاروں سے ہم پہلے ہی واقف ہیں، پلنگوں سے نکالی ہوئی آہنی سلاخیں، جو بھالے اور فولادی بیرم کا کام بھی دے سکتی ہیں، جس کا انحصار اس پر ہے کہ ہم لڑائی میں سفر مینا کے سپاہیوں کی طرح یا حملہ آور فوج کی صورت میں جاتے ہیں۔ سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے، جس کی باتوں سے لگتا تھا کہ اُس نے اپنی جوانی کے زمانے میں جنگی چالوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور سیکھا ہوگا، یہ تجویز پیش کی کہ سب قدم سے قدم ملا کر اکٹھے کھڑے رہیں، ایک ہی جانب رُخ کیے، کیونکہ صرف اسی صورت میں ہی آپس میں ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے سے بچا جاسکتا ہے اور یہ کہ انہیں انتہائی خاموشی کے ساتھ پیش قدمی کرنی چاہیے تاکہ اچانک حملہ کرنے کے فوائد حاصل کیے جاسکیں۔ آیئے ہم اپنے جوتے اتار لیں، اس نے تجویز پیش کی۔ پھر تو ہم سب کے لیے اپنے جوتے تلاش کرنا مشکل ہوجائے گا، کسی نے کہا، اور دوسرے نے تبصرہ کیا، باقی رہ جانے والے جوتے واقعی مُردوں کے جوتے ہوں گے، اس فرق کے ساتھ کہ اس صورت میں کم از کم ہمیشہ کوئی نہ کوئی ایسا ہوگا جو اُن میں پاؤں ڈال دے گا، یہ سب کیا باتیں ہو رہی ہیں، مُردہ آدمیوں کے جوتوں کے بارے میں ایک کہاوت ہے، مُردوں کے جوتوں کا انتظار کرنا بیکار ہوتا ہے، کیوں، اس لیے کہ جن جوتوں کے ساتھ مُردوں کو دفن کیا گیا تھا وہ گتے کے بنے ہوئے تھے، انہوں نے اپنا مقصد پورا کر دیا، روحوں کے پاؤں نہیں ہوتے، جہاں تک ہمیں معلوم ہے، اور ایک نکتہ اور بھی ہے، سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا، جب ہم وہاں پہنچیں، ہم چھ، چھ جو اپ آپ کو سب سے زیادہ بہادر محسوس کرتے ہیں تو پلنگوں کو پورے زور سے آگے دھکیل دیں تاکہ ہم سب اندر داخل ہوسکیں، اس صورت میں ہمیں اپنے ہتھیار نیچے رکھنا ہوں گے۔ میرا خیال ہے یہ ضروری نہیں ہوگا، اگر انہیں سیدھا رکھ کر استعمال کیا جائے تو ان سے مدد بھی مل سکتی ہے، وہ رُکا، پھر گلوگیر لہجے میں بولا، سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں،

اگر ایسا ہوا تو پھر ہمیں مردہ ہی سمجھو اور عورتوں کے بارے میں کیا خیال ہے، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا، عورتوں کو مت بھولو، کیا تم بھی جا رہی ہو، سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے پوچھا، میں چاہتا ہوں کہ تم نہ جاؤ، اور کیوں نہیں، میں جانا چاہتی ہوں، تم ابھی نوجوان ہو، اس جگہ، نہ عمر کوئی اہمیت رکھتی ہے نہ جنس، اس لیے عورتوں کو نہ بھولو، نہیں، میں نہیں بھولوں گا، جس آواز میں سیہ پیوند والے آدمی نے یہ الفاظ کہے، لگتا تھا وہ کسی اور مکالمے سے آئے تھے، وہ جو اس کے بعد بولے گئے پہلے سے اپنی جگہ پر تھے، اس کے برعکس اگر تم عورتوں میں سے ایک بھی وہ دیکھ سکتی ہو جو ہم نہیں دیکھ سکتے، تو ہمیں صحیح راستے پر لے جاؤ، ہماری سلاخوں کی نوکیں رکھ دو اُن بدمعاشوں کے گلوں پر، اُسی درست طریقے سے جیسے اُس دوسری عورت نے کیا تھا، یہ کچھ زیادہ ہی توقع کرنا ہے، ہم جو ایک بار کر لیتے ہیں اُسے دُہرانا آسان نہیں ہوتا، علاوہ ازیں کون کہہ سکتا ہے کہ وہ عورت وہیں اور اُسی وقت مر نہیں گئی تھی، اس کے بعد سے اُس کی کوئی خیر خبر سننے میں نہیں آئی، ڈاکٹر کی بیوی نے انہیں یاد دلایا، عورتیں ایک دوسرے کی شکل میں دوبارہ جنم لیتی ہیں، عزت دار، دوسرے جنم میں طوائفیں بن جاتی ہیں اور طوائفیں عزت دار، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا۔ پھر ایک طویل خاموشی چھا گئی۔ عورتوں کے خیال میں تو سب کچھ کہہ دیا گیا تھا، مردوں کو الفاظ تلاش کرنا ہوں گے اور انہیں معلوم تھا کہ وہ ایسا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔

وہ اپنے منصوبے کے مطابق صفیں بنا کر چلے، سب سے آگے چھ بہادر آدمی، جن میں ڈاکٹر اور فارمیسی اسسٹنٹ شامل تھے، ان کے بعد دوسرے سب کے سب آہنی سلاخوں سے مسلح، جنہیں وہ اپنے اپنے پلنگوں سے نکال کر لائے تھے، ژولیدہ اور خستہ حال فوجیوں کا ایک دستہ، جب وہ ہال وے میں سے گزرے تو ایک کے ہاتھ سے اُس کا ہتھیار گر گیا، جس سے ٹائلوں کے فرش پر سے کانوں کو بہرہ کر دینے والی آواز گونجی، گولی چلنے سے پیدا ہونے والے دھماکے کی طرح، اگر اندھے غنڈوں نے شور سُن لیا اور اُن کے کانوں میں ہمارے ارادوں کی بھنک پڑ گئی تو ہم مارے گئے، ڈاکٹر کی بیوی کسی کو بتائے بغیر اپنے خاوند کو بھی گیلری کے ساتھ ساتھ اِدھر اُدھر نظر دوڑاتی، تیزی کے ساتھ آگے بڑھتی گئی، پھر انتہائی آہستگی کے ساتھ دیوار

کے بالکل نزدیک رہتے ہوئے، رفتہ رفتہ وارڈ میں داخل ہونے والے راستے کے پاس پہنچی اور کان لگا کر سننے لگی، اندر سے آنے والی آوازیں خطرے سے بے خبر تھیں۔ وہ بلاتاخیر اپنے خاوند کو اطلاع دینے کے لیے واپس آئی اور پیش قدمی شروع ہوگئی۔ اس فوج کی نقل وحرکت کی آہستگی اور خاموشی کے علاوہ بدمعاشوں کی گڑھی سے پہلے والے دو وارڈوں کے مکین جنہیں پتہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے، اپنے اپنے دروازوں پر جمع ہوگئے تھے کہ کہیں وہ سر پر منڈلانے والی لڑائی کے غُل غپاڑے سے محروم نہ رہ جائیں، اُن میں سے بعض تو اتنے بیتاب تھے کہ انہوں نے متوقع طور پر چلنے والے بارود کی بُو سے برانگیختہ ہوکر عین اُسی وقت اس گروہ میں شامل ہونے کا فیصلہ کرلیا، چند ایک خود کو مسلح کرنے کے لیے واپس چلے گئے، اب وہ سترہ نہیں رہے تھے، تعداد میں دُگنے ہوگئے تھے، اس کمک سے سیہ پیوند والا بوڑھا آدمی خوش نہ ہوتا لیکن اُسے تو پتہ ہی نہیں چلنا تھا کہ اب وہ ایک نہیں، دو رجمنٹوں کی کمان کر رہا ہے۔ اُن چند کھڑکیوں میں سے جن کا رُخ اندرونی صحن کی طرف تھا، روشنی کی آخری بھوری اور جاں بلب شعاعیں داخل ہوئیں اور تیزی سے مدھم پڑتی ہوئی آگے رات کے گہرے اور اندھے کنوئیں میں پھسل کر دم توڑ گئیں۔ اندھے پن کے مسلسل اور ناقابلِ تشریح آزار سے پیدا ہونے والی ناقابلِ تسکین اُداسی کے سوا، اندھے نظربند، کم ازکم یہ بات ان کے حق میں جاتی ہے، افسردگی کے ان دوروں سے محفوظ تھے، جو ان جسمانی اور ذہنی تبدیلیوں یا اسی طرح کی دوسری ماحولیاتی تبدیلیوں کی وجہ سے پڑتے ہیں، جن کی بنا پر ماضی بعید میں جب لوگوں کے پاس دیکھنے والی آنکھیں بھی تھیں، مایوسی کے عالم میں کی جانے والی کارروائیوں کے ثبوت موجود ہیں۔ جب وہ اُس لعنتی وارڈ کے دروازے پر پہنچے تو اتنا اندھیرا ہوچکا تھا کہ ڈاکٹر کی بیوی دیکھ ہی نہ سکی کہ رکاوٹ کے لیے رکھے گئے پلنگوں کی تعداد چار نہیں بلکہ آٹھ تھی، حملہ آوروں کی تعداد کی طرح اُن کی تعداد بھی دُگنی ہوچکی تھی، جس کے نتائج بہرحال حملہ آوروں کے لیے فوری بھی تھے اور سنگین بھی، جس کی تصدیق جلد ہی ہوجائے گی۔ سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی کے منہ سے ایک چیخ نکلی، یہ حکم تھا اسے اس موقع پر بولا جانے والا لفظ یاد ہی نہیں آیا۔ بزن، یا شاید اُسے یاد آیا ہو لیکن غلط

پلنگوں کو سامنے دیکھ کر اُسے فوجی لحاظ سے مضحکہ خیز لگا ہو کہ وہ پلنگ مکھیوں اور کھٹملوں سے بھرے ہوئے تھے، گدے پسینے اور پیشاب سے گل سڑ چکے تھے، کمبلوں سے دھجیاں لٹک رہی تھیں، اُن کا بھورا رنگ غائب ہوچکا تھا اور اس کی جگہ ایسی صد رنگی نے لے لی تھی جو شاید کراہت ہی کو پسند آئے۔ یہ سب ڈاکٹر کی بیوی کو پہلے سے معلوم تھا، یہ نہیں کہ اُسے اب نظر آیا ہو، اُس نے رکاوٹوں میں ہونے والے اضافے کی طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ اندھے مکین برگزیدہ فرشتوں کی طرح، اپنی شان وشوکت کے جلو میں آگے بڑھے، ہدایات کے مطابق اپنے ہتھیاروں کو سیدھا اندر گھسیٹ کر رکاوٹوں کو دور کرنا چاہا لیکن پلنگ ٹس سے مَس نہ ہوئے، اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلی صف والے بہادروں کی قوت اُن کے بعد آنے والے ناتوانوں سے کچھ اتنی زیادہ نہ تھی، جو اپنے ہتھیار بھی مشکل سے پکڑ سکتے تھے، کسی ایسے شخص کی طرح اپنی کمر پر صلیب تو اُٹھالی تھی لیکن اب اُس کو اونچا اٹھانے کا انتظار کررہا ہو۔ خاموشی ختم ہوگئی تھی، جو باہر تھے وہ چیخ چلا رہے تھے، اندر والوں نے بھی چیخنا چلانا شروع کردیا تھا، غالباً آج تک کسی نے غور نہیں کیا کہ اندھوں کی چیخیں کتنی ہولناک ہوتی ہیں، لگتا تھا وہ کسی معقول وجہ کے بغیر چلائے جارہے ہیں، ہم انہیں کہنا چاہتے ہیں کہ چپ ہوجاؤ اور خود چیخنا چلانا شروع کردیتے ہیں، ہمیں بھی صرف اندھا ہونے کی ضرورت ہے لیکن وہ دن بھی آجائے گا۔ تو یہ تھی صورتِ حال کچھ حملہ کرتے وقت چلّا رہے تھے، دوسرے اپنا دفاع کرتے ہوئے چلّا رہے تھے، جبکہ انہوں نے جو ابھی باہر تھے رکاوٹیں دور نہ کرسکنے کی وجہ سے مایوس ہوکر طوعاً وکرھاً اپنے ہتھیار پھینک دیے اور وہ سب کے سب جو کسی نہ کسی طرح داخلے والی جگہ میں گھس گھسا گئے تھے اور وہ بھی جو سما نہ سکے، اپنے سے اگلوں پر دباؤ ڈالنے لگے، وہ دھکیلتے رہے، دھکیلتے رہے اور لگتا تھا کہ شاید کامیاب ہوجائیں، پلنگ اپنی جگہ سے تھوڑا سرک بھی گئے تھے کہ اچانک پہلے سے خبردار کیے بغیر کوئی دھمکی دیے بغیر گولیاں چلنے کی تین آوازیں آئیں، یہ اندھا اکاؤنٹنٹ تھا جو سیدھا نیچے کی طرف نشانہ لے رہا تھا۔ دو حملہ آور گرے زخمی ہوکر، دوسرے افراتفری کے عالم میں پسپا ہوگئے، وہ دھاتی سلاخوں پر سے پھسلتے اور زمین پر گر جاتے، جیسے دیوانے ہوگئے ہوں، گیلری کی دیواروں

نے ان کی چیخوں کے شور میں اور اضافہ کر دیا تھا، چیخنے چلانے کی آوازیں دوسرے وارڈوں سے بھی آ رہی تھیں۔ اب تقریباً مکمل تاریکی تھی، یہ معلوم کرنا کہ کس کس کے گولی لگی ہے، ممکن نہ تھا، ظاہر ہے دور ہی سے پوچھا جا سکتا تھا تم کون ہو، لیکن یہ مناسب نہیں لگتا تھا، زخمیوں کے ساتھ احترام اور التفات سے پیش آنا چاہیے، ہمیں بڑی نرمی کے ساتھ آگے بڑھ کر ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھنا ہوگا لیکن یہ دیکھ کر کہ بدقسمتی سے وہاں گولی تو نہیں لگی، پھر بڑی دھیمی آواز میں ان سے پوچھنا ہوگا کہ وہ اب کیسا محسوس کر رہے ہیں، انہیں اطمینان دلانا ہوگا کہ کوئی سنگین بات نہیں ہے، سٹریچر والے آیا ہی چاہتے ہیں اور پھر انہیں تھوڑا پانی پلائیں لیکن صرف اُسی صورت میں اگر گولی اُن کے پیٹ میں نہیں لگی، جیسے فرسٹ ایڈ کے کتابچے میں وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے۔ اب ہم کیا کریں، ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا، وہاں زمین پر دو ہلاک ہو جانے والے پڑے ہیں۔ اس سے کسی نے نہیں پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ دو ہیں، آخر تین گولیاں چلی تھیں، ان کے چھچھلتے ہوئے نکل جانے کے اثر کو شمار میں لائے بغیر اگر ایسا کوئی تھا۔ ہمیں جا کر اُن کو ڈھونڈنا ہوگا، ڈاکٹر نے کہا، بہت بڑا خطرہ ہے، سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے گرفتہ دلی کے ساتھ کہا، جس نے اپنی جارحانہ تدابیر کا انجام دیکھ لیا تھا، اگر انہیں شبہ ہو گیا کہ لوگ ابھی یہاں موجود ہیں تو وہ پھر گولیاں چلانا شروع کر دیں گے، پھر رُکا اور آہیں بھرتے ہوئے بولا، لیکن ہمیں جانا ہوگا، میں اپنی بات کر رہا ہوں، میں تیار ہوں، میں بھی جاؤں گی، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، اگر ہم پیٹ کے بل جائیں تو اس میں کم خطرہ ہوگا، اہم بات یہ ہے کہ انہیں جلدی ڈھونڈھ نکالا جائے، اس سے پہلے کہ اندر والوں کو اپنا ردِعمل ظاہر کرنے کا وقت ملے، میں بھی جاؤں گی، یہ وہی عورت تھی جس نے اُس دن اعلان کیا تھا، جہاں تم جاؤ گی میں بھی جاؤں گی، ان بہت سوں میں، جو وہاں موجود تھے، کسی کو بھی یہ کہنے کا خیال نہیں آیا کہ بھئی یہ معلوم کرنے میں کیا مشکل ہے کہ کون زخمی، میرا مطلب ہے، زخمی یا ہلاک ہوا ہے اور کون نہیں، یہ تو فی الحال کوئی بھی نہیں جانتا، یہ کافی ہے کہ ہم سب کہنا شروع کریں، میں جاؤں گا، میں نہیں جاؤں گا، جو خاموش رہیں گے وہ ہلاک ہو چکے ہوں گے یا زخمی۔

چنانچہ چار رضا کاروں نے پیٹ کے بل رینگنا شروع کر دیا، درمیان میں دو عورتیں، دونوں طرف ایک ایک آدمی جیسا کہ ہوا، یہ کسی مردانہ تکریم یا جبلی شرافت کی وجہ سے نہیں کیا جا رہا تھا کہ عورتوں کو بچانا مقصود تھا، حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ گولی کس زاویے سے چلائی جاتی ہے اگر اندھا اکاؤنٹنٹ دوبارہ گولی چلائے با ایں ہمہ شاید کچھ بھی نہیں ہوگا، اُن کے روانہ ہونے سے پہلے سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی کو یہ خیال سُوجھا، جو ممکنہ طور پر اُس کے پہلے خیالوں سے بہتر تھا کہ وہاں موجود ساتھی زور زور سے اور انتہائی اونچی آواز میں باتیں کرنا شروع کر دیں، اگر ہو سکے تو چلاّئیں بھی، علاوہ ازیں ایسا کرنے کی اُن کے پاس کئی وجوہات تھیں، تاکہ اُن کی آمد و رفت سے پیدا ہونے والا ناگزیر شور سنائی نہ دے سکے اور اس دوران جو کچھ بھی واقع ہو، خدا جانے کیا۔ چند منٹوں میں رضا کار اپنی منزل پر پہنچ گئے، وہ اُن سے جسمانی رابطہ قائم کرنے سے پہلے بھی یہ جانتے تھے، وہ خون جس کے اوپر وہ رینگ رہے تھے اُن سے پکار پکار کر کہہ رہا تھا، میں زندگی تھا، میرے پیچھے کچھ نہیں ہے، خدایا، ڈاکٹر کی بیوی نے سوچا، اتنا بہت سا خون اور یہ سچ تھا، گاڑھے خون کا ایک تالاب، اُن کے ہاتھ اور کپڑے زمین سے چپکے ہوئے تھے، جیسے فرش کے تختوں اور فرش کی ٹائلوں پر گوند لگا ہوا تھا۔ ڈاکٹر کی بیوی نے خود کو کہنیوں کے بل اوپر اٹھایا اور آگے بڑھنا جاری رکھا، دوسروں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اپنے بازو آگے پھیلاتے ہوئے وہ بالآخر لاشوں تک پہنچ گئے۔ اُن کے بقیہ ساتھی ممکنہ حد تک زور زور سے شور مچاتے رہے اور اب اُن کی آوازوں سے ایسا لگتا تھا جیسے وہ پیشہ ور ماتم کرنے والے تھے جن پر وجد کا عالم طاری ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر کی بیوی اور سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی کے ہاتھوں نے ایک ہلاک ہونے والے آدمی کے ٹخنوں کو پکڑ لیا تھا، اپنی باری پر ڈاکٹر اور دوسری عورت نے ایک زخمی آدمی کا بازو اور ٹانگ پکڑ لی تھی، اب وہ انہیں گولیوں کی زد سے پرے گھسیٹنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ آسان نہ تھا، اس کے لیے انہیں اپنے آپ کو تھوڑا اور اوپر اٹھانا تھا، تاکہ چوپایوں کی طرح چل سکیں، اپنی باقی ماندہ طاقت کو مناسب طور پر استعمال کرنے کا یہی ایک طریقہ تھا۔ گولی چلنے کی آواز آئی لیکن اس بار کسی کے لگی نہیں۔ زبردست دہشت

انہیں بھگا نہ سکی، اس کے برخلاف اس نے انہیں اپنی توانائی کا آخری قطرہ بھی نچوڑ لینے میں مدد دی، جس کی انہیں ضرورت تھی۔ ایک ہی لمحے بعد وہ خطرے سے باہر ہو چکے تھے، وہ ممکنہ حد تک اُس دیوار کے قریب ہوگئے جہاں دروازہ تھا، وہاں اُن تک کسی بھولی بھٹکی گولی ہی کے پہنچنے کا امکان تھا، لیکن اندھا اکاؤنٹنٹ اتنا ماہر نشانہ باز نہیں ہوگا، حتیٰ کہ مبتدیانہ نشانہ بازی کا بھی۔ انہوں نے لاشوں کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن اُن کے بوجھ کی وجہ سے ایسا نہ کرسکے، وہ صرف انہیں گھسیٹ ہی سکتے تھے، پیچھے پیچھے پہلے کا بہا ہوا نیم یخ بستہ خون لگا چلا آرہا تھا، جیسے اُسے کسی بیلن سے پھیلا دیا گیا ہو، باقی خون ابھی تازہ تھا اور زخموں سے بہے جا رہا تھا۔ یہ کون ہیں؟ انتظار کرنے والوں نے پوچھا، ہمیں کیا معلوم ہم تو دیکھ نہیں سکتے، سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے جواب دیا، ہم یہاں نہیں ٹھہر سکتے، کسی نے کہا، اگر انہوں نے حملہ کرنے کا فیصلہ کرلیا تو یہاں دو سے زیادہ ہلاکتیں ہوں گی، کسی دوسرے نے رائے دی، یا لاشیں، ڈاکٹر بولا، کم از کم میں اُن کا عندیہ معلوم نہیں کرسکتا۔ پسپا ہوتی ہوئی فوج کی طرح، وہ گیلری میں لاشوں کو گھسیٹتے ہوئے چلے اور ہال وے میں پہنچ کر ٹھہر گئے، کوئی کہہ سکتا تھا کہ انہوں نے وہیں ڈیرے ڈالنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ لیکن حقیقت اس سے مختلف تھی، ہوا یہ تھا کہ اُن کی توانائی جواب دے گئی تھی، میں یہیں ٹھہروں گا، مجھ سے اور آگے نہیں چلا جاتا۔ اس وقت یہ تسلیم کرنا حیران کُن لگے گا کہ اندھے بدمعاش، جو پہلے بڑے زور آور اور متشدد تھے، اپنی بے تکلف سفاکی کے نشے میں سرشار، اب صرف اپنا دفاع کرنے پر مجبور ہیں، رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں اور کبھی کبھی اندر سے گولی چلا دیتے ہیں، جیسے باہر کھلے میدان میں آکر، آمنے سامنے کھڑے ہوکر، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑنے سے ڈرتے ہوں۔ اس زندگی میں دوسری تمام باتوں کی طرح اس کی بھی توجیہ کی جاسکتی ہے، وہ یہ کہ اپنے پہلے لیڈر کی المناک موت کے بعد وارڈ میں نہ تو نظم و ضبط کا جذبہ باقی رہا تھا نہ ہی وفاداری کا احساس، اندھے اکاؤنٹنٹ سے سنگین غلطی یہ ہوئی کہ وہ یہ سمجھ بیٹھا کہ طاقت ہتھیانے کے لیے ہتھیار پر قبضہ کرنا ہی کافی تھا، لیکن نتیجہ اس کے بالکل برعکس نکلا، اب جس وقت بھی وہ گولی چلاتا ہے، گولی واپس آکر اُسی کو لگتی ہے، دوسرے لفظوں میں ہر

چلنے والی گولی کے ساتھ اس کے اقتدار میں تھوڑی اور کمی واقع ہوجاتی ہے، چنانچہ دیکھتے ہیں کہ گولیاں ختم ہوجانے کے بعد کیا ہوتا ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے چوغہ پہن لینے سے کوئی راہب نہیں بن جاتا، عصا پکڑنے سے کوئی بادشاہ نہیں بن جاتا، یہ وہ حقیقت ہے جسے ہمیں کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے اور اگر یہ سچ ہے کہ عصائے شاہی اب اندھے اکاؤنٹنٹ کے ہاتھ میں ہے تو کسی کو یہ کہنے کی ترغیب مل سکتی ہے کہ بادشاہ اگرچہ مر چکا ہے، اگرچہ اناڑی پنے سے بمشکل تین فٹ زمین کے نیچے اپنے ہی وارڈ میں دفن ہے، ابھی تک اپنے آپ کو یاد کروائے جا رہا ہے، اپنی زوردار موجودگی کو محسوس کروائے جا رہا ہے، اپنے تعفن سے۔ اس دوران چاند نکل آیا۔ ہال کے دروازے میں سے جو بیرونی احاطے کی طرف کھلتا تھا، ایک منتشر روشنی داخل ہوتی ہے، جس میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوجاتا ہے، زمین پر پڑے جسموں میں سے دو مر چکے ہیں، دوسرے ابھی زندہ ہیں، ان کے حجم، پیکر، خصوصیات اور خدوخال آہستہ آہستہ واضح ہونے لگتے ہیں، ایک بے نام ہولناکی کا تمام بوجھ، تب ڈاکٹر کی بیوی کی سمجھ میں آگیا کہ خود کو اندھا ظاہر کرنے کے، نہ کبھی کوئی معنی تھے نہ ہیں، صاف بات یہ ہے کہ یہاں کسی کو نہیں بچایا جاسکتا، اُس دنیا میں جہاں کوئی امید باقی نہ رہی ہو، زندگی کرنا بھی اندھا پن ہے، اس اثنا میں وہ بتاتی رہی کہ کون مرا ہے، یہ فارمیسی اسسٹنٹ ہے یہ وہ شخص ہے جس نے کہا تھا کہ اندھے بدمعاش اندھا دُھند گولیاں چلائیں گے، ایک طرح سے وہ دونوں ٹھیک کہتے تھے اور مجھ سے پوچھنے کی زحمت نہ کریں کہ مجھے کیسے معلوم ہے وہ کون ہیں، جواب سیدھا سادہ ہے، میں دیکھ سکتی ہوں۔ وہاں موجود بعض لوگ جنہیں یہ بات پہلے سے معلوم تھی، خاموش رہے، دوسروں کو کچھ عرصے سے شک تھا اور اب وہ اپنے شک کی تصدیق ہوتی دیکھ رہے تھے، دوسروں کی حیرت غیر متوقع تھی اور پھر بھی غور کرنے پر، ہمیں حیرانی نہیں ہوگی، کسی دوسرے وقت، اس انکشاف سے ہنگامہ کھڑا ہوگیا ہوتا، اتنا جوش و خروش، جس پر قابو نہ پایا جاسکتا، تم کتنی خوش قسمت ہو، تم نے اپنے آپ کو اس وبائے عام سے کیسے محفوظ رکھا، کیا نام ہے اُس دوا کا جس کے قطرے تم اپنی آنکھوں میں ڈالتی ہو، مجھے اپنے ڈاکٹر کا نام اور پتہ دو، اس قید خانے سے نکلنے میں میری مدد کرو، اور اب یہ ہے حاصل، موت، جس میں سب یکساں طور

پر اندھے ہو جاتے ہیں۔ وہ یہاں ٹھہرے نہیں رہ سکتے تھے، وہ نہتے تھے، پلنگوں سے نکالی ہوئی سلاخیں بھی وہیں رہ گئی تھیں، خالی مکوں سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ڈاکٹر کی بیوی کی رہنمائی میں وہ لاشوں کو گھسیٹ کر اگلے صحن میں لے گئے اور انہیں وہاں چاندنی میں چھوڑ دیا، قسمت کے ستارے کی دُودھیا سفیدی کے نیچے، باہر سے سفید، اندر سے بالآخر سیاہ۔ آیئے وارڈوں میں واپس چلیں سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے کہا، بعد میں دیکھیں گے کیا انتظام کیا جاسکتا ہے۔ یہی کہا تھا اُس نے، یہ باولے پن کے الفاظ تھے جن پر کسی نے کان نہیں دھرا۔ انہوں نے اپنے آپ کو وارڈوں کے مطابق تقسیم نہیں کیا، وہ راستے میں ملے تھے اور ایک دوسرے کو پہچان لیا تھا، کچھ عمارت کے دائیں حصے کی طرف چلے گئے کچھ بائیں حصے کی طرف، وہ عورت جس نے کہا تھا، جہاں بھی تم جاؤ گی، میں ساتھ جاؤں گی، یہاں تک تو ڈاکٹر کی بیوی کے ساتھ تھی، لیکن اب اُس کے ذہن میں کوئی اور خیال تھا، پہلے والی بات کے بالکل برعکس، لیکن وہ اس کے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی تھی، عہد ہمیشہ پورے نہیں کیے جاتے، بعض اوقات کسی کمزوری کی بنا پر اور کبھی کسی بالادست قوت کے زیر اثر جس کے ساتھ ہم نے حساب نہیں چکایا ہوتا۔

ایک گھنٹہ گزر گیا، چاند سر پر آ گیا، بھوک اور دہشت نے نیند کو نزدیک آنے سے روک رکھا ہے، وارڈوں کے اندر ہر کوئی جاگ رہا ہے، لیکن انہی اسباب کی وجہ سے نہیں، پتہ نہیں حالیہ لڑائی کی وجہ سے، جس میں بری طرح شکست ہوئی تھی، یا فضا میں کسی غیر متعین چیز کے سبب اندھے مکینوں میں ۔بے چینی پائی جاتی ہے۔ کوئی شخص بھی گیلریوں میں جانے کی ہمت نہیں کرتا، لیکن ہر وارڈ میں شہد کی مکھیوں کے چھتے جیسی بھنبھناہٹ ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اُن میں نظم وضبط کا فقدان ہے، اس کی کوئی شہادت نہیں کہ انہوں نے زندگی میں کبھی کوئی کام بھی کیا ہوگا، یا مستقبل کے بارے میں ذرا سا بھی سوچا ہوگا، پھر بھی بے چارے دُکھیارے اندھوں کو استحصال پسند! لیموں نچوڑ کہنا ناانصافی ہوگا، روٹی کے کس ٹکڑے کا استحصال کرنے والے؟ کس ضیافت کے لیموں نچوڑ؟ آدمی کو موازنہ کرتے وقت احتیاط سے کام لینا چاہیے کہ کہیں بعد میں سبک سری کا باعث نہ بنے، تاہم کوئی قانون استثنا کے بغیر نہیں ہوتا اور یہاں بھی اس کی کمی نہیں

تھی ایک عورت کی صورت میں جو دائیں طرف کے دوسرے وارڈ میں داخل ہو کر ایک دم سے اپنے چیتھڑوں میں کچھ تلاش کرنے لگی، تا آنکہ اُسے کوئی ننھی سی چیز مل گئی جسے اس نے اپنی ہتھیلی میں دبا لیا، جیسے اُسے دوسروں کی دُزدیدہ نظروں سے چھپانا چاہتی ہو، پرانی عادتیں آسانی سے نہیں جاتیں، اس وقت بھی نہیں جب ہم سمجھتے ہیں کہ اب وہ ہمیشہ کے لیے گئیں۔ اس جگہ بھی جہاں سب کے ساتھ برابر کا سلوک ہونا چاہیے تھا، ہم دیکھ چکے ہیں کہ طاقتوروں نے کس سفاکی کے ساتھ کمزوروں کے منہ کا نوالہ بھی چھین لیا اور اب اس عورت کو یاد آتا ہے کہ اس کے دستی سامان میں ایک سگرٹ لائٹر بھی تھا، اگر اس اکھاڑ پچھاڑ میں وہ اُسے گم نہ کر بیٹھی ہو، وہ اسے بڑی تندہی سے تلاش کرتی رہی اور اب اسے خفیہ طور پر چھپا رہی ہے، جیسے اُس کی زندگی کا انحصار ہی اس پر ہو، وہ یہ نہیں سوچ رہی کہ ہوسکتا ہے اس کے مصیبت کے ان ساتھیوں میں کسی کے پاس ایک آخری سگریٹ ہو، وہ اُسے جلا نہیں سکتا کہ اس کے پاس وہ ننھا سا ضروری شعلہ نہیں ہے، نہ ہی اب ماچس مانگنے کا وقت ہوگا۔ عورت ایک لفظ بھی بولے بغیر باہر چلی گئی ہے، نہ الوداع، نہ خدا حافظ، وہ ویران گیلری میں اپنا راستہ بناتی چلی جا رہی ہے، پہلے وارڈ کے دروازے کے عین قریب سے گزرتی ہے، اندر والوں میں سے کسی کو بھی اُس کے گزرنے کا احساس نہیں ہوتا، وہ ہال وے میں سے گزرتی ہے، ڈھلتے ہوئے چاند نے فرش کی ٹائلوں پر دودھ کی ناند کی ایسی تصویر بنا رکھی تھی، عورت اب عمارت کے دوسرے حصے میں ہے، ایک اور گیلری جس کے آخری سرے پر اُس کی منزل ہے، سیدھی لکیر پر چلتے ہوئے وہ غلطی نہیں کرسکتی۔ وہ اُن آوازوں کے بلاووں کو سن سکتی ہے، کنائے کی زبان میں، اصل میں جو وہ سُن رہی ہے وہ آوازیں ہیں اُس شور وغل کی جو آخری وارڈ میں اُن غنڈوں نے مچا رکھا ہے، وہ اپنی فتح کے جشن میں مشغول ہیں اور جی بھر کر کھا پی رہے ہیں، دانستہ مبالغے کو نظرانداز کرتے ہوئے، ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ زندگی میں ہر چیز اضافی ہے، وہ وہی کھا پی رہے ہیں جو فی الحال اُن کی دسترس میں ہے اور شاید ابھی کچھ دیر اور چلے، دوسرے بھی کتنا چاہتے ہوں گے اس ضیافت میں شریک ہونا لیکن ہو نہیں سکتے، اُن کے اور پلیٹ کے درمیان آٹھ پلنگ حائل

ہیں، اور ایک بھرا ہوا پستول۔ عورت اُس وارڈ کے دروازے کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتی ہے، پلنگوں کے عین سامنے اور دھیرے دھیرے چادروں کو کھینچ کر اتارتی ہے، پھر اُٹھ کر کھڑی ہوجاتی ہے، سب سے اوپر والے پلنگ کے ساتھ بھی ایسا ہی کرتی ہے، پھر تیسرے پلنگ کے ساتھ، چوتھے تک اُس کا بازو نہیں پہنچ سکتا، کوئی مضائقہ نہیں، فتیلے تیار ہیں، صرف انہیں آگ دکھانے کا سوال ہے، اُسے اب بھی یاد ہے کہ لائٹر سے لمبا شعلہ کیسے نکالا جاسکتا ہے، وہ نکال لیتی ہے، آگ کا ایک ننھا سا خنجر، ویسا ہی چمکدار جیسا قینچی کا تیز پھل۔ وہ سب سے اوپر والے پلنگ سے ابتدا کرتی ہے، شعلہ بستر کے غلیظ کپڑوں کو بمشکل چاٹتا ہے، بالآخر آگ انہیں پکڑ لیتی ہے، اب درمیان والا پلنگ اب اُس کے نیچے والا پلنگ، عورت کو اپنے جلتے ہوئے بالوں کی بُو محسوس ہوتی ہے، اُسے محتاط رہنا چاہیے، اُسے اس چتا کو روشن کرنا ہے، مرنا نہیں ہے، وہ اب اندر سے آنے والی غنڈوں کی چیخیں سُن سکتی ہے، اس لمحے اُسے اچانک خیال آیا، اگر ان کے پاس پانی ہوا اور انہوں نے شعلوں کو ٹھنڈا کردیا تو؟ وہ بے خوف ہوکر پہلے بستر کے نیچے گھسی، گدے کے کناروں کے ساتھ ساتھ یہاں وہاں لائٹر پھرایا، پھر اچانک شعلے اور بھی بھڑکنے لگے اور خود کو آگ کی ایک بہت بڑی اسکرین میں تبدیل کرلیا، پانی کی ایک تیز دھار ان میں سے گزری، عورت کے چہرے پر بھی ایک چھینٹا آکر پڑا، لیکن بیکار، اب خود اُس کا جسم ایندھن بن رہا تھا۔ وہاں کیسا لگتا ہوگا، کوئی بھی اندر داخل ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا لیکن ہمارا تخیل یقیناً کچھ مدد دے سکتا ہے، آگ تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے ایک بستر سے دوسرے بستر کی طرف، جیسے سب کو بیک وقت جلا دینا چاہتی ہو اور اس میں کامیاب ہوجاتی ہے، غنڈوں نے جو تھوڑا سا پانی ابھی ان کے پاس تھا، بے دریغ ضائع کردیا اور فضول، اور اب وہ کھڑکیوں تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں، لڑکھڑاتے ہوئے، پلنگوں کے سرہانوں کے اوپر سے چھلانگیں لگا رہے ہیں جہاں تک آگ ابھی نہیں پہنچی تھی لیکن اچانک آگ وہاں بھی پہنچ جاتی ہے، وہ پھسلتے ہیں، گر جاتے ہیں، حدت کی شدت سے کھڑکیوں کے شیشے تڑخنے لگتے ہیں، ٹوٹنے لگتے ہیں، تازہ ہوا سیٹیاں بجاتی ہوئی اندر داخل ہوتی ہے اور شعلوں کو مزید ہوا دینے لگتی ہے، ہائے، ہاں

انہیں بھلایا نہیں گیا، غضبناک اور خوف بھری چیخیں، درد و کرب کی پکاریں، وہاں وہ بھی سننے میں آئی ہیں، یاد رکھنے کی بات یہ ہے بہرحال کہ یہ رفتہ رفتہ فنا ہوجائیں گی، سگرٹ لائٹر والی عورت ہی کی مثال لے لو کہ کچھ دیر سے خاموش ہے۔

اب دوسرے اندھے مکین دہشت زدہ ہوکر دھوئیں سے بھری گیلریوں کی طرف بھاگ رہے ہیں، وہ آگ، آگ، چلائے جا رہے ہیں اور یہاں ہم ذاتی طور پر مشاہدہ کرسکتے ہیں کہ یتیم خانوں، ہسپتالوں اور پاگل خانوں میں رہنے والے لوگ کتنی غلط منصوبہ بندی اور بدانتظامی کا شکار ہوتے ہیں، غور کریں کہ کیسے ہر بستر، اپنے نوکیلی آہنی سلاخوں والے فریم کی وجہ سے ایک جان لیوا پھندے میں تبدیل ہوسکتا ہے، اُن کے وارڈوں میں جہاں چالیس چالیس مریضوں کو رکھا جاتا ہے، زمین پر سونے والوں کے علاوہ اور نکلنے کے لیے صرف ایک دروازہ ہوتا ہے، ذرا اس کے خوفناک نتائج کو بھی دھیان میں لائیں، اگر آگ وہاں پہلے پہنچ جائے اور اُن کے باہر نکلنے کا استہ بند کردے تو کوئی بھی زندہ بچ کر نہیں نکل سکتا۔ خوش قسمتی سے جیسا کہ انسانی تاریخ بتاتی ہے شر سے خیر کا برآمد ہونا کوئی ایسی خلافِ معمول بات نہیں ہے۔ خیر سے شر کے برآمد ہونے کا ذکر ذرا کم ہی آیا ہے، ایسے ہوتے ہیں ہماری اس دنیا کے تضادات، بعض دوسروں سے زیادہ غور طلب ہوتے ہیں، اس موقع پر خیر کی بات یہ حقیقت تھی کہ وارڈوں میں صرف ایک دروازہ تھا، جس کی بدولت بدمعاشوں کے وارڈ میں لگی ہوئی آگ کافی دیر تک وہیں رُکی رہی، اگر افراتفری میں اور اضافہ نہیں ہوتا تو شاید ہمیں زندگیوں کے مزید زیاں کا ماتم نہ کرنا پڑے۔ ظاہر ہے کہ اس دھکم پیل میں ایک دوسرے سے ٹکرانے میں کئی اندھے مکین پیروں تلے کچلے جا رہے ہیں، یہ ہوتا ہے نتیجہ افراتفری کا، ایک قدرتی نتیجہ، آپ کہہ سکتے ہیں کہ حیوانی فطرت ہے ہی ایسی، نباتاتی زندگی کے اگر جڑیں نہ ہوتیں تو وہ بھی بالکل ایسے ہی رویے کا مظاہرہ کرتی، جڑیں اسے زمین سے پیوست رکھتی ہیں، جنگل کے درختوں کو شعلوں سے دور بھاگتے ہوئے دیکھنے کا منظر کیسا دلفریب ہوتا۔ احاطے کے اندرونی حصے نے جو محافظت فراہم کر رکھی تھی اندھوں نے اُس کو پوری طرح استعمال کیا، انہیں گیلریوں کی اُن کھڑکیوں کا خیال آ گیا

تھا جن کا رُخ اُس طرف تھا۔ وہ انہیں پھلانگتے رہے، ٹھوکریں کھاتے رہے، گرتے رہے، روتے رہے، چیخ و پکار کرتے رہے، لیکن فی الوقت وہ محفوظ ہیں، امید کرتے ہیں کہ جب آگ سے چھتیں گر جائیں گی اور وہ شعلوں اور انگاروں کا ایک واورولا، ہوا اور آسمان کی طرف روانہ کرے گی تو اُسے درختوں کی پھننگوں تک پھیلنا یادنہیں رہے گا۔ عمارت کے دوسرے حصے میں بھی افراتفری کا یہی عالم ہے اندھے شخص کے لیے دھوئیں کی بُو ہی کافی ہوتی ہے وہ فوری طور پر تصور کرلیتا ہے کہ آگ اُس کے آس پاس ہے جو حقیقت میں ہوتی نہیں، گیلری جلدی ہی لوگوں سے بھرگئی، اگر کوئی ان لوگوں کو نظم و ضبط قائم رکھنے کی تلقین نہیں کرتا تو صورتِ حال تباہ کن ہوجائے گی۔ ایک موقع پر کسی کو یاد آتا ہے کہ ڈاکٹر کی بیوی تو دیکھ سکتی ہے، وہ کہاں ہے، لوگ پوچھتے ہیں، وہ ہمیں بتا سکتی ہے کیا ہو رہا ہے، ہمیں کہاں جانا چاہیے، کہاں ہے وہ، میں یہاں ہوں، ابھی وارڈ سے بمشکل باہر آئی ہوں، اس کا ذمے دار بھینگی آنکھ والا لڑکا تھا جو پتہ نہیں چلا کہاں چلا گیا تھا، اب وہ یہاں ہے میرے ساتھ اور میں نے اُس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے، اسے مجھ سے جدا کرنے کے لیے انہیں پہلے میرا بازو الگ کرنا ہوگا اور اپنے دوسرے ہاتھ سے میں اپنے خاوند کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہوں، اس کے ساتھ کالے چشمے والی لڑکی ہے، پھر سیہ پیوند والا بوڑھا آدمی، جہاں ایک ہے وہاں دوسرا ہے، اس کے بعد پہلا اندھا آدمی، پھر اُس کی بیوی، سب اکٹھے صنوبر کے پھل کی طرح بند، جو مجھے امید ہے کہ اس حدت میں بھی نہیں کھلے گا۔ اس دوران یہاں کے بیشتر اندھوں نے دوسرے حصے والوں کی پیروی شروع کردی تھی، وہ اندرونی احاطے کی طرف چھلانگیں لگا رہے تھے، وہ دیکھ نہ سکے کہ دوسری طرف کا بہت سا حصہ ایک عظیم الاؤ میں تبدیل ہوچکا ہے، لیکن وہ اپنے چہروں پر اور اپنے ہاتھوں پر اُدھر سے آنے والی تپش کے بھبکے محسوس کرسکتے ہیں، فی الحال چھت ابھی اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے ہے، درختوں کے پتے آہستہ آہستہ سکڑ رہے ہیں۔ تب کوئی شخص یہاں چلا کر کہتا ہے، ہم یہاں کیا کر رہے ہیں، ہم باہر کیوں نہیں جاتے، سروں کے اس سمندر سے جواب میں صرف چار لفظوں کی ضرورت تھی، وہاں سپاہی کھڑے ہوں گے، لیکن سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے کہا، جل کر

مرنے سے گولی کھا کر مرنا بہتر ہے، یہ تجربے کی آواز لگتی تھی، اس لیے کہ شاید کوئی حقیقی شخص نہیں بول رہا تھا شاید اُس کے منہ سے سگرٹ لائٹر والی عورت بولی تھی جسے بدقسمتی سے اندھے اکاؤنٹنٹ کی چلائی ہوئی آخری گولی بھی نہ لگ سکی۔ پھر ڈاکٹر کی بیوی بولی، مجھے راستہ دو، میں کرتی ہوں بات سپاہیوں سے وہ ہمیں یوں مرنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتے، سپاہیوں کے بھی احساسات ہوتے ہیں، اس امید کی بدولت ڈاکٹر کی بیوی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آگے بڑھی دھوئیں نے اس کی آنکھوں کو دھندلا دیا تھا، وہ بھی جلدی ہی دوسری کی طرح اندھی ہوجائے گی۔ ہال میں داخل ہونا تقریباً ناممکن تھا، احاطے کی طرف کھلنے والے دروازے ٹوٹ پھوٹ چکے تھے، وہاں پناہ لینے والے اندھے مکینوں نے فوراً محسوس کرلیا کہ وہ جگہ اب محفوظ نہیں رہی تھی، وہ باہر نکلنا چاہتے تھے، انہوں نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ دباؤ ڈالا لیکن دوسری طرف والوں نے مزاحمت کی اور جتنا بہتر طور پر ثابت قدم رہ سکتے تھے، رہے، اس وقت انہیں سب سے زیادہ یہ خوف تھا کہ کہیں سپاہی نمودار نہ ہوجائیں، لیکن جب اُن کی طاقت جواب دے گئی اور آگ کے پھیلاؤ میں مزید اضافہ ہوگیا، تو اُن پر ثابت ہوگیا کہ سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے سچ کہا تھا کہ گولی لگنے سے مرنا زیادہ بہتر ہے۔ زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا، ڈاکٹر کی بیوی کسی نہ کسی طرح بالآخر پورچ تک پہنچ گئی تھی، وہ عملاً نیم برہنہ حالت میں تھی اور اپنے دونوں مصروف ہاتھوں سے بمشکل لڑ بھڑ کر ان لوگوں کو پرے دھکیلنے میں کامیاب ہوسکی، جو اُس کے آگے بڑھتے ہوئے چھوٹے سے گروپ میں شامل ہونا چاہتے تھے، محاورتاً چلتی ہوئی گاڑی کو پکڑنے کے لیے، سپاہی اگر اُسے اپنے نیم برہنہ چھاتیوں کے ساتھ اپنے سامنے دیکھ لیتے تو اُن کی آنکھیں پھر جاتیں۔ اب یہ چاند کی روشنی نہیں تھی جو پھاٹک تک پھیلی ہوئی خالی جگہ کو منور کر رہی تھی بلکہ شعلوں کی تیز چکا چوند۔ ڈاکٹر کی بیوی نے چلا کر کہا، براہِ کرم اپنے ذہنی سکون کی خاطر ہمیں باہر جانے دو، گولی مت چلاؤ، وہاں سے کوئی جواب نہ آیا۔ سرچ لائٹ ابھی تک بجھی ہوئی تھی، کوئی چیز بھی حرکت کرتی دکھائی نہیں دے رہی تھی، پریشان ہوکر ڈاکٹر کی بیوی دو سیڑھیاں اُتری، کیا ہو رہا ہے، اس کے خاوند نے پوچھا، لیکن اس نے جواب نہیں دیا، اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں

آرہا تھا۔ وہ باقی سیڑھیاں اُتر کر نیچے آ گئی اور پھاٹک کی جانب چلنے لگی، اپنے پیچھے کھینچتے ہوئے، بھینگی آنکھ والے لڑکے کو، اپنے خاوند کو، اور دوسرے ساتھیوں کو، اب اس میں کوئی شک نہیں رہا تھا کہ سپاہی جا چکے تھے یا لے جائے جا چکے تھے، وہ بھی اندھے ہو چکے تھے، بالآخر ہر کوئی اندھا۔

پھر ہر بات سادہ لفظوں میں آناً فاناً ہوئی، ڈاکٹر کی بیوی نے باآواز بلند اعلان کیا کہ وہ آزاد ہیں، عمارت کے دائیں حصے والی چھت ایک خوفناک دھماکے سے نیچے آ گری اور ہر طرف شعلے بکھیر دیئے، اندھے مکین بھاگ کر احاطے میں گھس گئے، زور سے چلاّتے ہوئے، بعض جو احاطے میں نہ جا سکے اندر ہی رہے، دیواروں کے ساتھ چمٹے ہوئے، دوسرے پیروں تلے کچلے گئے اور ایک بے شکل لہو کے ڈھیر میں بدل گئے، آگ کہ اچانک پھیل گئی ہے جلد ہی سب کچھ جلا کر راکھ کر دے گی۔ پھاٹک کھل چکا ہے دیوانو، فرار ہو جاؤ۔

۱۳

ہم ایک اندھے آدمی سے کہتے ہیں، تم آزاد ہو، وہ دروازہ کھول دیتے ہیں جو اُسے باہر کی دنیا سے االگ کیے ہوئے تھا، جاؤ تم آزاد ہو، ہم اُس سے دوبارہ کہتے ہیں اور وہ نہیں جاتا، بے حس و حرکت کھڑا رہتا ہے، وہیں، سڑک کے بیچ میں، وہ اور دوسرے خوفزدہ ہیں، اُن کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں جائیں، حقیقت یہ ہے کہ عقلی گورکھ دھندے میں جو منطقی تعریف کی رُو سے ایک پاگل خانہ ہے، زندگی گزارنے اور کسی رہنما ہاتھ یا دوسرے کی سنگت کے بغیر شہر کی دیوانی بھول بھلیوں میں داخل ہونے کی جسارت کرنے کے درمیان کوئی موازنہ ہی نہیں، جہاں حافظہ کسی کام نہ آئے گا، کیونکہ وہ تو بس اتنا ہی کر سکتا ہے کہ جگہوں کی شکلوں کو سامنے لے آئے لیکن اُن راستوں کو یاد نہیں دلا سکتا جن پر چل کر وہاں تک پہنچا جا سکتا ہے۔ عمارت ایک سرے سے دوسرے تک دھڑ دھڑ جل رہی ہے، اندھے مکین سامنے کھڑے ہیں اور آگ سے اُٹھ اُٹھ کر آنے والی حدت کی لہروں کو اپنے چہروں پر محسوس کر سکتے ہیں، وہ انہیں کسی ایسی چیز کے طور پر قبول کر رہے ہیں جو ایک طریقے سے اُن کی حفاظت کر رہی ہے جیسے پہلے دیواریں کرتی تھیں، قید خانہ اور کنج اِماں ایک ساتھ۔ وہ اکٹھے کھڑے ہیں، کسی ریوڑ کی طرح ایک دوسرے سے جڑے ہوئے، ان میں کوئی بھی گمشدہ بھیڑ نہیں بننا چاہتا، انہیں معلوم ہے کوئی چرواہا اُن کو تلاش کرنے کے لیے نہیں آئے گا۔ آگ رفتہ رفتہ بجھنے لگی ہے، چاند نے ایک بار پھر اپنی روشنی

پھیلا دی ہے، اندھے بے چین ہونے لگتے ہیں، وہ یہاں ٹھہرے نہیں رہ سکتے، ابدالآباد تک جیسا کہ ان میں سے ایک نے کہا۔ کسی نے پوچھا یہ دن ہے کہ رات، اس بے محل تجسس کی وجہ جلد ہی ظاہر ہوگئی، کون جانے، ہوسکتا ہے وہ ہمارے لیے کچھ کھانے ہی کو لے آئیں، شاید کوئی گڑبڑ ہوگئی ہوگی، کوئی تاخیر، ایسا پہلے بھی ہوتا رہا ہے، لیکن سپاہی اب یہاں نہیں ہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ہوسکتا ہے وہ کہیں دور چلے گئے ہوں کہ یہاں اُن کی ضرورت باقی نہیں رہی، میں سمجھا نہیں، مثال کے طور پر اب چھوت چھات کا کوئی خطرہ نہیں رہا یا اس لیے کہ ہماری بیماری کا علاج دریافت کرلیا گیا ہے، یہ تو اچھی بات ہے، واقعی اچھی، ہمیں کیا کرنا چاہیے، میں تو دن نکلنے تک یہیں ٹھہروں گا، اور تمہیں کیسے پتہ چلے گا کہ دن نکل آیا ہے، سورج کی وجہ سے سورج کی تمازت کی وجہ سے اور اگر آسمان ابر آلود ہوا تو؟ ایسا صرف چند گھنٹوں کے لیے ہوتا ہے، کسی نہ کسی وقت دن نکل ہی آتا ہے۔ تھکن سے چُور، بہت سے اندھے زمین پر بیٹھ گئے، دوسرے جو جسمانی طور پر زیادہ کمزور تھے، دھڑام سے گرے اور ڈھیر ہوگئے، بعضوں پر غشی طاری ہوچکی تھی، ممکن ہے رات کی ٹھنڈی ہوا انہیں ہوش میں لے آئے، لیکن ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ جب خیمے اٹھانے کا وقت آیا تو ان میں سے چند بدقسمت اُٹھ نہ پائیں گے، انہوں نے اب تک مقابلہ کیا ہے، لمبی دوڑ میں اُس حصہ لینے والے کی مثال، جس کا آخری لکیر سے تین گز پہلے دم ٹوٹ جاتا ہے، قصہ مختصر، کھلا یہ کہ تمام زندگیاں اپنے وقت سے پہلے ختم ہوجاتی ہیں۔ وہ اندھے مکین بھی بیٹھے ہوئے تھے یا پاؤں پسارے پڑے تھے جو اب بھی سپاہیوں کا انتظار کررہے ہیں یا اُن کی جگہ دوسروں کا، ایک مفروضہ ریڈ کراس بھی ہے، ہوسکتا ہے وہی ان کے لیے کھانا لے کر آجائیں اور دوسری بنیادی سہولتیں، فرق صرف یہ ہے کہ ان کے مایوس ہونے کا وقت کچھ دیر بعد آئے گا اور اگر یہاں کسی کو یقین تھا بھی کہ ہماری بیماری کا علاج دریافت ہوچکا ہے تو وہ بھی اُس کی وجہ سے کچھ زیادہ مطمئن دکھائی نہیں دیتا۔

ڈاکٹر کی بیوی نے سوچا کہ رات کے ختم ہوجانے کا انتظار کرنا بہتر ہوگا لیکن یہ بات اپنے گروپ والوں کو بتاتے وقت، اس کے ذہن میں کچھ اور ہی وجوہات تھیں، سب سے

ضروری بات اس وقت یہ ہے کہ کہیں سے خوراک حاصل کی جائے اور اندھیرے میں ایسا کرنا آسان نہ ہوگا۔ تمہیں کوئی اندازہ ہے کہ ہم کہاں ہیں، اُس کے خاوند نے پوچھا، گھر سے، بہرحال بہت دور ہیں۔ دوسرے بھی جاننا چاہتے تھے کہ وہ اپنے اپنے گھروں سے کتنی دور ہیں، وہ اُسے اپنے پتے بتانے لگے اور ڈاکٹر کی بیوی اپنے حساب سے جتنا بہتر ہوسکتا تھا، بتاتی رہی، بھینگی آنکھ والے لڑکے کو اپنے گھر کا پتہ یاد نہیں اور کیا تعجب اُس نے تو کافی عرصے سے اپنی ماں کو بھی یاد نہیں کیا۔ اگر انہیں ایک گھر کے بعد دوسرے گھر جانا ہو، قریب ترین گھر سے شروع ہوتے ہوئے آخری گھر تک، تو راستے میں سب سے پہلا گھر کالے چشمے والی لڑکی کا آئے گا، دوسرا سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی کا، تیسرا ڈاکٹر کی بیوی کا اور آخر میں پہلے اندھے ہونے والے آدمی کا۔ بلاشبہ وہ یہی راستہ اختیار کریں گے، اس لیے کہ کالے چشمے والی لڑکی پہلے ہی بتا چکی ہے کہ اُسے جتنی جلدی ممکن ہوسکے اُس کے گھر لے جایا جائے، میں تصور بھی نہیں کرسکتی کہ میرے والدین کس حال میں ہوں گے، یہ اخلاص بھری سوچ ظاہر کرتی ہے کہ اُن لوگوں کی قیاس آرائیاں کتنی بے بنیاد ہوتی ہیں جو بیٹی یا بیٹے میں بھی گہرے دلی جذبات کی موجودگی کے امکان سے انکار کرتے ہیں، افسوس کہ خلافِ معمول اطوار کے حامل بیشتر واقعات میں خاص طور پر جن کا تعلق عام اخلاقیات سے ہوتا ہے۔ رات خنک ہو چلی ہے، آگ کے پاس جلانے کے لیے کچھ زیادہ نہیں رہ گیا، انگاروں سے تاحال آتی ہوئی حدت، پالے کے مارے ہوئے ان اندھے مکینوں کو گرم رکھنے کے لیے کافی نہیں جو پاگل خانے کے دروازے سے بہت پرے بیٹھے ہیں۔ جیسے ڈاکٹر کی بیوی اور اُس کے ساتھی۔ وہ گٹھری بنے بیٹھے ہیں، تین عورتیں، بیچ میں لڑکا، اُن کو گھیرے میں لیے ہوئے تین مرد، ان کو دیکھنے والا یہی کہے گا کہ یہ پیدا ہی اسی حالت میں ہوئے تھے، یہ سچ ہے کہ وہ یک قالب و یک جان و یک اشتہا ہونے کا تاثر دے رہے تھے، بالآخر وہ ایک ایک کرکے سوگئے، ایک ہلکی نیند جس سے وہ کئی بار جگائے گئے، اندھے مکین اپنے عالمِ بے حسی سے باہر آنے پر اٹھ کھڑے ہوتے اور غنودگی کی حالت میں، اس انسانی رکاوٹ کے ساتھ ٹھوکریں کھاتے، ان میں سے ایک واقعی اپنی جگہ سے نہیں اُٹھا، وہاں سونے یا کسی اور

جگہ سونے میں کوئی فرق نہیں تھا۔ جب دن طلوع ہوا تو انگاروں سے دھوئیں کے چند پتلے پتلے ستون اٹھ رہے تھے اور وہ بھی زیادہ دیر نہ رہے کیونکہ جلدی ہی بارش شروع ہوگئی، ایک مہین سی بونداباندی، درحقیقت ایک خالص کہر، تاہم مستقل شروع میں تو جھلسی ہوئی زمین کو چھوتی ہی نہ تھی، پھر ایک دم رطوبت میں بدل گئی، لیکن جب مسلسل برسے گی تو پھر آپ جانتے ہیں کہ پانی کی بوندیں تو پتھر میں بھی سوراخ کر دیتی ہیں، چلیں اب اس پر کوئی اور قافیہ پیائی کرے۔ ان میں سے بعض اندھے مکینوں کی صرف آنکھیں ہی اندھی نہیں، ان کی سمجھ بوجھ بھی دھندلا گئی ہے، کیونکہ اس پیچ در پیچ استدلال کو کسی اور طرح بیان کیا ہی نہیں جاسکتا جو انہیں اس نتیجے تک لے گیا کہ جس کھانے کی اتنی شدید طلب محسوس کی جا رہی ہے وہ اس بارش میں نہیں آئے گا۔ اُن کو اس بات پر قائل کرنے کا کوئی طریقہ ہی نہیں تھا، چونکہ منطق غلط تھی اس لیے نتیجے کا غلط ہونا لازمی تھا، انہیں بتایا ہی نہیں جاسکتا تھا کہ ناشتے میں ابھی بہت وقت پڑا ہے، مایوسی کے عالم میں انہوں نے اپنے آپ کو زمین پر گرا دیا، آنسوؤں کے سیلاب میں بار بار کہتے رہے، کھانا نہیں آئے گا، بارش ہو رہی ہے، کھانا نہیں آئے گا، اگر وہ افسوسناک کھنڈر، قدیمی بودوباش کے بھی قابل ہوتا تو پھر سے وہی پاگل خانہ بن جاتا جو کبھی تھا۔ اندھا آدمی جو اس رات ٹھوکر کھانے کے بعد بیٹھا رہ گیا تھا، اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہوسکا۔ کچھومچھو، جیسے اپنے پیٹ میں بچی آخری گرماہٹ کو بچانا چاہتا ہو، بارش کے باوجود ہلا تک نہیں، جو شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی تھی۔ وہ مر چکا ہے، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا اور ہم جن میں ابھی کچھ توانائی باقی ہے، ہمارے حق میں یہی بہتر ہے کہ یہاں سے کہیں دور چلے جائیں۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے، لڑکھڑاتے ہوئے اور سراسیمہ، ایک دوسرے کے سہارے، پھر انہوں نے قطار بنالی، سب سے آگے وہ عورت جس کے پاس وہ آنکھیں ہیں جو دیکھ سکتی ہیں، پھر وہ جن کے پاس اگرچہ آنکھیں ہیں لیکن دیکھ نہیں سکتیں، کالے چشمے والی لڑکی، سیہ پیوند والا بوڑھا آدمی، بھینگی آنکھ والا لڑکا، پہلے اندھے آدمی کی بیوی، اُس کا خاوند اور ڈاکٹر سب سے آخر میں۔ جس راستے پر وہ جا رہے ہیں وہ شہر کے مرکز کی طرف لے جاتا ہے، لیکن ڈاکٹر کی بیوی کے دل میں کچھ اور ہے وہ

چاہتی ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہوسکے، اپنے پیچھے پیچھے آنے والوں کو کسی محفوظ مقام پر چھوڑ کر خود اکیلی خوراک کی تلاش میں نکل پڑے۔ سڑکیں ویران ہیں یا اس لیے کہ ابھی سویرا نہیں ہوا یا اس وجہ سے کہ بارش تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے۔ ہر طرف کوڑا کرکٹ بکھرا ہوا ہے، بعض دُکانوں کے دروازے کھلے ہیں، لیکن زیادہ تر بند ہیں، اندر زندگی کا کوئی نشان نہیں، نہ ہی روشنی کی کوئی رمق۔ ڈاکٹر کی بیوی نے سوچا کہ اپنے ساتھیوں کو ان دوکانوں میں سے کسی ایک میں چھوڑنا مناسب رہے گا، یہ احتیاط کرتے ہوئے کہ دروازے کا نمبر اور سڑک کا نام اچھی طرح ذہن نشین کرلیا جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ واپسی میں انہیں کھو بیٹھے۔ اُس نے تھوڑا تامل کیا، پھر کالے چشمے والی لڑکی سے کہا، یہاں میرا انتظار کرو یہاں سے ہلنا نہیں، پھر ایک فارمیسی کے شیشے والے دروازے کے اندر جھانکنے کے لیے چلی گئی، خیال آیا کہ وہ زمین پر لیٹے ہوئے لوگوں کے تاریک پیکروں کو دیکھ سکتی ہے، اُس نے شیشے پر دستک دی، ایک سائے میں جنبش ہوئی، اُس نے دوبادہ دستک دی، دوسرے انسانی پیکروں نے آہستہ آہستہ ہلنا جلنا شروع کیا، ایک شخص اٹھا اور جس طرف سے شور آ رہا تھا اُسی طرف سر کو موڑ کر دیکھنے لگا، یہ سب اندھے ہیں، ڈاکٹر کی بیوی نے سوچا لیکن اُس کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ آخر یہ لوگ یہاں پہنچے کیسے، ہوسکتا ہے یہ فارمیسی والے کے اپنے گھر کے لوگ ہوں، لیکن اگر ایسا تھا تو وہ اپنے گھر میں کیوں نہ رہے، جہاں اُس سخت فرش کے مقابلے میں زیادہ آسائش ہوگی، کیا وہ اپنی فارمیسی کی حفاظت کر رہے تھے، لیکن کس سے؟ اور کس مقصد کے لیے؟ یہ مالِ تجارت، اسے جو بھی کہیں، یکساں طور پر موت کا باعث بھی بن سکتا ہے اور زندگی کا بھی۔ وہ پرے ہٹ گئی، تھوڑا اور آگے جا کر دوسری دوکان کے اندر جھانکا، دیکھا کہ وہاں زیادہ تعداد میں لوگ لیٹے ہوئے تھے، عورتیں، مرد، بچے، لگتا تھا اُن میں بعض لوگ کہیں جانے کی تیاری کر رہے ہیں، ایک شخص نے دروازے کے پاس آ کر اپنا بازو باہر نکالا اور بولا بارش ہو رہی ہے، کیا تیز بارش ہو رہی ہے، اندر سے کسی نے سوال کیا، ہاں، جب تک یہ ہلکی نہیں ہو جاتی ہمیں انتظار کرنا ہوگا، یہ کوئی مرد تھا جو ڈاکٹر کی بیوی سے دو قدم کے فاصلے پر تھا، اُسے اس عورت کی موجودگی محسوس نہیں ہوئی تھی، اس لیے جب اُس

نے گڈ ڈے کی آواز سنی تو چونک اُٹھا، وہ گڈ ڈے کہنے کی عادت بھول چکا تھا، نہ صرف اس لیے کہ اندھوں کے دنوں کا اچھا ہونا، سچ پوچھیے تو کبھی ممکن نہیں ہوتا، بلکہ اس لیے بھی کہ کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا، آیا یہ دوپہر کا وقت ہے یا رات ہے۔ لیکن یہاں صورت حال بظاہر متضاد لگتی ہے، یہ لوگ کم وبیش ایک ہی وقت پر جاگ اٹھتے ہیں، صبح کے وقت، کیونکہ ان میں سے بعض کو اندھے پن کا شکار ہوئے ابھی چند ہی دن ہوئے ہیں اور وہ دن رات کی تکرار کے احساس سے ابھی مکمل طور پر محروم نہیں ہوئے اور نہ ہی نیند اور بیداری کے احساس سے۔ آدمی نے کہا، بارش ہو رہی ہے اور ساتھ ہی پوچھا، تم کون ہو، میں یہاں کی نہیں ہوں، کیا تم خوراک کی تلاش میں نکلی ہو، ہاں، ہم نے چار دن سے کچھ نہیں کھایا اور تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ چار دن ہو گئے ہیں، میں اس کا حساب رکھتی ہوں، تم اکیلی ہو، میں اپنے خاوند کے ساتھ ہوں اور ہمارے چند اور ساتھی ہیں، وہاں کتنے ہیں، سب ملا کر سات، اگر تم ہمارے ساتھ رہنے کا سوچ رہی ہو تو اسے بھول جاؤ، ہم پہلے ہی بہت زیادہ ہیں، ہم صرف یہاں سے گزر رہے ہیں، کہاں سے آئے ہو تم، جب سے اندھے پن کی یہ وبا پھیلی ہے ہم تب سے نظر بندی میں تھے، ارے ہاں، طبی نظر بندی، اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا، تم یہ کیوں کہتی ہو، انہوں نے تمہیں باہر نکلنے کی اجازت دی، وہاں آگ لگ گئی تھی، تب ہمیں احساس ہوا کہ جو سپاہی ہماری حفاظت پر مامور تھے غائب ہو چکے ہیں، اور تم لوگ باہر نکل آئے، ہاں، تمہارے سپاہی یقیناً اُن لوگوں میں شامل ہوں گے جو سب سے آخر میں اندھے ہوئے، ہر کوئی اندھا ہے، پورا شہر، پورا ملک، اگر ایسے لوگ ہیں بھی جو دیکھ سکتے ہیں تو وہ بولتے نہیں، اپنے ہی تک رکھتے ہیں، تم اپنے گھر جا کر کیوں نہیں رہتے، کیونکہ مجھے معلوم ہی نہیں کہ وہ کہاں ہے، تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارا گھر کہاں ہے، تم اپنا بتاؤ، تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا گھر کہاں ہے، میرا، ڈاکٹر کی بیوی جواب دینے ہی والی تھی کہ وہیں تو وہ جا رہی ہے اپنے خاوند اور دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ، انہیں صرف چند فوری نوالوں کی ضرورت ہے کچھ توانائی بحال کرنے کے لیے، لیکن عین اُس وقت صورتِ حال اسے واضح طور پر دکھائی دے گئی، اگر کوئی اندھے پن کی وجہ سے اپنا گھر چھوڑ دے تو اُس کا دوبارہ گھر واپس جانا معجزے

سے کم نہ ہوگا، یہ پہلے کی طرح نہیں ہے، جب اندھے لوگ کسی راہگیر کی دستگیری پر انحصار کر سکتے تھے، چاہے سڑک پار کرنا ہو یا معمول کے راستے سے بھٹک جانے کی صورت میں، دوبارہ اپنے راستے پر واپس آنا، میں بس اتنا جانتی ہوں کہ وہ یہاں سے بہت دور ہے، اُس نے کہا، لیکن وہاں تم کبھی نہ پہنچ پاؤ گی، نہیں، دیکھا؟ میرا بھی یہی معاملہ ہے، ہر ایک کے ساتھ یہی معاملہ ہے، تم لوگ جو طبی نظر بندی میں رہے ہو، تمہیں بہت کچھ سیکھنا ہوگا، تمہیں معلوم نہیں کہ بے گھری میں اپنا پتہ چلانا کتنا آسان ہے، میں سمجھی نہیں، وہ لوگ جو گروہوں کی صورت میں اِدھر اُدھر جاتے ہیں، جیسے ہم کرتے ہیں، جیسے زیادہ تر لوگ کرتے ہیں، جب ہمیں اپنے لیے خوراک ڈھونڈنا ہوتی ہے، ہم اکٹھے جانے پر مجبور ہوتے ہیں، صرف یہی طریقہ ہے ایک دوسرے کو نہ کھونے کا، اور چونکہ ہم سب کے سب جاتے ہیں، چونکہ کوئی پیچھے نہیں رہتا گھر کی حفاظت کے لیے، یہ فرض کرتے ہوئے کہ ہم کسی نہ کسی طرح کبھی اسے دوبارہ پا لیں گے، غالب امکان یہ ہے کہ اُس پر کسی اور گروہ کا قبضہ ہو چکا ہوگا جنہیں خود اپنا گھر نہ ملا ہوگا، ہم ایک قسم کے چرخ چوں ہیں، شروع شروع میں کچھ تنازعے کھڑے ہوئے تھے، لیکن ہمیں جلد ہی ادراک ہو گیا کہ ہم کہنے کو اندھے، عملاً کچھ بھی نہیں رکھتے جسے اپنا کہہ سکیں سوائے اپنے تن کے کپڑوں کے۔ حل یہ ہوگا کہ کسی گروسری اسٹور میں رہا جائے یا کسی ایسی دوکان میں جہاں سامان خورد و نوش فروخت ہوتا تھا، کم از کم جب تک سپلائی باقی رہے گی باہر جانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ جس کسی نے بھی یہ کیا اُس کے ساتھ کم از کم اتنا ضرور ہوگا کہ اُسے پھر کبھی چین کا لمحہ نصیب نہ ہوگا، کم از کم میں اس لیے کہتا ہوں کہ میں نے بعض لوگوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات سُنے ہیں، جو ایسی کوشش کر چکے ہیں، اپنے آپ کو بند کر لیا، اندر سے چٹخنی چڑھا دی، لیکن خوراک کی بُو کو باہر جانے سے نہ روک سکے، جنہیں خوراک کی ضرورت تھی وہ باہر جمع ہو گئے اور چونکہ اندر والوں نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا تھا، دوکان کو آگ لگا دی گئی، یہ ایک مبارک تدبیر تھی، میں نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، دوسروں نے مجھے بتایا ہے، بہرصورت یہ ایک مبارک تدبیر تھی اور جہاں تک مجھے معلوم ہے دوبارہ کسی کو ایسا کرنے کی جرأت نہیں ہوئی، اور کیا

لوگ اب مکانوں اور فلیٹوں میں نہیں رہتے، ہاں، رہتے ہیں لیکن بات وہی رہتی ہے میرے گھر سے لاتعداد لوگ گزرے ہیں، کون جانے میں دوبارہ اسے پا بھی سکوں گا یا نہیں، علاوہ ازیں اس صورتِ حال میں عملی طور پر سب سے نچلی منزل میں سونا بہتر ہے، وہ دوکانیں ہوں یا گودام، آدمی اوپر یا نیچے آنے جانے کے لیے سیڑھیاں چڑھنے سے بچ جاتا ہے، بارش تھم گئی ہے، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، اُس شخص نے بھی اندر والوں کو سنانے کے لیے دُہرایا، بارش تھم گئی ہے۔ ان الفاظ کو سننا تھا کہ وہ لوگ جو ابھی تک پاؤں پسارے پڑے تھے، اٹھ کر کھڑے ہو گئے، اپنا سامان اکٹھا کیا، کھانے پینے کی چیزوں کے تھیلے، دستی سامان پلاسٹک اور کپڑے کے بنے ہوئے بیگ، جیسے وہ کسی مہم پر جانے والے ہوں، اور یہ سچ تھا وہ خوراک کی تلاش میں روانہ ہوئے اور ایک ایک کر کے دوکان سے باہر آنے لگے، ڈاکٹر کی بیوی اُن کا جائزہ لیتی رہی، اُن کے کپڑوں کے رنگ، بھلے ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہ ہوتے ہوں، لیکن وہ تھے پوری طرح ملبوس، اگرچہ اُن کی پتلونیں یا تو اتنی چھوٹی تھیں کہ اُن کی پنڈلیاں ننگی ہو جاتیں یا اتنی لمبی کہ اُن کے پائنچوں کو اوپر کی طرف موڑنا پڑتا تھا، لیکن یہ گروہ سردی سے ضرور محفوظ رہے گا، بعض مردوں نے اوورکوٹ یا برساتیاں پہن رکھی تھیں، دو عورتوں نے لمبے فرغل پہنے ہوئے تھے، کوئی چھتری دکھائی نہیں دی، غالباً اس لیے کہ اُنہیں اٹھانا بدوضع لگتا تھا اور ان کی سلاخوں سے ہر وقت یہ خطرہ رہتا ہے کہ کہیں کسی کی آنکھ میں نہ گُھس جائیں۔ کوئی پندرہ لوگوں کا یہ گروہ باہر نکل گیا۔ سڑک پر دوسرے گروہ نمودار ہو رہے تھے، مزید برآں، اکیلے دُکیلے لوگ دیواروں کی طرف منہ کیے مرد، صبح کے وقت اپنے مسانے خالی کرنے کی فوری ضرورت کو پورا کر رہے تھے۔ عورتیں متروکہ کاروں کی آڑ کو ترجیح دے رہی تھیں۔ بارش کی وجہ سے نرم پڑا ہوا فضلہ، سڑک پر یہاں وہاں ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔

ڈاکٹر کی بیوی واپس اپنے ساتھیوں کے پاس گئی، جو ایک کیک شاپ کے شامیانے تلے جہاں سے کھٹی کریم اور دوسری گلی سڑی چیزوں کی بساند آ رہی تھی، جبلی طور پر ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے کھڑے تھے۔ آؤ چلیں، وہ بولی مجھے ایک پناہ گاہ مل گئی ہے، اور وہ اُنہیں اُس دوکان کی طرف لے گئی جہاں سے دوسرے ابھی ابھی نکل کر گئے تھے۔ دوکان میں جمع اسٹاک ابھی

سلامت تھا، اس سامان میں اشیائے خورد و نوش اور کپڑے وغیرہ نہیں تھے، وہاں فرج تھے، واشنگ مشینیں تھیں، کپڑے دھونے والی بھی اور برتن صاف کرنے والی بھی، عام چولہے اور مائیکرو ویو چولہے تھے، مصالحہ پیسنے والی اور جوس نکالنے والی مشینیں تھیں، ویکیوم کلینر تھے، غرض بجلی سے چلنے والی ایک ہزار ایک ایجادات، جن کا مقصد زندگی میں آسائش پیدا کرنا تھا۔ ماحول میں ہر طرف ایک ناخوشگوار بُو پھیلی ہوئی تھی، جو اشیا کی غیر مبدل سفیدی کو بے سروپا بنا رہی تھی۔ یہاں آرام کرو، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، میں کچھ کھانے پینے کی چیزیں ڈھونڈنے کے لیے جاتی ہوں، مجھے پتہ نہیں وہ کہاں ملیں گی، نزدیک یا بہت دور، میں کچھ کہہ نہیں سکتی، تحمل کے ساتھ انتظار کرو، باہر لوگوں کے گروہ گھوم رہے ہیں، اگر کوئی اندر آنے کی کوشش کرے تو انہیں بتا دینا کہ اس جگہ پہلے سے لوگ موجود ہیں، انہیں واپس بھیجنے کے لیے اتنی ہی بات کافی ہوگی، اب یہی رسم ہے یہاں کی، میں بھی چلتا ہوں تمہارے ساتھ، اُس کے خاوند نے کہا، نہیں بہتر یہی ہے کہ میں اکیلی ہی جاؤں، ہمیں معلوم کرنا چاہیے کہ لوگ اب کس طور زندگی گزار رہے ہیں، میری شنید کے مطابق تو سب اندھے ہو چکے ہیں، اس صورت میں تو لگتا ہے جیسے ہم ابھی تک پاگل خانے میں ہیں، سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے گول مول طریقے سے کہا، یہ موازنہ درست نہیں، ہم آزادی سے گھوم پھر سکتے ہیں اور خوراک کے مسئلے کا بھی کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا، ہم بھوک کی وجہ سے نہیں مریں گے، میں کچھ کپڑے حاصل کرنے کی بھی کوشش کروں گی، ہمارے پاس تو چیتھڑے رہ گئے ہیں، سب سے زیادہ تو خود اُسے ضرورت تھی، وہ کمر سے اوپر تک تقریباً ننگی تھی۔ اُس نے اپنے خاوند کو چوما، اُس لمحے اُسے اپنے دل میں درد کی ایک لہر سی اٹھتی ہوئی محسوس ہوئی، پلیز جو بھی ہو اگر کوئی اندر آنے کی کوشش بھی کرے تو اس جگہ کو چھوڑنا نہیں، اور اگر تمہیں باہر نکال دیا جائے، اگرچہ مجھے یقین نہیں کہ ایسا ہوگا، لیکن تمہیں تمام امکانات سے خبردار کرنے کے لیے کہہ رہی ہوں، تو جب تک میں آ نہیں جاتی دروازے کے پاس اکٹھے کھڑے رہیں۔ اُس نے آبدیدہ نظروں سے اُن کی طرف دیکھا، وہاں وہ موجود تھے، اُس کے اُتنے ہی دست نگر جتنے ننھے بچے اپنی ماں کے ہوتے ہیں۔ اگر میں ان کا ساتھ چھوڑ

دوں — اُسے خیال آیا۔ اُس کو یہ سوجھا ہی نہیں کہ اُس کے ارد گرد لوگ اندھے تھے اور پھر بھی کسی نہ کسی طور زندگی گزار رہے تھے، اس بات کو سمجھنے کے لیے کہ لوگ ہر چیز کے عادی ہو جاتے ہیں اُسے خود اندھا ہونا ہوگا، خاص طور پر اگر ان میں آدمیت باقی نہیں رہی، چاہے وہ اس مقام تک پوری طرح نہ بھی پہنچے ہوں، مثلاً بھینگی آنکھ والے لڑکے ہی کو لیں، جو اب اپنی ماں کو بھی یاد نہیں کرتا۔ وہ باہر سڑک پر چلی گئی، مُڑ کر دیکھا اور اپنے ذہن میں دروازے کا نمبر اور دوکان کا نام نوٹ کرلیا، اب اُس نکڑ پر اُسے سڑک کا نام دیکھنا تھا، اسے کچھ معلوم نہیں کہ خوراک کی تلاش اُسے کہاں لے جائے گی اور کیسی خوراک کی طرف، ہوسکتا ہے یہ تین دروازوں کے فاصلے پر ہو یا تین سو کے، وہ راستے میں کھو جانے کی متحمل نہیں ہوسکتی، وہاں وہ کس سے راستہ پوچھے گی، جو پہلے دیکھ سکتے تھے اندھے ہو چکے ہیں اور وہ جو دیکھ سکتی ہے اُسے یہ معلوم نہیں ہوگا کہ وہ کہاں ہے۔ سورج بادلوں سے باہر نکل آیا تھا، کوڑے کرکٹ کے درمیان بنے ہوئے پانی کے جوہڑوں پر چمک رہا تھا اور سڑک کی سِلوں کے درمیان پھوٹنے والے سرکنڈوں کو دیکھنا آسان ہو گیا تھا۔ باہر زیادہ لوگ تھے۔ وہ یہاں اپنا راستہ کیسے معلوم کرتے ہیں، ڈاکٹر کی بیوی نے دل میں سوچا۔ وہ اپنا راستہ معلوم نہیں کرتے تھے، عمارتوں کے بالکل ساتھ ساتھ لگ کے چلتے تھے، بازو آگے کی طرف پھیلائے، وہ مستقل ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراتے رہتے تھے، جیسے چیونٹیاں اپنی لکیر پر لیکن جب ایسا ہوتا تو کوئی احتجاج نہیں کرتا تھا اور نہ ہی انہیں کچھ کہنا ہوتا تھا۔ ایک کنبہ دیوار سے پرے ہٹ گیا تھا، دوسری طرف والی دیوار کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہوا کسی اور سمت میں، اور یوں چلتا رہا اگلی مڈبھیڑ تک۔ اکثر اوقات وہ رُک جاتے، دوکانوں کے دروازوں میں سونگھتے، اس امید کے ساتھ کہ شاید کھانے پینے کی چیزوں کی مہک آ رہی ہو، پھر اپنی راہ پر چل پڑتے، وہ ایک نکڑ پر مُڑے اور نظروں سے اوجھل ہو گئے، جلدی ہی دوسرا گروہ سامنے آ گیا، لگتا تھا کہ جس چیز کی اُنہیں تلاش تھی وہ نہیں ملی۔ ڈاکٹر کی بیوی زیادہ تیز چل سکتی تھی، اُس نے دوکانوں میں داخل ہو کر یہ دیکھنے پر اپنا وقت ضائع نہیں کیا کہ آیا وہاں کھانے پینے کی چیزیں ہیں بھی یا نہیں، لیکن یہ جلد ہی واضح ہو گیا کہ زیادہ تعداد میں سامان جمع کرنا آسان نہ ہوگا، گروسری کی جو چند دوکانیں اُسے

نظر آئیں وہ مکمل طور پر نگل کر خالی کی جا چکی تھیں اور خالی چھلکوں کی طرح لگتی تھیں۔

اب وہ اُس جگہ سے جہاں اُس نے اپنے خاوند اور دوسرے ساتھیوں کو چھوڑا تھا، کافی دور نکل آئی تھی، سڑکوں کو بار بار پار کرنے اور خیابانوں اور چورستوں سے گزرنے کے بعد اُس نے اپنے آپ کو ایک سپر مارکیٹ کے سامنے پایا، اندر اُسے دوسری جگہوں کی طرح کوئی خاص فرق نظر نہ آیا، شیلفیں خالی تھیں، نمائش کے لیے رکھی ہوئی چیزیں تہ و بالا، درمیان میں اندھے لوگ سرگرداں تھے، بہت سے تو چوپایوں کی طرح چل رہے تھے، فرش پر کی گندگی کو اپنے ہاتھوں سے ٹٹولتے ہوئے کہ شاید انہیں اپنے استعمال کی کوئی چیز مل جائے، اچار چٹنی وغیرہ کا کوئی کین، جو اُن لوگوں کی ضربوں کو برداشت کر گیا ہو، جو گھبراہٹ میں اُسے کھولنے کی کوشش کرتے رہے ہوں گے، کوئی پیکٹ یا کوئی اور چیز، اندر چاہے کچھ بھی ہو، کوئی آلو، کچلا ہوا ہی سہی، روٹی کا کوئی ٹکڑا، چاہے پتھر کی طرح سخت ہی کیوں نہ ہو۔ ڈاکٹر کی بیوی نے سوچا ہر بات کے باوجود یہاں کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا، جگہ بہت بڑی ہے۔ ایک اندھا اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور شکایت کرنے لگا کہ اُس کے گھٹنے میں شیشے کا کوئی ٹکڑا کھُب گیا ہے، اُس کی ایک ٹانگ سے خون رِسنا شروع ہو چکا تھا۔ اس کے گروہ کے اندھے افراد اُس کے گرد جمع ہو گئے، کیا ہوا، کیا بات ہے، اور وہ انہیں بتانے لگا، میرے گھٹنے کے اندر شیشے کا ایک ٹکڑا چلا گیا ہے، کون سے والے میں، بائیں والے میں، ایک عورت نیچے بیٹھ گئی۔ خیال رکھنا ہوسکتا ہے آس پاس شیشے کے اور ٹکڑے بھی ہوں، وہ کھوجنے لگی، اس کی ایک ٹانگ کو بے ڈھنگے پن کے ساتھ، دوسری ٹانگ سے علیحدہ کرتے ہوئے بولی، یہ رہا اور یہ گوشت میں ابھی تک چُبھ رہا ہے، ایک اندھے آدمی نے زور زور سے ہنسنا شروع کر دیا، اچھا اگر یہ چُبھ رہا ہے تو اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاؤ، اور دوسرے مرد اور عورتیں دونوں اُس قہقہے میں شامل ہو گئے۔ اپنے انگوٹھے اور شہادت کی اُنگلی کو جوڑ کر، ایک قدرتی طریقہ جس کے لیے کسی تربیت کی ضرورت نہیں ہوتی، اندھی عورت نے شیشے کا ٹکڑا نکالا، پھر اپنے بیگ سے کپڑے کی ایک کترن نکال کر اُسے گھٹنے پر باندھ دیا، بالآخر اس نے سب کے تفنن طبع کے لیے خود ایک چھوٹا سا لطیفہ سنایا، کچھ نہیں ہونے کا، چبھنا چبھونا ختم، سب ہنسنے لگے اور زخمی آدمی نے

ٹرکی بہ ٹرکی جواب دیا، جب کبھی تمہیں خواہش محسوس ہو، ہم آزما کر دیکھ سکتے ہیں کہ کون سا زیادہ چبھتا ہے، اس گروہ میں یقیناً کوئی شادی شدہ جوڑا نہ تھا، کیونکہ اس بات کو سُن کر کسی کی پیشانی پر بھی بل نہیں پڑے، یہ اخلاق سے عاری لوگ تھے، جو بے ضابطہ اور ہنگامی تعلقات میں ملوّث ہوتے ہیں، اگر موخرالذکر میاں بیوی تھے، تو ایک دوسرے سے بے تکلفی برت رہے تھے، لیکن دراصل وہ یہ تاثر نہیں دے رہے تھے اور کوئی بھی شادی شدہ جوڑا کھلم کھلا ایسی باتیں نہیں کرتا۔

ڈاکٹر کی بیوی نے اپنے چاروں طرف دیکھا، ہر قابلِ استعمال چیز پر جھگڑا ہو رہا تھا، مکوں اور گھونسوں کا تبادلہ ہو رہا تھا، جو ہمیشہ نشانے پر نہیں لگتے تھے اور دھکم پیل جس میں دوست دشمن کی تمیز نہ تھی، کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ وجہِ تنازعہ چیز، ان کے ہاتھوں سے نکل کر زمین پر گر جاتی، اپنے اوپر کسی کے پھسلنے کی منتظر، جہنم میں جائے، میں یہاں سے کبھی باہر نہ نکل پاؤں گی، اس نے سوچا، ایک ایسی زبان میں جو اُس کے معمولہ ذخیرۂ الفاظ کا حصہ نہ تھی، جو اس بات کا ایک اور ثبوت ہے کہ حالات کی قوت اور نوعیت زبان پر قابلِ ذکر طور سے اثر انداز ہوتی ہے۔ یاد ہے وہ سپاہی جس نے شِٹ کہا تھا، جس کی وجہ سے کم خطرناک صورت حالات میں اس کی آئندہ کی بدزبانیوں کو بدچلنی کے جرم سے بری الذمہ قرار دینے کی خاطر اُسے ہتھیار حوالے کرنے کو کہا گیا تھا۔ جہنم میں جائے، میں یہاں سے کبھی باہر نہ نکل پاؤں گی، اُسے ایک بار پھر خیال آیا، اور ابھی وہ جانے کی تیاری کر ہی رہی تھی کہ اُسے ایک اور خیال سُوجھا، کسی پُرمسرت الہام کی طرح اتنے بڑے کاروباری ادارے میں کوئی اسٹور روم بھی ہوگا، بعض مستقل مانگ والی اشیا کی فوری ترسیل کی خاطر، ضروری نہیں کہ وہاں بہت زیادہ مال پڑا ہو، اس لیے وہ کسی اور جگہ ہوگا، غالباً ذرا فاصلے پر۔ اس خیال کے جوش میں وہ کسی بند دروازے کو تلاش کرنے لگی، جو ہوسکتا ہے اُسے خزانے والی غار کی طرف لے جائے، لیکن سب دروازے کھلے تھے اور اُن کے اندر اُسے ویسی ہی بربادی نظر آئی، ویسے ہی اندھے لوگ، جو ویسے ہی کوڑے کرکٹ کو ٹٹول رہے تھے۔ بالآخر ایک تاریک گیلری میں جہاں دن کی روشنی کا گزر بھی مشکل سے ہوتا ہوگا، اُسے وہ مال دکھائی دیا جو لگتا تھا ٹرک میں لادنے کے لیے رکھا ہے۔ دھاتی دروازے بند تھے، اُن سے ذرا ہٹ کر ایک اور ہموار

دروازہ تھا، اُس طرح کا جو پھسل کر پٹری پر آجاتا ہے، تہ خانہ، اُسے خیال آیا، جو اندھے لوگ یہاں تک پہنچے ہوں گے، اُنہیں راستے میں رکاوٹ ملی ہوگی اور اُنہیں یقیناً احساس ہوا ہوگا کہ یہاں ایلیویٹر ہے، لیکن اُن میں سے کسی کو بھی یہ خیال نہ آیا کہ بجلی چلے جانے کے امکان کے پیشِ نظر، جیسے کہ اس وقت ہے، عام طور پر پاس ہی سیڑھیاں بھی ہوتی ہیں۔ اُس نے پھسلواں دروازے کو دھکیلا تو اُس کے ذہن میں بیک وقت دو خیال آئے، ایک تو مکمل اندھیرے کا، جس میں گزر کر اُسے تہ خانے تک پہنچنا تھا اور دوسرا اشیائے خورد ونوش کی ناقابلِ مغالطہ بُو کا، چاہے وہ مرتبانوں میں بند ہوں یا اُن کنستروں میں جنہیں سربمہر کہا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بھوک کی حسِ شامہ، ہمیشہ ہی سے اس قدر تیز رہی ہے کہ تمام رکاوٹوں میں سے گزر جاتی ہے، جیسے کتے کرتے ہیں۔ وہ تیزی سے واپس آئی تاکہ خوراک لے جانے کے لیے کوڑے میں سے پلاسٹک کے خالی تھیلے اکٹھے کرسکے اور ساتھ ہی دل میں سوچا کہ روشنی کے بغیر کیسے پتہ چلے گا کہ مجھے کیا لے جانا ہے، اُس نے اپنے کندھے اُچکائے، کیا بے ہودہ پریشانی ہے، اب تو اُسے یہ فکر ہونی چاہیے کہ اس ناتوانی کی حالت میں وہ بھرے ہوئے تھیلوں کو اُٹھا کر لے جا بھی سکے گی، ان قدموں پر پلٹ کر وہاں جا بھی سکے گی، جہاں سے وہ آئی تھی، اُس لمحے اُسے ایک خوفناک خیال نے جکڑ لیا تھا، اُس مقام تک نہ پہنچ پانے کے خیال نے جہاں اُس کا خاوند اُس کی راہ دیکھ رہا تھا، اُسے سڑک کا نام معلوم تھا، اُسے وہ نہیں بھولی تھی، لیکن وہ اتنے موڑ مڑی تھی، مایوسی نے اسے مفلوج کردیا، پھر آہستہ آہستہ جیسے اُس کے جکڑے ہوئے دماغ نے بالآخر حرکت کرنی شروع کردی ہو، اُس نے اپنے آپ کو شہر کے ایک نقشے پر جھکا ہوا دیکھا، انگلی کے سرے سے مختصر ترین راستے کو ڈھونڈتے ہوئے جیسے اُس کے پاس آنکھوں کے دو جوڑے تھے، ایک جوڑا اُسے نقشے پر نظریں جمائے دیکھ رہا تھا اور دوسرا نقشے کو پڑھتے اور راستے کا حساب لگاتے ہوئے۔ گیلری خالی پڑی تھی، اس دریافت کی وجہ سے اُس کی اعصابی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے خوبیِ تقدیر بھی کہا جاسکتا ہے، وہ دروازہ بند کرنا بھول گئی تھی۔ اب اس نے پچھلے دروازے کو بند کیا تو خود کو مکمل اندھیرے میں ڈوبا ہوا پایا، اب وہ ویسی ہی نابینا تھی جیسے باہر، دوسرے اندھے لوگ

صرف رنگ میں فرق تھا، اگر سیاہ اور سفید کو واقعی رنگ کہا جاسکتا ہے۔ دیوار کے قریب رہتے ہوئے وہ سیڑھیاں اُترنے لگی، بایں ہمہ، اگر یہ جگہ کوئی راز نہ ہوتی اور تہ خانے کی گہرائیوں میں سے کوئی شخص نمودار ہوجاتا، تو اُنہیں بھی ویسے ہی کرنا پڑتا، جیسے اُس نے لوگوں کو سڑک پر کرتے دیکھا تھا، دونوں میں سے ایک کو اُس سہارے کی جگہ کو چھوڑنا پڑتا جس پر وہ تکیہ کیے ہوئے تھے، دوسرے کی مبہم موجودگی کو چُھوکر گزرتے ہوئے، شاید ایک ثانیے کے لیے احمقانہ طور پر ڈرتے ہوئے کہ پتہ نہیں دوسری طرف دیوار ہو یا نہ ہو، میں پاگل ہوئی جارہی ہوں، اُس نے سوچا اور معقول وجہ سے ایک تاریک گڑھے میں یوں اُترنا، کسی روشنی کے بغیر یا کسی اور کو دیکھنے کی امید کے بغیر، یہ کتنا دور ہوگا، اس طرح کے زیرزمین اسٹور عام طور سے زیادہ گہرائی میں نہیں ہوتے، پہلی سیڑھیاں، اب معلوم ہوا کہ اندھا ہونے کے کیا معنی ہیں، دوسری سیڑھیاں، میری چیخیں نکلنے والی ہیں، میری چیخیں نکلنے والی ہیں، تیسری سیڑھیاں، اندھیرا، ایک گاڑھے اور موٹے لیپ کی طرح اُس کے چہرے سے چپک جاتا ہے، اُس کی آنکھیں تارکول کے گولوں میں بدل گئیں، یہ میرے آگے کیا ہے، اور پھر ایک اور خیال اور بھی زیادہ دہشتناک اور میں سیڑھیوں کو دوبارہ کیسے پاؤں گی، ایک اچانک لڑکھڑاہٹ نے اُسے مجبور کردیا کہ گرنے سے بچنے کی خاطر وہ زمین پر بیٹھ جائے، تقریباً غشی کی حالت میں اُس نے ہکلاتے ہوئے کہا، یہ صاف ہے، اُس کا اشارہ فرش کی طرف تھا، اُسے یہ بات قابلِ ذکر لگی، ایک صاف ستھرا فرش۔ تھوڑا تھوڑا کرکے اُس کے حواس بحال ہوئے، اُسے اپنے پیٹ میں دردوں کی گٹھل لہریں محسوس ہوئیں، ایسا نہیں کہ یہ کوئی نئی بات تھی، لیکن اُس لمحے لگتا تھا جیسے اُس کے جسم میں کوئی اور زندہ عضو تھا ہی نہیں، دوسرے بھی ہونے چاہئیں تھے، لیکن وہاں اُن کے کوئی آثار نہیں تھے، اُس کا دل ہاں اُس کا دل ایک بڑے ڈھول کی طرح دھم دھم کررہا تھا، اندھیرے میں، ہمیشہ کے لیے اندھا دُھند مصروفِ عمل، تمام اندھیروں سے پہلے والے اندھیرے سے، اُس کوکھ سے جس میں اس کی تشکیل ہوئی تھی، آخری اندھیرے تک جہاں یہ ختم ہوجائے گا۔ وہ پلاسٹک کے تھیلوں کو ابھی تک مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھی، وہ انہیں ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتی تھی، اب اُسے کرنا صرف یہ تھا کہ انہیں بھرلے، سکون کے

ساتھ، ایک اسٹور روم بھوتوں اور آگ اگلنے والے اژدہوں کا مسکن نہیں ہوتا، یہاں کچھ نہیں ہے سوائے اندھیرے کے اور اندھیرا نہ کاٹتا ہے نہ حملہ آور ہوتا ہے، رہ گئیں سیڑھیاں تو میں انہیں پا کر ہی رہوں گی، چاہے اس کا مطلب اس خوفناک جگہ کا پورا چکر ہی کیوں نہ لگانا ہو۔ اپنے ذہن میں یہ طے کرنے کے بعد وہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے ہی کو تھی لیکن پھر اُسے یاد آیا کہ وہ تو اُتنی ہی اندھی ہے جتنے دوسرے، بہتر یہ ہے کہ وہی کیا جائے جو وہ کرتے ہیں، چوپایوں کی طرح آگے بڑھنا، جب تک کوئی چیز اس کے مقابل نہیں آجاتی، اشیائے خورد و نوش سے لدے پھندے شیلف وہ کچھ بھی ہوں، جہاں تک اُنہیں اُسی حالت میں کھایا جاسکے، پکائے بغیر یا خاص طور پر تیار کیے بغیر اس لیے کہ عمدہ پکوانوں کا وقت نہیں ہے۔

وہ بمشکل چند گز تک گئی تھی کہ اُس کا خوف اندر ہی اندر رینگتا ہوا واپس آگیا، شاید اُسے غلط فہمی ہوئی تھی، شاید وہیں اس کے سامنے کوئی غیرمرئی اژدھا منہ کھولے اُس کا منتظر تھا، یا کوئی بھوت، اُسے مُردوں کی خوفناک دنیا کی طرف، اٹھالے جانے کے لیے، اپنا ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا، جن کا مرنا کبھی ختم نہیں ہوتا کیونکہ کوئی ہمیشہ اُنہیں پھر سے زندہ کرنے کے لیے آجاتا ہے۔ پھر غیردلچسپ انداز میں ایک لامحدود، راضی برضا اداسی کے ساتھ اس نے سوچا کہ جس جگہ وہ اپنے آپ کو موجود پا رہی ہے، دماغ جب اپنی ہی تخلیق کردہ عفریتوں کے سامنے سپر انداز ہوجائے تو واہموں کا شکار ہوجاتا ہے۔ پھر اُس کا ہاتھ کسی چیز سے مَس ہوا، بھوت کی لسلسی انگلیوں سے نہیں، نہ ہی اژدھے کی آگ اگلتی زبان اور زہریلے دانتوں سے، جو اُسے محسوس ہوا، وہ اِتصال تھا ٹھنڈی دھات سے، کسی ہموار عمودی سطح سے، اس نے قیاس کیا، یہ جانے بغیر کہ اسے کیا کہا جاتا ہے کہ یہ شیلفوں کا تھم تھا، اس کے حساب سے وہاں اسی طرح کے دوسرے بھی ہونے چاہئیں جو اس والے تھم کے متوازی کھڑے ہوں گے، جیسا کہ فیشن تھا، اب یہ پتہ چلانے کا سوال تھا کہ کھانے پینے کا سامان کہاں پڑا ہوگا، یہاں نہیں، کیونکہ اس میں تو مغالطہ ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ کپڑے دھونے والے پاؤڈر کی بُو ہے۔ اُن مشکلات کے بارے میں دوبارہ نہ سوچتے ہوئے جو اُسے سیڑھیاں ڈھونڈتے وقت پیش آئیں گی، اُس نے شیلفوں کی جانچ

پڑتال شروع کردی، ٹٹولتی، سونگھتی اور ہلا ہلا کر دیکھتی رہی۔ وہاں گتے کے ڈبے تھے، شیشے اور پلاسٹک کی بوتلیں تھیں، ہر سائز کے مرتبان تھے، اچار چٹنی اور مربوں کے ٹین تھے، کئی طرح کے کارٹن، تھیلے، پیکٹ، ٹیوبیں۔ اُس نے الل ٹپ ایک تھیلا بھر لیا، کیا یہ سب خورد ونوش کا سامان ہوسکتا تھا، اس نے بے چینی کے ساتھ دل میں سوچا۔ وہ اگلے شیلفوں کے پاس گئی اور وہ ہو گیا جس کی توقع نہیں تھی، اُس کا اندھا ہاتھ جسے یہ پتہ نہیں تھا کہ وہ کدھر جا رہا ہے، اپنے سامنے والے چند چھوٹے چھوٹے بکسوں سے جا ٹکرایا اور انہیں نیچے گرا دیا، اُن کے فرش سے ٹکرانے پر وہ شور بلند ہوا کہ اُس کے دل کی دھڑکن تقریباً رُک گئی، ماچسیں، اس نے سوچا، اشتیاق کے مارے وہ کانپنے لگی، نیچے جھک کر زمین پر ہاتھ پھیرا اور جسے وہ ڈھونڈ رہی تھی اُسے پا لیا، یہ وہ بُو ہے، جسے کسی دوسری بو کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا جاسکتا اور ماچس کی ننھی ننھی تیلیوں کا شور، جب ہم ڈبیا کو ہلاتے ہیں، ڈھکنے کا سرکانا، باہر لگے ریگمال کا کھردرا پن، وہ جگہ جہاں فاسفورس ہوتا ہے، تیلی کے سرے کی رگڑ اور آخر میں ننھے سے شعلے کی چمک، اِردگرد کی فضا، ایک پھیلا ہوا منطقہ، ایسا منور جیسے کہر میں جھلملاتا ہوا کوئی ستارہ، خداوندِ کریم روشنی موجود ہے اور میرے پاس دیکھنے کو آنکھیں ہیں، روشنی کی تمجید ہو۔ اب سے بعد فصل کاٹنا آسان ہو گا۔ اُس نے ماچسوں کے بکسوں سے آغاز کیا اور تقریباً پورا تھیلا بھر لیا، ان سب کو لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں، عقلِ سلیم کی آواز نے اُسے بتایا، پھر ماچس کے ٹمٹماتے ہوئے شعلوں نے شیلفوں منور کرنا شروع کر دیا، کبھی یہاں کبھی وہاں، تھیلے جلد ہی بھر گئے، پہلے تھیلے کو خالی کرنا پڑا کہ اس میں کام کی کوئی چیز نہیں تھی، دوسروں میں اتنا مال و متاع بھرا جاچکا تھا جس سے پورا شہر خریدا جاسکتا تھا، ہمیں قدر و قیمت کے اس فرق پر حیران ہونے کی ضرورت نہیں، صرف اُس کہانی کو یاد کرنے کی ضرورت ہے جس میں ایک بادشاہ، ایک گھوڑے کے عوض اپنی سلطنت دینے کو تیار ہو جاتا ہے، اگر وہ بھوک سے مر رہا ہوتا تو وہ کیا نہ دیتا، جب کھانے پینے کی چیزوں سے بھرے پلاسٹک کے یہ تھیلے اُسے ترغیب دے رہے ہوتے۔ سیڑھیاں وہ رہیں، باہر لے جانے والا راستہ دائیں طرف۔ لیکن پہلے ڈاکٹر کی بیوی زمین پر بیٹھ جاتی ہے، سوّر کے گوشت کے سموسوں والا ایک

پیکٹ کھولتی ہے، پھر کالی ڈبل روٹی کے ٹکڑوں کا، پھر پانی کی ایک بوتل اور کسی ندامت کے بغیر، کھانا شروع کر دیتی ہے۔ اگر وہ اب نہیں کھاتی تو اُس میں اتنی سکت کہاں سے آئے گی کہ اس سامان کو اٹھا کر وہاں لے جائے جہاں اس کی ضرورت ہے، وہ جس کی ذمے داری ہے انہیں کھانا مہیا کرنا، جب کھانا ختم کر چکی تو اُس نے تھیلوں کو اپنے بازوؤں میں ڈالا، دونوں طرف تین تین تھیلے اور اپنے ہاتھوں کو اوپر اٹھائے ماچس کی تیلیاں جلاتی چلی گئی حتیٰ کہ سیڑھیوں تک پہنچ گئی، پھر تھوڑی کوشش سے اوپر چڑھنے لگی، ابھی اُس کا کھانا ہضم نہیں ہوا تھا، اس کو پیٹ سے پٹھوں اور نسوں تک پہنچنے میں وقت لگتا ہے، اور اس کے معاملے میں، جس نے انتہائی مزاحمت کا مظاہرہ کیا تھا، سر تک پہنچنے میں۔ دروازہ شور کیے بغیر پھسل کر کھل گیا، اور اگر کوئی گیلری میں ہوا تو، ڈاکٹر کی بیوی نے سوچا، تو پھر میں کیا کروں گی۔ وہاں کوئی نہیں تھا، لیکن وہ دوبارہ دل میں سوچنے لگی، میں کیا کروں گی۔ جب وہ باہر لے جانے والے راستے میں پہنچی تو وہ چلّا سکتی تھی لیکن اُس نے ایسا نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اپنے کندھے کو استعمال میں لاتے ہوئے اُس نے دروازہ بند کر دیا، دل میں سوچا، کچھ نہ کہنا بہتر ہے، ذرا تصور کریں کہ کیا ہوتا، اندھے لوگ ساری جگہ پاگلوں کی طرح بھاگتے پھرتے، اُسی طرح جیسے پاگل خانے میں اندھے نظر بندوں نے کیا تھا جب وہاں آگ لگی تھی، وہ سیڑھیوں سے لڑھکتے ہوئے نیچے گرتے، اپنے پیچھے آنے والوں کے قدموں تلے روندے اور کُچلے جاتے، وہ بھی ٹھوکر کھا کر گر جاتے، ایک مضبوط سیڑھی پر قدم جما کر کھڑے ہونا اور ایک پھسلواں جسم پر پاؤں رکھنا یکساں نہیں ہوتا۔ اور جب کھانے پینے کا سامان ختم ہو جائے گا تو میں اور لینے کے لیے یہاں واپس آسکتی ہوں، اُس نے سوچا، پھر تھیلوں کو ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑا، ایک گہرا سانس لیا اور گیلری کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ وہ اُسے دیکھ تو نہیں سکیں گے لیکن اُس کے کھائے ہوئے کھانے کی مہک تو ہوگی، سموسے، میں بھی کتنی احمق تھی، یہ مہک ایک زندہ سراغ کی طرح ہوگی۔ اُس نے اپنے دانت کچکچائے، تھیلوں کو اپنی پوری قوت کے ساتھ پکڑا، مجھے بھاگنا چاہیے۔ اُس نے کہا۔ اُسے وہ اندھا آدمی یاد آیا جس کے گھٹنے میں شیشے کا ایک ٹکڑا کُھب گیا تھا، اگر وہی چیز میرے ساتھ

ہوجاتی ہے، اگر میں دھیان نہیں دیتی اور میرا پاؤں شیشے کے کسی ٹکڑے پر پڑ جاتا ہے، شاید ہم بھول گئے ہوں کہ اس نے جُوتے نہیں پہن رکھے، ابھی اسے کسی جوتوں کی دوکان میں جانے کا وقت نہیں ملا، جیسے شہر میں اندھے لوگوں کو، جو بدقسمتی سے آنکھوں کے نہ ہونے کے باوجود، جوتوں کو کم از کم چُھو کر چُن سکتے ہیں۔ اُسے بھاگنا تھا اور وہ بھاگی۔ شروع شروع میں اس نے اندھے لوگوں کے گروہوں کے بیچ میں سے گزرنے کی کوشش کی تھی، یہ بھی کوشش کی کہ انہیں چُھو کر نہ گزرے، لیکن اس وجہ سے، اُسے آہستہ چلنے پر مجبور ہونا پڑا، کئی بار رُکنا پڑا، راستہ بنانے کے لیے، جو کھانے کی مہک پہنچانے کے لیے کافی تھا اس لیے کہ مہکاریں صرف خوشبودار اور لطیف ہی نہیں ہوتیں، آن کی آن میں ایک اندھا آدمی شور مچانے لگا، یہاں کون سموسے کھا رہا ہے، یہ الفاظ ابھی اس کے منہ سے نکلے ہی تھے کہ ڈاکٹر کی بیوی نے احتیاط کا دامن چھوڑا اور سرپٹ دوڑنے لگی، ٹکراتی، دھکم پیل کرتی، لوگوں کو زمین پر گراتی، شیطان تمہارا نگہبان والا رویہ اپناتے ہوئے جو ہر طرح سے قابلِ نفرین تھا، کیونکہ اندھے لوگوں سے برتاؤ کا یہ کوئی طریقہ نہیں جن کے پاس آزردہ رہنے کی پہلے ہی کئی وجوہات ہیں۔

جب وہ سڑک پر پہنچی تو موسلا دھار بارش ہو رہی تھی، اور بھی بہتر، اُس نے سوچا، سانس پھولا ہوا، ٹانگیں کانپتی ہوئیں، اس بارش میں مہک زیادہ محسوس نہیں ہوگی۔ کسی نے اُس کا وہ آخری چیتھڑا بھی جھپٹ کر کھینچ لیا تھا جو اُسے کمر سے اوپر تک بمشکل ڈھانپے ہوئے تھا، اب وہ اپنی برہنہ اور چمکتی ہوئی چھاتیوں کے ساتھ اِدھر اُدھر بھٹکتی پھر رہی تھی، ایک شائستہ اسلوبِ بیان، آزادی کی یہ دیوی، فضلِ خداوندی کے آسرے پر، لوگوں کی رہنمائی نہیں کر رہی تھی، حسنِ اتفاق سے، خوراک سے بھرے ہوئے تھیلے اُس کے لیے اتنے بھاری تھے کہ انہیں پرچم کی طرح اونچا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہ بوجھ کسی قدر تکلیف دہ تھا، کیونکہ للچانے والی یہ مہکاریں، جس بلندی پر سفر کر رہی ہیں، وہاں سے اُنہیں کتوں کی حسِ شامہ اپنی گرفت میں لے سکتی ہے، اپنے مالکوں کی نگہداشت اور خوراک رسانی کے بغیر، کتوں کا ایک غول، واقعی، ڈاکٹر کی بیوی کے پیچھے پیچھے چل رہا ہے، امید کرتے ہیں کہ ان میں سے کسی بھی شکاری کتے کو پلاسٹک کے تھیلے پر ایک بار منہ

مار کر، اس کی قوتِ مزاحمت کا امتحان لینے کا خیال نہیں آئے گا۔ ایسی موسلا دھار بارش میں جو تقریباً طوفانِ نوح کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے، آپ توقع کرتے ہیں کہ لوگ کسی پناہ گاہ میں چلے جائیں گے، تاکہ وہاں موسم کے بہتر ہوجانے تک انتظار کریں، لیکن یہاں یہ صورت نہیں ہے، یہاں ہر طرف اندھے لوگ، منہ کھولے، آسمان کو دیکھ رہے ہیں، اپنی پیاس بجھا رہے ہیں، اپنے جسموں کے ہر کونے کُھدرے میں پانی ذخیرہ کر رہے ہیں اور دوسرے جو کسی قدر زیادہ دور اندیش ہیں اور علاوہ ازیں سمجھدار، اپنے ڈول اور دوسرے برتن بھانڈے سخی آسماں کے رُخ اٹھائے ہوئے ہیں، ظاہر ہے کہ خدا بادل کو اُتنا ہی پانی دیتا ہے جتنی پیاس ہوتی ہے۔ ڈاکٹر کی بیوی کو اس امکان کا خیال نہ آیا کہ گھروں کے نلوں سے اس بے بہا پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ٹپک رہا تھا، شہری زندگی کی یہی خامی ہے، ہم اپنے گھروں میں، نل کے پانی کی آسائش کے اتنے عادی ہوجاتے ہیں کہ ہمیں یاد ہی نہیں رہتا کہ اس کے وقوع پذیر ہونے میں اُن لوگوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے جو اِس کی ترسیل و تقسیم کرنے والی ٹونٹیوں کو کھولتے ہیں اور بند کرتے ہیں، وہ ٹاور جن میں پانی ذخیرہ کیا جاتا ہے اور پمپ، ان سب کو بجلی کی ضرورت ہوتی ہے، کمپیوٹر جو پانی کی کمی بیشی کا حساب رکھتے ہیں اور اس کی ذخیرہ اندوزی کو ضابطے میں لاتے ہیں، اور ان تمام امور کو روبہ عمل لانے کے لیے آنکھوں کا ہونا لازمی ہے۔ اس تصویر کو دیکھنے کے لیے بھی آنکھوں کی ضرورت ہے، پلاسٹک کے تھیلوں سے لدی پھندی ایک عورت، بارش میں شرابور سڑک کے کنارے کنارے چلی جا رہی ہے، گلتے سڑتے ہوئے کُوڑے کرکٹ اور انسانی اور حیوانی بول و براز کے درمیان، جہاں پرانے طور طریقوں کے ساتھ چھوڑے ہوئے ٹرک اور کاریں کھڑی ہیں جنہوں نے شاہراہِ عام میں رکاوٹ ڈال رکھی ہے ایسی گاڑیاں بھی ہیں جن کے ٹائروں کے چاروں طرف گھاس اُگ آئی ہے، اور اندھے، اندھے منہ کھولے سفید آسمان کو تکتے ہوئے، یقین نہیں آتا کہ ایسے آسمان سے بارش بھی ہوسکتی ہے۔ ڈاکٹر کی بیوی چلتے چلتے سڑکوں کے نام پڑھتی جاتی ہے، ان میں سے کچھ اُسے یاد آتے ہیں، کچھ بالکل نہیں اور پھر ایک لمحہ ایسا آتا ہے جب اسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے راستے سے بھٹک گئی ہے۔ بلاشبہ وہ کھوگئی

ہے۔ وہ ایک موڑ مڑی، پھر ایک اور موڑ، اب اُسے سڑکیں یا ان کے نام یاد نہیں آ رہے، پھر اپنی پریشانی میں، وہ گندی زمین پر بیٹھ گئی، جس پر سیاہ کیچڑ کی تہیں جمی ہوئی تھیں، اور ناتوانی کے عالم میں، مکمل ناتوانی کے عالم میں زار و قطار رونے لگی۔ کُتے اُس کے گرد جمع ہو گئے، تھیلوں کو سونگھنے لگے، لیکن تھوڑی بے یقینی کے ساتھ، جیسے اُن کا، کھانے کا وقت گزر چکا تھا، اُن میں سے ایک اُس کے چہرے پر اپنی زبان پھیرنے لگتا ہے، شاید جب وہ ایک پِلّا تھا، اُسی وقت سے آنسو خشک کرنے کا عادی تھا۔ عورت اس کے سر کو تھپتھپاتی ہے، اُس کی گیلی پُشت پر ہاتھ پھیرتی ہے اور اُس کو گلے سے لگائے اپنے بچے ہوئے آنسو روتی ہے، بالآخر، جب اُس نے اپنی آنکھیں اوپر کیں، مشکل وقت پر کام آنے والے خدا کی ہزار بار تمجید ہو، اُس نے اپنے سامنے ایک بہت بڑے نقشے کو دیکھا، ویسا ہی جیسا شہری کونسلوں نے شہر کے مختلف مراکز میں لگایا ہوتا ہے، خاص طور پر، سیاحوں کی سہولت کے لیے، کیونکہ اُن کو بھی یہ جاننے کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ پہلے کہاں تھے اور اس وقت کہاں ہیں۔ اب جبکہ ہر چیز اندھی ہے، شاید آپ کو خیال آئے کہ بیکار پیسہ ضائع کیا گیا ہے، لیکن تھوڑا صبر کریں اور وقت کو اپنا چکر پورا کر لینے دیں ہمیں یہ بات حتمی طور پر جان لینی چاہیے کہ مقدر کو کہیں پہنچنے سے پہلے، کئی موڑ کاٹنا پڑتے ہیں، صرف مقدر ہی کو معلوم ہے کہ اس نقشے کو یہاں لانے پر کتنا خرچ اُٹھا ہے تاکہ یہ عورت جان سکے کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ وہ اتنی دور نہیں تھی جتنا کہ وہ سمجھی تھی، اُس نے غلطی سے کسی اور سمت لے جانے والا مختصر راستہ اختیار کر لیا تھا، اب تمھیں کرنا یہ ہے کہ جب تک چوک میں نہیں پہنچ جاتیں اسی سڑک پر چلتی رہو، وہاں بائیں ہاتھ پر دو سڑکیں گنو، پھر دائیں ہاتھ والی پہلی سڑک پر ہو لو، یہی وہ سڑک ہے جس کی تمھیں تلاش ہے، نمبر تو تمھیں نہیں بھولا ہو گا۔ رفتہ رفتہ کُتے اُس کو چھوڑ کر چلے گئے، رستے میں کسی اور چیز نے، اُن کی توجہ اپنی طرف مبذول کروالی تھی یا وہ اس علاقے سے اچھی طرح واقف ہیں اور زیادہ دور جانے سے ہچکچاتے تھے، صرف وہ کُتا، جس نے اُس کے آنسو خشک کیے تھے، اُس شخص کے ساتھ رہا، جس نے وہ آنسو روئے تھے، غالباً عورت اور نقشے کی اس ملاقات میں، قدرت نے جس کا ایسا عمدہ انتظام کیا تھا، یہ کُتا بھی

شامل تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ دونوں دوکان میں اکٹھے داخل ہوئے، غم گسار کتا زمین پر لیٹے ہوئے لوگوں کو دیکھ کر حیران نہیں ہوا، اتنے ساکت کہ لگتا تھا مر چکے ہوں گے، کتا اِن باتوں کا عادی تھا، بعض اوقات اندھے اُسے اپنے ساتھ سُلا لیا کرتے تھے اور جب اٹھنے کا وقت ہوتا تو وہ ہمیشہ زندہ سلامت ہوتے۔ جاگو، اگر تم سو رہے ہو، میں تمہارے لیے کھانا لے کر آئی ہوں، ڈاکٹر کی بیوی بولی، لیکن پہلے اُس نے دروازہ بند کر لیا تھا کہ کہیں کوئی سڑک پر سے گزرنے والا، اُس کی آواز نہ سُن لے۔ سب سے پہلے بھینگی آنکھ والے لڑکے نے اپنا سر اوپر اٹھایا، بے طاقتی نے اُسے اِس سے زیادہ کی اجازت نہ دی، دوسروں نے کچھ زیادہ دیر لگائی، وہ خواب دیکھ رہے تھے کہ وہ پتھر ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ پتھر کیسی گہری نیند سوتے ہیں، بس دیہات کا ایک چکر لگا آئیے، آپ کو معلوم ہو جائے گا، وہاں وہ پڑے سوتے رہتے ہیں، نیم مدفون خدا جانے کس بیداری کے منتظر، کھانے کا لفظ، بہرحال جادو کا حکم رکھتا ہے، خاص طور پر جب بھوک اتنی شدید ہو، حتیٰ کہ غمگسار کتا بھی، جسے کوئی زبان نہیں آئی، اپنی دُم ہلانے لگا، اس جبلی حرکت نے اُسے یاد دلایا کہ اُس نے اب تک وہ کام تو کیا ہی نہیں، جس کی بھیگے ہوئے کتوں سے توقع کی جاتی ہے — اپنے جسم کو زور زور سے جھٹکنا اور اپنے اردگرد کی ہر چیز پر چھینٹے اڑانا، یہ ان کے لیے آسان ہے، وہ اپنی کھال کو اس طرح استعمال کرتے ہیں جیسے وہ سمور ہو۔ انتہائی مجرب قسم کا مقدس پانی، سیدھا آسمان سے اُترا ہوا، جس کے چھینٹوں نے پتھروں کو گوشت پوست کی شکل اختیار کرنے میں مدد دی، جبکہ ڈاکٹر کی بیوی نے پلاسٹک کے تھیلوں کو یکے بعد دیگرے کھولتے ہوئے، اس کایا کلپ کے عمل میں حصہ لیا۔ ہر چیز سے اُس کی اصلی مہک نہیں آ رہی تھی لیکن باسی روٹی کے ایک ٹکڑے کی مہک ویسی ہی اچھی ہو گی، تعریفوں کے پُل باندھنے والی زبان میں، جیسا خود زندگی کا عطر۔ بالآخر وہ سب جاگ اٹھے ہیں، اُن کے ہاتھ کانپ رہے ہیں، اور اُن کے چہرے پُراشتیاق، تب جیسا کہ غمگسار کتے کے ساتھ پہلے بھی ہو چکا تھا، ڈاکٹر کو یاد آتا ہے کہ وہ کون ہے، احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں، زیادہ کھانا اچھا نہیں ہے، یہ نقصان دہ ہو سکتا ہے، جو چیز ہمارے لیے نقصان دہ ہے، وہ ہے بھوک، پہلے اندھے ہونے والے آدمی

نے کہا، جو ڈاکٹر کہہ رہا ہے اُس پر دھیان دو، اُس کی بیوی نے اُس کو تنبیہ کی اور خاوند چُپ ہوگیا، تھوڑا بُرا مانتے ہوئے اور ساتھ ہی سوچتے ہوئے، وہ تو آنکھوں کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتا، کیسے غیر منصفانہ ہیں یہ الفاظ، خاص طور پر اگر ہم اس بات کو بھی دھیان میں رکھیں کہ ڈاکٹر دوسروں کے مقابلے میں کم اندھا نہیں ہے، جس کا ثبوت یہ ہے کہ اُسے تو یہ بھی خبر نہ تھی کہ اُس کی بیوی کمر سے اوپر تک ننگی ہے، اُسی نے اپنے آپ کو ڈھانپنے کے لیے خود اُس سے جیکٹ مانگی تھی، دوسرے اندھوں نے اُس کی جانب دیکھا بھی لیکن کچھ زیادہ ہی دیر ہوچکی تھی، کاش انہوں نے ذرا پہلے دیکھا ہوتا۔

کھانے کے دوران عورت انہیں اپنے جوکھموں کا احوال سناتی رہی، جو جو کچھ اُس کے ساتھ ہوا اور جو جو کچھ اُس نے کیا، صرف یہ نہیں بتایا کہ وہ اسٹور روم کا دروازہ بند کر کے آئی ہے، انسان دوستی کے اُن جذبات کے بارے میں، جو اُس وقت اُس کے دل میں پیدا ہوئے، اُسے پورا یقین نہیں تھا، اُس کی تلافی میں، وہ انہیں اُس اندھے آدمی کا احوال سنانے لگی جس کے گھٹنے میں شیشے کا ایک ٹکڑا کُھب گیا تھا، وہ سب دل کھول کر ہنسے، خیر سب تو نہیں، سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی کے ہونٹوں پر ایک بے رونق سی مسکراہٹ نمودار ہوئی، اور بھینگی آنکھ والے لڑکے کی توجہ صرف اُس شور پر مرکوز رہی، جو نوالہ چباتے وقت اُس کے منہ سے پیدا ہو رہا تھا۔ غمگسار کتے کو بھی اُس کا حصہ ملا، جس کی قیمت وہ فوراً ادا کر دیتا تھا، غصے کے ساتھ بھونک کر جب لوگ باہر سے دروازے کو زور سے جھٹکے دیتے تھے۔ وہ جو کوئی بھی تھے، زیادہ دیر تک ثابت قدم نہ رہے، وہاں پاگل کتوں کے اِدھر اُدھر پھرنے کی باتیں ہو رہی تھیں، یہ جاننا کہ میں کہاں قدم رکھ رہا ہوں، مجھے پاگل بنانے کے لیے کافی ہے۔ سکون بحال ہوگیا تھا، اُس وقت جب تمام لوگوں کی ابتدائی اشتہا کچھ ٹھنڈی پڑی تو ڈاکٹر کی بیوی نے وہ گفتگو بیان کی، جو اُس کے اور اُس شخص کے مابین ہوئی تھی جو اِسی دوکان سے یہ دیکھنے کے لیے باہر آیا تھا کہ کہیں بارش تو نہیں ہو رہی۔ پھر خاتمۂ کلام اس بات پر کیا کہ اگر، جو کچھ اُس نے بتایا تھا، سچ ہے، تو یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ ہمارے گھر، ہمیں اُسی حالت میں ملیں گے جس میں ہم انہیں چھوڑ کر آئے تھے، ہمیں تو یہ بھی

معلوم نہیں کہ ہم اُن میں داخل بھی ہوسکیں گے یا نہیں، میں اُن لوگوں کی بات کر رہی ہوں جو نکلتے وقت چابیاں ساتھ لانا بھول گئے تھے یا اُن سے کہیں کھوگئیں، مثال کے طور پر، ہم، ہمارے پاس نہیں ہیں، وہ آگ لگنے کے موقع پر کہیں گُم ہوگئیں، اب راکھ میں اُن کا ملنا محال ہے، جب اس نے یہ الفاظ کہے تو ایسا لگتا تھا جیسے وہ شعلوں میں اپنی قینچی کو فنا ہوتے ہوئے دیکھ رہی ہو، پہلے اُس پوشیدہ لہو کو جلاتے ہوئے جو اس پر لگا رہ گیا، پھر کناروں پر کی تیز نوکوں کو چاٹتے اور اُنہیں کُند کرتے ہوئے اور رفتہ رفتہ انہیں گُٹھل کرتے، خمیدہ، نرم اور بے ہیئت بناتے، کسی کو بھی یقین نہ آتا کہ یہ اوزار، کسی شخص کے گلے میں چھید کرسکتا تھا، جب آگ اپنا کام ختم کر چکے گی تو اُس پگھلے ہوئے مجتمع ڈھیر میں یہ تمیز کرنا ممکن نہ ہوگا کہ چابیاں کون سی ہیں اور قینچی کون سی، چابیاں میرے پاس ہیں، ڈاکٹر بولا اور اپنے لیر لیر پاجامے کے ازار بند کے نزدیک چھوٹی سی جیب میں بے ڈھنگے پن کے ساتھ، اپنی تین انگلیاں ڈال کر، اس نے ایک ننھا سا چھلّہ نکالا، جس میں تین چابیاں تھیں، یہ تمہارے پاس کیسے آئیں، میں نے تو اِن کو اپنے دستی بیگ میں رکھا تھا، جو وہیں رہ گیا ہے، میں نے انہیں نکال لیا تھا، مجھے ڈر تھا کہ کہیں کھو جائیں گی، مجھے محسوس ہوا کہ اگر یہ میرے پاس رہیں تو ہمیشہ محفوظ رہیں گی، پھر یہ ایک طریقہ بھی تھا اپنے آپ کو قائل کرنے کا کہ ایک دن ہم گھر واپس جائیں گے، چابیوں کا ہونا ایک ضمانت ہے، لیکن ہوسکتا ہے کہ دروازہ ہمیں ٹوٹا ہوا ملے، ہوسکتا ہے کہ اُنہوں نے کوشش ہی نہ کی ہو۔ کچھ لمحوں کے لیے وہ بھول ہی گئے تھے کہ یہاں دوسرے بھی موجود ہیں لیکن اب ان سب سے معلوم کرنا ضروری تھا کہ اُن کی چابیاں کیا ہوئیں، سب سے پہلے کالے چشمے والی لڑکی بولی، جب ایمبولینس مجھے لینے کے لیے آئی تو میرے والدین گھر پر ہی رہے، معلوم نہیں بعد میں اُن پر کیا گزری، پھر سیہ پیوند والا بوڑھا آدمی بول اُٹھا، میں اُس وقت گھر میں تھا جب اندھا ہوا، انہوں نے دروازے پر دستک دی، مالک مکان مجھے بتانے کے لیے آیا کہ ہسپتال کے کچھ لوگ مجھے ڈھونڈ رہے ہیں، بیماروں کی دیکھ بھال کرنے والے کچھ مرد، یہ چابیوں کے بارے میں سوچنے کا وقت نہیں تھا، اب صرف پہلے اندھے آدمی کی بیوی رہ گئی تھی، لیکن اُس نے کہا، میں کہہ نہیں سکتی، مجھے یاد نہیں، وہ جانتی تھی اور اُسے یاد تھا، لیکن

جس بات کا وہ اعتراف نہیں کرنا چاہتی تھی، وہ یہ ہے کہ جب اُس نے اچانک دیکھا کہ وہ اندھی ہوگئی ہے، ایک لایعنی اسلوبِ بیان، لیکن زبان میں اس کی جڑیں اتنی گہری ہیں کہ ہم اِسے نظرانداز کر ہی نہیں سکتے، وہ چیختی ہوئی نکلی گھر سے، پڑوسیوں کو پکارتی ہوئی، وہ جو ابھی تک بلڈنگ میں تھے، انہوں نے اُس کی مدد کو آنے سے پہلے دو بار سوچا اور یہ جس نے خود اتنی ثابت قدمی کا اور اتنی باصلاحیت ہونے کا مظاہرہ کیا تھا، جب اس کا خاوند اس بدبختی کا شکار ہوا، اب ٹوٹ پھوٹ گئی، دروازے کو کھلا چھوڑ کر باہر نکل آئی، اُسے یہ بھی خیال نہیں آیا کہ اُن سے اتنا ہی پوچھ لے کہ کیا وہ اسے ایک لمحے کے لیے واپس جانے کی اجازت دیں گے کہ وہ گھر کا دروازہ ہی بند کرلے، کہے کہ ابھی واپس آئی۔ بھینگی آنکھ والے لڑکے سے کسی نے چابیوں کے بارے میں نہیں پوچھا، اُسے تو یہ بھی یاد نہیں کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ پھر ڈاکٹر کی بیوی نے دھیرے سے کالے چشمے والی لڑکی کا ہاتھ چُھوا، چلیے تمہارے گھر سے شروع کرتے ہیں، جو نزدیک ترین ہے، لیکن پہلے ہمیں کچھ کپڑے اور جوتے حاصل کرنا ہوں گے، ہم اس حالت میں نہیں جاسکتے، نہائے دھوئے بغیر اور ان چیتھڑوں میں۔ وہ اٹھنے لگی تھی کہ اُس کی نظر بھینگی آنکھ والے لڑکے پر پڑی جو پیٹ بھر لینے کے بعد، اطمینان سے دوبارہ سو گیا تھا۔ وہ بولی تھوڑا آرام کر لیتے ہیں، ذرا سو لیتے ہیں، پھر بعد میں چلیں گے، یہ دیکھنے کو کہ ہماری قسمت میں کیا لکھا ہے۔ اُس نے اپنی پانی میں شرابور سکرٹ اتاری، پھر تھوڑی گرمائش حاصل کرنے کے لیے اپنے خاوند کی بغل میں سر دے کر لیٹ گئی، پہلے اندھے آدمی اور اُس کی بیوی نے بھی یہی کیا۔ یہ تم ہو، اُس کے خاوند نے پوچھا تھا، اُسے اپنا گھر یاد آیا اور وہ دُکھی ہوگئی، اُس نے کہا نہیں، مجھے دلاسا دو، لیکن جیسے اُس نے دل میں سوچا ہو، جو ہم نہیں جانتے، وہ یہ ہے کہ کن احساسات کے زیر اثر کالے چشمے والی لڑکی نے سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی کے کندھے کو اپنے بازو میں بھر لیا تھا، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس نے ایسا کیا ضرور تھا، اور وہاں وہ اسی حالت میں پڑے رہے، وہ تو سوتی رہی، لیکن اُس کو نیند نہ آئی۔ کتا دروازے کے پاس لیٹنے کے لیے چلا گیا تھا کہ کوئی اندر نہ داخل ہوسکے، جب اُسے کسی کے آنسو نہیں پونچھنا ہوتے تو وہ ایک بدمزاج اور اکھڑ جانور ہوتا ہے۔

۱۴

اُنہوں نے کپڑے اور جُوتے پہن لیے، جو مسئلہ اُن سے حل نہ ہوسکا، وہ تھا کسی نہ کسی طرح نہانے دھونے کا، لیکن اب وہ دوسرے اندھے لوگوں سے کافی مختلف دکھائی دے رہے تھے، اُن کے کپڑوں کے رنگ، میسر شدہ چیزوں میں ورائٹی کی کمی کے باوجود، ایک دوسرے سے لگا کھاتے تھے، اس لیے کہ جیسے لوگ اکثر کہتے ہیں پھل ہاتھ سے توڑا ہوا، یہی فائدہ ہے کسی مشورہ دینے والے کی بروقت موجودگی کا، تم یہ پہنو، اس پتلون کے ساتھ یہ بہتر رہے گا، دھاریاں، ٹمکنوں کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں، اس طرح کی تفصیلات، مردوں کو واقعی ایسی باتوں سے ذرہ برابر فرق نہیں پڑتا، لیکن کالے چشمے والی لڑکی اور پہلے اندھے آدمی کی بیوی دونوں یہ جاننے پر مصر تھیں کہ اُن کے پہناوے کس رنگ اور کس وضع کے ہیں، تاکہ اپنے تخیل کی مدد سے جان سکیں کہ وہ کیسی لگتی ہیں۔ جہاں تک جوتوں کا تعلق ہے تو ہر شخص متفق تھا کہ آسائش پہلے اور خوبصورتی بعد میں، نہ عمدہ تسمے، نہ اونچی ایڑیاں، نہ ساق موزے یا اعلیٰ چمڑا، سڑکوں کی حالت دیکھتے ہوئے ایسی نفاستیں بے معنی ہوں گی، یہاں اُن کو ربر کے جوتوں کی ضرورت ہے، مکمل طور پر واٹر پروف اور آدھی ٹانگ تک چڑھے ہوئے، جن کو پہننا اور اتارنا آسان ہو، کیچڑ میں سے گزرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ بدقسمتی سے اس قسم کے بُوٹ سب کے لیے دستیاب نہ ہوسکے، بھینگی آنکھ والے لڑکے کے سائز کے بوٹ نہیں تھے،

بڑے سائز کے بوٹ، تو ایسے لگتے تھے جیسے اُس نے دو کشتیوں میں پاؤں ڈالے ہوئے ہوں، اسی لیے اُسے کھلاڑیوں کے جوتوں پر گزارا کرنا تھا، کسی واضح مقصد کے بغیر، اُس کی ماں، جہاں کہیں بھی وہ ہوتی، جب کسی سے یہ بات سنتی تو کہتی کیسا اتفاق ہے، بالکل ایسے ہی جوتوں کا انتخاب کرتا میرا بیٹا، اگر وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا۔ سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے جس کے پاؤں کے لیے بڑے سائز کے جوتے درکار تھے، باسکٹ بال شوز پہن کر اپنا مسئلہ حل کرلیا تھا، جو خاص طور پر چھ فٹ لمبے کھلاڑیوں کے لیے بنائے جاتے ہیں، لگا کھاتی ہوئی پٹیوں کے ساتھ۔ یہ سچ ہے کہ وہ کسی قدر مضحکہ خیز لگتا ہے، جیسے اس نے سفید سلیپر پہن رکھے ہوں، لیکن وہ تھوڑی دیر کے لیے ہی مضحکہ خیز لگے گا، دس منٹ کے اندر اندر اُس کے شوز گندے ہوجائیں گے، بالکل ویسے ہی جیسے زندگی میں ہر چیز ہوجاتی ہے، پورا کرنے دو، وقت کو اپنا چکر اور وہ کوئی حل نکال لے گا۔

بارش بند ہوچکی تھی، اور کوئی اندھا منہ کھولے نہیں کھڑا ہے۔ وہ لوگ اِدھر اُدھر پھر رہے ہیں اور نہیں جانتے کہ کیا کریں، وہ سڑکوں پر گھومتے ہیں مگر زیادہ دیر تک نہیں، چلنا اور بے حس وحرکت کھڑا رہنا، اُن کے لیے یکساں ہے، اُن کے پیش نظر خوراک کی تلاش کے سوا اور کوئی مقصد نہیں، موسیقی بند ہوگئی ہے، دنیا میں کبھی اتنی زیادہ خاموشی نہیں رہی، سینماؤں اور تماشا گاہوں میں صرف وہی خانہ برباد جاتے ہیں، جن کی تلاش ختم ہوچکی ہے، بعض بڑی بڑی تماشا گاہیں اندھے لوگوں کو نظر بندی میں رکھنے کے لیے استعمال میں لائی گئی تھیں، جب ہَ ست یا چند بچے رہ جانے والوں کو ابھی یقین تھا کہ سفید بیماری کا علاج تدبیروں اور بعض منصوبہ بندیوں سے کیا جاسکتا ہے، جو ماضی میں زرد بخار اور دوسرے متعدد طاعونوں کے خلاف بے اثر ثابت ہوئی تھیں، لیکن انہیں جلدی ہی ختم کردیا گیا، یہاں کسی آتشزدگی کی بھی ضرورت نہیں پڑی۔ جہاں تک عجائب گھروں کا سوال ہے، یہ بات واقعی بڑی روح فرسا ہے، وہ تمام لوگ میرا مطلب ہے حقیقی لوگ، وہ تمام روغنی تصویریں، وہ تمام مجسّمے جن کے سامنے ایک بھی سیاح نہیں کھڑا۔ کون جانے اس شہر میں اندھے کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں، ہوسکتا ہے وہ کسی علاج

کے منتظر ہوں، اگر اُس کے دریافت ہونے کا اُنہیں اب بھی یقین ہے، لیکن وہ یہ امید بھی کھو بیٹھے، جب ہر شخص کو معلوم ہوگیا کہ اندھے پن کی وبا نے کسی کو نہیں چھوڑا، ایک شخص بھی ایسا نہیں رہا جس کی بینائی سلامت ہو اور وہ خوردبین کے شیشوں میں سے دیکھ سکے، وہ لیبارٹریاں ویران پڑی ہیں، جہاں جرثوموں کے پاس اور کوئی حل نہیں سوائے ایک دوسرے کو غذا رسانی کے، اگر وہ زندہ رہنے کی اُمید لگائے ہوئے ہیں۔ شروع میں بہت سے اندھے لوگ، اپنے رشتہ داروں کی معیت میں جنہیں اب تک خاندانی یکجہتی کا تھوڑا بہت احساس تھا، ہسپتالوں کی طرف بھاگے چلے آتے لیکن وہاں انہیں اندھے ڈاکٹر ملتے، جو اُن مریضوں کی نبضیں دیکھ رہے ہوتے جنہیں وہ دیکھ نہیں سکتے تھے، وہ اُن کی کمر اور چھاتی سے کان لگا کر آوازیں سنتے کیونکہ اُن کی قوتِ سماعت ابھی برقرار تھی، وہ بس اتنا ہی کرسکتے تھے۔ پھر اُن مریضوں نے بھوک کی وجہ سے پیٹ میں اٹھنے والی مروڑ کو محسوس کرتے ہوئے ہسپتالوں سے فرار ہونا شروع کردیا کہ اُن میں ابھی چلنے پھرنے کی سکت باقی تھی۔ اُن کا انجام یہ ہوا کہ وہ سڑکوں پر بے یار و مددگار مرنے لگے، اُن کے خاندان والے، اگر اُن میں کوئی بچا رہ گیا تھا، کہیں بھی ہوسکتے تھے، تب شاید اُن کی تدفین ہوجاتی، کسی کے لیے اتفاقیہ طور پر اُن سے ٹھوکر لگنا کافی نہ تھا، اُن کی لاشوں سے تعفن اٹھنا بھی ضروری تھا، اور پھر بھی بشرطیکہ وہ شارع عام پر مرے پڑے ہوتے۔ اس بات پر زیادہ تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ وہاں اتنے بہت سے کُتے ہیں، ان میں سے بعضوں کی شکلیں تو اب لکڑ بگھوں سے ملتی ہیں، کھالیں عفونت سے لبریز ہیں، وہ اپنے اندر کو دھنسے ہوئے چوتڑوں کے ساتھ اِدھر اُدھر بھاگتے پھرتے ہیں، جیسے ڈرتے ہوں کہ مُردے اور وہ لوگ جنہیں وہ نگل چکے ہیں کہیں دوبارہ زندہ نہ ہوجائیں اور حساب نہ چُکانے لگیں، اُن لوگوں کی بے شرمی کے ساتھ تِکا بوٹی کرنے کا، جو اپنا دفاع نہ کرسکتے تھے۔ اِن دنوں دُنیا کیسی لگتی ہے؟ سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے پوچھا، اور ڈاکٹر کی بیوی نے جواب دیا، کوئی فرق نہیں، اندر میں اور باہر میں، یہاں اور وہاں میں، بہتوں میں اور تھوڑوں میں جیسی زندگی ہم گزار رہے ہیں اور جیسی زندگی ہمیں گزارنا ہوگی، اُس کے درمیان، اور لوگ؟ وہ کیسے مقابلہ کر رہے ہیں؟ کالے چشمے والی لڑکی

نے پوچھا، وہ بھوتوں کی طرح پھر رہے ہیں، بھوت ہونے کا یہی مطلب ہے، اس بات پر یقین رکھنا کہ زندگی موجود ہے، کیونکہ آپ کے چار حواس ایسا کہتے ہیں، اور پھر بھی اُسے دیکھ سکنے کے قابل نہ ہونا، کیا وہاں بہت سی کاریں ہیں؟ پہلے اندھے آدمی نے پوچھا، جو اپنی کار کے چوری ہوجانے کو ابھی تک بھلا نہ پایا تھا، کاروں کا قبرستان لگتا ہے۔ نہ تو ڈاکٹر نے اور نہ ہی پہلے اندھے آدمی کی بیوی نے کوئی سوال پوچھا، کیا تُک تھی، جب جواب اس طرح کے ہوں۔ رہ گیا بھینگی آنکھ والا چھوٹا سا لڑکا، وہ اپنے اُن جوتوں کے ساتھ مطمئن تھا، جن کو حاصل کرنے کے وہ ہمیشہ خواب دیکھتا تھا اور وہ اس حقیقت کے باوجود بھی اُداس نہیں ہوا کہ وہ انہیں دیکھ نہیں سکتا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ وہ کسی بھوت کی طرح نہیں لگتا اور وہ غمگسار کتا جو ڈاکٹر کی بیوی کے ساتھ لگا رہتا ہے، تو اُسے لکڑبگھا کہنا نامناسب ہوگا، وہ لاشوں کی بُو پر نہیں جاتا، وہ اُن دو آنکھوں کے ہمراہ رہتا ہے، جو اُس کی دانست میں صحت مند ہیں اور جیتی جاگتی۔ کالے چشمے والی لڑکی کا گھر زیادہ دور نہیں ہے، لیکن ایک ہفتے کی فاقہ کشی کے بعد، اب کہیں جا کر اُن کی جان میں جان آنا شروع ہوئی ہے، تھوڑا دم لینے کو اُن کے پاس زمین پر بیٹھ جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں، رنگوں اور ڈیزائنوں کے انتخاب کی دردِ سری مول لینا بامصرف نہ تھا، جب اُن کے لباسوں کو اتنے تھوڑے عرصے میں غلیظ ہوجانا تھا۔ وہ گلی جس میں کالے چشمے والی کی رہائش تھی، نہ صرف چھوٹی ہے بلکہ تنگ بھی ہے، جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہاں کاریں اتنی کم کیوں نظر آتی ہیں، اس سے صرف ایک ہی سمت میں گزر کر جایا جاسکتا ہے، لیکن کاریں کھڑی کرنے کے لیے کوئی جگہ نہیں، یہاں پارک کرنا ممنوع ہے۔ اور یہ کہ وہاں لوگ بھی نہیں تھے حیران کن نہیں تھا، ایسے لمحے آتے رہتے ہیں، جب ان گلیوں میں کوئی ذی روح نظر نہیں آتا، کیا نمبر ہے تمہارے گھر کا، ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا، سات نمبر، میں دوسرے فلور پر بائیں ہاتھ والے فلیٹ میں رہتی ہوں۔ کھڑکیوں میں سے ایک کھڑکی کھلی تھی، کسی دوسرے وقت یہ اس بات کا اشارہ ہوتا کہ گھر میں یقینی طور پر کوئی نہ کوئی موجود ہے، اب ہر بات غیر یقینی تھی۔ ڈاکٹر کی بیوی بولی، سب کو اوپر جانے کی ضرورت نہیں، ہم دونوں خود چلی جائیں گی، تم باقی لوگ نیچے انتظار کرو، اُس کو

اندازہ ہوا کہ گلی کی طرف کھلنے والا اگلا دروازہ زبردستی کھولا گیا ہوگا، مکان کا تالہ صاف طور پر مُڑا تڑا ہوا تھا، لکڑی کی ایک لمبی چھپٹی دروازے کے بازو سے تقریباً باہر آئی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر کی بیوی نے کسی بات کا بھی ذکر نہ کیا، لڑکی کو آگے جانے دیا کیونکہ اُسے راستہ معلوم تھا، اُس نے اُن اندھیروں کی بھی پروا نہیں کی جن میں زینہ ڈوبا ہوا تھا۔ اپنی گھبراہٹ اور جلدی میں کالے چشمے والی لڑکی نے دوبارہ ٹھوکر کھائی لیکن ہنس کر ٹال گئی، ذرا تصور کرو، جن سیڑھیوں پر میں آنکھیں میچے چڑھا اُترا کرتی تھی، ایسے ہی ہوتے ہیں کلیشے، وہ معنی کی ہزار ہا نزاکتوں سے خالی ہوتے ہیں، مثال کے طور پر یہ والا، جانتا ہی نہیں کہ آنکھیں میچنے اور اندھا ہونے میں کیا فرق ہے۔ دوسرے فلور کے چبوترے پر وہ دروازہ جس کی انہیں تلاش تھی، بند تھا، کالے چشمے والی لڑکی دروازے کے آرائشی حاشیے پر ہاتھ پھیرنے لگی حتیٰ کہ اسے گھنٹی مل گئی، یہاں بجلی نہیں ہے، ڈاکٹر کی بیوی نے اُسے یاد دلایا، لڑکی نے ان چار لفظوں کو جو صرف وہی بات دُہرا رہے تھے جسے ہر کوئی جانتا تھا، بری خبر کے طور پر لیا۔ اُس نے دروازے پر دستک دی، ایک بار، دوسری بار، تیسری بار، تیسری بار زور سے کھٹکھٹا کر اور پکار کر، ممی، ڈیڈی، اور کوئی نہ آیا دروازہ کھولنے کو، پیار کے یہ بول، حقیقت پر اثر انداز نہ ہوئے، کوئی اُسے یہ کہنے کے لیے نہ آیا، میری پیاری بیٹی، تُو آ گئی، ہم تو تجھے دوبارہ دیکھنے کی امید ہی کھو بیٹھے تھے، اندر آ جاؤ، اندر آ جاؤ اور اپنی اس دوست خاتون کو بھی اندر لے آؤ، گھر میں تھوڑی صفائی ہونے والی ہے، کوئی توجہ نہ دو، دروازہ بند رہا۔ یہاں کوئی نہیں ہے، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا اور دروازے کے ساتھ لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، اُس کا سر، اُس کی ایک دوسری پر رکھی کلائیوں کے اوپر ٹِکا ہوا تھا۔ جیسے مایوسی کے عالم میں، اپنے سارے بدن کے ساتھ رحم کی التجا کر رہی ہو، اگر ہمیں یہ تجربہ نہ ہو کہ انسانی روح کتنی پیچیدہ ہوسکتی ہے، تو ہم حیران ہوں گے کہ واقعی وہ اپنے ماں باپ کی اتنی والہ و شیدا تھی کہ رنج والم کے ایسے مظاہروں کی ناز برداری پر اُتر آئی، ایک ایسی لڑکی جو اپنے طور طریقوں میں اتنی آزاد ہے لیکن ایسے شخص کو ڈھونڈنے کے لیے دور نہیں جانا پڑے گا جو پہلے ہی تصدیق کرچکا ہے کہ ان دونوں باتوں میں نہ کوئی تضاد ہے، نہ کبھی تھا۔ ڈاکٹر کی بیوی نے اُسے

دلاسہ دینے کی کوشش کی لیکن اس کے پاس کہنے کو تھا ہی کیا، یہ تو سب جانتے ہیں کہ لوگوں کے لیے زیادہ عرصے تک اپنے مکانوں میں رہنا، عملی طور پر ناممکن ہے، ہم پڑوسیوں سے پوچھ سکتے ہیں، اس نے تجویز پیش کی، اگر کوئی ہے، ہاں آؤ چل کر پوچھتے ہیں، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا لیکن اس کی آواز میں ناامیدی تھی۔ انہوں نے چبوترے کے دوسری طرف والے دروازے پر دستک دینے سے ابتدا کی، جہاں ایک بار پھر کسی نے جواب نہیں دیا، اوپر والے فلور پر دو دروازے کھلے تھے۔ فلیٹ لُوٹے جاچکے تھے، کپڑوں والی الماریاں خالی تھیں، وہ الماریاں جن میں کھانے پینے کی چیزیں ذخیرہ کی جاتی تھیں اُن میں بھی کچھ نہ ملا۔ آثار سے لگتا تھا کہ ابھی حال ہی میں یہاں کوئی رہتا ہوگا، بلاشبہ آوارہ گردوں کا کوئی گروہ، جیسا کہ اس وقت کم وبیش سبھی تھے، بھٹکتے ہوئے، مکان سے مکان تک، غیاب سے غیاب تک۔ وہ نیچے اُتر کر پہلے فلور پر آ گئیں، ڈاکٹر کی بیوی نے قریب ترین دروازے پر ہلکی سی دستک دی، وہاں بھی وہی خاموشی جس کی توقع تھی، پھر کسی کرخت آواز نے شک بھرے لہجے میں پوچھا، کون ہے؟ کالے چشمے والی لڑکی نے قدم آگے بڑھایا، یہ میں ہوں، تمہاری اوپر والی پڑوسن، میں اپنے ماں باپ کی تلاش میں آئی ہوں، تمہیں معلوم ہے کہ وہ مجھے کہاں مل سکتے ہیں، اُن پر کیا گزری، وہ پوچھتی رہی۔ انہوں نے قدموں کی کھٹ پٹ سُنی، دروازہ کھلا اور ایک وحشت ناک مریل سی بڑھیا نمودار ہوئی، بس چمڑی اور ہڈیاں، سوکھ کر کانٹا ہوچکی تھی اس کے سفید اور لمبے بال الجھے ہوئے اور پریشان تھے، کچی شراب کی متلی لانے بُو اور ایک ناقابلِ بیان تعفن نے دونوں عورتوں کو قدم پیچھے ہٹانے پر مجبور کر دیا۔ بوڑھی عورت نے اپنی پوری آنکھیں کھولیں، وہ تقریباً سفید تھیں، مجھے تمہارے ماں باپ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں، جس دن وہ تمہیں لے گئے تھے اُس سے اگلے دن آ کر اُنہیں بھی لے گئے، اس وقت تک میں ابھی دیکھ سکتی تھی، کیا بلڈنگ میں کوئی اور بھی ہے، اکثر اوقات میں لوگوں کو سیڑھیاں چڑھتے اُترتے سُنتی ہوں، لیکن وہ باہر والے ہیں اور یہاں صرف سونے کے لیے آتے ہیں اور میرے ماں باپ کا کیا ہوا، میں تمہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ مجھے اُن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں، اور تمہارا خاوند، تمہارا بیٹا اور تمہاری بہو اُن کا کیا

ہوا، وہ اُنہیں بھی لے گئے، لیکن تمہیں چھوڑ گئے، کیوں، کیونکہ میں چُھپ گئی تھی، کہاں، ذرا تصور کرو تمہارے فلیٹ میں، تم اندر کیسے داخل ہوئیں، پچھلی طرف سے اور فائر اسکیپ کی سیڑھیوں سے اوپر میں نے ایک کھڑکی کا شیشہ توڑا اور اندر سے دروازہ کھول دیا، چابی تالے میں لگی ہوئی تھی، اور تب سے اپنے فلیٹ میں اکیلی کیسے رہ رہی ہو، ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا، یہاں اور کون ہے، بدحواس بڑھیا نے سر موڑتے ہوئے پوچھا، یہ میری دوست ہے، میرے گروپ کے ساتھ ہے، کالے چشمے والی لڑکی نے اُسے اطمینان دلایا، اور یہ صرف اکیلے ہونے کا سوال نہیں ہے، کھانا کہاں سے کھاتی ہو، اس سارے عرصے میں خوراک کیسے حاصل کرتی رہی ہو، ڈاکٹر کی بیوی نے اصرار کیا، حقیقت یہ ہے کہ میں بیوقوف نہیں ہوں اور میں اپنی دیکھ بھال کرنے کے پوری طرح قابل ہوں، اگر تم نہیں بتانا چاہتیں تو نہ بتاؤ، مجھے تو بس تجسس تھا، تو پھر میں تمہیں بتاتی ہوں، سب سے پہلے تو میں نے یہ کیا کہ تمام فلیٹوں کا چکر لگایا اور جو خوراک بھی دستیاب ہوئی، جمع کرلی، جو کچھ خراب ہونے والا تھا اُسے فوراً کھا لیا، باقی کو رکھ لیا، کیا تمہارے پاس اب بھی کچھ باقی ہے، کالے چشمے والی لڑکی نے پوچھا، نہیں ختم ہوگیا ہے، بڑھیا نے اپنی نابینا آنکھوں میں اچانک بے اعتمادی کا تاثر لاتے ہوئے جواب دیا، ایک مخصوص اسلوبِ بیان جو اس قسم کی صورتِ حالات میں ہمیشہ کام میں لایا جاتا ہے، لیکن اصل میں اس کی کوئی بنیاد ہے نہیں، اس لیے کہ آنکھیں خاص طور پر آنکھیں کوئی تاثر نہیں دیتیں، اُس وقت بھی نہیں جب اُنہیں نکالا جاچکا ہو، یہ دو گول چیزیں ہیں جو غیر متحرک رہتی ہیں، وہ پپوٹے ہوتے ہیں، پلکیں ہوتی ہیں اور ابرو، جو مختلف بصری خطابتوں اور خوش بیانیوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، تاہم انہیں بالعموم آنکھوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، تو اب کیسے گزارہ کرتی ہو، ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا، موت گلی کوچوں میں شکار کھیلتی ہے لیکن پائیں باغوں میں زندگی رواں دواں رہتی ہے، بوڑھی عورت نے پُراسرار طریقے سے کہا، کیا مطلب؟ پائیں باغوں میں کرم کلّہ ہے، خرگوش ہیں، مرغیاں ہیں، وہاں پھول بھی ہیں، لیکن وہ کھانے کے لیے نہیں ہوتے، اور تم کیسے معاملہ کرتی ہو، یہ وقت وقت پر منحصر ہے بعض اوقات کرم کلّہ توڑ لیتی ہوں، دوسرے وقت کسی خرگوش یا مرغی کو پکڑ کر مار ڈالتی

ہوں اور انہیں کچا کھا جاتی ہوں، پہلے میں آگ جلا لیا کرتی تھی، پھر میں کچے گوشت کی عادی ہوگئی اور کرم کلّوں کے ڈنٹھل میٹھے ہوتے ہیں، تم خود کو پریشان نہ کرو، اپنی ماں کی بیٹی بھوک سے نہیں مرے گی۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی، تقریباً غائب ہوگئی گھر کے اندھیرے میں، صرف اُس کی سفید آنکھیں دکھائی دیتی رہیں اور اس نے اندر ہی سے کہا، اگر تم اپنے فلیٹ میں جانا چاہتی ہو تو آگے بڑھو، میں تمہیں روکوں گی نہیں۔ کالے چشمے والی لڑکی کہنے ہی کو تھی کہ نہیں، بہت شکریہ، بیکار ہے، کس مقصد کے لیے، اگر میرے ماں باپ ہی وہاں نہیں ہیں، لیکن اچانک اُس کے دل میں اپنا کمرہ دیکھنے کی خواہش محسوس ہوئی، اپنا کمرہ دیکھنا، کیسی بیوقوفی کی بات ہے، اگرچہ میں اندھی ہوں، کم از کم چھو تو سکتی ہوں، دیواروں کو، بستر کی چادر کو، اُس تکیے کو جس پر میں اپنا پاگل سر رکھا کرتی تھی، فرنیچر پر اپنا ہاتھ پھیر سکتی ہوں، شاید درازوں والی الماری کے اوپر، وہاں ہوسکتا ہے گلدان میں ابھی تک پھول ہوں، اس نے یاد کیا، اگر بڑھیا نے جھنجھلا کر اُنہیں فرش پر نہیں دے مارا تھا کہ وہ کھائے نہیں جا سکتے تھے۔ اچھا، اگر تمہیں ناگوار نہ گزرے تو میں تمہاری پیشکش قبول کرلیتی ہوں، تمہاری بڑی مہربانی، اندر آجاؤ، اندر آجاؤ، لیکن کسی خوراک کی توقع نہ رکھنا، جو میرے پاس ہے وہ میرے لیے بھی کافی نہیں ہے، علاوہ ازیں کھانے پینے کی یہ چیزیں تمہارے لیے بھی اچھی نہ ہوں گی، جب تک کہ تمہیں کچا گوشت پسند نہ ہو، فکر نہ کرو ہمارے پاس کھانا ہے، آہ تو تمہارے پاس کھانا ہے، اس صورت میں تم میرے حسنِ سلوک کے عوضانے میں کچھ مجھے بھی دیتی جاؤ، ہم تمہیں کچھ کھانا دیدیں گے، فکر نہ کرو، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، وہ گیلری کے اندر جا چکی تھیں، عفونت ناقابلِ برداشت ہوگئی تھی۔ باورچی خانے میں جو باہر کے مانند پڑتے ہوئے اجالے کی وجہ سے مدھم سا روشن تھا، فرش پر خرگوشوں کی کھالیں پڑی تھیں، مرغیوں کے پر بکھرے ہوئے تھے، ہڈیاں تھیں اور میز پر سُوکھے ہوئے لہو سے لتھڑی ہوئی پلیٹ میں گوشت کے ناقابلِ شناخت ٹکڑے، جیسے اُنہیں بار بار چبایا گیا تھا اور خرگوش اور مرغیاں وہ کیا کھاتی ہیں ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا، کرم کلّہ، سرکنڈے، ہر قسم کا بچا ہوا پھوک، بڑھیا نے جواب دیا، ہمیں مت بتاؤ کہ مرغیاں اور خرگوش، گوشت کھاتے ہیں، خرگوش ابھی نہیں کھاتے

لیکن مرغیاں شوق سے کھاتی ہیں، جانور لوگوں کی طرح ہوتے ہیں وہ آخر میں ہر چیز کے عادی ہو جاتے ہیں، بڑھیا ثابت قدمی کے ساتھ چلتی پھرتی رہی، ذرا جو لڑکھڑائی ہو، اُس نے راستے سے یوں کرسی ہٹائی جیسے دیکھ سکتی ہو، پھر اُس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا جو ہنگامی سیڑھیوں کی طرف لے جاتا تھا، یہاں سے احتیاط کے ساتھ پھسل نہ جانا، دستی جنگلہ زیادہ محفوظ نہیں ہے۔ اور دروازہ؟ کالے چشمے والی لڑکی نے پوچھا، تمہیں دروازے کو دھکیلنا ہوگا، میرے پاس چابی ہے، وہ یہیں کہیں ہے، لڑکی کہنے ہی والی تھی کہ وہ میری ہے، لیکن اس نے فوراً سوچا یہ چابی میرے کس کام کی، اگر اگلے دروازے کی چابیاں میرے ماں باپ یا اُن کا کوئی نمائندہ لے گیا ہو، وہ اس پڑوسن سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ اُسے ہر بار اندر باہر جانے کے لیے گزرنے کی اجازت دے۔ اُس نے اپنے دل کو ہلکا سا سکڑتا ہوا محسوس کیا، غالباً اس لیے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہونے کو تھی اور وہاں اُس کے ماں باپ نہیں ہوں گے، یا کسی بھی وجہ سے۔

باورچی خانہ صاف ستھرا تھا، فرنیچر پر زیادہ گرد نہیں تھی، اس بارشی موسم کا ایک اور فائدہ، کرم کلّہ اور دوسری سبزیاں اگانے کے علاوہ، ڈاکٹر کی بیوی کو اوپر سے دیکھنے پر پائیں باغ، اصل میں چھوٹے چھوٹے جنگل لگے تھے، کیا خرگوش آزادی سے بھاگ دوڑ رہے ہوں گے، اس نے دل میں سوچا، ممکن تو نہیں لگتا، وہ تو ابھی اپنے دڑبوں میں اُس اندھے ہاتھ کا انتظار کر رہے ہوں گے جو اُن کے لیے کرم کلّے کے پتے لائے گا اور پھر کسی کو کان سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچے گا اور ٹانگیں چلاتے ہوئے کو باہر لے جائے گا، جبکہ دوسرا ہاتھ خُود کو تیار کر رہا ہوگا، اُس اندھی ضرب کے لیے جو اس کی کھوپڑی کے قریب والی ریڑھ کی ہڈی کو توڑ ڈالے گی۔ کالے چشمے والی لڑکی، اپنے حافظے کی مدد سے فلیٹ کے اندر داخل ہوئی تھی، بالکل ویسے ہی جیسے نچلے فلور والی بڑھیا کہ نہ تو اُسے ٹھوکر لگی تھی اور نہ ہی وہ لڑکھڑائی تھی، اُس کے ماں باپ کے بستر پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں، وہ صبح کی اولیں ساعتوں میں اُنہیں حراست میں لینے کے لیے آئے ہوں گے۔ وہ پلنگ پر بیٹھ گئی اور رونے لگی، ڈاکٹر کی بیوی اُس کے پاس آکر بیٹھ گئی اور بولی، رو مت، وہ اور کیا کہہ سکتی تھی، جب دنیا ہی بے معنی ہوجائے تو آنسوؤں کے کیا معنی رہ جاتے

ہیں، لڑکی کے کمرے میں درازوں والی الماری کے اوپر شیشے کا ایک گلدان پڑا تھا، جس میں رکھے ہوئے پھول مرجھا چکے تھے، نمی اڑ چکی تھی، اس کے اندھے ہاتھ خود بخود اُس گلدان کی طرف چلے گئے، انگلیاں مُردہ پتیوں سے مَس ہوئیں، جب زندگی کو بے آسرا چھوڑ دیا جائے تو وہ کیسی مضمحل ہوجاتی ہے۔ ڈاکٹر کی بیوی نے کھڑکی کھول کر نیچے گلی میں دیکھا، وہاں وہ سب تھے، زمین پر بیٹھے ہوئے، صبر کے ساتھ منتظر، صرف غمگسار کتے نے اپنا سر اوپر اٹھایا، اپنی تیز سماعت کی بدولت چوکنا ہوکر۔ آسمان ایک بار پھر ابر آلود، تاریک پڑتا ہوا، رات ہونے کوتھی۔ اُس نے سوچا آج انہیں کوئی پناہ گاہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی جہاں وہ جاکر سو سکیں، وہ یہیں قیام کریں گے۔ اگر اندھی بڑھیا کے گھر سے ہر کوئی رَپ رَپ کرتا ہوا گزرنے لگا تو وہ ہرگز خوش نہ ہوگی، اُس نے منہ ہی منہ میں کہا، عین اُس وقت کالے چشمے والی لڑکی اُس کا کندھا چھوتے ہوئے بولی، چابیاں تالے میں لگی ہیں، وہ انہیں ساتھ نہیں لے گئے۔ اگر کوئی مشکل تھی تو وہ آسان ہوگئی تھی، انہیں پہلے فلور والی بڑھیا کی بدمزاجی سے واسطہ نہیں پڑے گا، میں انہیں بلانے کے لیے نیچے جارہی ہوں، جلدی ہی رات ہوجائے گی، کیا ہی اچھا ہوا، کم از کم آج ہم واقعی کسی معقول گھر میں سوئیں گے، ہمارے سروں پر چھت ہوگی، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، تم اورتمہارا خاوند میرے ماں باپ کے پلنگ پر سو سکتے ہو، یہ بعد میں دیکھا جائے گا، یہ میرا گھر ہے یہاں میرا حکم چلے گا، ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی، ڈاکٹر کی بیوی نے لڑکی کو گلے سے لگا لیا، پھر دوسروں کو لینے کے لیے نیچے چلی گئی۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے چہکتے بولتے، اپنے رہنما کے بتانے کے باوجود کہ ہر زینے میں دس سیڑھیاں ہیں، بار بار سیڑھیوں سے لگ کر ٹھوکریں کھاتے، ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی سے ملنے کے لیے آئے ہیں۔ غمگسار کتا پیچھے پیچھے، جیسے یہ روزمرہ کا معمول ہو۔ چبوترے پر سے کالے چشمے والی لڑکی نے نیچے دیکھا کہ یہ رسم ہے، اگر کوئی شخص اوپر آرہا ہو، اگر وہ شخص اجنبی ہوتو یہ جاننے کے لیے کہ وہ کون ہے اور اگر دوست ہوتو خوش آمدید کہہ کر استقبال کرنے کی خاطر، اس معاملے میں یہ جاننے کے لیے کہ کون آرہا ہے، آنکھوں کی ضرورت نہیں تھی۔ اندر آجائیں، اندر آجائیں، اسے اپنا ہی گھر سمجھیں۔ پہلے فلور

والی بڑھیا ٹوہ لینے کی غرض سے اپنے دروازے پر آگئی تھی، اُس نے سوچا یہ گروہ بھی اُنہی میں سے ہوگا جو یہاں سونے کے لیے آجاتے ہیں، اس سوچ میں وہ غلط نہیں تھی، اُس نے پوچھا، کون ہے، اوپر سے کالے چشمے والی لڑکی نے جواب دیا، یہ میرے گروپ والے ہیں، بڑھیا الجھن میں پڑگئی کہ یہ لڑکی چبوترے پر کیسے پہنچی ہے، تب اُس پر کھلا اور اُسے اپنے آپ پر غصہ آیا کہ وہ کیوں اگلے دروازے سے چابیاں نکالنا بھول گئی تھی، یہ ایسے ہی تھا جیسے وہ اس بلڈنگ کے مالکانہ حقوق کھو رہی ہو، جس پر وہ کئی مہینوں سے اکیلی قابض تھی۔ اپنی اچانک محرومی کی تلافی کے لیے اُسے اور تو کوئی بہتر طریقہ نہ سوجھا، دروازہ کھول کر بولی، یاد ہے تم نے کہا تھا کہ تم مجھے کھانے پینے کی کچھ چیزیں دوگی، جاتے وقت اپنا یہ وعدہ نہ بھولنا۔ چونکہ نہ ڈاکٹر کی بیوی نے کہ آنے والوں کی رہنمائی میں مصروف تھی، نہ ہی کالے چشمے والی لڑکی نے جو اُن کا استقبال کررہی تھی، کوئی جواب دیا، بڑھیا پاگلوں کی طرح چلاّئی، تم نے سُنی میری بات، اُس سے یہ غلطی سرزد ہوگئی، عین اس لمحے غمگسار کتا اس کے قریب سے گزر رہا تھا، اُس پر اُچھلا اور غصے میں آکر بھونکنے لگا، پوری سیڑھیاں شور سے گونج اُٹھیں، یہ مناسب بھی تھا اور برمحل بھی، دہشت کے مارے بڑھیا کی چیخیں نکل گئیں اور وہ بھاگ کر اپنے فلیٹ میں گھس گئی اور اندر سے دروازہ بند کرلیا، کون ہے یہ چڑیل، سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے پوچھا، ایسی ہی باتیں کہتے ہیں ہم، جب ہم اپنے آپ پر سنجیدگی کے ساتھ نظر ڈالنا نہیں جانتے، اگر اُس نے ویسی ہی زندگی گزاری ہوتی جیسی اس بڑھیا نے گزاری تھی تو ہم دیکھتے کہ اس کے مہذب اطوار کب تک باقی رہتے۔

اُس خوراک کے سوا جو وہ اپنے تھیلوں میں لائے تھے، اُن کے پاس کچھ نہیں تھا، انہیں اُسی کو آخری بھورے تک بچا بچا کے کھانا تھا اور جہاں تک روشنی کا سوال تھا تو وہ بڑے خوش قسمت تھے کہ باورچی خانے کی الماری میں انہیں دو موم بتیاں مل گئی تھیں، جو وہاں اس غرض کے لیے رکھی گئی ہوں کہ اگر بجلی چلی جائے تو اُن سے کام چلایا جاسکے، جنہیں ڈاکٹر کی بیوی نے اپنی سہولت کے لیے جلایا، دوسروں کو ان کی ضرورت نہیں تھی، اُن کے سروں میں پہلے ہی روشنی موجود تھی، اتنی تیز کہ وہ اُس سے اندھے ہوگئے تھے۔ اگرچہ اس چھوٹے سے گروپ کے پاس

راشن بہت ہی کم تھا، پھر بھی آخر میں یہ ایک خاندانی ضیافت کا نقشہ پیش کرنے لگا، اُن نادر ضیافتوں میں سے ایک، جن میں ایک کی چیز پر سب کا حق ہوتا ہے۔ میز پر بیٹھنے سے پہلے کالے چشمے والی لڑکی اور ڈاکٹر کی بیوی نچلے فلور پر گئیں، وہ اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے گئی تھیں، کیا یہ کہنا زیادہ مناسب نہ تھا کہ ایک مطالبہ پورا کرنے، کسٹم ہاؤس کا محصول ادا کرنے کے لیے، خوراک کی صورت میں۔ بڑھیا نے بدمزاجی کے ساتھ اُن کا استقبال کیا، اُس لعنتی کتے کی شکایت کرتے ہوئے جس نے کسی معجزے کی بدولت اُسے نگل نہیں لیا تھا ایسے حیوانوں کو کھلانے کے لیے تمہارے پاس بہت کھانا ہوگا، اُس نے کنایتاً کہا، جیسے اُسے توقع ہو کہ اس الزام تراشانہ فقرے سے وہ ان دو عورتوں کے دل میں ایسے جذبات کو اُبھار سکے گی جنہیں ہم ندامت کہتے ہیں، وہ دونوں اصل میں ایک دوسری سے یہ کہہ رہی تھیں کہ ایک غریب بڑھیا کو بھوک سے مرنے کے لیے چھوڑ دینا غیر انسانی حرکت ہوگی، جب کہ ایک بیوقوف جانور روٹی کے ٹکڑوں سے اپنا پیٹ بھر رہا ہو۔ وہ اور کھانا لانے کے لیے واپس نہ گئیں، کیونکہ وہ پہلے ہی معقول اور وافر مقدار میں کھانا لے کر آئی تھیں، اگر ہم حالیہ زندگی کے تکلیف دہ حالات کو پیش نظر رکھیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ نچلے فلور والی بڑھیا نے بھی حالات کو اسی نظر سے دیکھا، مختصر یہ کہ وہ دل کی اتنی کمینی نہیں تھی جتنی کہ وہ بظاہر لگتی تھی اور وہ پچھلے دروازے کی چابیاں تلاش کرنے کے لیے اندر چلی گئی، کالے چشمے والی لڑکی سے کہتی ہوئی کہ لے لو یہ چابیاں تمہاری ہیں اور جیسے یہ کافی نہ تھا، دروازہ بند کرتے ہوئے بھی بڑبڑائے جا رہی تھی، بہت شکریہ، حیرت زدہ ہو کر دونوں عورتیں واپس اوپر چلی گئیں، چنانچہ بوڑھی چڑیل کے بھی بہرحال احساسات تھے، وہ ذاتی طور پر بُری نہیں تھی، اتنے عرصے کی تنہائی نے اُس کے پیچ ضرور ڈھیلے کر دیے ہوں گے، کالے چشمے والی لڑکی نے اپنی رائے کا اظہار کیا، یہ سوچے بغیر کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ ڈاکٹر کی بیوی نے جواب میں کچھ نہیں کہا، اُس نے اس گفت و شنید کو کسی اور وقت پر اُٹھانے کا فیصلہ کیا تھا، اور ایک بار جب دوسرے اپنے اپنے بستروں میں گھس گئے اور چند ایک سو بھی گئے اور دونوں عورتیں باورچی خانے میں ماں بیٹی کی طرح بیٹھیں تاکہ گھر کے دوسرے چھوٹے

موٹے کاموں کو نپٹانے کے لیے تھوڑی توانائی حاصل کر لیں، تو ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا، اور تم، تم اب کیا کرو گی، کچھ بھی نہیں، میں یہاں رہ کر اپنے ماں باپ کی واپسی کا انتظار کروں گی، اکیلی اور اندھی، میں اندھی ہونے کی عادی ہو گئی ہوں اور تنہائی کا کیا کرو گی، مجھے اسے قبول کرنا ہوگا، نچلے فلور والی بڑھیا بھی تو اکیلی رہتی ہے، تم اس جیسی تو نہ بننا چاہو گی، کرم کلّہ اور کچا گوشت کھانے والی، وہ بھی جب تک ملتا رہے، ان اِرد گرد کی عمارتوں میں کوئی رہتا تو نہیں لگتا، تم دونوں ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگو گی اس خوف کی وجہ سے کہ کہیں خوراک ختم نہ ہو جائے، جو ڈنٹھل بھی تم لے کر آؤ گی، لگے گا کہ جیسے دوسرے کے منہ سے چھینا ہو، تم نے اُس بے چاری بڑھیا کو نہیں دیکھا، صرف اُس کے فلیٹ سے اٹھنے والے تعفن کو دیکھا ہے، میں تمہیں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ وہاں بھی جہاں ہم پہلے رہتے تھے، چیزیں اتنی کراہت انگیز نہ تھیں، جلد یا بدیر، ہم سب اُسی جیسے ہو جائیں گے اور تب سب کچھ ختم ہو جائے گا، زندگی باقی نہ رہے گی، فی الحال ہم ابھی زندہ ہیں، سنو تم مجھ سے کہیں زیادہ جانتی ہو، میں تمہارے مقابلے میں ایک جاہل لڑکی ہوں، لیکن میری رائے ہے ہم پہلے ہی مر چکے ہیں، ہم اندھے ہیں، اس لیے کہ ہم مُردہ ہو چکے ہیں، اور اگر تم چاہتی ہو کہ میں اس بات کو کسی اور پیرائے میں کہوں تو میں کہتی ہوں، ہم مُردہ ہیں اس لیے کہ ہم اندھے ہیں، یہ تو ایک ہی بات ہوئی، میں ابھی دیکھ سکتی ہوں، خوش نصیب ہو تم، خوش نصیب ہے تمہارا خاوند، میں، دوسرے، لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ تمہاری بینائی کب تک برقرار رہے گی، اگر تم اندھی ہو گئیں تو تم بھی باقیوں جیسی ہو جاؤ گی، جیسے ہم سب ہیں، ہم سب کا آخر، نچلے فلور والی پڑوسن جیسا ہوگا، آج کی فکر آج کریں، کل کی کل دیکھیں گے، آج کا دن میری ذمے داری ہے، کل کا نہیں، اگر میں اندھی ہو گئی، ذمے داری سے تمہاری کیا مراد ہے، اپنی بینائی کو اُس وقت برقرار رکھنے کی ذمے داری جب دوسرے اُس کو کھو بیٹھے ہوں، تم اس دنیا کے تمام اندھوں کی رہنمائی کرنے یا اُنہیں رزق فراہم کرنے کی اُمید نہیں کر سکتیں، مجھے کرنی چاہیے، لیکن تم کر نہیں سکتیں، دوسروں کی مدد کرنے کے لیے مجھ سے جو بھی بن پڑا وہ کروں گی، بلاشبہ تم کرو گی، اگر تم نہ ہوتیں تو آج میں زندہ نہ ہوتی، اور میں نہیں چاہتی

کہ اب تم مر جاؤ، جب تک میرے ماں باپ واپس نہیں آ جاتے مجھے یہیں قیام کرنا ہوگا، یہ میرا فرض ہے، اگر وہ واپس آ جائیں، اگر وہ واپس آ جائیں یہ تم نے خود کہا ہے، اور ہمارے پاس یہ جاننے کا کوئی طریقہ نہیں ہے کہ وہ اب بھی تمہارے ماں باپ ہوں گے، میں سمجھی نہیں، تم نے کہا تھا کہ نچلی پڑوسن دل کی اچھی عورت ہے، بے چاری عورت، تمہارے بے چارے ماں باپ سے، تُو ہوگی بے چاری، جب تمہاری ملاقات ہوگی تو تم ہوگے آنکھوں سے بھی اندھے اور احساسات سے بھی، کیونکہ جن احساسات کے ساتھ ہم نے زندگی گزاری ہے اور جن کی وجہ سے ایسی زندگی گزاری ہے، اُن کا انحصار اُن آنکھوں پر تھا جن کے ساتھ ہم پیدا ہوئے تھے، آنکھوں کے بغیر، احساسات کوئی مختلف چیز بن جاتے ہیں، ہمیں نہ یہ معلوم ہے کہ کیسی چیز اور نہ یہ کہ کیا چیز، تم کہتی ہو ہم مُردہ ہیں کیونکہ ہم اندھے ہیں، یہ ہوئی نا بات، کیا تم اپنے خاوند سے محبت کرتی ہو، ہاں جتنی میں اپنے آپ سے کرتی ہوں، لیکن اگر میں اندھی ہوگئی اور اگر اندھا ہو جانے کے بعد وہ شخص نہ رہی جو کہ میں تھی، تو پھر میں اُس سے محبت کیسے چلے جانے کے قابل کیسے رہوں گی اور کون سی محبت کے ساتھ۔ پہلے جب ابھی ہم دیکھ سکتے تھے، اُس وقت بھی اندھے لوگ موجود تھے، لیکن مقابلتاً چند، اُس وقت جو احساسات مُستعمل تھے وہ اُس شخص کے تھے جو دیکھ سکتا تھا، اس لیے اندھے لوگ دوسروں کے احساسات کے ساتھ محسوس کرتے تھے، اندھے لوگوں کی طرح نہیں جو کہ وہ تھے، اب جو احساسات ہمارے سامنے آ رہے ہیں، وہ اندھوں کے حقیقی احساسات ہیں اور ابھی تو ہم نے آغاز ہی کیا ہے، فی الوقت ہم ان احساسات کی یاد پر جی رہے ہیں جو ہم محسوس کیا کرتے تھے، آج زندگی کیا بن گئی ہے اُسے جاننے کے لیے تمہیں آنکھوں کی ضرورت نہیں، اگر کوئی مجھ سے کہتا کہ ایک دن تم قتل کرو گی تو میں اسے اپنی توہین سمجھتی اور پھر بھی میں نے قتل کیا ہے، تو تم مجھ سے کیا چاہتی ہو، میرے ساتھ آؤ، ہمارے گھر چلو اور دوسروں کے بارے میں کیا سوچا ہے، اُن کے بارے میں بھی یہی سوچا ہے، لیکن مجھے سب سے زیادہ فکر تمہاری ہے، کیوں، یہ سوال میں نے اپنے آپ سے بھی پوچھا ہے، شاید اس لیے کہ تم میرے لیے ایک بہن کی طرح بن گئی ہو، شاید اس لیے کہ میرا خاوند تمہارے ساتھ

سویا تھا، مجھے معاف کر دو، یہ کوئی ایسا جرم نہیں ہے جس کے لیے معافی طلب کی جائے، ہم تمہارا خون چوسیں گے اور طفیلی بن کر رہ جائیں گے، جب ہم ابھی دیکھ سکتے تھے، اُس وقت زیادہ تھے اور جہاں تک خون کا سوال ہے یہ کسی مقصد کے لیے بنا ہے، علاوہ جسم کو قائم کرنے کے، جو اسے لیے پھرتا ہے، اور اب آؤ تھوڑا سونے کی کوشش کریں، کل کوئی اور دن ہوگا۔

کوئی اور دن یا وہی۔ جب بھینگی آنکھ والا لڑکا سو کر اٹھا تو وہ بیت الخلا میں جانا چاہتا تھا، اُسے دست لگ گئے تھے جو اُس کی کمزور صحت کے پیش نظر اُس کے لیے ٹھیک نہیں تھے، لیکن جلدی ہی ظاہر ہوگیا کہ وہاں جانا ممکن نہیں تھا، نچلے فلور والی بڑھیا نے بلڈنگ کی تمام بیت الخلاؤں کا بھرپور فائدہ اٹھایا تھا، یہاں تک کہ وہ مزید استعمال کے قابل نہ رہیں، صرف کسی غیر معمولی حسن اتفاق کی وجہ سے ساتوں میں سے کسی کو بھی رات سونے سے پہلے رفع حاجت کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی، ورنہ انہیں پہلے ہی پتہ چل گیا ہوتا کہ وہ بیت الخلا کتنے کریہہ المنظر تھے۔ اب ان سب کو رفع حاجت کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، خاص طور پر بے چارے لڑکے کو جس سے اب اور برداشت نہیں ہو رہا تھا، چاہے ہم یہ تسلیم کرنے میں کتنا ہی کیوں نہ ہچکچائیں زندگی کی ان بے ہودہ حقیقتوں پر بھی غور ضرور کرنا پڑتا ہے، جب آنتیں معمول کے مطابق کام کر رہی ہوں تو کسی کو بھی نئے سے نیا خیال سوجھ سکتا ہے، کوئی بحث چھیڑی جا سکتی ہے، مثلاً آیا احساسات اور آنکھوں کے درمیان کوئی براہِ راست تعلق ہے بھی یا نہیں، یا کیا احساسِ ذمہ داری بصارت کامل کا قدرتی نتیجہ ہے، لیکن جب ہم کسی بڑی مصیبت میں مبتلا ہوں اور درد و کرب سے جان وبال میں ہو، تو اُس وقت ہماری فطرت کا حیوانی پہلو زیادہ اجاگر ہو کر سامنے آتا ہے۔ باغ، ڈاکٹر کی بیوی پکار اٹھی اور اس کا خیال درست تھا، اگر اتنا سویرا نہ ہوتا تو نچلے فلور والی پڑوسن پہلے ہی وہاں پہنچ گئی ہوتی، وقت آ گیا ہے کہ ہم اُسے بڑھیا کہنا چھوڑ دیں، جیسا کہ ہم اہانت کے ساتھ اُسے اب تک کہتے رہے ہیں، وہ پہلے ہی وہاں ہوتی جیسا کہ ہم کہہ رہے تھے، زمین پر دُبکی ہوئی بیٹھی، مرغیوں میں گھری، کیونکہ اس بارے میں کوئی شخص سوال اٹھائے تو وہ غالباً نہیں جانتا کہ مرغیاں کیسی ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر کی بیوی کی حفاظت میں، اپنا پیٹ

پکڑے بھینگی آنکھ والا لڑکا کرب کی حالت میں سیڑھیاں اترنے لگا، بدترین یہ کہ جب وہ آخری سیڑھی پر پہنچا تو اُس کا عضلاتی حلقہ اندرونی دباؤ کی مزاحمت ترک کر بیٹھا تھا، اس کے نتائج کا تصور آپ خود کر سکتے ہیں۔ اس دوران دوسرے پانچ، ہنگامی سیڑھیوں سے اترنے کی ممکنہ حد تک کوشش کر رہے تھے، ہنگامی سیڑھیاں ایک انتہائی مناسب نام، طبی نظر بندی کے زمانے میں اگر کوئی جبلی رکاوٹیں باقی بچی رہ گئی تھیں تو یہ وقت تھا کہ اُن سے بھی ہاتھ دھو لیے جائیں۔ پورے پائیں باغ میں بکھرے ہوئے، زور لگاتے وقت کراہتے، بچی کھچی، بیکار شرمندگی میں مبتلا وہ کرتے رہے جو اُنہیں کرنا تھا، حتیٰ کہ اُن کی حالتِ زار کو دیکھ کر ڈاکٹر کی بیوی کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے اور وہ اُن سب کے لیے روئی، جو لگتا تھا کہ اب وہ خود کرنے کے قابل نہ تھے، اُس کا اپنا خاوند، پہلا اندھا آدمی اور اُس کی بیوی، کالے چشمے والی لڑکی، سیہ پیوند والا بوڑھا، لڑکا وہ انہیں دیکھتی رہی، سرکنڈوں پر دبکے ہوئے، کرم کلّے کے گانٹھوں بھرے ڈنٹھلوں کے بیچ، مرغیوں کی نظروں کے سامنے، غمگسار کتا بھی ایک اور نفر کا اضافہ کرنے کے لیے نیچے اُتر آیا تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو صاف کیا، جتنا بھی بہتر طور پر ہوسکتا تھا، اوپر اوپر سے اور جلدی جلدی مُٹھی بھر گھاس کے ساتھ، یا روڑوں سے، جو بھی ہاتھ لگا، بعض حالتوں میں تو صفائی کی کوششوں نے معاملات کو اور خراب کر دیا۔ وہ خاموشی کے ساتھ ہنگامی سیڑھیوں سے اوپر چلے گئے، نچلے فلور والی پڑوسن ان سے یہ پوچھنے کے لیے نمودار نہ ہوئی کہ وہ کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں، کہاں جا رہے ہیں، وہ رات کے کھانے کے بعد سے اب تک پڑی سو رہی ہوگی اور جب وہ فلیٹ کے اندر آئے، پہلے تو اُن کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہیں، پھر کالے چشمے والی لڑکی نے انہیں بتایا کہ وہ اس حالت میں نہیں رہ سکتے، یہ سچ تھا کہ ان کے نہانے دھونے کے لیے پانی نہیں تھا، افسوس کہ کل جیسی موسلا دھار بارش بھی نہیں کہ وہ ایک بار پھر باغ میں جاسکتے، لیکن اس بار ننگے، کسی شرم و حیا کے بغیر آسمان سے برسنے والی سخاوت مند پانی کو اپنے سروں اور کندھوں پر خوش آمدید کہتے، اُسے اپنی کمر اور سینے پر دوڑتا اور نیچے ٹانگوں تک جاتا ہوا محسوس کرتے، اُسے اپنے ہاتھوں میں جمع کر سکتے، اُس صاف شفاف پانی کو اور کسی کو وہ پیالہ پیش

کرتے کہ لے، اپنی پیاس بجھا لے، چاہے کوئی بھی ہوتا، شاید پانی تک پہنچنے سے پہلے اُس کے ہونٹ نرمی سے چھوتے اس دستی پیالے کے کناروں کو، پھر وہ نہ جانے کب کے پیاسے ہونٹ عالمِ اشتیاق میں اس گھونگھے سے آخری قطرہ بھی نچوڑ لیتے اور ایسا کرتے ہوئے کیا پتہ بھڑکا دیتے کسی اور پیاس کو۔ کالے چشمے والی لڑکی کو اُس کا تخیل آوارہ خیالی کی طرف لے جاتا ہے، جیسا کہ ہم نے دوسرے موقعوں پر دیکھا ہے۔ ایسی المناک، عجیب و غریب اور یاس انگیز صورتِ حال میں اُسے کیا یاد آتا ہے۔ تمام باتوں کے باوجود وہ احساسِ عمل سے عاری نہیں ہے، جس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ پہلے اپنے کمرے میں کپڑوں والی الماری کھولنے کے لیے گئی، پھر اپنے ماں باپ کے جہاں سے اس نے چادریں اور تولیے نکالے، آئیں ان سے اپنے آپ کو صاف کرتے ہیں، وہ بولی، کچھ نہ ہونے سے تو بہتر ہے اور بلاشبہ اُسے یہ اچھا خیال سوجھا تھا، جب وہ کھانا کھانے کے لیے بیٹھے تو خود کو بالکل مختلف محسوس کر رہے تھے۔

کھانے کی میز پر ہی ڈاکٹر کی بیوی نے انہیں بتایا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے، اب یہ فیصلہ کرنے کا وقت آ گیا ہے کہ ہمیں آئندہ کیا کرنا ہے، مجھے پختہ یقین ہے کہ ساری کی ساری آبادی ہی اندھی ہو چکی ہے، کم از کم یہ میرا تاثر ہے، اُن لوگوں کو دیکھ کر جو اب تک میرے مشاہدے میں آئے ہیں، یہاں پانی نہیں ہے، بجلی نہیں ہے، کسی قسم کی کوئی سپلائی نہیں، اسی کو انتشار کہا جاتا ہے، دراصل انتشار کے یہی معنی ہیں، حکومت کا وجود تو ہوگا، پہلے اندھے آدمی نے کہا، مجھے کوئی زیادہ یقین نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو وہ اندھوں کی حکومت ہوگی جو اندھوں پر حکومت کرنے کی کوشش کر رہی ہوگی، یعنی عدم، عدم کو قائم رکھنے کے لیے کوشاں، تو پھر یہاں کوئی مستقبل نہیں، سیہ پیوند والا بوڑھا آدمی بولا، میں نہیں کہہ سکتی کہ کوئی مستقبل ہوگا یا نہیں، اس وقت دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہم حال میں کیونکر زندہ رہ سکتے ہیں، کسی مستقبل کے بغیر حال کا کوئی مقصد نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے اُس کا کوئی وجود ہی نہ تھا، شاید انسان آنکھوں کے بغیر زندہ رہ لیں، لیکن پھر وہ انسان نہیں رہیں گے، نتیجہ ظاہر ہے، ہم میں کون ہے جو اپنے آپ کو ویسا ہی انسان سمجھتا ہو، جیسا کہ ہمیں پہلے یقین تھا کہ ہم ہیں، مثلاً میں نے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا، تم

نے ایک آدمی کو مار ڈالا، پہلے اندھے آدمی نے چوکنا ہوکر پوچھا، ہاں جو دوسرے حصے سے احکامات جاری کیا کرتا تھا، میں نے اُس کے گلے میں قینچی گھونپ دی، تم نے اُسے مار ڈالا ہمارا انتقام لینے کے لیے، عورتوں کا انتقام صرف ایک عورت ہی لے سکتی ہے، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا، اور اگر انتقام انصاف پر مبنی ہو تو ایک طرح کی انسان دوستی ہے اور اگر ظالموں کے خلاف مظلوم کے کوئی حقوق نہیں تو پھر انصاف اور انسانیت کی باتیں بھول جایئے، پہلے اندھے آدمی کی بیوی بولی، آیئے اب زیر بحث مسئلے کی طرف واپس آتے ہیں، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، اگر ہم اکٹھے رہے تو شاید بچ جائیں اور اگر ہم الگ الگ ہوگئے تو دوسرے لوگ ہمیں نگل جائیں گے اور ہم تباہ و برباد ہوجائیں گے، تم نے ذکر کیا تھا کہ یہاں اندھے لوگوں کے منظم گروپ ہیں، ڈاکٹر نے کہا، اس کا مطلب ہے کہ زندہ رہنے کے نئے طریقے ایجاد ہو رہے ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ ہمارا خاتمہ تباہی پر ہو، جیسا کہ تم پیش بینی کر رہی ہو، میں نہیں جانتی کہ وہ واقعی کس حد تک منظم ہیں، میں صرف انہیں رزق کی تلاش میں پھرتے دیکھتی ہوں، یا سونے کی غرض سے کوئی جگہ ڈھونڈتے، اس سے زیادہ کچھ نہیں، ہم قدیمی ریوڑوں کے زمانے کی طرف واپس جا رہے ہیں، سیہ پیوند والے بوڑھے نے کہا، اس فرق کے ساتھ کہ ہم چند ہزار نفوس نہیں ہیں، ایک ثابت و سالم اور بیکراں کائنات میں بلکہ ایک جڑوں سے اکھڑی ہوئی تھکی ماندی دنیا میں کروڑوں اربوں لوگ، اور اندھے، ڈاکٹر کی بیوی نے اضافہ کیا، جب خوراک اور پانی کا ملنا دشوار ہونے لگے گا تو یقینی طور پر یہ گروپ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجائیں گے، ہر کوئی سوچے گا کہ اُس کے لیے، انفرادی طور پر زندہ رہنے کے بہتر مواقع ہوں گے۔ اُسے اپنی کسی بھی چیز میں دوسروں کو شریک نہیں کرنا پڑے گا، جو بھی اُس کے ہاتھ لگے گا اُس پر کسی دوسرے کا حق نہ ہوگا، ان مارے مارے پھرنے والے گروپوں کے، یقیناً لیڈر بھی ہوں گے، جو احکامات جاری کرتے ہوں گے، چیزوں کو منظم کرتے ہوں گے، پہلے اندھے آدمی نے انہیں یاد دلایا، ہوسکتا ہے لیکن اس معاملے میں حکم دینے والے بھی اُتنے ہی اندھے ہیں، جتنے حکم وصول کرنے والے، تم اندھی نہیں ہو، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا، اسی لیے بلاشبہ تم وہ شخص تھیں جو حکم بھی دیتی تھیں

اور ہم باقیوں کو منظم بھی کرتی تھیں، میں حکم نہیں چلاتی، میں چیزوں کو منظم کرتی ہوں، جتنا بہتر طور پر کرسکتی ہوں میں تو محض آنکھیں ہوں، جو تم دوسروں کے پاس اس وقت نہیں ہیں، ایک قسم کی فطری لیڈر، اندھوں کی دنیا میں ایسا بادشاہ جس کی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں، سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے کہا، اگر ایسا ہے تو جب تک میری آنکھیں سلامت ہیں، خود کو میری رہنمائی میں دے دو، اس لیے میری تجویز یہ ہے کہ بجائے الگ الگ ہونے کے، وہ اپنے گھر میں تم اپنے گھر میں، آؤ ہم اکٹھے رہنا جاری رکھیں، ہم یہاں قیام کرسکتے ہیں، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا، ہمارا گھر زیادہ بڑا ہے، اگر اُس پر کوئی قابض نہیں ہوچکا، پہلے اندھے آدمی کی بیوی نے بتایا، جب ہم وہاں جائیں گے تو پتہ چل جائے گا اور اگر اُس پر کسی اور کا قبضہ ہوا تو ہم یہاں واپس آسکتے ہیں، یا جاکر تمہارے گھر پر نظر ڈال سکتے ہیں یا تمہارے۔ اُس نے سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا اور وہ جواب میں بولا، میرا اپنا گھر نہیں ہے، میں ایک کمرے میں اکیلا رہتا تھا، کیا تمہارے گھر والے نہیں ہیں، کالے چشمے والی لڑکی نے پوچھا، کوئی بھی کسی قسم کے بھی گھر والے نہیں، بیوی بھی نہیں، بچے، بھائی بہنیں، کوئی نہیں، جب تک میرے والدین نہیں آجاتے، میں اکیلا ہوں گا، بالکل تمہاری طرح۔ میں رہوں گا تمہارے پاس، بھینگی آنکھ والے لڑکے نے کہا لیکن یہ اضافہ نہیں کیا جب تک میری ماں نہیں مل جاتی، اُس نے یہ شرط نہیں رکھی، عجیب رویہ، یا شاید ایسا عجیب بھی نہیں، نوعمر جلدی ماحول سے مطابقت پیدا کرلیتے ہیں، اُن کی پوری زندگی اُن کے سامنے ہوتی ہے۔ تم نے کیا سوچا ہے، ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا، میں تمہارے ساتھ چلوں گی، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا، میں بس اتنا چاہتی ہوں کہ تم ہفتے میں ایک بار مجھے یہاں لے کر آیا کرو، ہوسکتا ہے کہ میرے ماں باپ واپس آجائیں، کیا تم چابیاں نچلی پڑوسن کے پاس چھوڑ جاؤ گی، اور کوئی راستہ بھی تو نہیں، وہ جو لے چکی ہے اب اُس سے زیادہ اور کیا لے گی، ہوسکتا ہے وہ چیزوں کو برباد کردے، اب جب کہ میں یہاں آچکی ہوں، شاید ایسا نہ کرے، ہم بھی تمہارے ساتھ چل رہے ہیں، پہلے اندھے آدمی نے کہا، اگرچہ ہم چاہیں گے کہ جتنا جلدی ممکن ہو، گزرتے ہوئے اپنے گھر کو دیکھ لیں کہ

اُس پر کیا گزری ہے، بے شک میرے گھر کے پاس سے گزرنے کا کوئی فائدہ نہیں، میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں اکیلا رہتا تھا۔ لیکن تم ہمارے ساتھ تو آ رہے ہو نا، ہاں، ایک شرط پر، جب کسی شخص پر مہربانی کی جا رہی ہو تو اُس کا شرطیں رکھنا، پہلی نظر میں تو اہانت آمیز لگے گا، لیکن بعض بوڑھے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو تھوڑا وقت اُن کے پاس ہوتا ہے اُس کو وہ خودداری کے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں، وہ کیا شرط ہے، ڈاکٹر نے پوچھا، جب میں ناقابلِ برداشت بوجھ بن جاؤں تو مجھے ضرور بتا دو گے، اور اگر دوستی کی وجہ سے یا رحم کھا کر تم کچھ نہ کہنے کا فیصلہ کرو تو مجھے امید ہے کہ پیش بینی کی اتنی قوت مجھ میں ہوگی کہ میں جو ضروری سمجھوں وہ کر گزروں اور وہ کیا ہو سکتا ہے، میں جاننا چاہوں گی، کالے چشمے والی لڑکی نے پوچھا، واپس چلا جاؤں، نظروں سے دور ہو جاؤں، غائب ہو جاؤں، جیسے ہاتھی کرتے ہیں، میں نے لوگوں سے سُنا ہے کہ اب چیزیں مختلف ہو گئی ہیں، ان جانوروں میں کوئی بھی بڑھاپے کی عمر کو نہیں پہنچتا، تم ہاتھی کی طرح نہیں ہو، نہ ہی میں انسان کی طرح ہوں، خاص طور پر اگر تم بچکانہ جواب دینے لگو، کالے چشمے والی لڑکی نے تُرت جواب دیا اور گفتگو یہیں پر ختم ہو گئی۔

پلاسٹک کے تھیلے جو یہاں آتے وقت اتنے بھاری تھے اب بہت زیادہ ہلکے ہو گئے ہیں، اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں، نچلے فلور والی پڑوسن نے بھی انہی تھیلوں میں سے کھایا ہے، دو بار، پہلی بار کل رات اور دوسری بار آج، جب انہوں نے فلیٹ کی چابیاں دیتے وقت اُسے کچھ سامان دیا، اس تاکید کے ساتھ کہ جب تک فلیٹ کے حقیقی مالک واپس نہیں آ جاتے وہ انہیں حفاظت کے ساتھ اپنے پاس رکھے، بوڑھی دوشیزہ کو خوش بھی تو کرنا تھا، کیونکہ ہم اُس کی خصلت کو کافی سے زیادہ جان گئے ہیں، اس کے علاوہ غمگسار کتے کو بھی کھلانا تھا، کوئی پتھر دل ہی اُن ملتجی آنکھوں سے بے اعتنائی برت سکتا تھا، اور جب ہم ابھی اس موضوع پر بات کر رہے ہیں، کتا کہاں غائب ہو گیا ہے، وہ فلیٹ میں نہیں ہے، دروازے سے باہر نہیں گیا، وہ پائیں باغ میں ہو سکتا ہے، ڈاکٹر کی بیوی اُسے ڈھونڈھنے کے لیے چلی گئی اور حقیقت میں وہ تھا بھی وہیں، ایک مرغی کو کھا رہا تھا، حملہ اتنی تیزی سے کیا گیا تھا کہ چوکنا ہونے کا وقت بھی نہیں ملا، اور اگر

پہلے فلور والی بڑھیا کی آنکھیں ہوتیں اور اُس نے مرغیوں کا حساب رکھا ہوتا تو کون کہہ سکتا ہے کہ وہ غصے میں آ کر چابیوں کے ساتھ کیا سلوک کرتی، جرم کے ارتکاب کی آگاہی اور اس ادراک کے درمیان کہ وہ شخص جس کی حفاظت پر وہ مامور تھا، اب جا رہا ہے، غمگسار کتا ایک لمحے کے لیے متذبذب ہوا، پھر فوراً ہی نرم زمین پر پنجے مارنے لگا اور اس سے پہلے کہ نچلے فلور والی بڑھیا فائر اسکیپ کے چبوترے پر نمودار ہو، اُن آوازوں پر ناک سکیڑنے کے لیے جو اُس کے فلیٹ کے اندر پہنچ رہی تھیں، مرغی کا پنجر دفن کیا جا چکا تھا، جرم پر پردہ ڈال دیا گیا تھا، ندامت کو کسی اور موقع پر اُٹھا رکھا گیا تھا۔ غمگسار کتا، ڈرا سہما، سیڑھیاں چڑھنے لگا، بوڑھی عورت کی سکرٹ کے قریب سے، جسے اُس خطرے کا گمان بھی نہ ہوا ہوگا کہ جس سے وہ ابھی ابھی دوچار ہو چکی تھی، ہوا کے لمس کی طرح گزرا اور جا کر ڈاکٹر کی بیوی کے پاس بیٹھ گیا، جہاں اُس نے آسمان کی طرف منہ کر کے اُس کارنامے کا اعلان کیا، جسے وہ سرانجام دے کر آیا تھا۔ نچلے فلور والی بوڑھی عورت اُسے اتنا زور زور سے بھونکتے ہوئے سُن کر دل میں ڈری، لیکن جیسا کہ ہم سب کو بہت دیر میں پتہ چلا، اُس نے اپنے نعمت خانے کی حفاظت کی غرض سے اپنی گردن کو آگے نکال کر اوپر کی طرف پکارتے ہوئے کہا، اس سے پہلے کہ یہ کتا میری کسی مرغی کو مار ڈالے، اسے قابو میں رکھا جانا چاہیے، ڈاکٹر کی بیوی نے جواب دیتے ہوئے کہا، فکر نہ کرو، کتا بھوکا نہیں ہے، وہ پہلے ہی کھا چکا ہے، اور ہم تھوڑی دیر میں جانے والے ہیں، تھوڑی دیر میں، بوڑھی عورت نے دہرایا اور اس کی آواز میں ایسی شکستگی تھی جیسے اُسے یہ سن کر دُکھ ہوا ہو، جیسے وہ چاہتی تھی کہ اُسے کسی اور نظر سے دیکھا جائے۔ مثلاً تم مجھے یہاں اکیلی چھوڑ کے جا رہے ہو، لیکن اُس کے بعد وہ ایک حرف تک نہیں بولی سوائے تھوڑی دیر میں، جس کے جواب کی ضرورت نہیں تھی، پتھر دلوں کے بھی اپنے دُکھ ہوتے ہیں، اس عورت کا دل بھی ایسا تھا کہ بعد میں اُس نے الوداعی کلمات کی خاطر ان ناشکروں کے لیے اپنا دروازہ کھولنے سے بھی انکار کر دیا جن کو اُس نے اپنے گھر میں آزادانہ رسائی دی تھی۔ وہ اُن کے سیڑھیاں اترنے کی آوازیں سُنتی رہی، وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے، دیکھو کہیں ٹھوکر نہ لگ جائے، اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھ لو،

جنگلے کو تھامے رکھو، معمول کے الفاظ، لیکن اب اندھے لوگوں کی اس دنیا میں اور بھی زیادہ عام جس بات نے اُسے حیران کیا وہ تھی ایک عورت کو یہ کہتے سُننا کہ یہاں اتنا اندھیرا ہے کہ مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا، اس عورت کے اندھے پن کا سفید نہ ہونا از خود حیران کُن تھا، لیکن یہ کہ وہ اس لیے دیکھ نہیں سکتی تھی کیونکہ اتنا اندھیرا تھا، اس کا آخر کیا مطلب ہوسکتا ہے، اُس نے اس پر سوچ بچار کرنے کی سخت کوشش کی لیکن اُس کے کمزور دماغ نے ساتھ نہ دیا، وہ جلدی ہی دل میں سوچنے لگی، میں نے غلط سنا ہوگا، وہ جو بھی تھا۔ گلی میں ڈاکٹر کی بیوی کو اپنا کہا ہوا یاد آیا اُسے بولنے سے پہلے سوچنا چاہیے کہ وہ کیا کہہ رہی ہے، میں کسی آنکھوں والے کی طرح چل پھر تو سکتی ہوں، لیکن مجھے بولنا کسی اندھے شخص کی طرح چاہیے، اُس نے سوچا۔

گلی کے فرش پر جمع ہوکر اس نے اپنے ساتھیوں کی دو قطاریں بنائیں، تین تین کی، پہلی قطار میں اپنے خاوند کو اور کالے چشمے والی لڑکی کو جگہ دی اور اُن کے درمیان بھینگی آنکھ والے لڑکے کو کھڑا کیا، دوسری قطار میں سیہ پیوند والا بوڑھا آدمی اور پہلا اندھا آدمی، بیچ میں اُس کی بیوی، وہ ان سب کو اپنے نزدیک رکھنا چاہتی تھی، معمول کی واحد قطار میں نہیں جو کمزور ہوتی ہے اور کسی بھی لمحے ٹوٹ سکتی ہے اگر اُس کی مڈبھیڑ کسی زیادہ تعداد والے یا زیادہ جارحیت پسند گروپ سے ہوجائے، جو سمندر میں چلنے والے سٹیمر کی طرح اپنے راستے میں آنے والی بادبانی کشتی کے دو ٹکڑے کر دیتا ہے، ہمیں ایسے حادثات کا، جہازوں کی تباہیوں کا اور ایسی ہی دوسری آفتوں کا علم ہے اور ان سے پیدا ہونے والی بربادیوں کے نتائج کا بھی ڈوبتے ہوئے لوگ پانی کی لامحدود وسعتوں میں مدد کی لاحاصل پکاریں اور سٹیمر ہے کہ آگے ہی آگے بڑھتا ہوا چلا جا رہا ہے، اُسے خبر ہی نہیں کہ وہ کسی چیز سے ٹکرایا بھی تھا۔ یہی ہوگا اس گروپ کے ساتھ بھی، ایک اندھا شخص یہاں ایک وہاں، دوسرے اندھے لوگوں کے بے ترتیب دھاروں میں گم، سمندر کی موجوں کی طرح، جو نہ رُکتی ہیں نہ یہ جانتی ہیں کہ کدھر جا رہی ہیں، اور ڈاکٹر کی بیوی بھی پریشان کہ کس کی مدد کو اُسے پہلے جانا چاہیے اور تیزی کے ساتھ ایک ہاتھ اپنے خاوند کے بازو پر رکھے یا شاید بھینگی آنکھ والے لڑکے کے بازو پر لیکن کالے چشمے والی لڑکی کو ہاتھ سے دیتے ہوئے،

دوسرے دو، سیہ پیوند والا بوڑھا آدمی بہت پرے ہاتھیوں کے قبرستان کی طرف بڑھتا ہوا۔ اب وہ یہ کر رہی ہے کہ ایک ڈوری کو جو اُس نے کپڑے کی لیروں کو جوڑ کر اور گرہیں لگا کر بنائی تھی، جب دوسرے سب لوگ سو رہے تھے، اپنی کمر کے گرد لپیٹ کر اُسے دوسروں کی کمروں سے گزار رہی ہے، مجھ کو ہی پکڑے نہ رکھو، اس نے کہا، بلکہ اس ڈوری کو اپنی پوری طاقت کے ساتھ پکڑے رکھو اور کسی بھی صورت میں اسے ہاتھ سے مت جانے دو، چاہے جو بھی پیش آئے۔ وہ اس بات کا خیال رکھ رہے تھے کہ ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہوکر نہ چلیں، کہیں انہیں ایک دوسرے سے ٹھوکر نہ لگے، لیکن وہ اپنے ساتھ والوں کا قرب بھی محسوس کرنا چاہتے تھے، ایک براہِ راست رابطہ، اگر ممکن ہو، ان میں صرف ایک تھا جسے زمینی حکمت عملی کے ان مسائل کی فکر نہیں تھی اور وہ تھا بھینگی آنکھ والا لڑکا جو درمیان میں چل رہا تھا، ہر طرف سے محفوظ۔ ہمارے اندھے دوستوں میں سے کسی کو بھی یہ پوچھنے کا خیال نہیں آیا کہ دوسرے گروپ کیسے سفر کر رہے ہیں، آیا وہ بھی اسی طرح یا کسی اور طرح ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے چل رہے ہیں، ہم اب تک جو مشاہدہ کر چکے ہیں، اُس کی رُو سے اس سوال کا جواب آسان ہونا چاہیے، سوائے ایک گروپ کے جس کے افراد معقول وجوہات کی بنا پر جن کا ہمیں کوئی علم نہیں، ایک دوسرے سے جُڑے ہوئے ہیں، باقی گروپوں کے پیروکاروں میں بالعموم دن بھر کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، ہمیشہ ایک نہ ایک اندھا شخص بھٹک جاتا ہے اور گُم ہوجاتا ہے، کوئی دوسرا کششِ ثقل کی گرفت میں آ کر دُم چھلا بن کر ساتھ لگ جاتا ہے، ہوسکتا ہے اُسے قبول کرلیا جائے، ہوسکتا ہے اسے نکال دیا جائے، جس کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ کیا اُٹھائے ہوئے ہے۔ نچلے فلور والی بوڑھی عورت نے آہستہ سے کھڑکی کھولی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو اُس کی اِس جذباتی کمزوری کا احساس ہو، لیکن گلی میں سے آتا ہوا کوئی شور سنائی نہیں دیتا، وہ جا چکے ہیں، وہ اس جگہ کو چھوڑ چکے ہیں، جہاں سے کوئی شاذ ہی گزرتا ہے، بوڑھی عورت کو خوش ہونا چاہیے کہ اب اُسے اپنی مرغیوں اور خرگوشوں میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرنا پڑے گا، اُسے خوش ہونا چاہیے لیکن وہ خوش نہیں ہے، اُس کی اندھی آنکھوں میں دو آنسو نمودار ہوتے ہیں، وہ پہلی بار خود سے پوچھتی

ہے کہ اُس کے پاس جیئے جانے کی کیا کوئی معقول وجہ ہے، اُسے کوئی جواب نہیں ملتا، جب جوابوں کی ضرورت ہوتی ہے تو نہیں ملتے، ہمیشہ یہی ہوتا ہے اور اکثر واحد ممکن جواب ہوتا ہے، انتظار کرو۔ جس راستے سے وہ جا رہے تھے وہاں سے کوئی دو بلاک دور، سیہ پیوند والے آدمی کا کمرہ تھا، لیکن وہ پہلے ہی فیصلہ کر چکے تھے کہ وہ اپنا سفر جاری رکھیں گے، وہاں کھانے پینے کی چیزیں ملنے کی امید تو تھی نہیں، کپڑوں کی اُن کو ضرورت نہیں تھی، کتابیں وہ پڑھ نہیں سکتے تھے۔ سڑکیں، خوراک کی تلاش میں مارے مارے پھرنے والے اندھے لوگوں سے بھری ہوئی تھیں۔

وہ دوکانوں کے اندر جاتے ہیں اور باہر آ جاتے ہیں، خالی ہاتھ داخل ہوتے ہیں اور ہمیشہ تقریباً خالی ہاتھ باہر آتے ہیں اور پھر بحث شروع کر دیتے ہیں اس علاقے کو چھوڑ کر جانے کی ضرورت اور اس کے فوائد پر اور شہر میں کہیں اور جا کر چارا تلاش کرنے پر، سب سے بڑا مسئلہ موجودہ صورت حال ہے، پانی بند، گیس کے سلنڈر خالی، علاوہ ازیں گھروں کے اندر آگ جلانے کے خطرات، کچھ پکایا تو جا نہیں سکتا، بالفرض ہمیں پتہ ہوتا کہ نمک کہاں رکھا ہے، گھی اور مسالے کہاں پڑے ہوں گے، تو ہم ماضی کے ذائقوں کی مدد سے کوشش کر کے چند پکوان تیار کر لیتے، اگر وہاں سبزیاں ہوتیں تو انہیں محض ابال لینے ہی سے ہماری کچھ تسلی ہو جاتی، یہی معاملہ گوشت کا تھا، سوائے عام خرگوشوں اور مرغیوں کے، کتے بلّے بھی پکائے جا سکتے تھے اگر ہم انہیں پکڑ سکتے، لیکن چونکہ تجربہ، زندگی کی حقیقی اُستانی ہے، یہ جانور بھی جو پہلے پالتو تھے، پیار پچکار پر اعتبار نہ کرنا سیکھ گئے تھے۔ وہ غولوں کی صورت میں شکار کرتے تھے اور اگر اُن کو شکار کرنے کی کوشش کی جاتی تو غولوں ہی کی صورت میں اپنا دفاع کرتے تھے اور چونکہ بفضلِ خدا، اُن کی آنکھیں ابھی سلامت ہیں وہ خطرے سے بچاؤ کے لیے بہتر طور پر تیار ہیں اور اگر ضرورت پڑے تو خود حملہ کرنے کے لیے بھی۔ اِن تمام حالات اور وجوہات کو دیکھ کر، ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انسانوں کے لیے بہترین غذا وہ ہے جو کنستروں اور مرتبانوں میں محفوظ ہوتی ہے، نہ صرف اس لیے کہ یہ پہلے سے پکی ہوتی ہے، فوری طور پر کھائی جا سکتی ہے، بلکہ اس لیے بھی کہ آسانی کے ساتھ لے جائی جا سکتی ہے اور فوری استعمال کے لیے دستیاب۔ یہ سچ کہ ان تمام کنستروں،

مرتبانوں اور مختلف پیکٹوں پر، جن میں بند کر کے یہ چیزیں بیچی جاتی ہیں، تاریخ لکھی ہوتی ہے، جس کے بعد انہیں کھانا نقصان دہ ہو سکتا ہے اور بعض حالتوں میں خطرناک بھی، لیکن عوامی دور اندیشی نے تیزی کے ساتھ ایک کہاوت پھیلا دی، جس کا ایک طرح سے کسی کے پاس کوئی جواب نہیں، ایک دوسری کہاوت سے ملتی جلتی، جو اب زیادہ مستعمل نہیں۔ جس کو آنکھیں نہیں دیکھتیں اُس پر دل بھی نہیں روتا، لوگ اب اکثر کہنے لگے، وہ آنکھیں جو دیکھتی نہیں اُن کا ڈھلے ہوئے لوہے کا معدہ ہے اسی لیے وہ اتنی زیادہ سڑی بُسی چیزیں ہضم کر لیتی ہیں۔ گروپ کے آگے آگے چلتی ہوئی ڈاکٹر کی بیوی، دل ہی دل میں، باقی ماندہ اشیائے خورد و نوش کا حساب لگا رہی ہے، وہ ایک وقت کے کھانے کے لیے کافی ہوں گی، کتے کو شامل کیے بغیر، لیکن اُسے اپنے ذرائع سے اپنا انتظام کرنے کے لیے چھوڑتے ہوئے، وہی ذرائع جن کی مدد سے اُس نے مرغی کو گردن سے دبوچ کر اُس کی آواز اور زندگی کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ اُس کے گھر میں اب بھی معقول تعداد میں ہوں گے مُربّے، اچار چٹنیاں وغیرہ، اگر آپ کو یاد ہو، بشرطیکہ کوئی دروازہ توڑ کر اندر داخل نہیں ہوا، ایک جوڑے کے لیے کافی، لیکن یہاں سات افراد کے پیٹ بھرنے کا سوال ہے، اُس کا ذخیرہ زیادہ دیر تک نہیں چلے گا، چاہے وہ کتنی ہی سخت راشن بندی کیوں نہ کرے۔ کل یا آئندہ چند دنوں میں اُسے سُپر مارکیٹ کے زیر زمینی سٹور روم میں، واپس جانا ہوگا، اُسے فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ اکیلی جائے یا اپنے خاوند کو ساتھ چلنے کے لیے کہے یا پہلے اندھے ہونے والے آدمی کو جو نسبتاً زیادہ جوان ہے اور زیادہ پھرتیلا، انتخاب، اشیائے خورد و نوش کو زیادہ تعداد میں اُٹھانے کے امکان اور تیزی کے ساتھ عمل کرنے کے درمیان ہے، واپسی کی صورتوں کو فراموش کیے بغیر۔ سڑکوں پر کوڑا کرکٹ، جو لگتا ہے کل کے مقابلے میں دوگنا ہو گیا ہے، انسانی فضلہ، جو موسلا دھار بارش سے پہلے کے مقابلے میں آدھا نرم پڑ چکا ہے، پلپلا یا بہتا ہوا جو اس وقت بھی جب ہم گزر رہے ہیں، چلتے ہوئے عورتوں مردوں کے پیروں کے ساتھ کہیں اور منتقل ہو رہا ہے، فضا کو ایک کراہت انگیز عفونت سے بوجھل بنا رہا ہے، ایک گنجان دُھند کی طرح جس میں سے گزر کر آگے بڑھنا صرف انتہائی کوشش ہی سے ممکن ہے۔ درختوں

سے گھرے ہوئے ایک چوک میں جس کے وسط میں ایک مجسمہ کھڑا ہے، کتوں کا ایک غول، ایک آدمی کی لاش کو نوچ نوچ کر کھا رہا ہے، وہ یقیناً تھوڑی دیر پہلے مرا ہوگا، اُس کے اعضا ابھی اکڑے نہیں، جیسا کہ نظر آتا ہے، جب کتے گوشت کو ہڈیوں سے جدا کرتے وقت جھٹکے دیتے ہیں، اپنے دانتوں میں پھنسا کر۔ ایک کوا بھی کسی موقع کی تلاش میں آس پاس پُھدکتا پھرتا ہے اس ضیافت میں شریک ہونے کی غرض سے۔ ڈاکٹر کی بیوی نے اپنی نظریں ہٹا لیں، لیکن بہت دیر ہو چکی تھی، آنتوں سے اُٹھتی ہوئی اُچھل کود کو روکا نہیں جا سکتا تھا، دوبارہ تیسری بار جیسے اُس کے اپنے تا حال زندہ جسم کو دوسرے کتے جھٹکے دے رہے تھے، مکمل مایوسی کے غول، یہی ہے میرا آخر، میں یہیں مرنا چاہتی ہوں۔ اُس کے خاوند نے پوچھا کیا بات ہے، ڈوری کے ساتھ بندھے ہوئے دوسرے ساتھی بھی قریب آ گئے، اچانک چوکنے ہو کر، کیا ہوا، کیا کھانے میں کوئی گڑبڑ تھی، کوئی بُسی ہوئی چیز کھا لی تھی، مجھے تو کچھ محسوس نہیں ہوتا، نہ ہی مجھے، اُن کے لیے اور بھی بہتر، اُنہیں صرف کتوں کا شور وغل سنائی دے سکتا تھا، کسی کوے کی اچانک اور غیر متوقع کائیں کائیں، اس افراتفری میں ایک کتے نے روا روی میں اپنے ہی بازو کو کاٹ لیا تھا، بالکل نادانستہ طور پر تب ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، معاف کرنا میں اپنے آپ کو روک نہ سکی، لیکن یہاں بعض کتے کسی دوسرے کتے کو کھا رہے ہیں۔ کیا وہ ہمارے والے کتے کو کھا رہے ہیں۔ بھینگی آنکھ والے لڑکے نے پوچھا، نہیں جسے تم ہمارا کتا کہتے ہو زندہ ہے، اور اُن کے اردگرد ٹوہ لیتا پھر رہا ہے، لیکن ذرا فاصلے سے۔ اُس مرغی کو کھانے کے بعد وہ زیادہ بھوکا نہیں ہو سکتا، پہلے اندھے آدمی نے کہا۔ کیا تم اب بہتر محسوس کر رہی ہو، اُس کے خاوند نے پوچھا، ہاں، آئیں اب اپنی راہ لیتے ہیں کتا ہمارا نہیں ہے، یہ بس ہمارے ساتھ لگ گیا تھا غالباً اب یہیں رہے گا دوسرے کتوں کے ساتھ۔ ہو سکتا ہے پہلے بھی ان کے ساتھ رہا ہو لیکن اب اُسے اپنے دوست مل گئے ہیں، میں پاخانہ کرنا چاہتا ہوں یہاں میرے پیٹ میں درد اُٹھ رہا ہے، مجھے تکلیف ہو رہی ہے، لڑکا شکایت کرنے لگا۔ اُس نے وہیں جیسے تیسے رفعِ حاجت کی، ڈاکٹر کی بیوی نے ایک بار پھر اُلٹی کی، لیکن دوسری وجوہات کی بنا پر۔ پھر انہوں نے اس وسیع و عریض چوک کو پار کیا اور جب وہ

درختوں کے سائے میں پہنچے تو ڈاکٹر کی بیوی نے پیچھے مُڑ کر دیکھا اور زیادہ کتے نمودار ہو گئے تھے اور بچی کھچی لاش کے لیے لڑ جھگڑ رہے تھے۔ غمگسار کتا آیا، زمین سے اپنی تھوتھنی رگڑتا ہوا جیسے کسی کی کھوج لگا رہا ہو، عادت کی وجہ سے، کیونکہ اس بار جس عورت کی اُسے تلاش تھی اُس کو دیکھنے کے لیے ایک نظر ڈال لینا ہی کافی تھا۔

روانگی جاری رہی، سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی کا گھر کافی پیچھے رہ گیا تھا، اب وہ ایک کشادہ شارع عام پر چل رہے ہیں جس کی دونوں طرف اونچی اونچی عظیم الشان عمارتیں کھڑی ہیں۔ یہاں قیمتی اور بڑی بڑی اور آرام دہ کاریں ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں کیوں اتنے زیادہ اندھے لوگ سوئے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور بظاہر آثار سے ایک بہت بڑی لیموزین کو تو واقعی ایک مستقل گھر میں تبدیل کر لیا گیا ہے، غالباً اس لیے کہ گھر واپس جانے کے مقابلے میں کار میں واپس جانا زیادہ آسان تھا، اس میں رہنے والوں کو بھی اپنے بستر تک جانے کے لیے وہی کرنا پڑتا ہوگا جو وہ طبی نظر بندی کے زمانے میں کرتے تھے، اپنا راستہ ٹٹولتے اور کونے سے کاروں کی گنتی کرتے، نمبر ستائیس دائیں ہاتھ کی طرف میں اپنے گھر واپس آ گیا ہوں۔ جس عمارت کے دروازے کے سامنے لیموزین کھڑی کی گئی تھی وہ ایک بینک ہے، کار بورڈ کے چیئرمین کو بورڈ کی ہفتہ وار میٹنگ کے لیے لے کر آئی تھی، سفید بیماری کی وبا کے اعلان کے بعد بلائی جانے والی یہ پہلی میٹنگ تھی اور کار کو زیر زمین گیراج میں کھڑی کرنے کا وقت نہیں ملا تھا۔ چیئرمین معمول کے مطابق سامنے والے دروازے سے عمارت کے اندر داخل ہوتے ہی کو تھا کہ ڈرائیور اندھا ہو گیا، اُس کے منہ سے ایک چیخ نکلی، ہمارا اشارہ ڈرائیور کی طرف ہے لیکن اُس کو ہمارا مطلب ہے چیئرمین کو سنائی نہیں دی۔ مزید برآں مکمل میٹنگ میں حاضری اتنی مکمل نہ تھی جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا تھا، کیونکہ پچھلے چند دن میں بعض ڈائریکٹر اندھے ہو گئے تھے۔ چیئرمین میٹنگ شروع کرنے پر آمادہ نہ ہوا، جس کے ایجنڈے میں یہ بحث بھی شامل تھی کہ تمام ڈائریکٹروں اور ان کے نائبین کے اندھا ہو جانے کی صورت میں کیا تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں اور وہ بورڈ روم میں بھی داخل ہونے کے قابل نہ رہا کیونکہ جب ایلیویٹر اُسے اوپر

پندرھویں فلور کی طرف لے جا رہا تھا عین نویں اور دسویں فلور کے درمیان بجلی چلی گئی، پھر کبھی واپس نہ آنے کے لیے اور چونکہ مصیبت کبھی تنہا نہیں آتی عین اُسی وقت بجلی ٹھیک کرنے والا اندھا ہو گیا جو عمارت کی اندرونی بجلی کی سپلائی کا ذمے دار تھا اور ظاہر ہے جنریٹر کا بھی، جو ایک پرانا ماڈل تھا اور خود کار نہیں تھا اور ایک طویل عرصے سے مرمت طلب تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ایلیویٹر نویں اور دسویں فلور کے درمیان رُک کر کھڑا ہو گیا۔ چیئر مین نے اپنے ساتھ آنے والے خدمت گار کو اندھا ہوتے دیکھا، ایک گھنٹے کے بعد وہ بھی اپنی بینائی کھو بیٹھا اور چونکہ بجلی واپس نہیں آئی اور اُس دن بینک کے اندر اندھے ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا، غالب امکان یہ ہے کہ وہ دونوں وہیں ہیں، دو مُردے، ایک آہنی تابوت میں بند، خوش قسمتی سے خونخوار کتوں سے محفوظ۔

چونکہ گواہ نہیں تھے اور اگر تھے بھی تو اس امر کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ اُنہیں پوسٹ مارٹم کے وقت طلب کیا گیا تھا، یہ بتانے کے لیے کہ وہاں کیا ہوا تھا، اس لیے کسی کا یہ پوچھنا سمجھ میں آتا ہے کہ اس صورت میں یہ جاننا کیسے ممکن ہے کہ واقعات واقعی اسی طرح ہوئے تھے، کسی اور طرح نہیں، اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ سب کہانیاں ویسی ہی ہوتی ہیں جیسے وہ کہانیاں جو تخلیقِ کائنات کے بارے میں بیان کی جاتی ہیں، وہاں بھی کوئی نہیں تھا، کسی نے کوئی چیز ہوتے نہیں دیکھی، پھر بھی ہر کوئی جانتا ہے کہ کیا ہوا تھا۔ ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا تھا، بینکوں پر کیا گزری اس لیے نہیں کہ اُسے کوئی زیادہ پریشانی تھی، اس کے باوجود کہ اُن میں سے ایک بینک میں اُس نے اپنی جمع پونجی رکھی ہوئی تھی، اُس نے تو محض تجسس کی بنا پر یہ سوال کیا تھا، اُسے بس خیال آیا تھا اس سے زیادہ کچھ نہیں، نہ ہی اُسے کسی سے جواب کی توقع تھی جیسے مثال کے طور پر خدا نے ابتدا میں زمین و آسمان کو پیدا کیا اور زمین ویران اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا اور خدا کی روح پانی کی سطح پر جُنبش کرتی تھی، اس کی بجائے حقیقت میں ہوا یہ کہ سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے کہا، جب وہ سڑک کے کنارے کنارے چلے جا رہے تھے، جہاں تک میں اندازہ لگا سکا جب میری دیکھنے والی آنکھ ابھی سلامت تھی، پہلے تو ایک ہنگامہ برپا

ہوا، لوگ اندھے اور خالی ہاتھ ہو جانے کے خوف سے اپنے پیسے نکلوانے کے لیے بینکوں کی طرف بھاگے، اس احساس کے ساتھ کہ انہیں اپنا مستقبل محفوظ بنا لینا چاہیے اور یہ بات قابلِ فہم ہے، اگر لوگ جانتے ہوں کہ وہ اب کام کرنے کے قابل نہ رہیں گے تو اس کا یہی حل ہے کہ خوشحالی کے زمانے میں کی جانے والی طویل مُدتی منصوبہ بندی کے تحت جمع کی ہوئی پونجی کو طلب کرنے کا حق استعمال کریں، وہ جب تک بھی چلے، یہ فرض کرتے ہوئے کہ لوگ واقعی اتنے محتاط تھے کہ وہ تھوڑی تھوڑی بچت کر کے اپنی دولت میں اضافہ کرتے رہے تھے، بینکوں پر اس بے تحاشا یلغار کا نتیجہ یہ ہوا کہ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر بعض بڑے بینک تباہی کے دھانے پر پہنچ گئے، شہریوں کو پُرسکون رکھنے اور ان کے معاشرتی ضمیر کو بیدار کرنے کے لیے حکومت کو مداخلت کرنی پڑی اور اپنے رسمی اعلان کے آخر میں یہ بھی کہا کہ وہ موجودہ وبائے عام کے نتیجے میں پیدا ہونے والے تمام فرائض اور ذمے داریوں کو قبول کرتی ہے، لیکن یہ تسلی بخش اقدام بھی بحران کی شدت کو کم کرنے میں کامیاب نہ ہوا، نہ صرف اس لیے کہ لوگ اندھے ہوتے چلے جا رہے تھے بلکہ اس لیے بھی کہ جو ابھی دیکھ سکتے تھے اُنہیں صرف اپنی گراں قدر دولت کو بچانے میں دلچسپی تھی، آخر میں یہ ناگزیر تھا، بینکوں نے جو دیوالیہ ہو گئے تھے یا نہیں ہوئے تھے اپنے دروازے بند کر لیے اور حفاظت کے لیے پولیس بُلائی، اس سے اُنہیں کوئی فائدہ نہ ہوا، بینکوں کے سامنے شور مچانے والے ہجوموں کے درمیان وہ سادہ کپڑوں والے پُلیسیے بھی تھے جو اپنی اتنی کوششوں سے جمع کی ہوئی پونجی کا مطالبہ کر رہے تھے اور اُن میں بعض نے اپنے ارادے کا اظہار کرتے ہوئے اعلیٰ افسروں کو بھی بتا دیا تھا کہ وہ اندھے ہو گئے ہیں جس پر اُنہیں ملازمت سے نکال دیا گیا اور دوسرے جو ابھی وردی میں تھے اور حاضر سروس، نامطمئن عوام کے لیے تربیت یافتہ ہتھیاروں کے ساتھ، انہیں اچانک اپنے ہدف دکھائی نہ دینے لگے، اور ان کے پیسے اگر بینکوں میں جمع بھی تھے، تو ان کے ملنے کی اُمید سے ہاتھ دھو بیٹھے، اور جیسے یہ کافی نہ تھا، اُن پر الزام لگایا گیا کہ وہ حکام کے ساتھ ملے ہوئے ہیں، لیکن بدترین صورت حال اس وقت سامنے آئی جب حکام نے اپنے آپ کو غضبناک گروہوں کے حملوں کی زد میں

پایا جن میں بعض اندھے تھے اور بعض نہیں تھے، لیکن تھے سب کے سب بے خوف۔ اب یہاں کاؤنٹر پر چیک پیش کرنے اور یہ کہنے کا سوال نہیں تھا کہ مجھے پیسے چاہئیں، بلکہ ہر ممکنہ چیز پر ہاتھ ڈالنے کا سوال تھا، بکسے میں پڑی نقدی پر جو کچھ بھی بچا رہ گیا تھا کسی نہ کسی دراز میں لاپرواہی کی وجہ سے کھلے رہ جانے والے سیف ''ڈیپازٹ'' باکس میں کسی پرانے فیشن کے تھیلے میں جس میں پرانی نسلوں کے لوگ اپنے پیسے رکھا کرتے تھے، آپ تصور نہیں کر سکتے کہ وہاں کیسا لگتا تھا، ہیڈ آفس کے کشادہ اور شاندار کمروں میں مختلف محلّوں میں برانچوں کے دفاتر نے اور بھی ہولناک نظارے دیکھے، نہ ہی ہمیں خودکار مشینوں کو بھولنا چاہیے جنھیں زبردستی کھول کر آخری نوٹ تک نکال لیا گیا تھا، ان مشینوں میں چند ایک کی اسکرین پر یہ معمّاتی تحریر بھی دیکھنے کو ملی، ہمارے بینک کی خدمات حاصل کرنے کا شکریہ۔ مشینیں واقعی بڑی بیہودہ ہوتی ہیں، شاید یہ کہنا زیادہ مناسب ہو کہ ان مشینوں نے اپنے مالکوں کے ساتھ غداری کی تھی، مختصر یہ کہ بینکاری کا پورا نظام ہی بیٹھ گیا، تاش کے پتوں سے بنائے ہوئے گھر کی طرح اُڑ گیا، اور اس لیے نہیں کہ زراندوزی اپنی قدر و قیمت کھو بیٹھی تھی، جس کا ثبوت یہ ہے کہ جس کے پاس بھی دولت ہوتی ہے وہ نہیں چاہتا کہ وہ اُس کے ہاتھ سے چلی جائے، عذر یہ ہوتا ہے کہ خدا جانے کل کیا ہو جائے، بلاشبہ یہ بھی تھا اُن اندھے لوگوں کے ذہنوں میں جو آ کر بینکوں کے تہ خانوں میں بیٹھ گئے تھے جہاں آہنی تجوریاں رکھی ہوتی ہیں، کسی معجزے کے منتظر جو ان بھاری دروازوں کو کھول دے گا جو اُنہیں اس دولت سے جدا کیے ہوئے تھے، وہ صرف اُسی وقت اس جگہ کو چھوڑتے ہیں جب اُنہیں اشیائے خوردونوش کی تلاش کے لیے جانا ہوتا ہے، یا دوسری جسمانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اور پھر اپنی چوکی پر واپس آ جاتے ہیں، اُن کے اپنے شناختی الفاظ ہیں اپنے دستی اشارے تاکہ کوئی اجنبی اُن کی قلعہ بندی میں داخل نہ ہو سکے، وہ مکمل تاریکی میں رہتے ہیں، اس لیے نہیں کہ اس سے کوئی خاص فرق پڑتا ہے اس خصوصی اندھے پن میں جس میں ہر چیز سفید ہے۔ سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے بینکوں اور دوسرے مالیاتی امور کی یہ زبردست کہانیاں اُسی وقت سنائیں جب وہ شہر میں سے آہستہ آہستہ گزر رہے تھے، جس

میں ایک فالتو پڑاؤ بھی آیا تھا تاکہ بھینگی آنکھ والا لڑکا، اپنی آنتوں میں پیدا ہونے والی ناقابلِ برداشت شورش کو فرو کر سکے، اور جذبات کو برانگیختہ کرنے والے اس بیان کے پُرتاثیر لہجے کے باوجود منطقی طور پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ اس میں تھوڑی مبالغہ آرائی بھی تھی، مثال کے طور پر بینکوں کے تہ خانوں میں رہنے والے اندھے لوگوں کی کہانی ہی کو لے لیں، وہ کیسے جان سکتا تھا یہ باتیں اگر اُسے شناختی الفاظ اور دستی اشارے معلوم نہیں تھے، بہرحال ہم اس سے صورتِ حال کا کچھ اندازہ لگا سکتے تھے۔

روشنی ماند پڑتی جا رہی تھی جب وہ اُس گلی میں پہنچے جہاں ڈاکٹر اور اُس کی بیوی رہتے تھے۔ یہ دوسری گلیوں سے مختلف نہیں ہے، ہر طرف گندگی پھیلی ہوئی ہے، اندھے لوگوں کے گروہ بے مقصد اِدھر اُدھر گھوم رہے ہیں اور پہلی بار لیکن یہ محض اتفاق تھا کہ ان سے ڈاکٹر کی بیوی اور اُس کے ساتھیوں کی پہلے کبھی مڈبھیڑ نہیں ہوئی تھی، دو بڑے بڑے چوہے، اتنے بڑے بڑے کہ شکار کی تلاش میں پھرنے والی بلیاں بھی ان سے آنکھ چُرا کر نکل جاتی ہیں، وہ بڑے ہونے کے علاوہ خونخوار بھی ہیں۔ غمگسار کُتے نے چوہوں اور بلیوں کو ایسی لاتعلقی سے دیکھا جیسے وہ جذبات کے کسی اور منطقے میں رہتا ہو، شاید ہم یہی کہتے اگر یہ حقیقت نہ ہوتی کہ کتا، کتا ہی رہتا ہے، جو کہ وہ ہے، انسانوں کی قسم کا ایک جانور۔ جانی پہچانی جگہوں کو دیکھ کر ڈاکٹر کی بیوی نے اپنا معمول کا پُرملال تاثر ظاہر نہیں کیا جو یہ کہتا ہوا لگتا کیسے تیزی سے گزر جاتا ہے وقت، ابھی کل کی بات ہے کہ ہم یہاں ہنسی خوشی رہتے تھے، جس چیز نے اُسے صدمہ پہنچایا وہ مایوسی تھی اُس نے اپنی نادانی کی وجہ سے یقین کر لیا تھا کہ اُس کی گلی پہلے کی طرح جھاڑو پھری اور صاف ستھری ہوگی، اُس کے پڑوسی بھلے آنکھوں کے اندھے ہوں، سمجھ بوجھ کے اندھے نہیں ہوں گے، میں بھی کیسی احمق ہوں اُس نے باآواز بلند کہا، کیوں؟ کیا بات ہوئی؟ اُس کے خاوند نے پوچھا، کچھ نہیں، دِن سپنے، کیسے تیزی سے گزر جاتا ہے وقت، فلیٹ کی کیا حالت ہوگی، اُس نے تعجب کے ساتھ سوچا، ہمیں جلد ہی پتہ چل جائے گا۔ اُن میں زیادہ توانائی نہیں رہی تھی، اس لیے وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھنے لگے، ہر چبوترے پر تھوڑا دم لینے کے لیے ٹھہر جاتے، پانچویں فلور

پر ہے ڈاکٹر کی بیوی نے کہا تھا۔ وہ اُوپر چڑھتے گئے جتنا بہتر طور پر ہو سکتا تھا، اپنی اپنی استعداد کے مطابق، غمگسار کتا، کبھی آگے کبھی پیچھے، جیسے وہ کسی ریوڑ کی رہنمائی کے لیے ہی پیدا ہوا تھا اس حکم کے ساتھ کہ ایک بھیڑ بھی گم نہیں ہونی چاہیے۔ وہاں دروازے کھلے ہوئے، اندر سے آوازیں آرہی تھیں اور معمول کی بدبو کی لپٹیں، اندھے لوگ دو مرتبہ دہلیز پر نمودار ہوئے اور خالی خالی آنکھوں سے دیکھتے رہے، کون ہے انہوں نے پوچھا، ڈاکٹر کی بیوی نے ایک آواز کو پہچان لیا دوسری آواز کسی ایسے شخص کی نہیں تھی جو اس بلڈنگ میں رہتا ہو، ہم یہاں رہا کرتے تھے وہ بس اتنا ہی بولی۔ اُس کی پڑوسن کے چہرے پر پہچان کی ایک جھلک نظر آئی لیکن پوچھا نہیں کہ تم ڈاکٹر کی بیوی ہو؟ شاید وہ اندر جا کر کہے، پانچویں فلور والے لوگ واپس آ گئے ہیں۔ آخری زینے پر پہنچ کر چبوترے پر پاؤں رکھنے سے بھی پہلے ڈاکٹر کی بیوی نے اعلان کیا، دروازے کو تالہ لگا ہوا ہے۔ زبردستی اندر داخل ہونے کے آثار تو تھے لیکن دروازہ وہ حملہ برداشت کر گیا تھا۔ ڈاکٹر نے اپنی نئی جیکٹ کی اندر والی جیب میں ہاتھ ڈالا اور چابیاں نکالیں۔ پھر اُنہیں اوپر اٹھائے رکھا، انتظار کے عالم میں لیکن اُس کی بیوی نرمی کے ساتھ اُس کے ہاتھ کو پکڑ کر تالے کے سوراخ تک لے گئی۔

۱۵

گھر کی گرد کو نظر انداز کرتے ہوئے جو گھر والوں کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر فرنیچر کی سطح پر مہین سی تہیں جما لیتی ہے، اس سلسلے میں یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ صرف یہی مواقع ہوتے ہیں جب گرد کو چین سے بیٹھنا نصیب ہوتا ہے، جھاڑن یا ویکیوم کلینر کی خلل اندازی کے بغیر، بچوں کے آگے پیچھے دوڑنے اور گزرتے ہوئے ایک ماحولیاتی واوروِلے کو کھلا چھوڑنے کے بغیر فلیٹ صاف ستھرا تھا، صرف وہی گندگی تھی جو کسی کے جلدی میں گھر چھوڑ کر جانے کی وجہ سے متوقع ہوتی ہے۔ یوں بھی اُس دن کے دوران ان کو وزارتِ صحت اور ہسپتال کی انتظامیہ کی طرف سے اپنی طلبی کی توقع تھی، ڈاکٹر کی بیوی نے ایک قسم کی پیش بینی کی بنا پر جو سمجھدار لوگوں کو اپنی زندگی ہی میں اپنے معاملات کو طے کر لینے کی ترغیب دیتی ہے تا کہ اُن کے مرنے کے بعد بدحواسی کے عالم میں چیزوں کو سلیقے سے درست رکھنے کی تکلیف دہ ضرورت کا سوال پیدا نہ ہو، برتن دھو لیے تھے، بستر بچھا لیے تھے، غسل خانہ صاف کر لیا تھا، نتیجہ اگرچہ خاطر خواہ نہ تھا لیکن اُن کانپتے ہوئے ہاتھوں اور آنسوؤں سے لبریز آنکھوں سے اس سے زیادہ کا مطالبہ صریحاً ظلم ہوتا۔ تاہم یہ ایک طرح کی جنت تھی جس میں یہ سات زائرین داخل ہوئے تھے، اور یہ تاثر اتنا زبردست تھا کہ اصطلاح کے باضابطہ معنوں کی زیادہ بے حُرمتی نہ کرتے ہوئے، ہم اسے ماورائی کہہ سکتے تھے، وہ دروازے میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے، جیسے فلیٹ سے آنے والی غیر

متوقع بو نے انہیں مفلوج کر دیا ہو، اور یہ محض اُس فلیٹ کی باس تھی جسے تھوڑی تازہ ہوا کی ضرورت تھی، کسی اور وقت ہم کھڑکیاں کھولنے کے لیے بھاگتے، اس جگہ کو ہوادار بنانے کے لیے، آج ہم کہیں گے کہ بہتر ہوگا اگر ہم انہیں مکمل طور پر بند رکھیں تا کہ باہر کا تعفن اندر نہ آسکے۔ پہلے اندھے آدمی کی بیوی نے کہا ہم اس پوری جگہ کو گندا کر دیں گے اور اس نے ٹھیک کہا تھا اگر وہ ان کیچڑ اور بول و براز سے لت پت جُوتوں سمیت اندر داخل ہوتے تو جنت پلک جھپکتے ہی جہنم بن جاتی، موخرالذکر وہ دُوسرا مقام ہے، مستند ماخذ کے مطابق جہاں گنہگاروں کو جلتے ہوئے چمٹوں اُبلتے ہوئے تارکول کے کڑاہوں اور ڈھلائی کے کارخانے اور باورچی خانے کی دوسری چیزوں سے واسطہ نہیں پڑے گا بلکہ گلی سڑی، متعفن، متلی آور اور طاعونی عفونت جیسی بدترین چیز سے۔ عہدِ عتیق سے، گھر گرہستنوں کا یہ دستور چلا آتا ہے کہ وہ اپنے مہمانوں کا خیرمقدم کرتے ہوئے کہتی ہیں اندر آجائیں، اندر آجائیں، واقعی کوئی مضائقہ نہیں اگر کچھ ہوا بھی تو میں بعد میں صاف کرلوں گی لیکن یہ والی اپنے مہمانوں کی طرح جانتی ہے کہ وہ کہاں سے آئیں ہیں، وہ جانتی ہے کہ جس دنیا میں وہ رہتی ہے جو غلیظ ہے وہ ہنوز غلیظ تر ہوگا اس لیے وہ اُن سے پوچھتی ہے کہ کیا وہ براہِ کرم اپنے جُوتے چبوترے پر ہی اُتار سکتے ہیں، یہ سچ ہے کہ اُن کے پاؤں بھی صاف نہیں ہیں، لیکن دونوں میں کوئی مقابلہ نہیں کالے چشمے والی لڑکی کے تولیوں اور چادروں سے تھوڑا فرق پڑا تھا، اُن سے بہت سی غلاظت صاف ہوگئی تھی۔ چنانچہ وہ جوتوں کے بغیر اندر داخل ہوئے، ڈاکٹر کی بیوی کو تھوڑی تلاش کے بعد پلاسٹک کا ایک تھیلا مل گیا جس میں اُس نے تمام جوتوں کو ڈال دیا، اس نیّت کے ساتھ کہ وہ بعد میں اُن کو اچھی طرح صاف کرلے گی، اُسے یہ پتہ نہیں تھا کہ کب اور کیسے، پھر وہ اُنہیں اُٹھا کر بالکونی میں لے گئی، باہر کی ہوا ان کی وجہ سے کیا خراب ہوگی۔ آسمان تاریک ہونے لگا، بادل گھنے تھے، کاش برسیں، اُس نے سوچا۔ واضح طور پر سوچ کر کہ اُسے کیا کرنا ہوگا، وہ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آگئی۔

وہ کمرہ نشست میں کھڑے تھے، خاموش کیونکہ اپنی تکان کے باوجود اُن کو ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اپنے لیے کوئی کرسی ہی ڈھونڈھ لیں، صرف ڈاکٹر نے مبہم انداز میں فرنیچر پر ہاتھ پھیرا سطح پر

نشان چھوڑتے ہوئے، پہلی جھاڑ پونچھ شروع ہوچکی تھی، کچھ گرد اُس کی انگلیوں کی پوروں سے چمٹی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر کی بیوی نے کہا اپنے کپڑے اُتار دو، ہم اس حالت میں نہیں رہ سکتے، ہمارے کپڑے بھی تقریباً اُتنے ہی گندے ہیں جتنے ہمارے جوتے تھے، اپنے کپڑے اُتار دیں؟ پہلے اندھے آدمی نے پوچھا، یہاں ایک دوسرے کے سامنے میرے خیال میں یہ مناسب نہیں ہے، اگر تم چاہو، تو میں تم سب کو فلیٹ میں علیحدہ علیحدہ جگہ دے سکتی ہوں، ڈاکٹر کی بیوی نے طنزیہ لہجے میں جواب دیا، پھر تمہیں شرم محسوس کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، میں اپنے کپڑے یہیں اتاروں گی پہلے اندھے آدمی کی بیوی بولی، صرف تم ہی تو مجھے دیکھ سکتی ہو، اور اگر ایسا نہ بھی ہو تو میں بھولی نہیں کہ تم نے مجھے ننگا ہونے سے بھی زیادہ خراب حالت میں دیکھا ہے، یہ میرا خاوند ہے جس کا حافظہ کمزور ہے، مجھ کو تو نظر نہیں آتا کہ کب کے بھولے ہوئے ناخوشگوار معاملات کو یاد کرنے میں کیا فائدہ ہے، اُس کے خاوند نے منہ میں بُڑبُڑ کرتے ہوئے کہا، اگر تم عورت ہوتے اور وہاں ہوتے جہاں ہم تھیں، تو تم کوئی اور راگنی الاپتے، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا، بھینگی آنکھ والے لڑکے کے کپڑے اُتارتے ہوئے۔ ڈاکٹر اور سیہ پیوند والا بوڑھا آدمی پہلے ہی کمر سے اُوپر تک ننگے ہوچکے تھے، اب وہ اپنی پتلونیں اتار رہے تھے، سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے ڈاکٹر سے جو اُس کے ساتھ کھڑا تھا کہا کہ مجھے ذرا اپنے اوپر جھک لینے دو تا کہ میں ان پائنچوں میں سے اپنی ٹانگیں نکال سکوں، یہ بیچارے اِدھر اُدھر اُچھلتے ہوئے اتنے مضحکہ خیز لگتے تھے کہ ان کو دیکھ کر رونے کو جی چاہتا تھا۔ ڈاکٹر اپنا توازن کھو بیٹھا اور جب گرا تو ساتھ سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی کو بھی گھسیٹ لے گیا، خوش قسمتی سے دونوں نے اس صورتِ حال کو تفریح کے طور پر لیا، اور اُن کو دیکھ کر ترس آتا تھا، اُن کے جسم ہر قسم کی قابلِ تصور غلاظت سے ڈھکے ہوئے، اعضائے مخصوصہ میلے کچیلے، سفید بال، کالے بال، یہ حال ہوچکا تھا بڑھاپے کی عزت داری اور قابلِ قدر پیشے کا۔ ڈاکٹر کی بیوی اُنہیں کھڑا ہونے میں مدد دینے کے لیے گئی، تھوڑی دیر میں ہر طرف اندھیرا چھا جائے گا اور کسی کے پاس شرم محسوس کرنے کی کوئی وجہ باقی نہ رہے گی، کیا گھر میں موم بتیاں ہوں گی، اُس نے تعجب سے سوچا، جواب میں اُسے

یاد آیا کہ اُسے دو لیمپ نظر آئے تھے دو پرانے روغنی لیمپ، تین دہانوں والے اور ایک پیرافین لیمپ میں شیشے کا دُودکش لگا ہوتا ہے، فی الحال روغنی لیمپ ہی بہتر رہے گا، تیل میرے پاس ہے بتی بنائی جاسکتی ہے، کل میں پیرافین کی تلاش میں جاؤں گی کسی گروسری سٹور میں، کھانے کے ڈبے کے مقابلے میں یہ آسانی سے مل جائے گا، خاص طور سے اگر میں اسے گروسری کی دوکان میں تلاش نہ کروں، اُس نے سوچا متعجب ہوکر کہ اچھا اس صورتِ حال میں بھی میرے اندر ابھی حسِ مزاح باقی ہے۔ کالے چشمے والی لڑکی آہستہ آہستہ کپڑے اُتار رہی تھی، کچھ اس طور جس سے تاثر ملتا تھا کہ چاہے وہ جتنے بھی کپڑے اُتارے، پھر بھی اُس کا کچھ نہ کچھ بچا رہ جائے گا، کوئی آخری کپڑا اُس کی برہنگی کو ڈھانپے رکھنے کے لیے، وہ اس ناگہانی حیا کی تشریح نہیں کرسکتی، لیکن اگر ڈاکٹر کی بیوی زیادہ قریب ہوتی تو اُس نے لڑکی کو شرماتے ہوئے دیکھ لیا ہوتا، اس کے باوجود کہ اس کا چہرہ اس قدر غلاظت سے بھرا ہوا تھا، جن کو یہ دعویٰ ہے کہ وہ عورتوں کو سمجھ سکتے ہیں اُن کو کوشش کر لینے دو، ان عورتوں میں سے ایک جس کو دفعتاً شرم نے گھیر لیا ہے، اتنے مردوں کے ساتھ سونے کے بعد جنہیں وہ بمشکل جانتی تھی، دوسری اُس کے کان میں پورے سکون کے ساتھ سرگوشی کرنے کی اہل، شرم محسوس نہ کرو، وہ تمہیں دیکھ نہیں سکتا، اُس کا اشارہ اپنے خاوند کی طرف ہوتا بلاشبہ کیونکہ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ بے شرم لڑکی نے کیسے ترغیب دی تھی اُسے، اپنے بستر میں آنے کی، خیر جیسا کہ سب جانتے ہیں عورتوں کے ساتھ ہمیشہ مشتری ہُشیار باش والی صورت لگی رہتی ہے، شاید اس وقت وجہ کچھ اور ہے یہاں دو اور ننگے مرد بھی ہیں اور ان میں سے ایک اُس کے ساتھ سو چکا ہے۔

ڈاکٹر کی بیوی نے فرش پر بکھرے ہوئے کپڑے اکٹھے کیے، پتلونیں، قمیصیں، ایک جیکٹ، پیٹی کوٹ، بلاؤز چند پلید زیر جامے، جن میں صابن کو اچھی طرح سرایت کرنے میں کم از کم ایک مہینہ لگے گا، جس کے بعد وہ انہیں دوبارہ دھوئے گی، اُن کو بازو میں اُٹھانے کی غرض سے، اُن کی ایک گٹھری بنائی، اپنے ساتھیوں سے کہا یہیں ٹھہرے رہو، میں سیدھی واپس آئی اور کپڑوں کی گٹھری اٹھا کر بالکونی پر لے گئی، جیسا کہ اس نے جوتوں کے ساتھ کیا تھا، وہاں اس

نے اپنے کپڑے اتارے، بادلوں بھرے آسمان تلے تاریک شہر کو دیکھتے ہوئے۔ نہ کھڑکیوں میں کوئی مدھم سی روشنی تھی، نہ مکانوں کے اگلے حصوں پر کوئی دھندلی سی پرچھائیں، وہاں جو تھا وہ کوئی شہر نہیں تھا، تارکول کا ایک بہت بڑا ڈھیر تھا جو ٹھنڈا ہوجانے پر عمارتوں، چھتوں، چمنیوں اور ممٹیوں کی صورت میں منجمد ہوگیا تھا، سب مُردہ، سب بے رونق۔ غمگسار کتا بالکونی پر آ گیا وہ بے چین تھا لیکن اب اُس کے چاٹنے کے لیے کوئی آنسو نہیں تھا، ڈاکٹر کی بیوی کی تمام مایوسی اُس کے دل میں تھی، آنکھیں خشک تھیں۔ اُس کو سردی محسوس ہوئی، اُسے دُوسروں کا خیال آیا جو کمرے کے وسط میں ننگے کھڑے تھے، کون جانے کس انتظار میں۔ وہ اندر داخل ہوئی وہ سادہ بے جنس پیکروں میں مُبہم شکلوں میں اور خود کو نیم تاریکی میں گم کرتے ہوئے سایوں میں تبدیل ہوچکے تھے۔ لیکن ان سب باتوں کا اُن پر کوئی اثر نظر نہیں آتا تھا، اُس نے سوچا وہ اپنے ہی آس پاس کی روشنی میں غائب ہوجاتے ہیں اور وہ روشنی انہیں دیکھنے کی اجازت نہیں دیتی۔ میں روشنی کرتی ہوں، اُس نے کہا، اس وقت میں بھی اتنی ہی اندھی ہوں جتنے تم ہو، کیا بجلی آ گئی ہے، بھینگی آنکھ والے لڑکے نے پوچھا، نہیں، میں تیل کا لیمپ جلانے لگی ہوں وہ کیا ہے لڑکے نے دوبارہ پوچھا میں تمہیں بعد میں دکھاؤں گی، وہ پلاسٹک کے تھیلے میں ماچس کی ڈبیا تلاش کرنے لگی، باورچی خانے میں گئی اُسے پتہ تھا کہ اُس نے تیل کہاں رکھا ہوا ہے اُسے زیادہ کی ضرورت نہیں تھی، بتیاں بنانے کے لیے، اُس نے برتن پونچھنے والے تولئے سے ایک لیر پھاڑی اور اس کمرے میں آئی جہاں لیمپ پڑا تھا، یہ لیمپ جب سے بنا تھا آج پہلی بار کارآمد ہونے والا تھا، شروع میں لگا کہ جیسے کارآمد ہونا اُس کی قسمت میں نہیں، لیکن وہ لیمپ ہوں، کتے ہوں یا انسان، کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ ہم اس دنیا میں کیوں آئے ہیں۔ یکے بعد دیگرے لیمپ کے دہانوں پر روشنی کے تین ننھے ننھے بادام فروزاں ہوئے، وہ کسی کسی وقت ٹمٹماتے ہیں پھر ایسا تاثر دینے لگتے ہیں جیسے شعلوں کے اوپر کا حصہ فضا کے وسط میں گم ہوگیا ہو پھر دوبارہ اپنی جگہ پر آجاتے ہیں جیسے روشنی کے گھنے، ٹھوس، ننھے ننھے سنگریزے بن رہے ہوں۔ ڈاکٹر کی بیوی بولی، اب جب کہ میں دیکھ سکتی ہوں میں صاف کپڑے لینے جاتی ہوں لیکن ہم گندے ہیں

کالے چشمے والی لڑکی نے کہا۔ اُس نے اور پہلے اندھے آدمی کی بیوی دونوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی چھاتیاں اور شرم گاہیں ڈھانپ رکھی تھیں، یہ میری خاطر نہیں ہے ڈاکٹر کی بیوی نے سوچا بلکہ اس لیے کہ اُنہیں لیمپ کی روشنی دیکھ رہی ہے۔ پھر بولی گندے جسم پر صاف کپڑے پہننا، گندے جسم پر گندے کپڑے پہننے سے بہتر ہے۔ اُس نے لیمپ اٹھایا اور ششدر رے کے درازوں اور کپڑوں کی الماری کی طرف چلی گئی، چند منٹوں کے بعد جب واپس آئی تو اُس کے ہاتھوں میں پاجامے، ڈریسنگ گاؤن، سکرٹیں، بلاؤز، سُوٹ، پتلونیں، زیرجامے، غرض ہر وہ چیز تھی جو سات افراد کو نفاست کے ساتھ ملبوس کرنے کے لیے ضروری تھی، یہ سچ ہے کہ سب لوگ ایک ہی سائز کے نہیں تھے لیکن اپنے دُبلے پن کی وجہ سے وہ جُڑواں لوگوں کی طرح دکھائی دیتے تھے۔ ڈاکٹر کی بیوی نے انہیں کپڑے پہننے میں مدد دی، بھینگی آنکھ والے لڑکے کے ہاتھ ڈاکٹر کی پتلون آئی، اُس قسم کی جو لوگ بیچ پر یا دیہات میں پہنتے ہیں اور جو ہم سب کو بچوں میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اب ہم بیٹھنے کے قابل ہوئے ہیں ڈاکٹر کی بیوی نے سُکھ کا سانس لیا، پلیز ہماری مدد کرو ہمیں معلوم نہیں کہ اپنے آپ کہاں بیٹھیں۔

بیٹھک (Sitting Room) ساری بیٹھکوں کی طرح ہے، وسط میں ایک نیچی میز، اردگرد صوفے جن میں سب کی سمائی ہو سکتی ہے، یہاں اس طرف والے صوفے پر ڈاکٹر اُس کی بیوی اور ساتھ سیہ پیوند والا بوڑھا آدمی دوسرے پر پہلا اندھا آدمی اور اُس کی بیوی۔ وہ تھکے ہوئے ہیں۔ لڑکا کالے چشمے والی لڑکی کی گود میں سر رکھ کر اور لیمپ کے بارے میں سب کچھ بھول بھال کر فوراً سو گیا۔ ایک گھنٹہ گزر گیا، مُسرت آسا انتہائی نرم روشنی تلے اُن کے وحشتناک چہرے دُھلے دھلائے لگتے تھے، جو سو نہیں رہے تھے اُن کی آنکھیں چمک رہی تھیں، پہلے اندھے آدمی نے ہاتھ بڑھا کر اپنی بیوی کا ہاتھ دبایا، اس اشارے سے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کیسے استراحت پذیر جسم ذہنی ہم آہنگی میں مدد دے سکتا ہے۔ پھر ڈاکٹر کی بیوی نے کہا تھوڑی دیر کے بعد ہم کچھ کھائیں پیئیں گے، لیکن پہلے ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہم یہاں کیسے رہیں گے، فکر نہ کرو میں ویسی تقریر نہیں کروں گی جیسی ہم وہاں لاؤڈ سپیکر والی تقریر سُنا کرتے تھے یہاں ہر

ایک کے رہنے کے لیے کافی جگہ ہے دو بیڈروم ہیں جنہیں شادی شدہ جوڑے استعمال میں لا سکتے ہیں دوسرے اس کمرے میں سو سکتے ہیں، ہر کوئی اپنے اپنے صوفے پر کل مجھے خوراک کی تلاش میں جانا ہوگا، ہماری رسد ختم ہوتی جا رہی ہے، کسی کا میرے ساتھ آنا خوراک کا سامان اٹھا کر لانے میں میرے لیے مددگار ثابت ہوگا، علاوہ ازیں اس لیے بھی کہ تم گھر واپس آنے کا طریقہ سیکھ لو گلی کوچوں کی نکڑوں کو پہچاننے لگو، ہو سکتا ہے میں کسی دن بیمار پڑ جاؤں یا اندھی ہو جاؤں، میں ہمیشہ اس کی منتظر رہتی ہوں، جس صورت میں مجھے تم سے سیکھنا ہوگا ایک اور بات ہماری جسمانی ضروریات کے لیے بالکونی پر ایک بالٹی رکھی ہے، مجھے معلوم ہے کہ وہاں باہر جانا خوشگوار نہیں ہے، ہم نے جتنی بارشیں دیکھی ہیں اور جتنی سردی دیکھی ہے اُس کے پیش نظر، لیکن وہ اُس گھر سے بہرحال بہتر ہے جس میں سے اٹھنے والا التعفن آسمان کو چُھو رہا ہو، ہمیں یہ بھولنا نہیں چاہیے کہ ایسی ہی تھی ہماری زندگی جب ہم نظربندی میں تھے، ہم ذلت کی سب سیڑھیاں پھلانگ گئے تھے، سب کی سب، جب تک کہ ہم مکمل تنزل تک نہیں پہنچ گئے، ویسی ہی صورت یہاں بھی پیدا ہو سکتی ہے، اگرچہ مختلف انداز میں، وہاں پھر بھی ہمارے پاس بہانہ تھا کہ تذلیل کا کوئی اور ذمے دار تھا، اب نہیں، اب ہم خیر و شر کے معاملے میں برابر کے ذمے دار ہیں، پلیز مجھ سے مت پوچھیں کہ خیر و شر کیا ہیں، کوئی بھی کام کرتے وقت ہم جانتے تھے کہ یہ کیا ہے جب اندھا پن ابھی ایک استثنا تھا، صحیح کیا ہے اور غلط کیا، یہ دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنے تعلقات کو سمجھنے کے محض مختلف طریقے ہیں وہ تعلقات نہیں جو ہم اپنی ذات کے ساتھ رکھتے ہیں موخرالذکر پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے اس پندونصائح کے لیے مجھے معاف فرمائیں، آپ نہیں جانتے، آپ نہیں جان سکتے کہ ایسی دنیا میں جہاں ہر کوئی اندھا ہو، آنکھیں رکھنے کے کیا معنی ہیں، میں کوئی ملکہ نہیں ہوں، نہیں میں محض وہ شخص ہوں جو اس ہولناکی کو دیکھنے کے لیے پیدا ہوئی تھی آپ اسے محسوس کر سکتے ہیں، میں محسوس بھی کرتی ہوں اور دیکھتی بھی ہوں، اتنا بیان ہی کافی ہے، آؤ اب چل کر کھانا کھائیں کسی نے کوئی سوال نہ کیا ڈاکٹر نے بس اتنا کہا اگر کبھی میری بینائی واپس آئی تو میں دوسروں کی آنکھوں کو احتیاط سے دیکھا کروں گا جیسے میں ان کی روحوں کے اندر

جھانک رہا ہوں، اُن کی روحوں کے اندر یا اُن کے ذہنوں میں؟ سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے پوچھا نام سے کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ وہ موقع تھا جب کالے چشمے والی لڑکی نے کہا حیرت انگیز طور پر اگر ہم یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ وہ زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہے، ہمارے اندر ایک ایسی چیز ہے جس کا کوئی نام نہیں اور وہ چیز ہم ہیں۔

ڈاکٹر کی بیوی نے پہلے ہی باقیماندہ کھانے میں سے کچھ چیزیں میز پر رکھ دی تھیں، پھر اُس نے اُن کو اپنی اپنی جگہ پر بیٹھنے میں مدد دی اور کہا آہستہ آہستہ چباؤ، یہ تمہارے پیٹ کو جُل دینے میں مددگار ثابت ہوگا۔غمگسار کتا کھانے کی بھیک مانگنے کے لیے نہیں آیا، وہ بھوکا رہنے کا عادی تھا، مزید برآں، اُس نے ضرور سوچا ہوگا کہ اُس صبح کی ضیافت کے بعد اُسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اُس عورت کے مُنہ سے ایک نوالہ بھی چھینے جو روئی تھی لگتا تھا دوسروں میں اُسے دلچسپی نہیں تھی۔ میز کے وسط میں تین شعلوں والا لیمپ ڈاکٹر کی بیوی کی اُس تشریح کا منتظر تھا جس کا اس نے وعدہ کیا تھا جب وہ کھانا ختم کر چکے تو بالآخر اس کی نوبت آئی، مجھے اپنے ہاتھ دو اس نے بھینگی آنکھ والے لڑکے سے کہا پھر آہستہ آہستہ اُس کی انگلیوں کو لیمپ کے قریب لاتے ہوئے کہنے لگی یہ ہے پیندا جو گول ہے، جیسا کہ تم دیکھ سکتے ہو اور یہ تھم ہے جو اوپر کے حصے کو جس میں تیل کی ڈبیا لگی ہے تھامے ہوئے ہے، یہاں دیکھو کہیں خود کو جلا نہ لینا یہ تین دہانے ہیں ایک، دو، تین یہاں سے وہ بٹی ہوئی بتیاں اوپر آتی ہیں، جو اندر سے تیل کو چوس کر اوپر لاتی ہیں، ان کو جلتی ہوئی دیا سلائی دکھائی جاتی ہے اور یہ جلنے لگتی ہیں اور جلتی رہتی ہیں جب تک تیل ختم نہیں ہوجاتا، ان میں سے مدھم سی روشنی پھوٹتی ہے لیکن ایک دوسرے کو دیکھنے کے لیے کافی ہوتی ہے میں دیکھ نہیں سکتا، ایک دن تم دیکھو گے اور اُس دن میں تمہیں یہ لیمپ تحفے کے طور پر دوں گی۔ اس کا رنگ کیا ہے، تم نے کبھی پیتل کی بنی ہوئی کوئی چیز دیکھی ہے، پتہ نہیں مجھے یاد نہیں پیتل کیسا ہوتا ہے، پیتل پیلے رنگ کا ہوتا ہے، ارے۔ بھینگی آنکھ والا لڑکا کچھ دیر اپنے خیالوں میں کھویا رہا، اب یہ اپنی ماں کے بارے میں پوچھے گا، ڈاکٹر کی بیوی نے سوچا لیکن وہ غلط تھی، لڑکے نے صرف یہ کہا مجھے پانی چاہیے، سخت پیاس لگ رہی ہے، تمہیں کل تک

انتظار کرنا پڑے گا، ہمارے گھر میں پانی نہیں ہے، ایک دم اُسے خیال آیا کہ پانی ہے، کوئی پانچ لیٹر یا اس سے زیادہ انمول پانی بیت الخلاء کے بھرے ہوئے حوض میں، یہ اُس سے بدتر تو نہ ہوگا جو ہم طبی نظربندی کے دوران پیتے رہے تھے۔ اندھیرے میں اندھوں کی طرح راستہ ٹٹولتی، وہ غسل خانے میں گئی، اُس نے حوض کا ڈھکنا اٹھایا، وہ واقعی دیکھ نہیں سکتی تھی کہ وہاں پانی ہے بھی یا نہیں، وہاں پانی تھا اُس کی انگلیوں نے اُسے بتایا، اُس نے گلاس تلاش کیا بڑی احتیاط کے ساتھ گلاس کو اُس میں ڈبویا اور اُسے بھر لیا، تہذیب، کیچڑ کے عتیقی سرچشموں کی طرف لوٹ چکی تھی۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تو ہر کوئی جہاں تھا وہیں بیٹھا رہا۔ لیمپ کی روشنی نے اُن کے چہروں کو اجاگر کر دیا، وہ اُس کی جانب مُڑے، جیسے اُس نے کہا ہو میں واپس آ گئی ہوں جیسا کہ تم دیکھ سکتے ہو، فائدہ اٹھاؤ، یاد رکھو یہ روشنی ہمیشہ نہیں رہے گی۔ ڈاکٹر کی بیوی گلاس کو بھینگی آنکھ والے لڑکے کے ہونٹوں کے قریب لائی اور کہا یہ رہا تمہارا پانی اسے آہستہ آہستہ پیو اور اس کا لطف اٹھاؤ، پانی کا گلاس بھی کیا طُرفہ چیز ہے، وہ اُس سے باتیں نہیں کر رہی تھی، وہ کسی سے بھی باتیں نہیں کر رہی تھی، وہ تو صرف دنیا کو خبر دے رہی تھی کہ پانی کا ایک گلاس بھی کیا طُرفہ چیز ہے۔ یہ تم کہاں سے لائیں، کیا یہ بارش کا پانی ہے خاوند نے پوچھا، نہیں، یہ غسل خانے کے حوض کا ہے۔ کیا ہمارے پاس ایک بڑی بوتل نہیں تھی پانی کی، جب ہم یہ گھر چھوڑ کر گئے تھے، خاوند نے دوبارہ پوچھا، بیوی بولی، بے شک تھی، مجھے اُس کا خیال کیوں نہ آیا ایک آدھی بھری ہوئی بوتل اور دوسری وہ جس کو ابھی ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا، کیسی خوش نصیبی ہے، مت پیو، اور مت پیو، اس نے لڑکے سے کہا، ہم تازہ پانی پئیں گے میں اپنے بہترین گلاس لاکر میز پر رکھتی ہوں اور ہم تازہ پانی پئیں گے۔ اس بار وہ لیمپ اٹھا کر باورچی خانے میں گئی اور وہاں سے بوتل لے کر واپس آئی جس پر پڑتی ہوئی روشنی میں اُس کے اندر کا خزانہ چمک رہا تھا۔ اُس نے بوتل کو میز پر رکھا اور گلاس لینے چلی گئی، اپنے بہترین گلاس، عمدہ ترین شیشے کے، پھر آہستہ سے جیسے کوئی رسم ادا کر رہی ہو، اُن کو بھرا۔ آخر کار بولی آؤ پئیں۔ اندھے ہاتھوں نے ٹٹولا اور انہیں گلاس مل گئے، کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اُن کو اوپر اٹھایا، آؤ پئیں، ڈاکٹر کی بیوی نے

دوبارہ کہا۔ میز کے وسط میں لیمپ ایسے لگ رہا تھا جیسے چمکتے ہوئے ستاروں کے حلقے میں سورج۔ جب انہوں نے گلاسوں کو میز پر واپس رکھا کالے چشمے والی لڑکی اور سیہ پیوند والا بوڑھا آدمی سسکیاں لے لے کے رو رہے تھے۔

یہ ایک پُراضطراب رات تھی، ابتدا میں مُبہم اور غیر واضح، خواب، سونے والے سے سونے والے کی طرف آتے جاتے رہے، کبھی یہاں ٹھہرے کبھی وہاں وہ اپنے ساتھ نئی یادیں لائے، نئے بھید، نئی خواہشیں، اسی لیے سونے والے آہیں بھرتے رہے اور بڑبڑاتے رہے، یہ خواب میرا نہیں ہے، وہ کہتے لیکن خواب جواب دیتا 'تم ابھی اپنے خوابوں کو نہیں جانتے' اس طریقے سے کالے چشمے والی لڑکی کو معلوم ہوا کہ سیہ پیوند والا بوڑھا کون تھا دو قدم پرے سوتے، سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے سوچا کہ وہ جانتا تھا کہ کالے چشمے والی لڑکی کون ہے، اُسے فقط خیال آیا کہ وہ جانتا تھا، یکساں ہونے کے لیے خوابوں کا دوطرفہ ہونا کافی نہیں ہے۔ طلوعِ صبح کے وقت بارش شروع ہوگئی۔ کھڑکیوں کے ساتھ غیض و غضب کے عالم میں ٹکراتی ہوئی ہوا کا شور ہزاروں کوڑوں کے برسنے کی آوازوں جیسا لگتا تھا، ڈاکٹر کی بیوی جاگ اُٹھی اُس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور بڑبڑائی اس بارش کو سُنو اور دوبارہ آنکھیں بند کرلیں، کمرے میں ابھی تک اندھیری رات تھی، اب وہ سوسکتی تھی۔ اُس نے بمشکل ایک منٹ گزارا ہوگا کہ وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی، اس خیال کے ساتھ کہ اُسے تو کچھ کرنا تھا لیکن ابھی تک اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا ہوسکتا ہے، بارش اُسے کہہ رہی تھی، اُٹھ جاؤ، کیا چاہتی تھی بارش آہستہ سے تاکہ اپنے خاوند کی نیند میں خلل نہ ڈالے، وہ بیڈ روم سے نکل آئی بیٹھک میں سے گزری ایک ثانیے کے لیے ٹھٹھکی یقینی بنانے کے لیے کہ وہ سب صوفوں پر سو رہے ہیں، پھر گیلری میں سے گزرنے لگی اور باورچی خانے تک گئی، عمارت کے اس حصے میں ہوا کی دھکیلی ہوئی بارش پوری قوت کے ساتھ برس رہی تھی، دروازے کے بھاپ سے بھرے شیشے کو اُس نے اپنے ڈریسنگ گاؤن کی آستین سے صاف کیا اور باہر دیکھنے لگی۔ پورا آسمان ایک بہت بڑے بادل کی شکل اختیار کرچکا تھا، بارش موسلا دھار برس رہی تھی۔ بالکونی کے فرش پر اُن کے اتارے ہوئے کپڑوں کا ڈھیر پڑا

تھا، دُھلائی کے منتظر جُوتے، پلاسٹک کے ایک تھیلے میں رکھے تھے، دھو ڈالو۔ اچانک نیند کا آخری نقاب بھی تار تار ہوگیا، تو یہ تھا جو اُسے کرنا تھا۔ اُس نے دروازہ کھولا، ایک قدم بڑھایا، آن کی آن میں بارش نے اُسے سر سے پاؤں تک شرابور کردیا، جیسے وہ کسی آبشار کے نیچے کھڑی ہو۔ اُس نے سوچا مجھے اس پانی کا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ وہ واپس باورچی خانے میں گئی اور کم سے کم کھڑاک کرتے ہوئے برتن بھانڈے اکٹھے کرنے لگی پیالے، پتیلیاں، پراتیں، کوئی بھی چیز جس میں وہ کچھ بارش جمع کرسکے، جو آسمان سے چادروں کی طرح گر رہی تھی، ہوا کے ہاتھوں ہراساں شہر کی چھتوں کے اُوپر ایک بہت بڑے اور شور انگیز جھاڑو کی طرح پھرے جارہی تھی۔ وہ برتنوں کو باہر لے گئی اور اُنہیں بالکونی کے جنگلے کے ساتھ ساتھ ترتیب وار رکھ دیا۔ اب گندے کپڑوں اور غلاظت بھرے جوتوں کو دھونے کے لیے پانی ہوگا، اسے بند مت ہونے دو، وہ بُڑبُڑائی، باورچی خانے میں صابن، کپڑے دھونے کا پاؤڈر اور رگڑنے والے برش ڈھونڈھتے ہوئے کوئی بھی چیز جو ہوسکتا ہے کارآمد ہو تھوڑا صاف کرنے کے لیے کم از کم، رُوح کی اس ناقابلِ برداشت نجاست کو۔ جسم کی، اس نے کہا، پھر جیسے اس مابعد الطبیعاتی خیال کی تصیح کرنا چاہتی ہو، ایزاد کیا، سب ایک ہی بات ہے۔ تب جیسے اُس کے فکر و بیان کے درمیان ہم آہنگی کا یہ لازمی نتیجہ ہو، اُس نے جلدی سے اپنا پانی میں شرابور ڈریسنگ گاؤن اُتارا اور اپنے جسم پر کبھی بارش کے پیار بھرے ہاتھ کا اور کبھی برستے ہوئے چابک کا خیر مقدم کرتے ہوئے کپڑوں کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو بھی دھونا شروع کردیا۔ پانی کی آواز نے جو اُسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی اُسے فوراً دیکھنے نہ دیا کہ اب وہ اکیلی نہیں تھی۔ بالکونی کی طرف کھلنے والے دروازے میں کالے چشمے والی لڑکی اور پہلے اندھے آدمی کی بیوی دونوں کھڑی تھیں، ہم نہ یہ بتاسکتے ہیں کہ کون سی پیش بینیوں نے کون سے وجدان نے، کون سی اندرونی آوازوں نے اُنہیں اُٹھا دیا تھا، نہ ہی ہمیں یہ معلوم ہے کہ وہ کس طریقے سے یہاں آئیں، فی الحال ان وضاحتوں کا سراغ لگانے کا کوئی فائدہ نہیں، قیاس آرائیوں کی سب کو آزادی ہے۔ میری مدد کرو، ڈاکٹر کی بیوی نے اُنہیں دیکھ کر کہا، کیسے، ہم تو دیکھ نہیں سکتیں، پہلے اندھے آدمی کی بیوی

نے پوچھا، اپنے کپڑے اُتار دو، بعد میں ہمیں جتنا بھی سُوکھنا سُکھانا پڑے اُتنا ہی بہتر، لیکن ہم دیکھ نہیں سکتیں، پہلے اندھے آدمی کی بیوی نے دُہرایا، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کالے چشمے والی لڑکی بولی، ہم وہی کریں گی جو ہم سے ہوگا، اور جو رہ جائے گا اُسے میں بعد میں ختم کرلوں گی، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، جو گندا رہ جائے گا اُسے میں صاف کرلوں گی، اور اب کام شروع آؤ لگ جائیں، پوری دنیا میں صرف ہم ہی وہ عورت ہیں جس کی دو آنکھیں ہیں اور چھ ہاتھ۔ شاید سامنے والی بلڈنگ میں اُن بند کھڑکیوں کے پیچھے کچھ اندھے لوگ، مرد، عورتیں، بارش کی مسلسل کھنکھناہٹوں کی وجہ سے جاگے ہوئے، اپنے سروں کو کھڑکیوں کے ٹھنڈے شیشوں سے لگائے، اُن پر لگی ہوئی رات کی بے کیفی کو اپنے سانسوں سے ڈھانپے، اُس زمانے کو یاد کررہے ہوں جب اب کی طرح انہوں نے آخری مرتبہ بارش کو آسمان سے گرتے دیکھا تھا۔ اُن کے خواب و خیال میں بھی نہ ہوگا کہ وہاں سامنے تین برہنہ عورتیں بھی ہیں، مادرزاد برہنہ، لگتا ہے کہ وہ پاگل ہیں، وہ یقیناً پاگل ہوں گی، صحیح الدماغ لوگ، کھلی بالکونی پر نہانا دھونا شروع نہیں کردیتے، پڑوسیوں کی نظروں کے سامنے، اس بات سے بھی قطع نظر کرتے ہوئے، اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ ہم سب اندھے ہیں، آدمی کو ایسی چیزیں ہرگز نہیں کرنی چاہئیں، اُف میرے خدا، کیسی موسلادھار بارش برس رہی ہے اُن پر، کیسے قطرہ قطرہ گزر رہی ہے اُن کی چھاتیوں کے بیچ میں سے، کیسے ٹھہر ٹھہر کر غائب ہوتی جاتی ہے اُن کے پیڑو کی تاریکی میں، آخر میں کیسے شرابور کرتی ہے رانوں کو اور اُن پر سے بہتی ہوئی گزرتی ہے، شاید ہم نے انہیں غلط نظروں سے دیکھا ہے، یا ہم شہر کی تاریخ کے اس جلیل وجمیل واقعے کو دیکھنے سے قاصر ہیں، بالکونی کے فرش سے جھاگ کی ایک چادر بہہ رہی ہے، کاش میں بھی جاسکتی اس کے ساتھ گرتی ہوئی، رُکے بغیر، صاف شفاف، پاکیزہ، برہنہ۔ ہمیں صرف خدا دیکھتا ہے پہلے اندھے آدمی کی بیوی نے کہا جو مایوسیوں اور مزاحمتوں کے باوجود اس اعتقاد سے چمٹی ہوئی ہے کہ خدا اندھا نہیں ہے، جس کے جواب میں ڈاکٹر کی بیوی کہتی ہے وہ بھی نہیں، آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں، صرف میں تمہیں دیکھ سکتی ہوں، کیا میں بدصورت ہوں کالے چشمے والی لڑکی نے پوچھا تم دُبلی پتلی ہو اور میلی کچیلی، تم کبھی

بدصورت نہ ہوگی، اور میں؟ پہلے اندھے آدمی کی بیوی نے پوچھا، تم بھی اس کی طرح دُبلی پتلی اور میلی کچیلی ہو لیکن اس جیسی دلکش نہیں لیکن مجھ سے زیادہ دلکش ہو، تم خوبصورت ہو، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا، تمہیں کیسے معلوم تم نے تو مجھے کبھی دیکھا بھی نہیں، میں نے تمہیں خواب میں دیکھا ہے، دوبار، کب، دوسری بار کل رات تم گھر کے بارے میں خواب دیکھ رہی تھیں کیونکہ تمہیں حفاظت اور سکون کا احساس ہوا، جس ابتلا سے ہم گزرے ہیں اُس کے بعد یہ قدرتی بات ہے، تمہارے خواب میں 'گھر' میں تھی اور مجھے دیکھنے کے لیے تمہیں ایک چہرے کی ضرورت تھی، چنانچہ تم نے اُسے ایجاد کرلیا، مجھے بھی تم خوبصورت لگتی ہو، اور میں نے تمہیں کبھی خواب میں نہیں دیکھا، پہلے اندھے آدمی کی بیوی نے کہا، جس سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اندھاپن، بدصورت شخص کی خوش نصیبی ہے، تم بدصورت نہیں ہو، نہیں، درحقیقت میں نہیں ہوں لیکن اس عمر میں، کیا عمر ہے تمہاری، کالے چشمے والی لڑکی نے پوچھا، پچاس کی ہونے والی ہوں، اپنی ماں کی طرح، اور وہ، وہ کیا، کیا وہ اب بھی خوبصورت ہے، کبھی وہ زیادہ خوبصورت تھی، یہی ہوتا ہے ہم سب کے ساتھ، ہم سب کبھی زیادہ خوبصورت تھیں، تم کبھی زیادہ خوبصورت نہ تھیں، پہلے اندھے آدمی کی بیوی نے کہا۔ اسی طرح کے ہوتے ہیں الفاظ، وہ دھوکہ دیتے ہیں، ڈھیروں کی صورت میں جمع ہوتے رہتے ہیں لگتا ہے انہیں معلوم نہیں کہ وہ کدھر جائیں اور اچانک دو یا تین یا چار کی وجہ سے جو دفعتاً باہر آجاتے ہیں اپنی ذات میں سیدھے سچے، کوئی ذاتی اسم ضمیر، کوئی متعلق فعل، کوئی فعل، کوئی اسم صفت اور ہم پُراشتیاق ہوجاتے ہیں اُنہیں زبان اور آنکھوں کے راستے بلا روک ٹوک سطح پر نمودار ہوتے دیکھ کر اور ہمارے احساسات کی دلجمعی کو تہ و بالا کرتے، بعض اوقات اعصاب جو اُنہیں اور زیادہ برداشت نہیں کرسکتے اُن کا زبردست مقابلہ کرتے ہیں، وہ ہر چیز کے آگے سینہ سپر ہوجاتے ہیں جیسے انہوں نے نام نہاد زرہ بکتر پہن رکھی ہو۔ فولادی اعصاب والی ڈاکٹر کی بیوی بھی کسی ذاتی اسم ضمیر، کسی متعلق فعل، کسی فعل، کسی اسم صفت کی وجہ سے آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی ہے جو صرف ونحو کے درجات ہیں محض لیبل بالکل دو عورتوں کی مثال دُوسری غیر متعین اسمائے ضمیر وہ بھی رو رہی ہیں، وہ پورے جملے والی عورت سے چمٹ جاتی

ہیں۔ برستی ہوئی بارش کے نیچے یونانی دیومالا کی تین دیویاں۔ ایسے لمحے ہمیشہ رہنے والے نہیں ہوتے ان عورتوں کو یہاں ایک گھنٹے سے زیادہ ہوگیا ہے اس وقت انہیں سردی محسوس ہونی چاہیے، مجھے سردی لگ رہی ہے کالے چشمے والی لڑکی نے کہا۔ ہم اب ان کپڑوں کا اور کچھ نہیں کرسکتے، جوتے صاف ستھرے ہوچکے ہیں اب ان عورتوں کے اپنے نہانے دھونے کا وقت ہے وہ اپنے بالوں میں پانی ڈالتی ہیں اور ایک دوسری کی کمر پر صابن پھیرتی ہیں، ہنستی ہیں جیسے صرف چھوٹی لڑکیاں ہنستی ہیں باغ میں اندھا بھینسا کھیلتے وقت آنکھوں پر پٹی باندھنے سے پہلے۔ دن چڑھا، سورج کی شعاعوں نے دوبارہ بادلوں کے پیچھے چھپنے سے پہلے دنیا کے کندھوں کے اوپر سے جھانکا۔ بارش برسے جارہی ہے لیکن پہلے والا زورشور نہیں۔ دھوبنیں باورچی خانے میں چلی گئیں، انہوں نے اپنے آپ کو اُن تولیوں سے رگڑ رگڑ کر خشک کیا جو ڈاکٹر کی بیوی غسل خانے کی الماری میں سے نکال کر لائی تھی، اُن کی چمڑیوں سے دُھلائی کے پاؤڈر کی تیز بُو آرہی تھی، لیکن زندگی ہوتی ہی ایسی ہے، اگر آپ کے پاس شکاری کتا نہیں ہے تو بلی ہی سے کام چلائیں صابن آنکھ جھپکنے میں ختم ہوگیا تھا، اگرچہ لگتا ہے کہ اس گھر میں ہر شے موجود ہے یا محض اتنا ہے کہ وہ میسر چیزوں کو بہترین طریقے سے استعمال کرنے کا گر جانتے ہیں، آخرکار انہوں نے اپنے تن ڈھانپ لیے باغِ عدن کہیں اُس طرف رہ گیا تھا، ڈاکٹر کی بیوی کے ڈریسنگ گاؤن سے پانی نچڑ رہا ہے لیکن وہ ایک پھولوں والا لباس پہن لیتی ہے جو اُس نے برسوں سے نہیں پہنا تھا اور اس میں وہ تینوں میں سب سے زیادہ خوبصورت لگتی ہے۔

جب وہ بیٹھک میں داخل ہوئیں تو ڈاکٹر کی بیوی نے دیکھا کہ سیہ پیوند والا بوڑھا آدمی اُسی صوفے پر بیٹھا ہے جس پر وہ سویا تھا۔ اُس نے ہاتھوں سے اپنا سر تھام رکھا تھا انگلیاں سفید بالوں کے کھپریل میں ڈوبی ہوئی، جو اُس کی پیشانی سے گردن کے پچھلے حصے تک اب بھی اُگتے رہتے تھے اور وہ پرسکون تھا نسیں تنی ہوئی جیسے وہ اپنے خیالات کو اپنی گرفت میں رکھنا چاہتا ہو یا اس کے برعکس انہیں بالکل ہی روک دینا چاہتا ہو۔ اُس نے اُنہیں اندر آتے ہوئے سُنا، اُسے معلوم تھا کہ وہ کہاں سے آئی ہیں اور وہ کیا کرتی رہی تھیں کہ وہ ننگی تھیں اور اگر یہ سب اُسے

معلوم تھا تو اس لیے نہیں کہ اچانک اُس کی بینائی لوٹ آئی تھی اور وہ ایک سُوزانا کو چوری چھپے دیکھنے کے لیے رینگ کر اس کے حمام میں گیا تھا، ایک کو نہیں بلکہ تین کو وہ اندھا تھا وہ اندھا ہی رہا وہ صرف باورچی خانے کے دروازے پر پہنچا تھا جہاں سے اُس نے سُنا جو وہ بالکونی پر کھڑی کہہ رہی تھیں قہقہے، بارش کا شور، پانی کی تھرتھراہٹیں اُس نے صابن کی مہک میں سانس لیے پھر وہ واپس اپنے صوفے پر آگیا یہ سوچتا ہوا کہ اس دنیا میں ابھی زندگی موجود ہے یہ پوچھنے کے لیے کہ کیا اس کا کچھ حصہ اُس کے لیے بھی بچا ہے۔ ڈاکٹر کی بیوی بولی، عورتوں نے نہا دھولیا ہے اب مردوں کی باری ہے اور سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے پوچھا کیا بارش ابھی ہورہی ہے ہاں بارش ہورہی ہے اور بالکونی میں رکھے تسلے میں پانی ہے تو پھر میں غسلخانے میں نہانے کو ترجیح دوں گا ٹب میں، اُس نے ٹب کے لفظ کو ایسے ادا کیا جیسے اپنی پیدائش کا سرٹیفکیٹ دکھا رہا ہو جیسے وضاحت کررہا ہو کہ وہ اُس نسل سے تعلق رکھتا ہے جو حمام نہیں بلکہ ٹب کہتے ہیں اور پھر مزید کہا اگر تم بُرا نہ مانو میں یقیناً گھر کو گندا نہیں کرنا چاہتا، میں وعدہ کرتا ہوں کہ فرش پر پانی نہیں گراؤں گا کم از کم میں اپنی پوری کوشش کروں گا، اگر یہ بات ہے تو میں تمہارے لیے غسلخانے میں پانی لے کر آتی ہوں میں تمہاری مدد کروں گا، میں خود کرسکتی ہوں مجھے بھی تو کچھ کرنا چاہیے، میں اپاہج نہیں ہوں تو پھر آؤ۔ بالکونی پر جاکر ڈاکٹر کی بیوی نے پانی سے تقریباً بھرے ہوئے تسلے کو اندر کی طرف کھینچا یہاں سے پکڑو، اُس نے سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی کے ہاتھوں کو تسلے کے قریب لے جاتے ہوئے کہا اب انہوں نے تسلے کو ایک ہی ہلّے میں اٹھا لیا۔ اگر تم میری مدد کو نہ آئے ہوتے تو میں اسے اکیلے نہ اٹھا سکتی، تمہیں معلوم ہے وہ کہاوت، کون سی کہاوت، بوڑھے لوگ زیادہ نہیں کرسکتے لیکن اُن کے کیے ہوئے کو حقارت سے نہیں دیکھنا چاہیے، یہ کہاوت یوں نہیں ہے، اچھا، یہاں بوڑھے لوگ کی بجائے بچّے ہونا چاہیے اور حقارت کی جگہ چشم کم ہونا چاہیے لیکن اگر کہاوتوں کو بامعنی اور مستعمل رہنا ہے تو اُنہیں خود کو زمانے کے مطابق ڈھالنا ہوگا۔ تم ایک فلسفی ہو چہ خوب، درحقیقت میں ایک بوڑھا آدمی ہوں انہوں نے تسلے کو ٹب میں اُلٹایا پھر ڈاکٹر کی بیوی نے ایک دراز کھولا اُسے یاد آیا کہ اُس کے

پاس ابھی صابن کی ایک نئی چکی باقی تھی۔ اُس نے صابن کی چکی کو سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی کے ہاتھ میں تھما دیا، اب تم سے بڑی عمدہ خوشبو آئے گی ہم سے زیادہ بہتر اسے پورے کا پورا استعمال کرو بے فکر ہوکر، ان سُپر مارکیٹوں میں کھانے پینے کی چیزیں تو شاید نہ ہوں لیکن صابن ضرور ہوگا، تمہارا شکریہ، دیکھو کہیں پھسل نہ جانا اگر تم چاہو تو میں تمہاری مدد کے لیے اپنے خاوند کو بلاسکتی ہوں، شکریہ، میں خود ہی نہانا چاہوں گا، جیسی تمہاری مرضی، اور یہاں ٹھہرو مجھے اپنا ہاتھ دو یہ اُسترا ہے اور یہ برش اگر داڑھی مُونڈنا چاہو، شکریہ۔ ڈاکٹر کی بیوی باہر نکل آئی۔ سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے اپنا پاجامہ اُتارا جو کپڑوں کی تقسیم کے وقت اُس کے حصے میں آیا تھا پھر احتیاط کے ساتھ ٹب میں داخل ہوگیا۔ پانی ٹھنڈا تھا اور کم تھا ایک فٹ سے بھی کم یہ بیچارہ گڑھا کتنا مختلف تھا اُن بالٹیوں سے جنھیں آسمان ان عورتوں پر اُنڈیل رہا تھا۔ وہ ٹب کے اندر دو زانو ہوگیا ایک گہرا سانس لیا اور دونوں ہاتھوں کا پیالہ بنا کر اچانک اپنے سینے پر پانی پھینکنے لگا جس سے اُس کا دم نکلنے والا ہوگیا۔ اُس نے تیزی سے اپنے سارے جسم پر پانی ڈالا تاکہ اُس پر کپکپی طاری نہ ہو پھر رفتہ رفتہ باقاعدہ اپنے جسم پر صابن ملنا شروع کردیا اُسے زور زور سے رگڑنے لگا، کندھوں سے شروع ہوکر بازوؤں پر آیا پھر چھاتی اور پیٹ پر، اپنے چڈوں پر، اپنے عضوِ تناسل پر، اپنی ٹانگوں کے درمیان، میں کسی جانور سے بھی بدتر ہوں اُسے خیال آیا پھر دُبلی پتلی رانوں سے نیچے پیروں پر جمے میل کچیل پر۔ اُس نے جھاگ بنایا تاکہ صفائی کے عمل کو وسعت دے سکے بولا مجھے اپنے بالوں کو دھونا ہے اور آنکھ پر لگے پیوند کو اُتارنے کے لیے ہاتھوں کو پیچھے کی طرف لے گیا، تمھیں بھی غُسل کی ضرورت ہے، اُسے ڈھیلا کیا اور پانی میں گرا دیا، اب اُسے گرماہٹ کا احساس ہوا اُس نے اپنے بالوں کو گیلا کیا اور اُن پر صابن رگڑا وہ جھاگ کا آدمی بن گیا سفید، ایک بیکراں سفید اندھے پن کے اندر جہاں اُسے کوئی نہ ڈھونڈھ سکے گا اگر اُس نے یہ سوچا تھا تو وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا تھا اُسی لمحے اُس نے کسی کے ہاتھوں کو اپنی کمر سے مس ہوتے ہوئے محسوس کیا، بازوؤں پر سے اور چھاتی پر سے جھاگ سمیٹتے اور اُسے کمر پر پھیلاتے آہستہ آہستہ جیسے جو وہ کررہے تھے وہ انھیں نظر نہ آرہا ہو انھیں زیادہ

توجہ اپنے کام پر مرکوز رکھنا تھی۔ وہ پوچھنا چاہتا تھا تم کون ہو لیکن اُس سے بولا نہ گیا اب وہ کانپ رہا تھا سردی سے نہیں وہ ہاتھ اسے ملائمت کے ساتھ صاف کرتے رہے، عورت نے نہیں کہا، میں ڈاکٹر کی بیوی ہوں، میں پہلے اندھے آدمی کی بیوی ہوں، میں کالے چشمے والی لڑکی ہوں، ہاتھوں نے اپنا کام ختم کیا پیچھے ہٹے خاموشی میں غسل خانے کے بند ہوتے ہوئے دروازے کا دھیما شور سُنا جاسکتا تھا، سیہ پیوند والا بوڑھا آدمی اکیلا تھا ٹب میں دوزانو جیسے کانپ کانپ کر خدا سے رحم کی التجا کررہا ہو، یہ کون ہوسکتی ہے اُس نے دل میں سوچا اُس کی عقل آرائی نے اُسے بتایا کہ یہ صرف ڈاکٹر کی بیوی ہوسکتی تھی ایک وہی ہے جو دیکھ سکتی ہے، وہی ہے جس نے ہماری حفاظت کی ہے، ہمارا خیال رکھا ہے ہمیں کھلایا پلایا ہے مجھ پر اس کی یہ برموقع توجہ کوئی حیران کن بات نہیں ہونی چاہیے اُسے یہی بتایا اُس کی عقل نے، لیکن وہ عقل پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ وہ کانپتا رہا اُسے معلوم نہ ہوسکا کہ یہ کپکپی اشتیاق کی وجہ سے ہے یا سردی کی وجہ سے۔ اُس نے ٹب کی تہ میں پڑے سیاہ پیوند کو اٹھایا اُسے زور سے رگڑا، نچوڑ کر خشک کیا اور پھر سے لگا لیا اس کے ہونے سے اُس نے اپنے آپ کو کم برہنہ محسوس کیا۔ جب وہ بیٹھک میں داخل ہوا خشک اور مہکتا ہوا، ڈاکٹر کی بیوی بولی اب ہمارے پاس ایک آدمی صاف سُتھرا ہے جس کی داڑھی بھی صاف ہے اور پھر ایک ایسے شخص کی آواز میں جسے ابھی ابھی یاد آیا ہو کہ کوئی چیز جو ہونی چاہیے تھی نہیں ہوئی کتنے افسوس کی بات ہے کہ تمہاری کمر کو صاف کرنے والا کوئی نہ تھا۔ سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے کوئی جواب نہ دیا اُسے فقط اتنا خیال آیا کہ وہ عقل پر یقین نہ رکھنے کے معاملے میں غلط نہیں تھا۔

جو تھوڑا سا کھانا بچا تھا وہ انہوں نے بھینگی آنکھ والے لڑکے کو دے دیا، دوسروں کو تازہ سپلائی کا انتظار کرنا ہوگا۔ نعمت خانے میں چٹنی مربّوں کے کچھ مرتبان رکھے تھے کچھ خشک میوے، چینی، چند بچے کھچے بسکٹ، چند سوکھے ٹوسٹ لیکن وہ ان بچا کر رکھی ہوئی چیزوں اور دوسری اضافہ شدہ چیزوں کو صرف اشد ضرورت کے وقت استعمال کریں گے، روزانہ کی خوراک محنت مشقت سے حاصل کرنا ہوگی اگر بدقسمتی سے اُنہیں کسی مہم سے خالی ہاتھ لوٹنا پڑے، اس دوران

فی کس دو بسکٹ چمچ بھر جام کے ساتھ سٹرابیری اور آڑو کا جام جو بھی تمہیں پسند ہو، اخروٹ کے تین آدھے ٹکڑے پانی کا ایک گلاس، ایک نعمت غیر مترقبہ، جب تک بھی چلے۔ پہلے اندھے آدمی کی بیوی نے کہا کہ وہ بھی خوراک کی تلاش کے لیے ساتھ جانا چاہتی ہے، تین لوگ گم نہیں ہوں گے چاہے اندھے ہی کیوں نہ ہوں دو خوراک کا سامان اٹھا کر لانے میں مددگار ثابت ہوں گے علاوہ ازیں اگر ممکن ہوا تو یہ سوچتے ہوئے کہ وہ زیادہ دور نہیں ہیں، وہ یہ بھی جا کر دیکھنا چاہتی تھی کہ اس کے گھر کی کیا حالت ہے اس پر کوئی قابض تو نہیں اور اگر ہے تو آیا وہ لوگ اُس کے جاننے والے ہیں مثلاً پڑوسی، بلڈنگ میں رہنے والے جن کے افرادِ خانہ میں اضافہ ہوگیا ہے دیہات سے آنے والے رشتے داروں کی وجہ سے جو اندھے پن کی وبا سے بچنے کے خیال سے آگئے ہوں گے جس کا شکار اُن کا گاؤں بھی ہوا ہوگا، شہر میں ہمیشہ بہتر سہولتیں ہوتی ہیں۔ اس لیے وہ تینوں گھر سے نکلے جو خشک کپڑے بھی ملے انہیں پہن کر دوسرے جو دھوئے جا چکے تھے انہیں موسم کے بہتر ہونے کا انتظار کرنا ہوگا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے لیکن بارش کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ پانی کے بہاؤ کے ساتھ خاص طور سے ڈھلوانی سڑکوں پر کوڑا کرکٹ، چھوٹے چھوٹے ڈھیروں کی صورت میں جمع ہوگیا تھا جس کی وجہ سے فرش کے بڑے بڑے ٹکڑے صاف ستھرے لگتے تھے۔ کاش بارش ختم نہ ہوتی اس صورت حال میں تو دھوپ ہمارے لیے عذابِ جان بن جائے گی ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، ہم پہلے ہی کافی غلاظت اور عفونت سے دوچار ہیں ہمیں اس کا احساس اس لیے بھی زیادہ ہوتا ہے کہ ہم نہا دھو کر نکلے ہیں پہلے اندھے آدمی کی بیوی نے کہا اور اُس کے خاوند نے صاد کیا اگرچہ اُسے شک تھا کہ اُسے زکام ٹھنڈے پانی کی وجہ سے ہوا ہے۔ سڑکوں پر اندھے لوگوں کے ہجوم تھے وہ بارش کے تھم جانے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے خوراک کی تلاش میں باہر نکل آئے تھے اور وہیں اور اُسی وقت اپنی حاجتِ رفع کرنے کے لیے جو اُنہیں اب بھی محسوس ہوتی تھی اس کے باوجود کہ انہوں نے بالکل تھوڑا سا کھایا پیا تھا۔ کتے ہر طرف سونگھتے پھر رہے تھے وہ کوڑے کرکٹ میں انٹ سنٹ لکیریں کھینچتے ایک عجیب سا کتا ایک ڈوبے ہوئے چوہے کو منہ میں اٹھائے ہوئے تھا ایک شاذ و نادر واقعہ جس

کی وضاحت حال ہی میں ہونے والی غیر معمولی بارشوں کی رُو سے ہی کی جا سکتی تھی سیلاب نے اُس کو غلط جگہ پر آ پکڑا تھا، اچھا تیراک ہونا اُس کے کسی کام نہ آیا۔ غمگسار کتا اپنے سابقہ ساتھیوں میں شامل نہ ہوا نہ اُن کے غول نہ اُن کے شکار میں، اُس نے اپنا چناؤ کر لیا ہے لیکن اب وہ کسی کے کھلانے پلانے کا انتظار نہیں کرتا وہ پہلے ہی خدا جانے کیا چبا رہا ہے کوڑے کرکٹ کے ان پہاڑوں میں ناقابلِ تصور خزانے پوشیدہ ہیں معاملہ تلاش کرنے کا ہے ٹانگوں سے کریدنے اور پا لینے کا۔ اپنے موقع پر پہلے اندھے آدمی اور اُس کی بیوی کو بھی تلاش کرنا اور اپنے حافظے کو کریدنا ہوگا، اب انہوں نے چاروں گوشے زبانی یاد کر لیے ہیں اُس گھر کے نہیں جس میں وہ رہتے ہیں جس میں اس سے بھی زیادہ ہیں بلکہ اپنی گلی کے چاروں گوشے جو اُن کے لیے چار بنیادی نشانوں کا کام دیں گے اندھے لوگوں کو مشرق مغرب یا شمال جنوب میں دلچسپی نہیں ہوتی وہ بس اتنا چاہتے ہیں کہ اُن کے ٹٹولتے ہوئے ہاتھ انہیں بتائیں کہ وہ صحیح سڑک پر جا رہے ہیں پہلے جب وہ ابھی معدودے چند تھے وہ سفید چھڑیوں کے سہارے چلتے تھے زمین پر ٹک ٹک کی مسلسل آوازیں اور دیواریں ایک قسم کے شناختی الفاظ تھے جو راستے کو شناخت کرنے اور پہچاننے میں اُن کی معاونت کرتے تھے لیکن آج چونکہ ہر شخص اندھا ہے عمومی شور و غل کے درمیان ایک سفید چھڑی زیادہ معاون ثابت نہ ہوگی اس حقیقت سے قطع نظر کہ اپنی ہی سفیدی میں ڈوبا ہوا اندھا آدمی ہو سکتا ہے شک میں پڑ جائے کہ آیا واقعی اُس کے ہاتھ میں کوئی چیز ہے بھی یا نہیں۔ کتوں میں جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں اس چیز کے سوا بھی جسے ہم جبلّت کہتے ہیں اپنی سمت کا تعین کرنے کے دوسرے ذرائع ہوتے ہیں یہ تو یقینی ہے کہ اپنی ضعیف البصری کے سبب وہ اپنی بینائی پر زیادہ بھروسہ نہیں کرتے تاہم چونکہ اُن کی ناک اُن کی آنکھوں سے کہیں زیادہ آگے ہوتی ہے وہ ہمیشہ جہاں چاہتے ہیں پہنچ جاتے ہیں موجودہ صورت میں اپنا شک دُور کرنے کی غرض سے غمگسار کتے نے ہوا کے چاروں کھونٹ اپنی ٹانگیں اُوپر اُٹھائیں کہ اگر وہ ایک دن راستہ بھول گیا تو کیا ہوا اُس کے گھر تک اُس کی رہنمائی کرنے کی ذمے داری اُٹھا لے گی۔ ڈاکٹر کی بیوی چلتے ہوئے سڑکوں کے اوپر نیچے گروسری کی دوکانوں کو تلاش کرتی

رہی جہاں سے وہ اپنے تقریباً خالی نعمت خانے کو بھرنے کے لیے کھانے پینے کی چیزیں جمع کرنا چاہتی تھی۔ لُوٹ ابھی مکمل نہیں تھی کیونکہ پرانی طرز کے گروسری اسٹوروں کے گوداموں میں اب بھی کچھ پھلیاں یا کابلی چنے موجود تھے یہ ایک قسم کی خشک دالیں ہوتی ہیں جنہیں پکانے میں بہت وقت لگتا ہے ایک تو پانی چاہیے دوسرا ایندھن اس لیے ان دنوں ان کی زیادہ قدر نہیں کی جاتی۔ وعظ کے دوران ڈاکٹر کی بیوی کہاوتیں استعمال کرنے کے رجحان کی خاص طور پر دلدادہ نہ تھی تاہم اس قدیم روایت کا کچھ نہ کچھ ضرور اُس کے حافظے میں رہ گیا ہوگا جس کا ثبوت یہ ہے کہ اُس نے اپنے ساتھ لائے ہوئے تھیلوں میں سے دو تھیلوں کو پھلیوں اور کابلی چنوں سے بھر لیا اس وقت غیر ضروری چیزیں بھی رکھ لو بعد میں تمہیں ضروری چیزیں بھی مل جائیں گی، اُس کی کسی نانی دادی نے اُسے بتایا تھا جس پانی میں تم انہیں بھگوؤ گی وہی انہیں پکائے گا بھی اور پکے ہوئے میں سے جو بھی بچے گا وہ پانی نہیں ہوگا بلکہ سوپ بن گیا ہوگا۔ یہ صرف فطرت کی دنیا ہی میں نہیں ہے کہ کبھی کبھی ہر چیز کھو ہی نہیں جاتی کچھ حاصل بھی ہو جاتا ہے۔

وہ کیوں لدے ہوئے تھے پھلیوں، مٹر کے دانوں اور ہر قسم کی الابلا سے بھرے ہوئے تھیلوں سے جب وہ اُس گلی سے اب بھی کچھ فاصلے پر تھے جہاں پہلا اندھا آدمی اور اُس کی بیوی رہتے تھے اس لیے کہ وہیں وہ جا رہے ہیں ایک ایسا سوال ہے جو صرف اُسی شخص کے ذہن میں آ سکتا ہے جس نے اپنی زندگی میں کبھی قلتوں کا سامنا نہ کیا ہو۔ اگر یہ پتھر بھی ہے تو اسے گھر لے جاؤ اُسی نانی دادی نے کہا تھا لیکن وہ یہ اضافہ کرنا بھول گئی چاہے تمہیں پوری دنیا کا چکر بھی کیوں نہ لگانا پڑے یہی تھی وہ مہم جس پر وہ اب روانہ تھے، وہ طویل ترین راستے سے گھر جا رہے تھے۔ کہاں ہیں ہم؟ پہلے اندھے آدمی نے پوچھا وہ ڈاکٹر کی بیوی سے مخاطب تھا اسی کام کے لیے تو تھیں اس کی آنکھیں اور بولا میں یہاں اندھا ہوا تھا اس کونے پر جہاں ٹریفک کی بتیاں لگی ہیں بالکل یہاں اسی کونے پر عین اسی جگہ جو ہوا میں اُسے یاد نہیں کرنا چاہتا کار میں پھنسا ہوا، دیکھنے سے معذور، باہر چلاتے ہوئے لوگ اور میں مایوسی کے عالم میں چیخے چلائے جا رہا ہوں کہ میں اندھا ہو گیا ہوں جب تک کہ وہ آدمی نمودار نہیں ہوا جو مجھے میرے گھر لے گیا

بے چارہ پہلے اندھے آدمی کی بیوی نے کہا اب وہ دوبارہ کبھی کار چوری نہیں کرے گا ہم مرنے کے خیال سے اس قدر خوفزدہ ہیں ڈاکٹر کی بیوی بولی کہ ہم مرنے والوں کے لیے ہمیشہ عذر ڈھونڈھنے کی کوشش کرتے ہیں جیسے ہم خود اپنی باری آنے سے پیشتر ہی عذر خواہی کے طلبگار ہوں یہ سب ابھی تک ایک خواب کی طرح لگتا ہے پہلے اندھے آدمی کی بیوی نے کہا یہ ایسے ہے جیسے میں خواب دیکھ رہی ہوں کہ میں اندھی ہوں جب میں گھر میں تھا اور تمہارا انتظار کر رہا تھا تو میں نے بھی ایسا ہی سوچا تھا اُس کے خاوند نے کہا۔ وہ اُس چوک کو پیچھے چھوڑ آئے تھے جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا، اب وہ بعض تنگ اور بھول بھلیوں ایسی گلیوں کو پھلانگ رہے تھے، ڈاکٹر کی بیوی کو ان جگہوں کے بارے میں زیادہ علم نہ تھا لیکن پہلا اندھا آدمی پریشان نہیں اُسے راستہ آتا ہے، وہ گلیوں کے نام بتاتی ہے اور وہ کہتا ہے بائیں طرف مڑو، دائیں طرف مڑو بالآخر وہ کہتا ہے یہ ہے ہماری گلی بلڈنگ بائیں ہاتھ کی طرف ہے کم و بیش وسط میں کیا نمبر ہے ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا، اُسے نمبر یاد نہیں آتا، تو اب؟ یہ نہیں کہ میں یاد نہیں کر سکتا وہ میرے ذہن ہی سے نکل گیا ہے اس نے کہا یہ اچھا شگون نہیں تھا اگر ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ ہم کہاں رہتے ہیں اگر خواب نے ہمارے حافظے کی جگہ لے لی ہے یہ راستہ ہمیں کہاں لے جائے گا، خیر اس بار تو فکر کی بات نہیں خوش قسمتی یہ ہوئی کہ پہلے اندھے آدمی کی بیوی کو بھی اس سیاحت پر آنے کا خیال سوجھا تھا ہم اُسے پہلے ہی مکان کا نمبر بتاتے ہوئے سُن رہے ہیں اب ڈاکٹر کی بیوی کو پہلے اندھے آدمی کی طرف رجوع نہیں کرنا پڑے گا جو فخر سے یہ بتا رہا ہے کہ وہ دروازے کو چھو کر پہچان سکتا ہے جیسے اُس کے پاس کوئی جادو کی چھڑی ہو وہ ایک بار دھات کو چھوئے گا دوسری بار لکڑی کو اور تین چار بار چھونے کے بعد وہ پورے ڈیزائن تک پہنچ جائے گا مجھے یقین ہے کہ یہ والا ہے، وہ داخل ہوئے پہلے ڈاکٹر کی بیوی، کون سے فلور پر ہے، اُس نے پوچھا، تیسرے فلور پر پہلے اندھے آدمی نے جواب دیا، اُس کا حافظہ اتنا کمزور نہیں تھا جتنا کہ لگتا تھا بعض چیزیں ہم بھول جاتے ہیں دوسری ہمیں یاد رہتی ہیں اسی کا نام ہے زندگی مثلاً یہ بات یاد رہ جانا جب اندھا ہونے کے بعد وہ اس دروازے میں داخل ہوا تھا تم کس فلور پر رہتے ہو اُس آدمی نے

پوچھا تھا جس نے ابھی اُس کی کار چوری نہیں کی تھی تیسرے پر اُس نے جواب دیا تھا فرق یہ ہے کہ اس بار وہ ایلیویٹر سے اوپر نہیں جا رہے وہ غیر مرئی سیڑھیوں میں ہیں جو بیک وقت تاریک بھی ہیں اور روشن بھی کیسے یاد کرتے ہیں وہ لوگ جو اندھے نہیں ہیں بجلی کی روشنی کو یا سورج کی روشنی کو یا ایک موم بتی کی روشنی کو، ڈاکٹر کی بیوی اب نیم تاریکی کی عادی ہو چکی ہے آدھے راستے اوپر وہ اوپر والے فلوروں سے نیچے آنے والی دو اندھی عورتوں سے ٹکراتے ہیں جو نیچے آ رہی ہیں شاید تیسرے فلور سے کسی نے نہیں پوچھا، یہ سچ ہے کہ پڑوسی درحقیقت وہ نہیں ہیں۔

دروازہ بند تھا۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا، یہ مجھ پر چھوڑ دو پہلے اندھے آدمی نے کہا۔ انہوں نے دستک دی ایک بار، دو بار، تین بار۔ اندر کوئی نہیں ابھی کوئی یہ کہہ ہی رہا تھا کہ دروازہ کھلا تاخیر پر حیرت نہیں ہونی چاہیے فلیٹ کے پچھلے حصے سے کوئی اندھا شخص بھاگ کر دروازہ کھولنے کے لیے نہیں آ سکتا۔ کون ہے، تم کیا چاہتے ہو دروازہ کھولنے والے آدمی نے پوچھا اُس کے چہرے پر سنجیدگی کا تاثر تھا آدمی خلیق لگتا تھا یقیناً یہ ایسا شخص ہوگا جس سے ہم بات کر سکتے ہیں پہلے اندھے آدمی نے کہا میں اس فلیٹ میں رہا کرتا تھا ارے دوسرے نے جواب دیا کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے میری بیوی اور ہماری ایک دوست میں کیسے یقین کر سکتا ہوں کہ یہ فلیٹ تمہارا ہی ہے یہ آسان بات ہے پہلے اندھے آدمی کی بیوی بولی میں تمہیں اندر کی ہر چیز بتا سکتی ہوں۔ دوسرے آدمی نے تھوڑا توقف کیا پھر بولا، اندر آ جاؤ۔ ڈاکٹر کی بیوی سب سے آخر میں اندر داخل ہوئی یہاں کسی کو گائیڈ کی ضرورت نہیں تھی۔ اندھا آدمی بولا میں گھر میں اکیلا ہوں دوسرے لوگ خوراک کی تلاش میں گئے ہوئے ہیں شاید مجھے 'عورتیں' کہنا چاہیے تھا لیکن میرے خیال میں یہ مناسب نہ ہوتا اس نے تامل کیا پھر بولا ہو سکتا ہے تم پھر بھی سوچو کہ مجھے معلوم ہونا چاہیے۔ تمہارا کیا مطلب ہے ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا جن عورتوں کا میں نے ذکر کیا تھا اُن میں سے ایک میری بیوی ہے اور دو میری بیٹیاں اور مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ 'عورتیں' کہنا کب مناسب ہوتا ہے۔ میں ایک لکھنے والا ہوں اور ہمارے لیے ایسی

باتوں کا جاننا ضروری ہے۔ پہلا اندھا آدمی خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا تصور کرو میرے فلیٹ میں ایک لکھنے والا رہتا ہے پھر اُس کے اندر کسی شک نے جنم لیا کیا اس کا نام پوچھنا کہیں بدتہذیبی تو نہ ہوگی ہو سکتا ہے اُس نے سُن رکھا ہو اُس کا نام ممکن ہے اُس نے پڑھا بھی ہو وہ ابھی تجسس اور دور اندیشی کے درمیان معلق ہی تھا کہ اُس کی بیوی نے سیدھا پوچھ ہی لیا تمہارا کیا نام ہے اندھے لوگوں کو نام کی ضرورت نہیں ہوتی میں ہوں اپنی آواز باقی کچھ قابلِ اعتنا نہیں لیکن تم نے کتابیں لکھی تھیں اُن پر تمہارا نام ہے ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، اب اُنہیں کوئی نہیں پڑھ سکتا یوں سمجھ لیجیے جیسے اُن کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ پہلے اندھے آدمی کو احساس ہوا کہ گفتگو اُس موضوع سے دُور ہٹتی جا رہی ہے جس میں اُسے سب سے زیادہ دلچسپی تھی اور تم میرے فلیٹ میں کیسے آئے اُس نے پوچھا بہت سے دوسروں کی طرح جو اب وہاں نہیں رہتے جہاں وہ رہا کرتے تھے، میں نے اپنے گھر کو اُن لوگوں کے قبضے میں پایا جو عقل کی بات سننا ہی نہیں چاہتے تھے، یوں کہہ لیجیے کہ ہمیں سیڑھیوں سے نیچے دھکیل دیا گیا کیا تمہارا گھر بہت دُور ہے، نہیں، کیا تم نے اُسے واپس لینے کی کوشش کی، ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا، ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہونا اب لوگوں کے لیے عام بات ہو گئی ہے، میں دو مرتبہ کوشش کر چکا ہوں، اور کیا وہ اب بھی وہیں ہیں، ہاں، اور اب تم کیا کرو گے جب تمہیں پتہ چل گیا ہے کہ یہ ہمارا فلیٹ ہے، پہلا اندھا آدمی جاننا چاہتا تھا، کیا تم بھی ہمیں اُٹھا کر باہر پھینک دو گے جیسے اُنہوں نے تمہارے ساتھ کیا، نہیں، نہ یہ میری عمر ہے اور نہ ہی مجھ میں اتنی طاقت ہے اس کام کے لیے اور اگر میں یہ کروں بھی تو مجھے یقین نہیں کہ مجھ میں ایسے تیز رفتار عمل کی اہلیت ہوگی، ایک لکھنے والا اپنی زندگی میں کسی نہ کسی طور وہ صبر و تحمل حاصل کر لیتا ہے جس کی اُسے ضرورت ہوتی ہے لکھنے کے لیے۔ تم یہ فلیٹ ہمارے ہی پاس رہنے دو گے، اگرچہ، ہاں، اگر ہمیں کوئی دُوسرا حل نہیں ملتا، مجھے تو نظر نہیں آتا کہ کوئی دوسرا حل بھی ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر کی بیوی نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ لکھنے والے کا جواب کیا ہوگا تم اور تمہاری بیوی اس دوست کی طرح جو تمہارے ساتھ ہے ایک فلیٹ میں رہتے ہو، میرا خیال ہے، ہاں، درحقیقت اس کے فلیٹ میں کیا وہ بہت دُور ہے،

دراصل نہیں تب اگر تم مجھے اجازت دو تو میں ایک تجویز پیش کرتا ہوں بولو، ہم جیسے ہیں ویسے ہی رہتے ہیں، اس وقت ہم دونوں کے پاس ایسی جگہ موجود ہے جہاں ہم رہ سکتے ہیں میں برابر نظر رکھوں گا اپنے فلیٹ پر یہ دیکھنے کے لیے کہ وہاں کیا ہوتا ہے اگر ایک دن میں نے اُسے خالی پایا تو میں بلا تاخیر وہاں منتقل ہو جاؤں گا، تم بھی ایسا ہی کرو گے یہاں وقفے وقفے سے باقاعدگی کے ساتھ آتے رہو اور جب اسے خالی پاؤ منتقل ہو جاؤ، میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ مجھے یہ خیال پسند آیا ہے، مجھے بھی یہ توقع نہیں تھی کہ تم اسے پسند کرو گے لیکن مجھے شک ہے کہ تم صرف اُسی متبادل کو ترجیح دو گے جو باقی رہ گیا ہے، وہ کیا ہے اسی فلیٹ کو جو تمہارا ہے دوبارہ حاصل کرلینا لیکن اس صورت میں بالکل اس صورت میں ہمیں اپنی رہائش کے لیے کوئی دوسری جگہ تلاش کرنا ہوگی، نہیں اس کا تو سوچو بھی مت پہلے اندھے آدمی کی بیوی نے قطع کلامی کی ہم اس بات کو یہیں چھوڑتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے، مجھے ایک اور حل سُوجھا ہے، لکھاری نے کہا اور وہ کیا ہوسکتا ہے پہلے اندھے آدمی نے پوچھا، ہم یہاں تمہارے مہمانوں کے طور پر رہیں گے فلیٹ اتنا بڑا ہے کہ ہم سب کے لیے کافی ہوگا نہیں، پہلے اندھے آدمی کی بیوی بولی، ہم پہلے ہی کی طرح رہیں گے، اپنی دوست کے گھر میں، مجھے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ تمہیں اس بات سے اتفاق ہے، اُس نے ڈاکٹر کی بیوی سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا، اور مجھے بھی جواب دینے کی ضرورت نہیں، میں تم سب کا ممنون ہوں، لکھاری نے کہا، میں یہ سارا وقت فلیٹ کی بازیابی کے لیے آنے والے کسی شخص کا انتظار کرتا رہا ہوں، ایک اندھے آدمی کا جو بھی ہے اُسے قبول کرلینا بالکل قدرتی بات ہے، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، اس وبا کے شروع ہونے کے بعد سے اب تک تم کیسے گزارہ کرتے رہے ہو، ہم تین دن قبل ہی نظر بندی سے باہر آئے ہیں، ارے تم طبی نظر بندی میں تھے، ہاں، کیا یہ کٹھن تھا، اُس سے بھی بدتر، کیسی ہولناک بات ہے، تم ایک لکھاری ہو جیسا کہ تم نے تھوڑی دیر پہلے کہا تھا، لفظوں کو جاننا پہچاننا تمہاری ذمے داری ہے اس لیے تم جانتے ہو کہ اسمائے صفت ہمارے کسی کام نہیں آتے، مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو مار ڈالتا ہے تو اس حقیقت کو لگی لپٹی رکھے بغیر بیان کر دینا بہتر ہوگا، سیدھے سبھاؤ

اور اس اعتماد کے ساتھ کہ اس عمل کی ہولناکی از خود اتنی دہشت انگیز ہے کہ ہمیں اس کو ہولناک کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، تمہارا مطلب ہے کہ ہمارے پاس ضرورت سے زیادہ الفاظ ہیں، میرا مطلب ہے ہمارے پاس احساسات بہت کم ہیں، یا، ہمارے پاس ہیں تو لیکن ہم نے اُن الفاظ کو استعمال کرنا چھوڑ دیا ہے جن کے ذریعے وہ اپنا اظہار کرسکتے ہیں چنانچہ ہم اُنہیں ضائع کر دیتے ہیں، میں چاہوں گا کہ تم مجھے بتاؤ کہ تم نے نظر بندی کے دوران کیسے زندگی بسر کی، کیوں، میں ایک لکھاری ہوں، تمہیں وہ شخص ہونا پڑے گا جو وہاں رہا ہو، ایک لکھاری بھی بالکل کسی اور شخص جیسا ہوتا ہے وہ ہر چیز کے بارے میں نہیں جان سکتا نہ ہی وہ ہر چیز کا تجربہ کرسکتا ہے اس لیے پوچھنا اور چشمِ تصور سے دیکھنا ضروری ہوتا ہے، ہوسکتا ہے ایک دن میں تمہیں بتاؤں کہ وہاں کیسا لگتا تھا، پھر تم ایک کتاب لکھ سکتے ہو، ہاں، میں اسے لکھ رہا ہوں، کیسے، جبکہ تم اندھے ہو، اندھا بھی لکھ سکتا ہے، تمہارا مطلب ہے تمہارے پاس اندھوں کے نظامِ تحریر کو سیکھنے کے لیے وقت تھا، مجھے اندھوں کا نظامِ تحریر نہیں آتا، تو پھر تم کیسے لکھ لیتے ہو، پہلے اندھے آدمی کی بیوی نے پوچھا، میں تمہیں دکھاتا ہوں۔ وہ اپنی کرسی سے اُٹھا کمرے سے باہر گیا اور ایک منٹ کے بعد واپس آ گیا اُس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک ورق تھا اور ایک بال پوائنٹ قلم، یہ آخری مکمل صفحہ ہے جو میں نے لکھا ہے ہم اسے دیکھ نہیں سکتے، پہلے اندھے آدمی کی بیوی بولی، نہ ہی میں، لکھاری نے کہا تو پھر تم لکھتے کیسے ہو، ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا کاغذ کے صفحے پر نظریں ڈالتے ہوئے جہاں کمرے کی نیم روشنی میں ایک دوسرے سے جُڑی ہوئی چھوٹی چھوٹی سطریں کہیں کہیں ایک دوسری کے اوپر چڑھی ہوئی دکھائی دیتی تھیں چھو کر، لکھاری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، آسان ہے، آپ کسی ملائم سطح پر ایک کاغذ رکھ دیں مثلاً کاغذوں کے دستے پر بس اس کے بعد لکھنا شروع کر دیں لیکن اگر آپ کوئی چیز دیکھ نہیں سکتے پہلے اندھے آدمی نے پوچھا اندھے لکھاریوں کے لیے بال پوائنٹ قلم ایک نہایت عمدہ اوزار ہے، وہ انہیں اپنے لکھے ہوئے کو پڑھنے کی اجازت تو نہیں دیتا لیکن یہ ضرور بتاتا ہے کہ انہوں نے کہاں لکھا ہے، اُنہیں صرف اپنی انگلیوں سے دیکھنا ہوتا ہے، آخری لکھی ہوئی سطر کی چھاپ کو پھر کاغذ کے کنارے تک جانا

ہوتا ہے، اور دوسری سطر تک کے فاصلے کا حساب لگانا بہت آسان ہے، مجھے لگا کچھ سطریں ایک دوسری کے اوپر چڑھی ہوئی ہیں، ڈاکٹر کی بیوی نے اُس کے ہاتھ سے نرمی کے ساتھ کاغذ لیتے ہوئے کہا، تمھیں کیسے معلوم ہوا، میں دیکھ سکتی ہوں، تم دیکھ سکتی ہو؟ کیا تمھاری بینائی واپس آ گئی ہے، کیسے، کب، لکھاری نے پُراشتیاق ہوکر پوچھا، میرے خیال میں، میں واحد شخص ہوں جس نے اپنی بینائی کو نہیں کھویا اور کیوں، اس کی کیا تاویل ہوسکتی ہے میرے پاس کوئی تاویل نہیں، ہوسکتا ہے کوئی ایک تاویل نہ ہو، اس کا مطلب ہے تم نے وہ سب دیکھا جو ہوا، جو مجھے دیکھنا پڑا وہ میں نے دیکھا، میرے پاس کوئی اور راستہ نہ تھا، کتنے لوگ تھے طبی نظر بندی میں، تقریباً تین سو، کب سے، شروع سے، ہمیں باہر آئے صرف تین دن ہوئے ہیں جیسا کہ میں پہلے بتا چکی ہوں، میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میں پہلا شخص تھا جو اندھا ہوا، پہلے اندھے آدمی نے کہا یہ بہت ہولناک رہا ہوگا، پھر وہی لفظ، ڈاکٹر کی بیوی بولی، مجھے معاف کر دینا، اچانک ہر وہ چیز میں جس کے بارے میں لکھتا رہا ہوں جب سے ہم اندھے ہوئے ہیں میرا خاندان اور میں مجھے مضحکہ خیز لگنے لگی ہے، کس بارے میں، جس ابتلا سے ہم گزرے ہیں اُس کے بارے میں اپنی زندگی کے بارے میں ہر شخص کو بتانا چاہیے جو کچھ بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ وہ نہیں جانتے اُس کے بارے میں پوچھنا چاہیے، اسی لیے میں تم سے پوچھتا ہوں، اور میں جواب دوں گی، یہ تو میں نہیں جانتی کہ کب لیکن کسی دن۔ ڈاکٹر کی بیوی نے کاغذ کے ساتھ لکھاری کے ہاتھ کو رواروی میں ہلکا سا چھوا۔ تمھیں بُرا تو نہیں لگے گا مجھے دکھانا جہاں تم کام کرتے ہو اور جو تم لکھ رہے ہو، بالکل نہیں، میرے ساتھ آؤ، کیا ہم بھی آ سکتے ہیں، پہلے اندھے آدمی کی بیوی نے پوچھا، فلیٹ تمھارا ہے، لکھاری نے کہا، میں صرف اس میں سے گزر رہا ہوں۔ بیڈروم میں ایک چھوٹی سی میز تھی جس پر ایک بجھا ہوا لیمپ رکھا تھا۔ کھڑکی میں سے اندر داخل ہونے والی مدھم سی روشنی میں بائیں طرف چند سادہ کاغذ نظر آ رہے تھے، دوسرے لکھے ہوئے دائیں طرف پڑے تھے اور وسط میں آدھا لکھا ہوا ورق۔ لیمپ کے قریب دو نئے بال پوائنٹ قلم رکھے تھے۔ تو یہ ہے وہ سب، لکھاری نے کہا۔ ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا، کیا میں، اور جواب کا انتظار کیے بغیر لکھے ہوئے

اوراق اُٹھا لیے، یقیناً بیس کے قریب ہوں گے، اُس نے ننھے ننھے لفظوں پر نظریں دوڑائیں، اُوپر نیچے جاتی ہوئی سطروں پر، صفحے کی سفیدی کے اوپر اندھے پن کی حالت میں کندہ کیے ہوئے الفاظ پر، میں صرف اس میں سے گزر رہا ہوں، لکھاری نے کہا تھا اور یہ وہ نشان تھے جو وہ گزرتے ہوئے چھوڑ گیا تھا۔ ڈاکٹر کی بیوی نے اُس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا، اور اُس نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھا کر اُسے پکڑ لیا اور پھر آہستہ سے اُوپر اُٹھا کر اپنے ہونٹوں تک لے گیا، اپنے آپ کو ضائع مت کرو، اپنے آپ کو ضائع مت ہونے دو، اس نے کہا، اور یہ غیر متوقع اور معمائی الفاظ تھے جن کے لیے یہ موقع مناسب نہیں تھا۔

اور جب وہ تین دن کے لیے کافی خوراک سے بھرے ہوئے تھیلے اٹھائے گھر واپس آئے تو ڈاکٹر کی بیوی نے پہلے اندھے آدمی اور اُس کی بیوی کی پُرجوش قطع کلامیوں کے باوجود سارا احوال واقعی بیان کیا، اور اُس رات جیسا کہ مناسب تھا، وہ جا کر اپنی سٹڈی سے ایک کتاب اُٹھا لائی اور اُس میں سے چند صفحات پڑھ کر سنائے۔ بھینگی آنکھ والے لڑکے کو کہانی میں کوئی دلچسپی نہ تھی، اور وہ تھوڑی دیر کے بعد سر کو کالے چشمے والی لڑکی کی گود میں اور پاؤں سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی کی ٹانگوں پر رکھ کر سو گیا۔

۱۶

دو دن بعد ڈاکٹر نے کہا میں جاننا چاہتا ہوں کہ میرے کلنک پر کیا گزری، اس مرحلے پر ہم کسی کے لیے کارآمد تو نہیں ہو سکتے نہ کلنک، نہ ہی میں، لیکن شاید ایک دن لوگوں کی بینائی لوٹ آئے گی، آلات اب بھی وہاں انتظار کر رہے ہوں گے، تم جب بھی چاہو ہم جا سکتے ہیں، اُس کی بیوی نے کہا، اسی وقت اور ہم اس سیر کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے میرے گھر کے قریب سے بھی گزرتے چلیں اگر تمہیں ناگوار نہ ہو، کالے چشمے والی لڑکی بولی، یہ نہیں کہ مجھے یقین ہے میرے ماں باپ واپس آ گئے ہیں، صرف اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے، ہم تمہارے گھر بھی جا سکتے ہیں، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا۔ گھروں کے اس معائنے پر اور کوئی نہیں جانا چاہتا تھا، پہلا اندھا آدمی اور اُس کی بیوی تو نہیں کیونکہ اُنہیں پہلے ہی معلوم تھا کہ وہ کیا توقع کر سکتے ہیں، سیہ پیوند والا بوڑھا آدمی بھی جانتا تھا لیکن اُس کی اپنی وجوہ تھیں، بھینگی آنکھ والا لڑکا اس لیے نہیں کہ اُسے اُس گلی کا نمبر ہی یاد نہ آتا تھا جہاں وہ رہا کرتا تھا۔ موسم میں چمک دمک تھی، لگتا تھا کہ بارش تھم چکی ہے اور دھوپ اگرچہ اتنی شدید نہ تھی، اُن کے جسموں کو اب بھی محسوس ہوتی تھی، میں نہیں جانتا کہ اگر تپش میں اور اضافہ ہوا تو ہم کیسے جیتے رہیں گے، ڈاکٹر نے کہا، یہ تمام کوڑا کرکٹ جو سارے میں گل سڑ رہا ہے، مُردہ جانور، شاید لوگ بھی، گھروں کے اندر بھی ضرور مرے ہوئے لوگ ہوں گے، بدترین بات یہ ہے کہ ہم میں کوئی نظم و ضبط نہیں ہے ہر بلڈنگ میں

ایک منظم جماعت ہونی چاہیے ہر گلی میں، ہر محلے میں ایک حکومت، اُس کی بیوی نے کہا، ایک تنظیم، انسانی جسم بھی ایک باقاعدہ نظام ہے، جب تک یہ منظم رہتا ہے زندہ رہتا ہے، موت صرف بدنظمی کا نتیجہ ہے، اور اپنی بقا کے لیے، اندھے لوگوں کا معاشرہ کیسے اپنے اندر نظم و ضبط پیدا کر سکتا ہے، خود کو منظم کر کے خود کو منظم کرنا ایک طریقے سے آنکھیں رکھنے کی ابتدا ہے، شاید تمہارا کہنا ٹھیک ہو لیکن اس اندھے پن کے تجربے نے تو ہمیں موت اور فلاکت ہی دی ہے میری آنکھیں بالکل تمہارے کلنک کی طرح کسی کام نہ آئیں، تمہاری آنکھوں کی بدولت ہم اب تک زندہ ہیں، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا، اگر میں تمہاری طرح اندھی ہوتی، تو بھی ہم زندہ ہوتے، دنیا اندھے لوگوں سے بھری پڑی ہے، میرا خیال ہے ہم سب مر جائیں گے صرف وقت کی بات ہے، موت ہمیشہ ہی وقت کی بات رہی ہے، ڈاکٹر بولا، لیکن محض اس لیے مرنا کہ آپ اندھے ہیں مرنے کا بدترین طریقہ ہے، ہم بیماریوں سے مرتے ہیں، حادثات سے، اتفاقیہ واقعات سے، اور اب ہم اندھے پن سے بھی مریں گے، میرا مطلب ہے ہم اندھے پن اور سرطان سے مریں گے، اندھے پن اور تپ دق سے، اندھے پن اور ایڈز سے، اندھے پن اور دل کے دورے سے، ہو سکتا ہے ہر شخص کی بیماری مختلف ہو لیکن، ہم جس بیماری سے اب مر رہے ہیں اس کا نام ہے اندھا پن، ہم لافانی نہیں ہیں، ہم موت سے بچ نہیں سکتے لیکن کم از کم ہمیں اندھا نہیں ہونا چاہیے، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، کیسے؟ اگر یہ بیماری مادی طور پر موجود ہے اور حقیقی ڈاکٹر بولا میں یقین سے نہیں کہہ سکتی بیوی نے کہا، نہ ہی میں، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا۔

اُنہیں دروازہ کھولنے کے لیے زور نہیں لگانا پڑا، وہ معمول کے مطابق کھل گیا، چابی ڈاکٹر کی چابیوں والے چھلّے میں تھی جو طبی نظر بندی کے لیے لے جائے جانے کے وقت گھر ہی میں رہ گیا تھا۔ یہ مریضوں کے بیٹھنے کا کمرہ ہے، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا وہ کمرہ میں جس میں بیٹھی تھی کالے چشمے والی لڑکی نے کہا، خواب جاری ہے لیکن مجھے معلوم نہیں کہ یہ کون سا خواب ہے، آیا یہ خواب دیکھنے کا خواب ہے جس کا تجربہ مجھے اُس دن ہوا جب میں نے خواب دیکھا کہ میں اندھی ہو رہی ہوں یا کلنک میں ہنوز خواب دیکھتے ہوئے آنے کا، آنکھوں کی سوزش کے علاج کی

خاطر جس میں اندھا ہو جانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا، طلسمی نظر بندی کوئی خواب نہیں تھی، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، یقیناً نہیں، نہ ہی یہ خواب تھا کہ ہمارے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا، نہ ہی یہ کہ میں نے ایک آدمی کو قتل کیا، مجھے میرے دفتر میں لے چلو میں وہاں خود بھی جا سکتا ہوں لیکن تم مجھے لے چلو ڈاکٹر نے کہا۔ دروازہ کھلا تھا۔ ڈاکٹر کی بیوی بولی یہ جگہ تہہ و بالا ہو چکی ہے کاغذات فرش پر پڑے ہیں، فائلوں والی الماری کے دراز نکال کر لے جائے جا چکے ہیں یقیناً یہ وزارت صحت کے لوگ ہوں گے، ڈھونڈھنے پر وقت ضائع نہ کرنے کی خاطر غالباً اور آلات؟ پہلی نظر میں تو یہ ٹھیک ٹھاک حالت میں لگتے ہیں، یہ کم از کم اچھی بات ہے ڈاکٹر نے کہا، وہ اکیلا آگے بڑھا ہاتھوں کو آگے کی طرف پھیلائے، اُس نے اُس بکسے کو چھوا جس میں عینکوں کے شیشے رکھے تھے، آنکھوں کا معائنہ کرنے کے آلے کو، ڈیسک کو، پھر کالے چشمے والی لڑکی سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا مجھے معلوم ہے تم کیا کہنے کی کوشش کر رہی ہو جب تم یہ کہتی ہو کہ تم ایک خواب جی رہی ہو۔ وہ ڈیسک پر بیٹھ گیا اُس کی بالائی سطح پر ہاتھ رکھا پھر ایک اداس طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ جیسے اپنے مقابل بیٹھے کسی شخص سے ہمکلام ہو بولا، میرے پیارے ڈاکٹر مجھے افسوس ہے کہ تمہارے آزار کا کوئی چارہ نہیں اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں کوئی حتمی مشورہ دوں تو وہ یہ ہے کہ پرانی کہاوت کو سینے سے لگائے رکھو سچ کہا تھا کسی نے کہ صبر آنکھوں کے لیے اچھا ہے۔ ہمیں اور دُکھ میں مبتلا نہ کرو، عورت نے کہا، مجھے معاف کر دو تم دونوں، ہم اس جگہ ہیں جہاں معجزے برپا ہوا کرتے تھے، اب میرے پاس اپنی طلسمی قوت کی کوئی شہادت تک نہیں ہے وہ سب اپنے ساتھ لے گئے ہم صرف ایک ہی معجزہ برپا کر سکتے ہیں کہ جیے جائیں عورت نے کہا، روزانہ، سلامت رکھنے کے لیے زندگی کے نازک پن کو، جیسے وہ اندھی ہو، اور نہ جانتی ہو کہ کدھر جائے اور شاید ایسا ہی ہے، وہ واقعی نہیں جانتی اُس نے خود کو ہمارے سپرد کر دیا ہمیں فہم و فراست عطا کرنے کے بعد اور ہم نے یہ بنایا ہے اُس فہم و فراست سے، تم ایسے باتیں کر رہی ہو جیسے تم بھی اندھی ہو، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا، ایک طرح سے میں ہوں، میں تمہارے اندھے پن سے اندھی ہوں شاید میں بھی بہتر طور پر دیکھ سکتی اگر ہم میں زیادہ ایسے ہوتے جو

دیکھ سکتے، مجھے دُکھ ہے کہ تم ایک ایسے گواہ کی طرح ہو جو ایک عدالت کی تلاش میں ہے جہاں اُسے خدا جانے کس نے طلب کیا ہے، بیان دینے کے لیے، خدا جانے کس چیز کے بارے میں، ڈاکٹر نے کہا، زمانہ اپنے انجام کے قریب ہے عفونت پھیل رہی ہے، بیماریوں کو دروازے کھلے ملتے ہیں، پانی ختم ہو رہا ہے خوراک زہر بن گئی ہے یہ ہوگا میرا پہلا بیان، ڈاکٹر کی بیوی بولی، اور دُوسرا؟ کالے چشمے والی لڑکی نے پوچھا، آیئے ہم اپنی آنکھیں کھولیں، ہم کھول نہیں سکتے ہم اندھے ہیں، ڈاکٹر نے کہا، عظیم سچائی کہتی ہے کہ بدترین اندھا شخص وہ تھا جو دیکھنا نہیں چاہتا تھا لیکن میں دیکھنا چاہتی ہوں، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا، تم کسی اور وجہ سے دیکھنا چاہو گی، فرق صرف اتنا ہوگا کہ تم وہ بدترین اندھا شخص نہیں رہو گی اور اب آؤ چلیں یہاں دیکھنے کے لیے اور کچھ نہیں ہے، ڈاکٹر نے کہا۔

کالے چشمے والی لڑکی کے گھر کی طرف جاتے ہوئے وہ ایک بہت بڑے چوک میں سے گزرے، جہاں اندھے لوگ، گروپوں کی صورت، مزے سے، دوسرے اندھے لوگوں کی تقریریں سُن رہے تھے، پہلی نظر میں بولنے والے اور سننے والے دونوں اندھے دکھائی نہیں دے رہے تھے، مقررین نے اپنے سروں کو جوش و خروش میں سامعین کی طرف موڑ رکھا تھا اور سامعین نے پوری توجہ کے ساتھ مقررین کی طرف۔ وہ دنیا کے خاتمے کا اعلان کر رہے تھے، توبہ استغفار کے ذریعے نجات، رُویائے سبت، ظہورِ ملائکہ، کائناتی تصادم، سُورج کی موت، قبائلی جذبہ، عرقِ مردُم گیا، شیر کا مرہم، بُرجِ سعادت، ہوا کا نظم و ضبط، عطرِ مہتاب، بریتِ ظلمت، جھاڑ پھونک کی طاقت، ایڑی کا نشان، گلابی صلیب، پاکیزگی زلال، کالی بلّی کا خون، سائے کی نیند، سمندروں کی بغاوت، آدم خوری کی منطق، بے اذّیت آختہ، الوہی نوبتیں، رضا کارانہ اندھاپن، کجدار خیالات، یا خمدار یا افقی یا عمودی یا ڈھلوانی یا مرتکز یا منتشر یا تیز رد، گلے کی تانتوں کا کمزور پڑ جانا، لفظ کی موت، تنظیم کی یہاں کوئی بات نہیں کر رہا، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، شاید تنظیم کی بات کسی دوسرے چوک میں ہو رہی ہوگی، اُس کے خاوند نے جواب دیا وہ اپنی راہ چلتے رہے۔ تھوڑا آگے جا کر ڈاکٹر کی بیوی بولی سڑک پر معمول سے زیادہ لاشیں پڑی ہیں، ہم اور

مزاحمت نہیں کر سکتے، وقت ختم ہوتا جا رہا ہے، بیماری میں اضافہ ہو رہا ہے، خوراک زہر بنتی جا رہی ہے، یہ سب تم پہلے بھی کہہ چکی ہو، ڈاکٹر نے اُسے یاد دلایا، کیا معلوم ان مرنے والوں میں میرے ماں باپ بھی ہوں، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا اور میں یہاں قریب سے گزر رہی ہوں انہیں دیکھے بغیر، مُردوں کو دیکھے بغیر گزرنا ایک رسم قدیم ہے ڈاکٹر کی بیوی نے کہا۔

وہ گلی جس میں کالے چشمے والی لڑکی رہتی تھی معمول سے زیادہ ویران لگتی تھی۔ بلڈنگ کے دروازے پر ایک عورت کی لاش پڑی تھی آدھی کھائی ہوئی آوارہ جانوروں کی، خوش قسمتی سے غمگسار کتا آج ساتھ نہیں آنا چاہتا تھا، اسے اس لاش میں دانت گڑونے سے باز رکھنا ضروری ہوجاتا۔ یہ پہلے فلور والی پڑوسن ہے، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، کون، کہاں، اُس کے خاوند نے پوچھا، یہیں، اسی جگہ، پہلے فلور والی پڑوسن، اُس کی بُو سے اندازہ کیا جاسکتا ہے، بیچاری عورت، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا، اُسے کیوں جانا پڑا باہر گلی میں وہ کبھی باہر نہیں آتی تھی شاید اُسے محسوس ہوا ہوگا کہ اُس کی موت قریب ہے، شاید اُسے فلیٹ میں اکیلے گلنے سڑنے کا خیال ناقابلِ برداشت لگا ہو، ڈاکٹر نے کہا اور اب ہم اندر نہیں جاسکتے، میرے پاس چابیاں نہیں ہیں ہوسکتا ہے تمہارے ماں باپ واپس آگئے ہوں اور اندر تمہارا انتظار کر رہے ہوں، ڈاکٹر نے کہا، مجھے اس کا یقین نہیں، تم یقین نہ کرنے میں حق بجانب ہو، ڈاکٹر کی بیوی بولی وہ رہیں چابیاں۔ مُردہ عورت کے زمین پر ٹکے ادھ کھلے ہاتھ کی ہتھیلی میں چابیوں کا گچھا تھا، چمکتا ہوا، لشکارے مارتا ہوا۔ ہوسکتا ہے یہ اُس کی چابیاں ہوں کالے چشمے والی لڑکی نے کہا، میرا خیال نہیں، جہاں وہ مرنے کا سوچ رہی تھی وہاں اپنی چابیاں لے کر آنے کی اُس کے پاس کوئی وجہ نہیں تھی لیکن اندھی ہونے کی وجہ سے میں تو انہیں دیکھ نہیں سکتی اگر وہ اُنہیں اس خیال سے نیچے لے کر آئی ہوگی کہ میں فلیٹ میں داخل ہوسکوں، ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا سوچ رہی تھی جب اُس نے چابیاں لینے کا فیصلہ کیا تھا، ہوسکتا ہے اُس نے سوچا ہو کہ تمہاری بینائی لوٹ آئے گی، شاید اُسے ہماری کسی بات پر خلافِ فطرت ہونے کا شبہ ہوا تھا، جس طریقے سے ہم ادھر ادھر چل پھر رہے تھے اتنی آسانی کے ساتھ جب ہم وہاں تھے شاید اُس نے مجھے کہتے ہوئے سُن لیا تھا کہ سیڑھیوں

میں اس قدر اندھیرا ہے کہ میں بمشکل دیکھ سکتی ہوں، شاید ان میں سے کوئی بات بھی نہ ہو، محض ہذیان، دیوانگی، جیسے ذہن ماؤف ہوجانے کی وجہ سے اس کے سر میں تمہیں چابیاں واپس دینے کا سودا سمایا ہو، ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ جب اس نے دروازے سے باہر قدم نکالا اُس کی زندگی ختم ہوگئی۔ ڈاکٹر کی بیوی نے چابیاں اُٹھائیں اور انہیں کالے چشمے والی لڑکی کے ہاتھ میں تھما دیا پھر پوچھا، اور اب ہمیں کیا کرنا چاہیے، کیا اُسے یہیں چھوڑ جائیں، ہم اُسے گلی میں دفن نہیں کرسکتے ہمارے پاس پتھر اُکھاڑنے والے اوزار نہیں ہیں، ڈاکٹر نے کہا۔ پچھواڑے میں باغ ہے، اس صورت میں ہمیں اسے اُٹھا کر لے جانا ہوگا دوسرے فلور پر اور پھر ہنگامی سیڑھیوں سے نیچے، صرف یہی ایک طریقہ ہے کیا ہمارے اندر اتنی طاقت ہے اس کام کے لیے، کالے چشمے والی لڑکی نے پوچھا، سوال یہ نہیں ہے کہ ہمارے اندر اتنی طاقت ہے یا نہیں سوال یہ ہے کہ کیا ہم اپنے آپ کو اس بات کی اجازت دے سکتے ہیں کہ اس عورت کو یہیں چھوڑ جائیں، یقیناً نہیں، ڈاکٹر نے کہا، تو پھر طاقت پیدا کرنا ہوگی۔ جو انہوں نے کسی نہ کسی طور کرلی لیکن لاش کو گھسیٹ کر سیڑھیوں سے اوپر لے جانا کٹھن کام تھا، اُس کے بوجھ کی وجہ سے نہیں جو کافی ہلکا تھا اور کم بھی کیونکہ اس میں سے بلیاں کتے بھی کھا چکے تھے بلکہ اس لیے کہ لاش اکڑ چکی تھی، سخت ہوچکی تھی اُنہیں تنگ سیڑھیوں کے موڑ کاٹنے میں دشواری پیش آ رہی تھی مختصر سی چڑھائی میں انہیں چار مرتبہ دم لینے کے لیے رکنا پڑا۔ شور، آوازیں، سڑاند کی بو کوئی چیز بھی بلڈنگ کے دوسرے مکینوں کو چبوتروں پر نہ لائی جیسا کہ میرا خیال تھا میرے باپ یہاں نہیں ہیں، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا۔ بالآخر جب وہ دروازے پر پہنچے تو تھک چکے تھے اور ابھی اُنہیں گزر کر بلڈنگ کی پچھلی طرف جانا تھا اور پھر ہنگامی سیڑھیوں سے نیچے لیکن وہاں اولیا کی مدد اُن کے شاملِ حال رہی بوجھ کافی ہلکا ہے موڑ کاٹنا آسان اس لیے کہ سیڑھیاں کھلے میں تھیں صرف اتنی احتیاط کی ضرورت تھی کہ بے چاری عورت کا جسم کسی کے ہاتھوں سے پھسلنے نہ پائے، اگر وہ گر پڑی تو پھر سمیٹنے کے قابل نہ رہے گی بعد الموت اذیت کا تو ذکر ہی کیا جو اور بھی بُری ہے۔

باغ ایک کنوارے جنگل کی طرح تھا، حالیہ بارشوں کی وجہ سے گھاس اور سرکنڈے

فراوانی سے اُگے ہوئے تھے خرگوشوں کے لیے خوراک کی کوئی کمی نہ ہوگی وہ ہر طرف اچھلتے پھر رہے تھے اور مرغیاں مُرغ تو مشکل وقتوں میں بھی کسی نہ کسی طرح گزارہ کرلیتے ہیں۔ وہ زمین پر بیٹھے تھے سانس پھولے ہوئے، اس مشقت نے اُنہیں تھکا کر چور کردیا تھا، قریب ہی رکھی لاش بھی اُن کی طرح آرام کررہی تھی، ڈاکٹر کی بیوی کی نگرانی میں جس نے مرغیوں اور خرگوشوں کو دُور بھگا دیا تھا، خرگوشوں کو صرف تجسس تھا اُن کے نتھنے پھڑک رہے تھے، مُرغوں کی چونچیں سنگینوں کی طرح کسی بھی چیز کے لیے تیار۔ ڈاکٹر کی بیوی نے کہا کہ جانے سے پہلے اُسے خرگوشوں کے ڈربے کا دروازہ کھلا رکھنا یاد رہا تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ خرگوش بھوکے مریں، دوسرے لوگوں کے ساتھ رہنا مشکل نہیں ہوتا اُنہیں سمجھنا مشکل ہوتا ہے ڈاکٹر نے کہا۔ کالے چشمے والی لڑکی نے گھاس کے ایک گچھے کو توڑا اور اپنے گندے ہاتھوں کو صاف کیا، اُس نے غلطی سے لاش کو وہاں سے پکڑا تھا جہاں اُسے نہیں پکڑنا چاہیے تھا، جب آپ اندھے ہوں تو یہی ہوتا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا جس کی ہمیں ضرورت ہے وہ ہے بیلچہ یا کھرپا یہاں آدمی دیکھ سکتا ہے کہ حقیقی ابدی مراجعت الفاظ کی ہے جواب مراجعت کررہے ہیں، ایک ہی وجہ سے بولے گئے ہیں پہلے اُس آدمی کے لیے جس نے کار چوری کی تھی اب اس عورت کے لیے جس نے چابیاں واپس کی تھیں ایک بار دفن ہوجانے کے بعد کسی کو فرق معلوم نہ ہوگا جب تک کہ کوئی اُنہیں یاد نہیں کرتا۔ ڈاکٹر کی بیوی کالے چشمے والی لڑکی کے فلیٹ میں کسی صاف چادر کی تلاش کے لیے گئی تھی، اُسے کوئی سب سے کم گندی چادر چاہیے تھی جب وہ نیچے آئی تو لاش پر مُرغیاں آچکی تھیں، خرگوش صرف تازہ گھاس چبا رہے تھے، لاش کو ڈھانپنے اور لپیٹنے کے بعد وہ کوئی بیلچہ یا کھرپا ڈھونڈھنے کے لیے چلی گئی۔ اُسے باغ کے شیڈ میں دونوں چیزیں مل گئیں جو دوسرے اوزاروں کے ساتھ رکھی تھیں۔ میں اس کام سے نپٹ سکتی ہوں، وہ بولی، زمین گیلی تھی کھودنا آسان ہوگا تم آرام کرو۔ اُس نے ایسی جگہ چُنی جہاں اس قسم کی جڑیں نہیں تھیں جنھیں کلہاڑی سے کاٹنا پڑتا اور مت سوچیں کہ یہ کوئی آسان کام ہے، جڑوں کے اپنے ننھے مُنے طریقے ہوتے ہیں وہ جانتی ہیں کہ کلہاڑی کی ضرب سے بچنے اور جلاّد کی مشین کے اثر کو کم کرنے کے لیے نرم مٹی سے کیسے

فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ نہ تو ڈاکٹر کی بیوی نے نہ ہی اُس کے خاوند نے اور نہ ہی کالے چشمے والی لڑکی نے اردگرد کی بالکنیوں پر اندھے لوگوں کی موجودگی کو محسوس کیا۔ ڈاکٹر کی بیوی نے اس لیے کہ وہ کھدائی کررہی تھی اور دوسرے دونوں نے اپنے اندھے پن کی وجہ سے، وہ نہ زیادہ تعداد میں تھے اور نہ ساری کی ساری بالکنیوں پر اُنہیں کھدائی سے پیدا ہونے والا شور کھینچ لایا ہوگا، نرم مٹی سے بھی شور اٹھتا ہے ہمیشہ کہیں نہ کہیں کوئی پتھر پوشیدہ ہوتا ہے جو ضرب کھانے پر بآواز بلند اپنا ردِعمل ظاہر کرتا ہے۔ وہاں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی جو بھوتوں کی طرح حرکت کرتے لگتے تھے، وہ رُوحیں بھی ہوسکتی تھیں جو تدفین کے وقت موجود رہنا چاہتی تھیں محض یہ یاد کرنے کے لیے کہ جب اُن کو دفن کیا گیا تھا تو اُس وقت کیسا لگتا تھا۔ آخرکار قبر کی کھدائی ختم کرنے کے بعد ڈاکٹر کی بیوی نے اُنہیں دیکھا اُس نے اپنی دُکھتی ہوئی کمر کو سیدھا کیا اور اپنا بازو پیشانی تک لے جاکر پسینہ پونچھا۔ پھر اپنی رو میں بہا لے جانے والی ایک ناقابلِ مزاحمت اُمنگ کے زیرِ اثر سوچے بغیر اُس نے اُن اندھے لوگوں کو اور اس دنیا کے تمام اندھوں کو پُکار کر کہا، یہ دوبارہ اُٹھے گی غور کریں اُس نے یہ نہیں کہا کہ یہ دوبارہ زندہ ہوگی مسئلہ کوئی اتنا اہم نہیں تھا اگرچہ لغت موجود ہے اس بات کی تصدیق کے لیے اطمینان دلانے اور سمجھانے کے لیے کہ ہمارا سروکار مکمل اور مطلق مرادفات سے ہے۔ اندھے لوگ خوفزدہ ہوکر واپس اپنے فلیٹوں میں چلے گئے ان کی سمجھ میں نہ آسکا کہ آخر ایسے الفاظ کیوں بولے گئے تھے، علاوہ ازیں وہ اس حیرت انگیز انکشاف کے لیے تیار ہی نہیں تھے، یہ واضح تھا کہ وہ اُس چوک میں نہیں گئے تھے جہاں ایسے طلسمی کلمات کہے گئے تھے، جن کی تصویر کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ''دوزانو جھینگے کا سر'' اور ''بچھو کی خودکشی'' ایسے کلمات کے اضافے کی ضرورت تھی۔ ڈاکٹر بولا تم نے یہ کیوں کہا کہ وہ دوبارہ اُٹھے گی تم کس سے خطاب کررہی تھیں۔ بلڈنگ میں رہنے والے چند لوگوں سے جو بالکنیوں پر آگئے تھے میں بدحواس ہوگئی تھی اور میں نے یقیناً اُنہیں خوفزدہ کردیا ہوگا اور یہی الفاظ کیوں، دوسرے کیوں نہیں، مجھے نہیں معلوم وہ میرے ذہن میں آئے اور میں نے اُنہیں کہہ دیا کسی دن ہمیں پتہ چلے گا کہ تم اس چوک میں کھڑی وعظ کررہی ہو ہم جس میں

سے گزر کر آئے ہیں، ہاں ایک وعظ خرگوش کے دانت اور مُرغی کی چونچ کے بارے میں، چھوڑو اب آؤ اور میری مدد کرو، اس جگہ پر یہ ٹھیک ہے، اس کے پاؤں کو پکڑو میں اس سرے سے اُٹھاتی ہوں، سنبھل کے قبر میں مت گر جانا، بس، اسی طرح، اسے آہستہ سے نیچے کرو، زیادہ، اور زیادہ، مرغیوں کی وجہ سے میں نے قبر ذرا گہری بنائی ہے، وہ جب کھرچنا شروع کرتی ہیں تو پھر خدا جانے کہاں جا کر دم لیتی ہیں، بس۔ اُس نے قبر کو مٹی سے بھرنے کے لیے بیلچہ استعمال کیا زور زور سے مٹی کو نیچے دبایا اور ایک چھوٹا سا تودہ بنا دیا جو اُس مٹی سے ہمیشہ بچا رہ جاتا ہے جو واپس مٹی میں چلی گئی ہے، لگتا تھا جیسے اُس نے زندگی بھر اس کے سوا اور کوئی کام ہی نہ کیا ہو۔ آخر میں اُس نے گلاب کی جھاڑی سے جو احاطے کے کونے میں اُگ رہی تھی ایک شاخ توڑی اور اُسے قبر کے سرہانے لگا دیا۔ کیا وہ دوبارہ اٹھے گی کالے چشمے والی لڑکی نے پوچھا، نہیں، اُسے نہیں، ڈاکٹر کی بیوی نے جواب دیا اُن کو دوبارہ اور از خود اُٹھنے کی ضرورت ہے جو ابھی زندہ ہیں اور وہ نہیں اُٹھتے، ہم پہلے ہی آدھے مُردہ ہیں، ڈاکٹر نے کہا ہم ابھی آدھے زندہ بھی ہیں اُس کی بیوی نے جواب دیا۔ اُس نے بیلچے اور کھرپے کو واپس شیڈ میں رکھا اور احاطے کے چاروں طرف اچھی طرح نظر دوڑائی یہ دیکھنے کے لیے کہ ہر چیز قرینے سے اور اپنی اپنی جگہ ہے، کون سا قرینہ؟ اُس نے خود سے سوال کیا اور خود ہی جواب دیا، وہی قرینہ جو چاہتا ہے کہ مُردوں کو مُردوں کے درمیان ہونا چاہیے اور زندوں کو زندوں کے درمیان جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مرغیاں اور خرگوش بعضوں کی خوراک بنتے ہیں اور بعضوں کو بناتے ہیں، میں اپنے ماں باپ کے لیے کوئی نشانی چھوڑ کے جانا چاہتی ہوں، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا تا کہ اُن کو پتہ چل جائے کہ میں زندہ ہوں، میں تمہاری اُمیدوں پر پانی نہیں پھیرنا چاہتا، ڈاکٹر نے کہا، پہلے اُن کو اپنا مکان تلاش کرنا ہوگا اور یہ غالباً ناممکن ہے، یہ یاد رکھو کہ اگر کوئی ہماری رہنمائی کرنے والا نہ ہوتا تو ہم اپنے گھر تک کبھی نہ پہنچ پاتے، تم ٹھیک کہتے ہو، اور مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں، لیکن اگر میں اُن کے لیے کوئی نشانی چھوڑ کر نہیں جاتی، کوئی بھی چیز تو مجھے ایسا لگے گا جیسے میں نے اُنہیں چھوڑ دیا ہے۔ تو پھر وہ کیا چیز ہونی چاہیے، ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا، کوئی چیز جسے

وہ چھو لینے پر شاید پہچان لیں، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا، دُکھ کی بات یہ ہے کہ اب میرے پاس پرانے دنوں کی کوئی چیز نہیں ہے۔ ڈاکٹر کی بیوی نے اُس کی طرف دیکھا وہ ہنگامی زینے کی پہلی سیڑھی پر بیٹھی تھی اپنے ڈھیلے ہاتھ گھٹنوں پر رکھے اس کے دلکش چہرے پر کرب کے آثار نمایاں تھے بال کندھوں پر بکھرے ہوئے، مجھے معلوم ہے جو نشانی تم اُن کے لیے چھوڑ سکتی ہو، ڈاکٹر کی بیوی بولی، وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر اُوپر گئی فلیٹ میں اور قینچی لے کر آئی اور ایک ڈوری لی، تمہارے ذہن میں کیا آیا ہے، کالے چشمے والی لڑکی نے پوچھا، پھر، جب اپنے بالوں کو قینچی سے کٹتے ہوئے سُنا تو پریشان سی ہوگئی، اگر تمہارے ماں باپ واپس آگئے تو اُنہیں دروازے کی ہتھی سے لٹکتی ہوئی بالوں کی ایک لٹ ملے گی یہ اور کس کے ہو سکتے ہیں سوائے اُن کی بیٹی کے، ڈاکٹر کی بیوی بولی تم نے مجھے روہانسا کر دیا ہے، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا، یہ کہتے ہی اُس نے اپنا سر، اپنے گھٹنوں کے گرد لپٹے ہوئے بازوؤں پر رکھ دیا اور اپنی اداسیوں، اپنے دُکھوں اور ڈاکٹر کی بیوی کی ذہنی اپج سے اُبھرنے والے جذبات کے سامنے ڈھیر ہوگئی، پھر اُس نے محسوس کیا یہ جانے بغیر کہ وہ کس جذباتی راستے سے یہاں پہنچی تھی، کہ وہ پہلی فلور والی عورت کے غم میں بھی رو رہی تھی، وہ کچا گوشت کھانے والی ہولناک چڑیل جس نے اُسے اپنے مُردہ ہاتھ سے فلیٹ کی چابیاں دی تھیں۔ پھر ڈاکٹر کی بیوی بولی یہ ہم کس زمانے میں جی رہے ہیں چیزوں کی ترتیب اُلٹی ہوگئی ہے، وہ علامت جو ہمیشہ موت کی نشاندہی کرتی تھی زندگی کا اشارہ بن گئی ہے، ایسے ہاتھ موجود ہیں جو ان جیسے اور ان سے بھی عظیم تر عجائبات دکھانے کی قدرت رکھتے ہیں، ڈاکٹر نے کہا، ضرورت ایک طاقتور ہتھیار ہے میرے پیارے، عورت نے کہا، اور اب بہت ہوگیا فلسفہ اور ’ٹونے ٹوٹکے‘ آیئے ایک دوسرے کا ہاتھ تھامیں اور زندگی کا سفر جاری رکھیں۔ کالے چشمے والی لڑکی نے اپنے ہاتھوں سے بالوں کی لٹ کو دروازے کی ہتھی کے ساتھ باندھا تم سمجھتی ہو کہ میرے ماں باپ اسے دیکھ لیں گے، اُس نے پوچھا، دروازے کی ہتھی گھر کے خیر مقدمی ہاتھ کی طرح ہوتی ہے، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، اور بقول کسے اس عام سے طرز اظہار پر اُن کا دورہ تمام ہوا۔

اُس رات پھر اُنہیں کتاب میں سے کچھ پڑھ کر سنایا گیا، توجہ ہٹانے کا اور کوئی طریقہ نہیں تھا، افسوس کہ ڈاکٹر ایک عطائی وائلن نواز بھی نہیں تھا ورنہ اس پانچویں فلور پر ایسے شیریں نغمہائے محبت سُنے جاتے کہ اُن کے حاسد پڑوسی کہتے یا تو یہ لوگ بڑی عیش وعشرت کی زندگی گزار رہے ہیں یا پھر انتہائی غیر ذمے دار ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دوسروں کی مصیبت پر ہنس کر وہ اپنی مصیبت سے نجات پا سکتے ہیں۔ اب وہاں کوئی موسیقی نہیں سوائے الفاظ کے اور وہ بھی کتابوں کے الفاظ جو بڑے نپے تلے ہوتے ہیں، اگر تجسس بلڈنگ کے کسی باسی کو دروازے سے کان لگانے کے لیے بھی لے آتا تو اُسے صرف ایک اکیلی بڑبڑاہٹ ہی سننے کو ملتی، ایک طویل صوتی سلسلہ جس کے ڈانڈے لامتناہیت سے جا ملتے ہیں۔ کیونکہ اس دنیا کی کتابیں اگر سب کو ایک دوسری کے ساتھ کھڑا کیا جائے تو کائنات کی طرح لامتناہی بن جاتی ہیں۔ جب اُس رات دیر گئے پڑھائی ختم ہوئی تو سیہ پیوند والا بوڑھا آدمی بولا اب یہ حال ہوگیا ہے ہمارا کسی کو پڑھتے ہوئے سُننا مجھے تو کوئی شکایت نہیں، مَیں یہاں ہمیشہ کے لیے رہ سکتی ہوں کالے چشمے والی لڑکی نے کہا مجھے بھی کوئی شکایت نہیں میرا صرف یہ مطلب ہے کہ ہم بس یہی کر سکتے ہیں کسی کا ہمیں پڑھ کر سنانا ایک ایسی انسانی مخلوق کی کہانی جو ہم سے پہلے موجود تھے ہمیں اپنی خوش قسمتی پر مسرت کا اظہار کرنا چاہیے کہ یہاں ہمارے درمیان دیکھنے والی دو آنکھیں ہیں، آنکھوں کا آخری بچا ہوا جوڑا اگر کسی دن یہ بھی بجھ گئیں میں تو اس کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا تو وہ سلسلہ جو ہمیں اُس انسانی مخلوق سے جوڑتا ہے ٹوٹ جائے گا جیسے ہم خلا میں ایک دوسرے سے بچھڑ گئے ہوں ہمیشہ کے لیے سب برابر کے اندھے جہاں تک میں کر سکتی ہوں، کالے چشمے والی لڑکی نے کہا، میں امید کیے جاؤں گی اپنے ماں باپ کو پا لینے کی امید یہ امید کہ بھینگی آنکھ والے لڑکے کو بھی ماں مل جائے گی، تم اُس امید کا ذکر کرنا بھول گئی ہو جو ہم سب کو ہے، وہ کیا ہے اپنی بینائی کو دوبارہ پا لینے کی اُمید ایسی اُمیدوں سے چمٹے رہنا پاگل پن ہے، خیر، میں تمہیں بتا دوں کہ ایسی امیدوں کے بغیر میں کب کا ہمت ہار بیٹھا ہوتا، مجھے کوئی مثال دو، دوبارہ دیکھنے کے قابل ہونے کی امید ہم یہ اُمید پہلے بھی رکھ چکے ہیں، مجھے کوئی دوسری مثال دو، میں دوسری

مثال نہیں دوں گا، کیوں، تمہیں دلچسپی نہیں ہوگی، اور تم کیسے جانتے ہو کہ مجھے نہیں ہوگی، تم سوچتے ہو کہ تم میرے بارے میں اتنا جانتے ہو کہ تم خود بخود یہ فیصلہ کر سکتے ہو کہ میں کس چیز میں دلچسپی رکھتی ہوں اور کس چیز میں نہیں، غصے میں نہ آؤ، میرا مطلب تمہیں تکلیف پہنچانا نہیں تھا، سب مرد یکساں ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں چونکہ وہ ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں اس لیے انہیں عورتوں کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے، میں عورتوں کے بارے میں بہت کم جانتا ہوں اور تمہارے بارے میں تو کچھ بھی نہیں جانتا، جہاں تک مردوں کا سوال ہے تو میری رائے میں جدید معیار کے مطابق میں ایک بوڑھا آدمی ہوں اور کانا بھی، اندھا تو ہوں ہی کیا تمہارے پاس اپنے خلاف کہنے کے لیے اور کچھ نہیں ہے، بہت زیادہ، بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ خود الزامیوں میں کتنا اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتیں، میں جوان ہوں اور میرے پاس اپنے حصے کی خود الزامی پہلے ہی اچھی خاصی ہے، تم نے ابھی تک ایسی کوئی بات نہیں کی جو واقعی بُری ہو، تمہیں کیسے معلوم اگر تم میرے ساتھ کبھی رہے نہیں تو تم ٹھیک کہتی ہو میں تمہارے ساتھ کبھی نہیں رہا تم میرے الفاظ کو کیوں ہراتے ہو اس لہجے میں، کس لہجے میں، اُس لہجے میں، میں نے صرف اتنا ہی کہا ہے کہ میں تمہارے ساتھ کبھی رہا نہیں، جانے بھی دو، ایسے نہ بنو جیسے تم سمجھتے نہیں، اس پر اصرار نہ کرو میں تم سے درخواست کرتا ہوں، میں اصرار کروں گی، میں جاننا چاہتی ہوں، آؤ امیدوں کی طرف واپس چلتے ہیں، ٹھیک ہے، اُمید کی دوسری مثال جسے میں دینے سے انکاری تھا یہ تھی، کیا، میری فہرست پر آخری خود الزامی، مہربانی کر کے ذرا وضاحت کے ساتھ بتاؤ، پہیلیاں میری سمجھ میں نہیں آتیں، اپنی بینائی کو دوبارہ کبھی حاصل نہ کرنے کی وحشیانہ خواہش کیوں، تاکہ ہم اسی طرح زندگی گزارتے رہیں، تمہارا مطلب ہے سب اکٹھے یا صرف تم اور میں، مجھے جواب دینے کے لیے مجبور نہ کرو اگر تم محض ایک آدمی ہوتے تو جواب دینے کے لیے ٹال مٹول کر سکتے تھے تمام دوسرے آدمیوں کی طرح لیکن تم خود کہتے ہو کہ تم ایک بوڑھے آدمی ہو اور بوڑھے آدمیوں کو اگر درازی عمر کے کسی طرح سے بھی کوئی معنی ہیں، حقیقت سے مُنہ نہیں موڑنا چاہیے، مجھے جواب دو، تمہارے ساتھ اور تم میرے ساتھ کیوں رہنا

چاہتے ہو، کیا تم چاہتی ہو کہ میں سب کے سامنے بتا دوں ہم نے انتہائی گندی، گھٹیا اور نفرت انگیز باتیں اکٹھے کی ہیں جو تم مجھے بتاؤ گے وہ اُن باتوں سے زیادہ بدتر تو نہیں ہو سکتی، تو ٹھیک ہے، اگر تمہیں اصرار ہے تو پھر جو ہو سو ہو، اس لیے کہ آدمی جو میں اب بھی ہوں محبت کرتا ہے عورت سے جو تم ہو، کیا اظہارِ محبت اتنا مشکل تھا میری عمر میں، لوگوں کو تمسخر کا خوف ہوتا ہے تم مضحکہ خیز نہیں تھے آؤ اسے بھول جائیں، پلیز، میرا کوئی ارادہ نہیں ہے اسے بھول جانے کا اور نہ ہی میں چاہتی ہوں کہ تم اسے بھول جاؤ، یہ حماقت ہے تم نے مجھ سے زبردستی اُگلوا لیا اور اب، اور اب میری باری ہے ایسی کوئی بات نہ کہنا جس پر بعد میں پچھتانا پڑے خود الزامیوں والی فہرست کو یاد رکھو، اگر میں آج مخلص ہوں تو کیا فرق پڑے گا اگر کل مجھے پچھتانا بھی پڑے، پلیز بند کرو اسے، تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو اور میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں، تم پاگل ہو، ہم یہیں اکٹھے رہنا شروع کر دیں گے ایک شادی شدہ جوڑے کی طرح اور ہم اکٹھے رہتے رہیں گے اگر ہمیں اپنے دوستوں سے جُدا بھی ہونا پڑا، دو اندھے ایک اندھے کے مقابلے پر زیادہ دیکھ سکتے ہیں، یہ پاگل پن ہے تمہیں مجھ سے محبت نہیں، یہ محبت کرنے کا کیا قصہ ہے میں نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی میں بس دوسرے مردوں کے ساتھ سوتی تھی۔ تو پھر تم مجھ سے اتفاق کرتی ہو، دراصل نہیں، تم نے خلوص کی بات کی تھی تو پھر مجھے بتاؤ اگر تم واقعی مجھ سے محبت کرتی ہو، میں تم سے اتنی محبت کرتی ہوں کہ تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں اور یہ پہلی بار ہے کہ میں نے کسی سے یہ کہا ہے، تم نے مجھ سے بھی یہ نہ کہا ہوتا اگر تم مجھ سے پہلے کہیں ملی ہوتیں، عمر رسیدہ آدمی، آدھا گنجا، سفید بالوں والا، ایک آنکھ پر پیوند اور دوسری میں موتیا بند، جیسی عورت میں اُس وقت تھی کبھی یہ نہ کہتی، مجھے اتفاق ہے، جس شخص نے یہ کہا وہ عورت وہ تھی جو میں آج ہوں، چلو دیکھتے ہیں کہ جو عورت تم کل ہو گی، کیا کہتی ہے، کیا تم میرا امتحان لے رہے ہو، چہ خوب میں کون ہوتا ہوں تمہارا امتحان لینے والا ان باتوں کا فیصلہ زندگی کرتی ہے اور اس نے ایک فیصلہ کر دیا ہے۔

وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے یہ گفتگو کر رہے تھے اندھی آنکھیں، اندھی

آنکھوں میں جھانکتی ہوئی، ان کے چہرے سُرخ تھے اور پُرجوش اور جب کیونکہ اُن میں سے ایک نے یہ کہا تھا اور کیونکہ وہ دونوں یہ چاہتے تھے، دونوں اس بات پر متفق ہو گئے کہ زندگی نے یہ فیصلہ دے دیا ہے کہ انہیں اکٹھے رہنا چاہیے تو کالے چشمے والی لڑکی نے اپنے ہاتھ آگے بڑھائے اُس کے ہاتھوں میں دینے کے لیے یہ جاننے کے لیے نہیں کہ وہ کدھر جا رہی ہے اُس نے سیہ پیوند والے آدمی کے ہاتھوں کو چُھوا جس نے نرمی کے ساتھ اُسے اپنی طرف کھینچ لیا اور وہ اسی طرح ایک دوسرے کے پہلو سے لگ کر بیٹھے رہے، ظاہر ہے ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا لیکن اب ایجاب و قبول ہو چکا تھا۔ دوسرے لوگوں میں سے کسی نے بھی کچھ نہ کہا کسی نے انہیں مبارکباد نہ دی کسی نے ابدی مسرت کی تمناؤں کا اظہار نہ کیا، سچی بات یہ ہے کہ یہ وقت نہیں ہے جشنِ مسرت کا اور امیدوں کا اور جب فیصلے اتنے سنجیدہ ہوں جتنے کہ یہ لگتے تھے اگر کسی کو یہ خیال آئے کہ ایسا رویّہ اختیار کرنے کے لیے آدمی کو اندھا ہونا پڑتا ہے تو یہ حیرت کی بات نہیں ہو گی خاموشی بہترین اظہارِ مسرت ہے۔ ڈاکٹر کی بیوی نے بہرحال یہ کیا کہ اس نے ڈیوڑھی میں صوفوں کی چند گدیاں اس طرح رکھ دیں کہ ایک آرام دہ بستر بن گیا، پھر بھینگی آنکھ والے لڑکے کو وہاں لے گئی اور اُسے بتایا کہ آج سے تم یہاں سویا کرو گے۔ رہ گئی یہ بات کہ بیٹھک میں کیا ہوا تو اس پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ اُس پہلی رات کو حتمی طور پر واضح ہو گیا کہ سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی کی کمر کو صاف کرنے والے پُراسرار ہاتھ کس کے تھے، اُس صبح جب پانی کی اتنی فراوانی تھی سارے کا سارا پاک صاف کرنے والا پانی۔

۱۷

اگلے دن ابھی وہ بستر ہی میں تھے کہ ڈاکٹر کی بیوی نے اپنے خاوند سے کہا، کھانے پینے کی چیزیں بہت کم رہ گئی ہیں، میں نے سوچا ہے کہ آج میں سپر مارکیٹ کے زیرزمینی سٹور میں دوبارہ جاؤں گی، وہی جس میں پہلے دن گئی تھی اگر کسی اور کو اُس کا پتہ نہیں چل گیا وہاں سے ہم ایک دو دن کی رسد حاصل کر سکتے ہیں، میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا اور ہم دوسروں میں سے بھی ایک دو کو ساتھ چلنے کے لیے کہیں گے میں اکیلی جانا چاہتی ہوں تمہارے ساتھ اس میں زیادہ آسانی رہے گی اور راستے میں کھو جانے کا خطرہ بھی کم ہوگا، تم کب تک بے بس لوگوں کا بوجھ اُٹھاتی رہو گی، جب تک مجھ سے بن پڑا لیکن تم ٹھیک کہتے ہو مجھے تکان محسوس ہونے لگتی ہے کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کاش میں بھی اندھی ہوتی جیسے دوسرے ہیں ویسی میری بھی اتنی ہی ذمے داری ہوتی جتنی اُن کی ہے، ہم تم پر انحصار کرنے کے عادی ہوگئے ہیں اگر تم وہاں نہ ہوتیں تو ایسے لگتا جیسے ہم دوسرے اندھے پن کا شکار ہوئے ہیں تمہاری آنکھوں کی بدولت ہم کم اندھے ہیں، میں جتنی دیر تک یہ سب کر سکتی ہوں کرتی رہوں گی، میں تمہارے ساتھ اس سے زیادہ کا وعدہ نہیں کر سکتی اگر ایک دن ہمیں یہ محسوس ہو کہ ہم اور زیادہ نہیں کر سکتے اور کارآمد نہیں رہے تو ہم میں اتنی جرات ہونی چاہیے کہ اس دنیا کو چھوڑ دیں جیسا کہ اُس نے کہا تھا، کس نے کہا تھا یہ؟ اُس خوش قسمت آدمی نے جس سے ہم کل ملے تھے، مجھے یقین ہے کہ وہ آج یہ بات

نہیں کہے گا آدمی کی رائے کو تبدیل کرنے کے لیے حقیقی اُمید جیسی اور کوئی چیز نہیں، وہ، اس کے پاس پہلے سے ہے، خدا کرے دیر تک باقی رہے، تمہاری آواز میں کوئی سُر ایسا ہے جو مجھے سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ تم پریشان ہو، پریشان، کیوں، جیسے کوئی چیز تم سے چھین لی گئی ہے، کیا تمہارا اشارہ اُس لڑکی والے واقعے کی طرف ہے جو اُس ہولناک جگہ پیش آیا تھا، ہاں، یاد کرو، وہ خود میرے ساتھ مجامعت کرنا چاہتی تھی، حافظہ تمہیں دھوکہ دے رہا ہے، تمہیں خود خواہش تھی اُس کی، کیا تمہیں یقین ہے میں اندھی نہیں تھی، خیر، مجھے یہ حلفیہ کہنا چاہیے تھا، تم صرف جھوٹا حلف اٹھاتے، تعجب کی بات ہے کہ حافظہ ہمیں کیسے دھوکہ دیتا ہے اس معاملے میں یہ آسانی سے دیکھا جاسکتا ہے جو چیز ہمیں پیش کی گئی ہو زیادہ ہماری ہوتی ہے اُس چیز کے مقابلے میں جسے ہمیں فتح کرنا پڑا ہو لیکن اُس نے پھر کبھی میری طرف پیش قدمی نہیں کی اور نہ ہی کبھی میں نے اُس کی طرف، اگر تم چاہتے تو ایک دوسرے کی یادوں میں شریک ہو سکتے تھے، حافظے کا یہی تو مصرف ہے، تم حسد کرتی ہو، میں حسد نہیں کرتی، میں نے تو اُس موقعے پر بھی حسد نہیں کیا، مجھے افسوس ضرور ہوا تھا اُس پر، تم پر، اور اپنے آپ پر بھی کیونکہ میں تمہاری مدد نہ کر سکی، پانی کے معاملے میں ہماری کیا صورت حال ہے؟ بُری۔

ناشتہ نہایت کفایت شعاری سے کیا گیا، جس کے دوران گزشتہ رات کے واقعات کی طرف چند برمحل اور مسکراہٹ بھرے اشارے ہوئے، ایک نابالغ کی موجودگی کے پیش نظر مناسب طور پر ڈھکے چھپے الفاظ --- ایک عجیب احتیاط اگر ہم اُن خوفناک مناظر کو ذہن میں رکھیں جن کا مشاہدہ اُس نے طبی نظربندی کے زمانے میں کیا تھا—ناشتے کے بعد ڈاکٹر کی بیوی اور اُس کا خاوند جن کے دلوں کا بوجھ مذکورہ بالا باتوں کی وجہ سے قدرے کم ہو چکا تھا روانہ ہوگئے اس مرتبہ اُن کے ساتھ صرف غمگسار کتا گیا جو گھر پر نہیں رہنا چاہتا تھا۔

ہر گزرتی ہوئی گھڑی کے ساتھ سڑکوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی جارہی تھی۔ تاریکی کے اوقات میں کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پہلے سے زیادہ ہوجاتے تھے، یوں لگتا تھا جیسے کوئی باہر سے لاکر پھینک جاتا تھا، کسی نامعلوم ملک سے جہاں معمول کی زندگی ابھی تک جاری تھی، وہ رات

کے وقت آتے تھے اپنے کوڑے کرکٹ کے ڈرم خالی کرنے کے لیے، اگر ہم اندھوں کی سرزمین کے رہنے والے نہ ہوتے تو اپنی سفید تاریکی کے بیچ میں سے دیکھتے فضلے سے لدے ہوئے خیالی ریڑھے، ٹرک، ملبہ، اینٹ روڑے، کیمیاوی ریزے، راکھ، جلا ہوا تیل، ہڈیاں، بوتلیں، چھیچھڑے، دھاتی تیزابی چیزیں، پلاسٹک کے تھیلے، کاغذوں کے پہاڑ، جو وہ نہیں لاتے وہ ہے بچی کھچی خوراک، پھلوں کے چھلکے تک نہیں کہ ہم اپنی بھوک پیاس کو کم کرسکیں اُن بہتر دنوں کے انتظار میں جو ہمیشہ ہی آس پاس ہوتے ہیں۔ ابھی اوّل صبح ہے لیکن گرمی میں شدت آچکی ہے۔ فضلے کے بڑے بڑے ڈھیروں سے تعفن، زہریلی گیس کے بادلوں کی طرح اُٹھ رہا ہے کوئی دن جاتا ہے کہ وبائیں پھوٹ پڑیں گی، ڈاکٹر نے دوبارہ کہا، کوئی نہ بچے گا ہماری تمام دفاعی قوتیں ختم ہوچکی ہیں اگر بارش نہیں ہوتی تو جھکڑ چلتے ہیں، عورت نے کہا، وہ بھی نہیں، بارش کم از کم ہماری پیاس تو بجھا دیتی اور ہوا تھوڑا تعفن اُڑا لے جاتی۔ غمگسار کتا بے چینی کے ساتھ چاروں طرف سونگھتا پھرتا ہے، گندگی کے کسی خاص ڈھیر کے پاس تفتیش کی غرض سے رُک جاتا ہے شاید وہاں کوئی کمیاب نعمت چھپی ہوئی تھی جو اُسے مل نہیں رہی وہ اگر اکیلا ہوتا تو اس جگہ سے ایک انچ اِدھر اُدھر نہ ہوتا لیکن وہ عورت جو روئی تھی پہلے ہی آگے جا چکی ہے اور اُس کی پیروی کرنا اس کا فرض منصبی ہے کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ کب کسی کو زیادہ آنسو خشک کرنے پڑجائیں۔ چلنا مشکل ہے بعض سڑکوں پر خاص طور سے چڑھائی والی سڑکوں پر بارش کے ست رو پانی نے جو تیز رفتار دھاراؤں میں بدل چکا تھا کاروں کو اُٹھا کر کاروں پر پھینک دیا تھا یا عمارتوں کے ساتھ دے مارا تھا، دروازے گرا دیئے تھے، دوکانوں کی کھڑکیاں توڑ دی تھیں، زمین پر ہر طرف شیشے کے بڑے بڑے ٹکڑے بکھرے پڑے ہیں۔ دو کاروں کے بیچ پچکی ہوئی ایک آدمی کی لاش گل سڑ رہی ہے، ڈاکٹر کی بیوی آنکھیں دوسری طرف پھیر لیتی ہے۔ غمگسار کتا قریب آجاتا ہے لیکن موت اُسے خوفزدہ کردیتی ہے وہ پھر بھی دو قدم آگے بڑھتا ہے اچانک اُس کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور اُس کے گلے سے ایک دِلدوز چیخ نکلتی ہے اس کتے کے ساتھ مشکل یہ ہے کہ یہ انسانوں کے کچھ زیادہ ہی قریب آگیا ہے۔ یہ اُنھی کی طرح دُکھ

اٹھائے گا۔ وہ ایک چوک میں سے گزرے جہاں اندھے لوگوں کے گروپ دوسرے اندھے لوگوں کی تقریروں سے لطف اندوز ہو رہے تھے پہلی نظر میں کوئی بھی اندھا گروپ اندھا نہیں لگتا تھا، مقررین نے جوش کے عالم میں اپنے سر سامعین کی طرف موڑ رکھے تھے اور سامعین نے پوری توجہ کے ساتھ مقررین کی طرف۔ وہ عظیم اور منظم نظاموں کے بنیادی اصولوں کی تعریفوں کے پل باندھ رہے تھے، ذاتی ملکیت، آزاد زرمبادلہ کی منڈی، منڈی کی معیشت، سٹاک ایکسچینج، محاصل، سود، برآمدگی اور تصرف، پیداوار، تقسیم، کھپت، رسد اور طلب، دولت اور غربت، مواصلات اور ذرائع ابلاغ، انسداد اور فروگذاشت، جیل خانے، لاٹریاں، دیوانی اور فوجداری قوانین، شاہراہوں کے قوانین، لُغات، ٹیلیفون ڈائریکٹری، قحبہ خانوں کے جال، اسلحہ جات کے کارخانے، مسلّح افواج، قبرستان، پولیس، اسمگلنگ، منشیات، غیر قانونی آمدورفت کی کھلی چھٹی، دوا سازی کی تحقیق، جوا، پادریوں کی اور تجہیز وتکفین کی قیمتیں، عدل و انصاف، قرض کا لین دین، سیاسی جماعتیں، اسمبلیاں، حکومتیں، انتخابات، مقعر، محدّب، اُفقی، عمودی، ترچھے، مُرتکز، مُنتشر، سریع الحرکت خیالات، گلے کی تانتوں کا گھس جانا، دنیا کی موت۔ یہاں وہ کر رہے ہیں تنظیم کی باتیں، ڈاکٹر کی بیوی نے اپنے خاوند سے کہا، میں نے سنا، اُس نے کہا اور مزید کچھ نہ بولا۔ وہ چلتے رہے، ڈاکٹر کی بیوی سڑک کے ایک کونے میں سڑک کے پلان کو دیکھنے کے لیے گئی جو سڑک کنارے کی کسی پرانی صلیب کی طرح تھا اور راستے کی سمت کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ ہم سپر مارکیٹ کے بہت قریب ہیں، یہیں آس پاس، وہ نڈھال ہوکر گر پڑی تھی اور روئی تھی جس دن وہ راستہ بھول گئی تھی، بے ڈھنگے پن سے جھکی ہوئی پلاسٹک کے تھیلوں کے بوجھ تلے جو خوش قسمتی سے اُوپر کناروں تک بھرے ہوئے تھے اپنی سراسیمگی اور کرب میں اُسے دلاسے کے لیے ایک کتے پر انحصار کرنا پڑا تھا، وہی کتا جو یہاں دوسرے کتوں پر غرا رہا ہے جو بہت قریب آتے جارہے ہیں جیسے وہ انہیں بتا رہا ہو مجھے تم بیوقوف نہیں بنا سکتے، یہاں سے پرے رہو۔ ایک سڑک بائیں طرف دوسری دائیں طرف اور وہاں سپر مارکیٹ کا دروازہ ہے۔ صرف دروازہ، بس، وہاں دروازہ ہے، وہاں پوری عمارت ہے لیکن اندر باہر جاتے ہوئے لوگ نظر نہیں آرہے،

لوگوں کے وہ چیونٹیوں کے دکھوڑوں جیسے ہجوم جنہیں ہم سارا وقت دیکھتے ہیں اُن دوکانوں میں جن کی موجودگی کا انحصار ہی بڑے بڑے ہجوموں کی آمدورفت پر ہے۔ ڈاکٹر کی بیوی کو بدترین صورت حال کا خوف تھا، اُس نے اپنے خاوند سے کہا، ہم بہت دیر سے آئے ہیں وہاں ایک بھورا بھی نہیں بچا ہوگا، تم یہ کیوں کہتی ہو، میں کسی شخص کو بھی اندر جاتے یا باہر آتے نہیں دیکھتی، شاید ابھی اُنہیں تہ خانے والے اسٹور کا پتہ نہیں چلا میں بھی یہی اُمید لگائے ہوئے ہوں۔ وہ سپر مارکیٹ کے سامنے فرش پر کھڑے تھے جب وہ یہ باتیں کر رہے تھے۔ اُن کے علاوہ تین اور اندھے لوگ وہاں موجود تھے جیسے وہ ٹریفک کی بتیوں کے سبز ہونے کا انتظار کر رہے ہوں۔ ڈاکٹر کی بیوی نے اُن کے چہروں کی طرف نہیں دیکھا جن پر ایک پریشان کن حیرت کا تاثر تھا ایک قسم کا پراگندہ سا خوف اُس نے اُن میں سے ایک کو بولنے کے لیے مُنہ کھولتے اور دوبارہ بند کرتے نہیں دیکھا، اچانک کندھے اُچکاتے نہیں دیکھا، آپ کو ابھی پتہ چل جائے گا ہم یہ فرض کیے لیتے ہیں کہ وہ اندھا آدمی کسی سوچ میں مبتلا تھا۔ چونکہ ڈاکٹر کی بیوی اور اُس کا خاوند سڑک کے وسطی حصے میں سے گزر رہے تھے اس لیے وہ دوسرے اندھے آدمی کے تبصرے کو نہیں سن سکتے تھے، اُس عورت نے یہ کیوں کہا کہ اُس نے نہیں دیکھا کہ اُس نے کسی آدمی کو اندر جاتے اور باہر آتے نہیں دیکھا اور تیسرے اندھے آدمی نے جواب دیا، یہ بول چال کا ایک انداز ہے، ابھی ایک لمحہ پہلے جب مجھے ٹھوکر لگی تھی تو تم نے مجھے کہا تھا کہ قدم رکھنے سے پہلے دیکھا کرو، یہ بھی ویسی ہی بات ہے ہم ابھی دیکھنے کی عادت سے محروم نہیں ہوئے، او خدایا، یہ سن سن کر میرے کان پک چکے ہیں پہلے اندھے آدمی نے چیخ کر کہا۔

دن کی روشنی نے سپر مارکیٹ کے کشادہ حال کو روشن کر رکھا تھا۔ تقریباً تمام کے تمام شلیف تہ و بالا ہو چکے تھے سوائے فضلے کے ٹوٹے ہوئے شیشوں کے اور لپیٹنے والے خالی کاغذوں کے وہاں اور کچھ نہیں تھا عجیب بات ہے، ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، اگر یہاں خوراک نہیں بھی ہے تو بھی میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ یہاں آس پاس لوگ کیوں نہیں ہیں۔ ڈاکٹر بولا، تم ٹھیک کہتی ہو، یہ بات خلاف معمول لگتی ہے۔ غمگسار کتا ہولے ہولے ریں ریں کرنے لگا۔ ایک بار پھر اُس

کی پُشت کے بال کھڑے ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر کی بیوی نے اپنے خاوند سے کہا، یہاں بدبو آ رہی ہے ہر طرف بدبو پھیلی ہوئی ہے، خاوند نے کہا، یہ وہ نہیں ہے، یہ اور طرح کی بُو ہے، سڑاند کی، ضرور کہیں کوئی لاش ہوگی، مجھے تو کوئی چیز نظر نہیں آتی، اس صورت میں یہ تمہارا وہم ہوگا۔ کتے نے رونا شروع کر دیا۔ کتے کو کیا پریشانی ہے، ڈاکٹر نے پوچھا، وہ سراسیمہ ہے، ہمیں کیا کرنا چاہیے، دیکھتے ہیں، اگر کوئی لاش ہے تو ہمیں اُس سے دُور رہنا ہوگا، اب ہم اس منزل میں ہیں جہاں مردے ہمیں خوفزدہ نہیں کرتے یہ میرے لیے آسان ہے میں اُنہیں دیکھ نہیں سکتا۔ وہ سپر مارکیٹ کے ہال میں سے گزر کر اُس دروازے تک پہنچے جو زیرزمینی اسٹور کی طرف لے جانے والی گیلری میں کھلتا تھا۔ غمگسار کتا اُن کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا لیکن وقتاً فوقتاً رُک جاتا اور اُن کی طرف منہ کر کے بھونکنے لگتا پھر فرض اُسے سفر جاری رکھنے پر مجبور کر دیتا۔ جب ڈاکٹر کی بیوی نے دروازہ کھولا تو بدبو میں اضافہ ہو گیا خوفناک بدبو آ رہی ہے، اُس کے خاوند نے کہا، تم یہیں ٹھہرو میں ابھی آئی۔ وہ گیلری میں چلنے لگی ہر قدم پر اندھیرا بڑھتا گیا اور کتا یوں چل رہا تھا جیسے کوئی اُسے گھسیٹے لیے جا رہا ہو۔ سڑانڈ کے تعفن سے بھری ہوئی ہوا ٹھوس لگتی تھی۔ آدھے راستے میں عورت نے قے کر دی، کیا ہو سکتا ہے یہاں، اُس نے اُبکائیوں کے درمیان سوچا اور پھر وہ بار بار یہی الفاظ بُڑبڑاتی رہی جب تک کہ اُس دھاتی دروازے تک نہیں پہنچ گئی جہاں سے تہ خانے کے اندر اُترا جا سکتا تھا۔ اپنی متلی کی وجہ سے پریشان اُس کو پہلے نظر ہی نہیں آیا کہ وہاں اندر روشنی کی ہلکی سی ٹمٹماہٹ تھی۔ اب وہ جان گئی کہ یہ کیا تھا۔ دو دروازوں کے کناروں کے گرد ننھے ننھے شعلے بھڑک رہے تھے، زینے کا دروازہ اور دوسرا وہ جہاں سے سامان اٹھایا جاتا تھا۔ اُلٹیوں کے نئے حملے نے اُس کے پیٹ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا یہ اتنا شدید تھا کہ اس نے کتے کی توجہ بھی اپنی طرف مبذول کروالی۔ غمگسار کتے کے منہ سے ایک طویل بھونک نکلی یہ ایک کبھی ختم نہ ہونے والا بین لگتی تھی جس سے پوری گیلری گونج اٹھی جیسے نیچے تہ خانے میں مرنے والوں کی آخری آواز۔ ڈاکٹر نے اُلٹیوں کی اور تشنج کی اور کھانسنے کی آواز سُنی وہ جس طرح بھی بھاگ سکتا تھا بھاگا اُسے ٹھوکر لگی اور وہ گرا، اُٹھا اور پھر گرا، آخر کار اُس نے اپنی بیوی کو اپنے

بازوؤں میں لے لیا، کیا ہوا؟ اُس نے پوچھا، وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی، مجھے یہاں سے باہر لے چلو، پلیز، مجھے یہاں سے باہر لے چلو، اندھے پن کے آغاز کے بعد سے پہلی بار ڈاکٹر نے اپنی بیوی کی رہنمائی کی، وہ اُسے لیے چلا یہ جانے بغیر کہ کہاں، کہیں بھی، اُن دروازوں سے دُور، اُن شعلوں سے دُور جنہیں وہ دیکھ نہیں سکتا تھا۔ جب وہ گیلری میں سے باہر آئے تو عورت کے اعصاب اچانک پارہ پارہ ہوگئے اُس کی سسکیاں پُرتشنج ہوگئیں ایسے آنسوؤں کو خشک نہیں کیا جاسکتا انہیں صرف وقت اور تھکاوٹ ہی روک سکتے ہیں اس لیے کتا قریب نہیں گیا اُسے صرف ایک ہاتھ کی تلاش تھی زبان پھیرنے کے لیے۔ کیا ہوا؟ ڈاکٹر نے دوبارہ پوچھا، کیا دیکھا تم نے؟ وہ مر گئے ہیں اور اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ اپنے آپ کو پُرسکون رکھو، جب بتا سکو تو بتا دینا۔ چند منٹوں کے بعد بولی وہ مر گئے ہیں تم نے کچھ دیکھا، تم نے دروازہ کھولا تھا اُس کے خاوند نے پوچھا، نہیں، میں نے صرف اگیا بیتالوں کو دیکھا دروازوں کے گرد وہ اُن سے چمٹے ہوئے ناچ رہے تھے اور انہیں چھوڑ نہیں رہے تھے، میرا خیال ہے یہ جسموں کے سڑنے اور تحلیل ہونے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی فاسفورسی ہائیڈروجن ہوگی، ہوا یہ ہوگا کہ انہیں تہ خانے کے دروازے کا پتہ چل گیا ہوگا وہ خوراک کی تلاش میں دوڑ کر سیڑھیاں اُترے ہوں گے، مجھے یاد آتا ہے کہ ان سیڑھیوں پر سے پھسلنا اور گرنا کتنا آسان تھا اگر ایک گرا ہوگا تو سب گرے ہوں گے جہاں وہ جانا چاہتے تھے غالباً وہاں پہنچ نہیں پائے یا اگر پہنچے تو واپس نہ آسکے زینے پر کی رکاوٹوں کی وجہ سے لیکن تم نے تو کہا تھا کہ دروازہ بند تھا غالب امکان یہ ہے کہ دوسرے اندھے لوگوں نے بند کردیا ہوگا جس سے تہ خانہ ایک بہت بڑے مقبرے میں بدل گیا، جو کچھ ہوا میری وجہ سے ہوا جب میں اپنے تھیلے اُٹھا کر وہاں سے بھاگ کر واپس آئی تھی اُن کو یقیناً شک ہوا ہوگا کہ وہاں خوراک موجود ہے اور وہ اُس کی تلاش میں گئے، ایک طریقے سے ہم جو بھی کھاتے ہیں وہ دوسروں کے مُنہ سے چھینے ہوئے نوالے ہیں اور اگر ہم اُنہیں بہت زیادہ لوٹ لیتے ہیں تو اُن کی موت کے ذمے دار ہم ہیں، کسی نہ کسی طور ہم سب قاتل ہیں ایک طفلی تسلی، میں نہیں چاہتا کہ تم ایک خیالی جرم کی بنا پر اپنے آپ کو ہلکان کرنا شروع کردو، تمہیں پہلے ہی چھ حقیقی اور

ناکارہ مونہوں کی ذمے داری اٹھانے میں دقت پیش آرہی ہے تمہارے ناکارہ منہ کے بغیر میں کیسے زندہ رہ سکتی تھی، تم زندہ رہوگی اُن دوسرے پانچ مونہوں کی خاطر جو وہاں موجود ہیں سوال یہ ہے کہ کب تک۔ یہ سلسلہ زیادہ دیر نہیں چلے گا۔ جب ہر چیز ختم ہوجائے گی تو ہم خوراک کی تلاش میں کھیتوں میں مارے مارے پھریں گے، ہم درختوں کے تمام پھل توڑ لیں گے جتنے جانور بھی ہمارے ہاتھ لگیں گے اُنہیں ہلاک کرڈالیں گے اگر اس دوران ہمیں کتے بلیوں نے کھانا شروع نہ کردیا۔ غمگسار کتے نے کسی ردِعمل کا اظہار نہیں کیا وہ اس معاملے سے لاتعلق تھا غمگسار کتے میں اُس کی حالیہ کایا کلپ بے فائدہ نہیں تھی۔

ڈاکٹر کی بیوی اپنے آپ کو بمشکل گھسیٹ سکتی تھی۔ صدمے نے اُس کی ساری توانائی چھین لی تھی۔ جب وہ دونوں سپر مارکیٹ سے نکلے تو وہ غشی کی حالت میں تھی اور وہ اندھا کوئی بھی یہ کہنے کے قابل نہ ہوگا کہ کون کس کی رہنمائی کررہا تھا شاید وہ روشنی کی شدت کی وجہ سے چکرا گئی تھی اُس نے سوچا کہ وہ اپنی بینائی کھو رہی ہے لیکن وہ خوفزدہ نہیں تھی یہ صرف ایک غشی کا دورہ تھا۔ وہ گری نہیں بے ہوش بھی نہیں ہوئی۔ اُسے آرام سے لیٹنے کی ضرورت تھی آنکھیں بند کر کے، وہ باقاعدہ سانس لینا چاہتی تھی اگر چند منٹ اُسے آرام مل سکے تو اُسے یقین تھا کہ وہ اپنی توانائی دوبارہ حاصل کرلے گی، اُسے یہ کرنا ہوگا اس کے پلاسٹک کے تھیلے ابھی تک خالی تھے۔ وہ سڑک کی غلاظت پر لیٹنا نہیں چاہتی تھی یا سپر مارکیٹ میں واپس جانا، مر کر بھی نہیں، اس نے چاروں طرف دیکھا، سڑک کی دوسری طرف ذرا آگے جا کر ایک گرجا تھا۔ وہاں اندر لوگ ہوں گے جیسے اور جگہ تھے لیکن آرام کرنے کے لیے یہ اچھی جگہ ہوگی کم از کم ہمیشہ رہی تھی۔ اُس نے اپنے خاوند سے کہا مجھے اپنی توانائی بحال کرنے کی ضرورت ہے مجھے وہاں لے چلو، وہاں، کہاں، مجھے افسوس ہے مجھ سے درگزر کرو میں تمہیں بتاؤں گی یہ کیا جگہ ہے، ایک گرجا، میں اگر تھوڑی دیر کے لیے لیٹ جاؤں تو پھر سے تازہ دم ہوجاؤں گی، آؤ چلیں، گرجے میں داخل ہونے کے لیے چھ سیڑھیاں چڑھنا تھیں، چھ سیڑھیاں، جو ڈاکٹر کی بیوی بڑی دقت سے چڑھی خاص طور سے اس لیے کہ اُسے اپنے خاوند کو بھی چڑھانا تھا۔ دروازے پورے کے

پورے کھلے تھے جس سے بڑی مدد ملی، گھومنے والا دروازہ چاہے کتنا ہی آسان قسم کا کیوں نہ ہوتا اس موقعے پر ایک زبردست رکاوٹ بن جاتا۔ غمگسار کتا دہلیز پر تھوڑا ہچکچایا۔ اس کے باوجود کہ حالیہ مہینوں میں کتے آزادانہ نقل و حرکت سے لطف اندوز ہو رہے تھے، اُن کے دماغوں میں آفرینش کے وقت منضبط کی جانے والی ممانعت موجود تھی جو کبھی بہت عرصہ پہلے اُن کی نسل پر مسلط کی گئی تھی، غالباً اُسی دُوسرے پیدائشی ضابطے کی وجہ سے وہ جہاں بھی جاتے ہیں عبادت گاہوں میں داخل ہوتے وقت اپنی عملداری کی حدود سے تجاوز نہ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس غمگسار کتے کے آباواجداد نے اچھی اور وفادارانہ خدمات انجام دی تھیں وہ اُن ولیوں کے گلے سڑے زخموں کو چاٹا کرتے تھے جنہیں ابھی بطور ولی نہ تو تسلیم کیا گیا تھا اور نہ ہی اس کی توثیق کی گئی تھی، پھر بھی انہوں نے ہمدردی کے یہ کام انتہائی بے لوث انداز میں کیے تھے کیونکہ جیسا کہ ہم جانتے ہیں ہر بھکاری ولی نہیں بن سکتا چاہے کتنے ہی ناسور کیوں نہ ہوں اُس کے جسم پر اور اُس کی رُوح پر بھی جہاں کتوں کی زبانیں نہیں پہنچ سکتیں۔ اب کتے کے اندر مقدس فضا میں داخل ہونے کی ہمت پیدا ہو چکی تھی، دروازہ کھلا تھا کوئی دربان نہیں تھا اور سب سے مضبوط دلیل وہ عورت جو روئی تھی اور پہلے ہی اندر جا چکی تھی پتہ نہیں وہ خود کو کیسے گھسیٹے لیے جا رہی ہے وہ منہ ہی منہ میں اپنے خاوند سے بس ایک ہی بات کہے جا رہی ہے مجھے تھامے رکھو، گرجا بھرا ہوا ہے، فرش پر ایک فٹ خالی جگہ کا ملنا بھی ناممکن لگتا ہے، واقعی سر ٹکانے کے لیے ایک پتھر تک نہیں، کتے نے ایک بار پھر اپنا کارآمد ہونا ثابت کر دیا دو غراہٹوں اور چند تنبیہوں کے ساتھ جن میں کوئی مخاصمت نہ تھی اُس نے ڈاکٹر کی بیوی کے لیٹنے کے لیے جگہ بنا دی جہاں وہ ڈھیر ہو گئی اور اپنی آنکھوں کو پوری طرح بند کر لیا۔ اُس کے خاوند نے اُس کی نبض دیکھی یہ طاقت ور ہے اور باقاعدہ صرف قدرے مدھم ہے پھر اُسے اٹھانے کی کوشش کی وہ اچھی حالت میں نہیں ہے اُس کے دماغ میں خون کا تیزی سے واپس جانا ضروری ہے دماغی آبیاری میں اضافے کے لیے، بہترین بات یہ ہوگی کہ اسے اُٹھا کر بٹھایا جائے اس کے سر کو گھٹنوں کے درمیان رکھ دیا جائے اور قدرت اور کششِ ثقل کی قوت پر بھروسہ کیا جائے۔ آخر کار چند ناکام کوششوں کے بعد اس

کے خاوند نے اسے کسی نہ کسی طرح سے اوپر اٹھایا کچھ لمحوں کے بعد اُس نے ایک گہری آہ بھری، نامحسوس طور پر جُنبش کی اور ہوش میں آنے لگی۔ ابھی اُٹھو نہیں اس کے خاوند نے کہا، تھوڑی دیر اپنا سر نیچے رکھو لیکن اب وہ بہتر محسوس کر رہی تھی دورانِ سر کے کوئی آثار نہ تھے وہ فرش کے ٹائلوں میں تمیز کر سکتی تھی جن کو غمگسار کتے نے اچھی طرح صاف کر دیا تھا خود بیٹھنے سے پہلے تیزی سے ہاتھ پاؤں چلا کر۔ اس نے اپنے دورانِ خون کی سلامتی اور استحکام کی تصدیق کے لیے سر اٹھا کر نازک ستونوں اور اونچی اونچی محرابوں کو دیکھا پھر بولی، میں بہتر محسوس کر رہی ہوں، لیکن عین اُسی لمحے اُسے خیال آیا کہ وہ پاگل ہو گئی تھی یا دورانِ سر کی پروازوں نے اُسے اوہام میں مبتلا کر دیا تھا اُس کی آنکھوں پر جو ہویدا ہو رہا تھا سچ نہیں ہو سکتا تھا صلیب پر وہ آدمی جس کے جسم میں میخیں گڑی ہوئی تھیں اُس کی آنکھوں پر ایک سفید پٹی بندھی تھی آگے ایک عورت دل سات تلواروں سے چھدا ہوا، آنکھوں پر سفید پٹی، یہ صرف اُس آدمی اور اُس عورت تک ہی محدود نہیں تھا گرجے کی تمام شبیہوں کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں مجسموں کے سروں کے گرد سفید پٹیاں بندھی تھیں روغنی تصویروں پر گاڑھے سفید رنگ کے ساتھ برش پھیرا گیا تھا اور وہاں ایک عورت تھی جو اپنی بیٹی کو پڑھنا سکھا رہی تھی دونوں نے اپنی آنکھیں ڈھانپ رکھی تھیں اور ایک آدمی ہاتھ میں کھلی کتاب جس پر ایک ننھا بچہ بیٹھا تھا اور دونوں کی آنکھیں ڈھکی ہوئی ایک اور آدمی جسم میں تیر بھٹکے ہوئے اس کی بھی آنکھیں ڈھکی ہوئیں تھیں، ایک عورت جلتا ہوا چراغ لیے آنکھیں ڈھکی ہوئی اور ایک آدمی جس کے ہاتھوں، پیروں اور سینے پر زخم تھے اُس کی آنکھیں بھی ڈھکی ہوئی تھیں اور ایک آدمی، ساتھ شیر، دونوں کی آنکھیں ڈھکی ہوئی اور ایک اور آدمی ساتھ میں ایک برّہ اور دونوں کی آنکھوں پر پٹی، ایک آدمی ساتھ میں ایک عقاب دونوں کی آنکھوں پر پٹی، زمین پر گرے ہوئے ایک آدمی کے اوپر جس کے پاؤں پھٹے ہوئے تھے اور سر پر سینگ ایک نیزہ بردار آدمی کھڑا تھا اور دونوں نے آنکھوں کو ڈھانپ رکھا تھا، ایک اور آدمی ہاتھ میں ترازو آنکھوں پر پٹی، ایک بوڑھا اور گنجے سر والا آدمی ہاتھ میں سفید کنول آنکھیں ڈھکی ہوئی، ایک اور بوڑھا آدمی ایک ننگی تلوار پر جھکا ہوا آنکھیں ڈھکی ہوئی

ایک اور عورت ہاتھوں میں فاختہ دونوں کی آنکھیں ڈھکی ہوئیں، ایک اور آدمی ساتھ دو پہاڑی کوے تینوں کی آنکھیں ڈھکی ہوئی وہاں صرف ایک عورت تھی جس نے آنکھوں کو ڈھانپ نہیں رکھا تھا کیونکہ وہ اپنی نوچ کر نکالی ہوئی آنکھوں کو ایک چاندی کی طشتری میں رکھ کر اٹھائے ہوئے تھی۔ ڈاکٹر کی بیوی نے اپنے خاوند سے کہا اگر میں تمہیں بتاؤں کہ میری آنکھوں کے سامنے کیا ہے تو تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ اس گرجے کی تمام شبیہوں کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی ہیں کیسی عجیب بات ہے میں حیرت میں ہوں کہ کیوں، میں کیسے جان سکتا ہوں شاید یہ کسی ایسے شخص کا کام ہے جس کا عقیدہ بُری طرح متزلزل ہوا ہوگا جب اُس نے محسوس کیا ہوگا کہ وہ بھی دُوسروں کی طرح اندھا ہوجائے گا یہ کوئی مقامی پادری بھی ہوسکتا ہے شاید اُس نے سوچا ہو کہ جب اندھے لوگ شبیہوں کو نہیں دیکھ سکتے تو شبیہوں کو بھی نہیں دیکھنا چاہیے اندھے لوگوں کو، شبیہیں نہیں دیکھتیں، تم غلطی پر ہو، شبیہیں دیکھتی ہیں، اُن لوگوں کی آنکھوں سے جو اُنہیں دیکھتے ہیں اس وقت جب کہ اندھا پن ہر شخص کا مقدر ہے تم ابھی تک دیکھ سکتی ہو میری بینائی وقت کے ساتھ ساتھ کم ہوتی چلی جائے گی چاہے میں اپنی بینائی نہ بھی کھوؤں میں زیادہ اندھی ہوتی جاؤں گی کیونکہ مجھے دیکھنے والا کوئی نہ رہے گا اگر شبیہوں کی آنکھوں کو پادری نے ڈھانپا تھا یہ محض میرا خیال ہے صرف یہی ایک مفروضہ ہے جس کے کوئی معنی بنتے ہیں صرف یہی ہے جو ہمارے دُکھوں کو تھوڑا وقار بخش سکتا ہے میں دھیان میں لاتا ہوں اُس آدمی کو یہاں اندر آتے ہوئے اندھوں کی دنیا سے جہاں اسے واپس جانا تھا خود اندھا ہونے کے لیے میں بند دروازوں کو دھیان میں لاتا ہوں ویران گرجے کو، خاموشی کو، میں مجسموں کو دھیان میں لاتا ہوں اور روغنی تصویروں کو میں اُسے ایک سے دوسرے کے پاس جاتے ہوئے دیکھتا ہوں عشائے ربانی کی میز پر چڑھتے ہوئے اور پٹیوں کو کس کر باندھتے تاکہ وہ کھل کر اُتر نہ جائیں، روغنی تصویروں پر دو مرتبہ روغن آلود برش پھیرتے ہوئے اُس سفید رات کو مزید گاڑھا بنانے کی غرض سے جس میں وہ ڈوبے ہوئے ہیں اُس پادری نے یقیناً ایک بدترین بے حرمتی کا ارتکاب کیا تھا جو کبھی پہلے نہ کسی زمانے میں ہوئی نہ کسی مذہب میں، حسین ترین اور بے حد اساسی طور پر بشری، یہاں

آ کر اعلان کرنا کہ بالآخر خدا کو دیکھنے کا کوئی استحقاق نہیں رہا۔ ڈاکٹر کی بیوی کو جواب دینے کا موقع نہیں ملا اس کے پاس ہی بیٹھا ہوا کوئی شخص بول اُٹھا یہ کس قسم کی باتیں ہو رہی ہیں، کون ہو تم، تمہاری طرح اندھے، وہ بولی، لیکن میں نے تو تمہیں کہتے ہوئے سنا ہے کہ تم دیکھ سکتی ہو یہ محض بول چال کا ایک انداز ہے جس کو چھوڑنا مشکل ہوتا ہے میں اور کتنی بار یہ کہوں گی اور یہ شبیہوں کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہونے کا کیا قصہ ہے، یہ سچ ہے، اگر تم اندھی ہو تو پھر تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا، تم بھی جان جاؤ گے اگر تم بھی وہی کرو جو میں نے کیا جاؤ اور اپنے ہاتھوں سے اُنہیں چھو کر دیکھو، ہاتھ اندھوں کی آنکھیں ہوتے ہیں اور تم نے یہ کیوں کیا، میں نے سوچا کہ ہمیں اس حال کو جس میں کہ اس وقت ہم ہیں پہنچانے والا بھی یقیناً کوئی اندھا ہوگا اور وہ کہانی اُس پادری کے بارے میں جس نے شبیہوں کی آنکھوں کو ڈھانپ دیا میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں وہ ایسا کام کرنے کا اہل ہی نہیں تھا لوگ کس کام کے اہل ہیں اور کس کے نہیں اس کا آپ کو پہلے سے علم نہیں ہوتا تمہیں انتظار کرنا ہوگا اسے تھوڑا وقت دو یہ وقت ہی تو ہے جس کا حکم چلتا ہے وقت ہمارا جوئے کا ساتھی ہے، میز کی دوسری طرف وہ تاش کی گڈی کے سارے پتے اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے ہے ہمیں زندگی کے جیتنے والے پتوں کا اندازہ لگانا ہوگا اپنی زندگیوں کے گرجے میں جُوئے کی باتیں کرنا گناہ ہے، اُٹھو، اگر تمہیں میری باتوں پر شک ہے تو اپنے ہاتھوں کو استعمال میں لاؤ کیا تم قسمیہ کہتی ہو کہ شبیہوں کی آنکھیں ڈھکی ہوئی ہیں تم مجھ سے کس چیز کی قسم لینا چاہتے ہو، اپنی آنکھوں کی قسم کھاؤ، میں دوبارہ قسم کھاتی ہوں آنکھوں کی اپنی اور تمہاری آنکھوں کی۔ کیا یہ سچ ہے، یہ سچ ہے۔ اردگرد کے اندھے لوگ بھی اس گفتگو کو سُن رہے تھے اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ کسی قسم کی توثیق سے پہلے ہی یہ خبر پھیلنا شروع ہوگئی تھی ایک مُنہ سے دوسرے مُنہ میں ایک بڑبڑاہٹ کے ساتھ جس نے جلدی ہی اپنا لہجہ بدل لیا، پہلے مُنکر، پھر چوکنے، پھر مُنکر، بدقسمتی کی بات یہ تھی کہ اس اجتماع میں بہت سے توہم پرست اور تخیل پرست لوگ تھے یہ خیال کہ مقدس شبیہیں اندھی تھیں کہ اُن کی مہربان اور رحمدل آنکھیں صرف اپنے ہی اندھے پن پر مرکوز تھیں اچانک ناقابلِ برداشت بن گیا اُنہیں یہ بتانے کے برابر تھا کہ

وہ زندہ مُردوں میں گھرے ہوئے ہیں، ایک چیخ کافی تھی، پھر ایک اور، اور ایک اور، پھر خوف کے مارے تمام لوگ اُٹھ کر کھڑے ہوگئے، دہشت نے اُنہیں دروازوں کی جانب دھکیل دیا یہاں وہی ہوا جو ناگزیر تھا اس لیے کہ دہشت اُن ٹانگوں سے زیادہ تیز بھاگتی ہے جو اِسے لے جارہی ہوتی ہیں اپنی بھگدڑ میں، بھاگنے والے کے پاؤں لغزش کھا جاتے ہیں اگر آدمی اندھا ہو تو اور بھی زیادہ اور وہ زمین پر لیٹ جاتا ہے دہشت اُسے کہتی ہے کہ اُٹھ کر کھڑے ہوجاؤ لوگ تمہیں کچل دیں گے، کاش وہ اُٹھ کر کھڑا ہوسکتا لیکن اب دوسرے بھی بھاگ رہے ہیں اور گر بھی رہے ہیں آپ کا دماغ مضبوط ہونا چاہیے اُس ہنسی کو روکنے کے لیے جو اس مضحکہ خیز باہم گر الجھاؤ کو دیکھ کر بے ساختہ نکلتی ہے، جسم، اپنے آپ کو آزاد کرانے کے لیے بازووں کو ڈھونڈ ھتے ہوئے اور یہاں سے دُور چلے جانے کے لیے پیروں کی تلاش میں۔ باہر والی وہ چھ سیڑھیاں ایک عمودی چٹان کی طرح ہوں گی لیکن گرنا بالآخر زیادہ سنگین نہ ہوگا گرنے کی عادت جسم کو سخت بناتی ہے زمین تک پہنچنا ازخود ایک راحت ہوتا ہے میں جہاں ہوں وہیں رہوں گا پہلا خیال یہی آتا ہے اور بعض اوقات آخری مہلک صورتوں میں۔ جس چیز میں کبھی تبدیلی نہیں آتی وہ یہ ہے کہ لوگ دوسروں کی بدنصیبیوں کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں یہ بات عالم آشکارا ہے ابتدائے آفرینش سے ایسے لوگوں کے جانشین بھی اور جانشینوں کے جانشین بھی۔ بھاگتے وقت وہ لوگ گھبراہٹ کے عالم میں اپنی چیزیں وہیں چھوڑ گئے تھے اور جب ضرورت خوف پر غلبہ پالیتی ہے تو وہ انہیں لینے کے لیے واپس آتے ہیں پھر وہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے جسے بطریق احسن حل کرنا آسان نہیں ہوتا کہ کیا میرا ہے اور کیا تمہارا، ہم دیکھیں گے کہ تھوڑی سی خوراک میں سے کچھ چیزیں جو ہمارے پاس بچی رہ گئی تھیں اب غائب ہوچکی تھیں۔ غالباً یہ عیارانہ چال اُس عورت نے چلی تھی جو کہتی تھی کہ شبیہوں کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے بعض لوگ اتنی پستی میں بھی گر سکتے ہیں وہ ایسی لمبی چوڑی کہانیاں گھڑتے ہیں غریب لوگوں سے اُن کے بچے کھچے ٹکڑے بھی چھین لینے کی خاطر۔ قصور کتے کا تھا میدان کو خالی پاکر وہ اِدھر اُدھر کچھ دیکھنے کے لیے گیا اُسے اپنی کوششوں کا انعام مل گیا جو مناسب بھی تھا اور قدرتی بھی اور اس نے دکھایا، محاورے کی زبان

میں، کان میں داخل ہونے کا راستہ جس کا مطلب تھا کہ ڈاکٹر کی بیوی اور اُس کا خاوند چوری پر ندامت محسوس کیے بغیر گرجے سے باہر نکلے اپنے آدھے بھرے ہوئے تھیلوں کے ساتھ۔ اگر جو چیزیں وہ اٹھا کر لائے تھے اُن میں سے آدھی بھی استعمال میں لاسکے تو وہ مطمئن ہوسکتے ہیں دوسری آدھی کے بارے میں وہ کہیں گے کہ پتہ نہیں لوگ کیسے کھالیتے ہیں ایسی چیزوں کو جب بدقسمتی میں سب برابر بھی ہوتے ہیں تو بھی ایسے لوگ ہمیشہ ہوتے ہیں جن کی حالت دوسروں کے مقابلے میں زیادہ پتلی ہوتی ہے۔

ان واقعات اور اسی قسم کے دوسرے واقعات کی روداد نے گروپ کے دوسرے ارکان کو حیران و پریشان کردیا، یاد رہے کہ ڈاکٹر کی بیوی نے شاید اس لیے کہ الفاظ نے اُس کا ساتھ نہ دیا تہ خانے کے دروازے کو دیکھ کر اُسے جس دہشت زدگی کے احساس کا تجربہ ہوا تھا وہ اُسے بھی بیان نہ کرپائی۔ مدھم روشنیوں کی وہ جھلملاتی ہوئی مستطیل اوپر زینے میں جو دوسری دنیا کی طرف لے جاتا تھا۔ شبیہوں کی پٹیاں بندھی آنکھوں کے بیان نے اُن کے تخیل پر کافی گہرا اثر چھوڑا اگرچہ بالکل مختلف طریقوں سے، مثلاً پہلے اندھا ہونے والا آدمی اور اُس کی بیوی کسی قدر بے چین تھے ان کے لیے، یہ احترام کا فقدان تھا جو ناقابلِ معافی تھا۔ یہ حقیقت کہ تمام انسان اندھے تھے ایک ایسی ابتلا تھی جس کے وہ ذمے دار تھے، یہ ایسی بدنصیبیاں ہیں جن سے کوئی نہیں بچ سکتا اور صرف اس وجہ سے مقدس شبیہوں کی آنکھوں کو ڈھانپ دینا ایک ناقابلِ معافی جرم تھا اور اگر یہ مقامی پادری نے کیا تھا تو اور بھی بدتر۔ سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی کا ردِعمل مختلف تھا میں تصور کرسکتا ہوں اُس صدمے کا جو یقیناً آپ کو ہوا ہوگا میں اپنے تصور میں ایک ایسے عجائب گھر کو دیکھتا ہوں جس میں رکھے تمام مجسموں کی آنکھیں ڈھکی ہوئی ہیں اس لیے نہیں کہ مجسمہ ساز نے جب تک کہ وہ آنکھوں تک نہیں پہنچ گیا پتھر کو تراشنا نہیں چاہا اور اُس نے ڈھانپ دیا اُن کو سفید پٹیوں سے جیسا کہ تم نے کہا، جیسے ایک اندھاپن کافی نہیں تھا، عجیب بات ہے کہ میرا پیوند ایسا تاثر پیدا نہیں کرتا بعض اوقات تو لوگوں کو رومانٹک لگتا ہے اور وہ اپنی کہی ہوئی بات پر ہنسنے لگا اور اپنے آپ پر۔ رہ گئی کالے چشمے والی لڑکی تو وہ بولی کہ وہ تو ایسی لعنتی گیلری کو اپنے

خوابوں میں بھی دیکھنا پسند نہ کرے گی، وہ پہلے ہی کافی ڈراؤنے خواب دیکھ چکی ہے۔ انہوں نے جو بھی بساند ماری خوراک میسر تھی کھائی، اس سے زیادہ بہتر خوراک اُن کے پاس نہیں تھی ڈاکٹر کی بیوی نے کہا، خوراک حاصل کرنا اب زیادہ مشکل ہوتا جارہا ہے شاید انہیں شہر چھوڑ دینا چاہیے اور دیہات میں جا کر رہنا چاہیے وہاں جو خوراک بھی ان کے ہاتھ لگے گی کم از کم صحت بخش تو ہوگی اور وہاں آوارہ بکریاں اور گائیں بھی ہوں گی ہم اُن سے دُودھ حاصل کرسکتے ہیں، ہمارے پاس دودھ ہوگا اور کنوؤں میں پانی ہوتا ہے ہم جو چاہیے پکا سکتے ہیں سوال کسی اچھی جگہ کا پتہ چلانے کا ہے، پھر ہر شخص اپنی اپنی رائے کا اظہار کرنے لگا بعض دوسروں کے مقابلے میں زیادہ پُرجوش تھے لیکن یہ سب پر واضح تھا کہ یہ فیصلہ ضروری ہے اور فوری طور پر کرنا ہوگا بھینگی آنکھ والے لڑکے نے بلاکم وکاست اتفاق کیا ممکن ہے اپنی چھٹیوں کے زمانے کی خوشگوار یادیں ابھی اُس کے ذہن میں محفوظ ہوں۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو انہوں نے سونے کے لیے ٹانگیں سیدھی کیں وہ ہمیشہ ایسا کرتے تھے طبی نظربندی کے دوران بھی تجربے نے انہیں سکھا دیا تھا کہ محواستراحت جسم زیادہ بھوک بھی برداشت کرسکتا ہے۔ اُس شام انہوں نے کچھ نہیں کھایا صرف بھینگی آنکھ والے لڑکے کو کچھ دیا گیا اس کی شکایت دُور کرنے اور اُس کی بھوک کم کرنے کے لیے، دوسرے کہانی سننے کے لیے بیٹھ گئے کم از کم اُن کے دماغوں کو غذا کی کمی کی شکایت نہ ہوگی، مصیبت یہ ہے کہ جسم کی ناتوانی کبھی کبھی ذہنی توجہ کے فقدان کا باعث بن جاتی ہے اور یہ ذہنی دلچسپی کی کمی کے سبب نہیں تھا، نہیں، ہوا یہ تھا کہ دماغ نیم خوابیدگی کے اندر پھسل گیا تھا جیسے جاڑے کے دنوں میں جانور بےحس وحرکت سوتے رہتے ہیں، الوداع دنیا! اس لیے یہ عام ڈگر سے ہٹ کر نہ تھا کہ سامعین نے اپنے پپوٹے دھیرے دھیرے بند کرلیے اور خود کو، مرکزی خیال کے نشیب وفراز کو، رُوح کی آنکھوں کے ساتھ سننے پر مجبور کردیا جب تک کہ کوئی زوردار پیراگراف اُن کی بےہوشی کو جھنجھوڑ نہیں دیتا یہ محض کتاب کو کھولنے اور زور سے بند کرنے کی آواز کا شور نہیں تھا ڈاکٹر کی بیوی کو ایسی ترکیبیں آتی تھیں وہ اب اسے جاری نہیں رکھنا چاہتی تھی کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ خواب دیکھنے والا نیند کی طرف لڑھک رہا ہے۔

پہلا اندھا آدمی اس پُرسکون حالت میں داخل ہوتا ہوا لگتا تھا لیکن ایسی بات نہیں تھی۔ سچ ہے کہ اُس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ کتاب خوانی کی طرف بہت کم توجہ دے رہا تھا لیکن یہ خیال کہ اُن سب کو دیہات میں جا کر رہنا ہوگا اُسے سونے نہیں دے رہا تھا، اُسے اپنے گھر سے اتنی دُور جانا ایک سنگین غلطی لگتا تھا لکھاری لاکھ نیک دل سہی گھر پر نظر رکھنے میں فائدہ تھا، کبھی کبھی دیکھنے کے لیے چلے جانا سودمند ہوتا۔ اس لیے وہ پوری طرح جاگ رہا تھا، ثبوت کے لیے اُس کی آنکھوں کے آگے جگمگانے والی سفیدی ہی کافی تھی جسے غالباً نیند ہی سیاہی میں بدل سکتی لیکن اس کے بارے میں بھی یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ کوئی شخص بھی بیک وقت خوابیدہ اور بیدار نہیں ہوتا پہلے اندھے آدمی کو خیال آیا کہ بالآخر اس نے اپنا شک دُور کرلیا ہے جب اس کے پپوٹوں کا اندرونی حصہ تاریک ہوگیا، میں سوگیا ہوں، اُس نے سوچا، لیکن نہیں، وہ سویا نہیں تھا وہ ڈاکٹر کی بیوی کی آواز برابر سُن رہا تھا بھینگی آنکھ والا لڑکا کھانسا تب ایک عظیم خوف اُس کی رُوح میں داخل ہوا، اُس نے سوچا کہ وہ ایک اندھے پن سے گزر کر دوسرے اندھے پن میں چلا گیا ہے کہ روشنی کے اندھے پن میں رہنے کے بعد وہ اب تاریکی کے اندھے پن میں داخل ہوجائے گا، خوف نے اُس پر کپکپی طاری کردی کیا بات ہے؟ اُس کی بیوی نے پوچھا اور اُس نے احمقانہ طور پر جواب دیا اپنی آنکھیں کھولے بغیر، میں اندھا ہوں جیسے یہ کوئی نئی خبر تھی، اُس کی بیوی نے اُسے پیار سے اپنے بازوؤں میں لے لیا فکر نہ کرو ہم سب اندھے ہیں ہم اس کا کچھ نہیں کرسکتے، مجھے ہر چیز تاریک نظر آئی میں نے سمجھا میں سوگیا ہوں لیکن میں سویا نہیں تھا میں جاگ رہا ہوں، تمہیں کرنا یہ چاہیے کہ سوجاؤ اس کے بارے میں سوچو نہیں۔ وہ اس مشورے پر بھنا گیا یہاں آدمی سخت مصیبت میں ہے اور اُس کی بیوی کچھ نہیں کہتی سوائے یہ کہ سوجاؤ۔ وہ جھنجھلایا ہوا تھا اور کوئی سخت جواب دینے والا تھا کہ اُس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور دیکھا۔ اُس نے دیکھا اور چلاّ کر بولا میں دیکھ سکتا ہوں۔ اُس کا پہلی بار چلانا ابھی تک غیریقینی تھا لیکن دُوسری اور تیسری اور کتنی ہی اور چلاّہٹوں کے ساتھ شہادت مضبوط ہوتی چلی گئی، میں دیکھ سکتا ہوں، میں دیکھ سکتا ہوں اُس نے دیوانہ وار اپنی بیوی کو گلے لگا لیا پھر وہ ڈاکٹر کی بیوی

کی طرف دوڑا اور اُسے بھی گلے لگایا جسے اُس نے پہلی بار دیکھا تھا لیکن اُسے معلوم تھا کہ وہ کون ہے اور ڈاکٹر کو اور کالے چشمے والی لڑکی کو اور سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی کو جسے پہچاننے میں غلطی نہیں ہو سکتی تھی اور بھینگی آنکھ والے لڑکے کو، اُس کی بیوی اُس کے پیچھے آئی وہ اُسے کھونا نہیں چاہتی تھی اور اُس کے خاوند نے اپنا گلے ملنا روک کر اُسے دوبارہ اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ پھر اُس نے ڈاکٹر کی طرف رُخ کیا میں دیکھ سکتا ہوں، میں دیکھ سکتا ہوں ڈاکٹر، اُس نے اُسے ڈاکٹر کہہ کر پکارا ایسا انہوں نے ایک طویل عرصے سے نہیں کیا تھا اور ڈاکٹر نے پوچھا، کیا تم صاف دیکھ سکتے ہو پہلے کی طرح، سفیدی کے کوئی آثار تو نہیں ہیں، بالکل نہیں، میرا تو خیال ہے کہ مجھے پہلے سے بھی بہتر نظر آتا ہے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے میں نے کبھی عینک نہیں لگائی۔ پھر ڈاکٹر نے وہ کہا جو تھا تو سب کے دل میں لیکن کہنے کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے: امکان یہ ہے کہ ہم اس اندھے پن کے اختتام پر آ گئے ہیں ہم سب کی بینائی کا بحال ہو جانا ممکن ہو گیا ہے، یہ الفاظ سُنتے ہی ڈاکٹر کی بیوی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اُسے خوش ہونا چاہیے تھا پھر بھی وہ رو رہی تھی، لوگوں پر کیسا کیسا عجیب ردِعمل ہوتا ہے بے شک وہ خوش تھی، میرے خُدایا، یہ بات سمجھ میں آتی ہے وہ اس لیے روئی تھی کہ اُس کی ساری ذہنی مزاحمت اچانک پھوٹ کر بہہ نکلی تھی وہ ایک نومولود بچے کی طرح تھی اور یہ اُس کا پہلا رونا تھا اور ابھی تک ایک لاشعوری صورت، غمگسار کتا اُس کے قریب آ گیا جب اُس کی ضرورت ہوتی ہے تو اُسے ہمیشہ پتہ چل جاتا ہے اسی لیے ڈاکٹر کی بیوی نے اسے اپنے ساتھ چمٹا لیا، ایسا نہیں کہ اب اُسے اپنے خاوند سے محبت نہیں رہی تھی، ایسا نہیں کہ وہ اُن سب کے لیے نیک تمنائیں نہیں رکھتی تھی، لیکن اس لمحے اُس کا احساسِ تنہائی اتنا شدید تھا، اتنا ناقابلِ برداشت کہ اُسے یہ لگا کہ اس احساس پر اُس عجیب و غریب پیاس کے ساتھ ہی قابو پایا جا سکتا ہے جس کے ساتھ کتے نے اُس کے آنسو پیے تھے۔

مسرت عام گھبراہٹ میں بدل گئی اور اب ہم کیا کریں گے کالے چشمے والی لڑکی نے پوچھا جو کچھ اب تک ہو چکا ہے اُس کے بعد مجھے تو نیند نہیں آئے گی، کسی کو بھی نہیں، میرا خیال ہے کہ ہمیں یہیں رہنا چاہیے، سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے کہا پھر وہ چُپ ہو گیا جیسے اب بھی

کچھ شکوک ہوں، پھر بات ختم کی اور انتظار کرنے لگا۔ وہ انتظار کرتے رہے۔ چہروں کے دائرے کو لیمپ کے تین شعلوں نے روشن کر رکھا تھا۔ پہلے تو وہ بڑے جوش و خروش سے باتیں کرتے رہے جو ہوا تھا اُسے پوری طرح سمجھنا چاہتے تھے کیا تبدیلی صرف آنکھوں میں رونما ہوئی یا اُس نے اپنے دماغ میں بھی کوئی چیز محسوس کی تھی، پھر رفتہ رفتہ اُن کی باتوں میں مایوسی بڑھتی گئی، ایک خاص لمحے پر پہلے اندھے آدمی کو خیال آیا اور اُس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگلے دن وہ اپنے گھر جائیں گے لیکن میں تو ابھی اندھی ہوں، اُس نے جواب دیا کوئی بات نہیں میں تمہیں لے چلوں گا، صرف وہی موجود لوگ جنہوں نے یہ الفاظ اپنے کانوں سے سُنے سمجھ سکتے تھے کہ کس طرح یہ سادہ الفاظ مختلف احساسات کے حامل تھے جیسے محافظت، فخر و مباحات اور تحکم۔ اپنی بینائی دوبارہ حاصل کرنے والا دوسرا شخص رات گئے جب لیمپ میں تیل ختم ہونے کو تھا اور وہ ٹمٹما رہا تھا کالے چشمے والی لڑکی تھی۔ اُس نے اپنی آنکھیں کھلی رکھی ہوئی تھیں جیسے بینائی کو اسی راستے سے داخل ہونا تھا اندر سے دوبارہ روشن ہونے کی بجائے وہ اچانک بولی، میرا خیال ہے میں دیکھ سکتی ہوں، بہترین بات یہی تھی کہ احتیاط برتی جائے ساری حالتیں ایک جیسی نہیں ہوتیں کبھی یہ بھی کہا جاتا تھا کہ ایسی کوئی چیز نہیں جسے اندھا پن کہا جا سکے صرف اندھے لوگ ہوتے ہیں لیکن وقت اور تجربے نے ہمیں سکھایا ہے کہ یہاں اندھے لوگ نہیں ہیں صرف اندھا پن ہے۔ اب ہمارے پاس تین شخص ایسے ہیں جو دیکھ سکتے ہیں ایک کی کسر ہے پھر ان کی اکثریت ہو جائے گی لیکن چاہے دوبارہ دیکھ سکنے کی خوشی میں ہم دُوسروں سے صرف نظر بھی کریں اُن کی زندگیاں آسان ہو جائیں گی وہ کرب نہیں ہوگا جو آج تک تھا ذرا اُس عورت کی حالت تو دیکھو وہ اُس رسے کی طرح لگتی ہے جو ٹوٹ گیا ہو ایک سپرنگ کی طرح جو اُس دباؤ کو سہارا نہیں دے سکتا جس کا وہ مسلسل شکار رہا تھا۔ شاید اسی وجہ سے کالے چشمے والی لڑکی نے سب سے پہلے اُسی عورت کو گلے لگایا اور غمگسار کتے کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اُن دونوں میں سے کس کے آنسوؤں کی طرف پہلے توجہ دے وہ دونوں ہی اس قدر رو رہی تھیں۔ پھر اُس نے سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی کو اپنے ساتھ لپٹا لیا اب ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ لفظوں کی

حقیقت میں کیا قدر و قیمت ہوتی ہے، اُس دن ہم اُس مکالمے سے بہت متاثر ہوئے تھے جس کے نتیجے میں ان دونوں کے درمیان اکٹھے زندگی گزارنے کا وہ شاندار ایجاب و قبول ہوا تھا لیکن صورت حال تبدیل ہوگئی ہے اب کالے چشمے والی لڑکی کے سامنے وہ گوشت پوست کا بنا بوڑھا آدمی کھڑا ہے، جذباتی تخیل پرستی، ریگستانی جزیرے پر کی جھوٹی ہم آہنگیاں ختم ہوئیں، جھریاں، جھریاں ہوتی ہیں اور گنجا پن، گنجا پن ہے ایک سیہ پیوند اور ایک کانی آنکھ میں کوئی فرق نہیں ہوتا یہی بات وہ دوسرے لفظوں میں اس سے کہنے والا ہے۔ مجھ پر نظر ڈالو میں ہی وہ آدمی ہوں جس کے ساتھ رہنے کا تم نے کہا تھا اور اُس نے جواب دیا میں جانتی ہوں تم ہی وہ آدمی ہو میں جس کے ساتھ رہ رہی ہوں، آخر میں یہی ہیں وہ الفاظ جو زیادہ قابل قدر ہیں اُن الفاظ سے جو اُبھر کر سطح پر آنا چاہتے تھے اور یہ ہم آغوشی بھی اُتنی ہی قابلِ قدر جتنے الفاظ۔ تیسرا شخص جس نے اگلے دن صبح کے وقت بینائی حاصل کی ڈاکٹر تھا اب شک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا صرف وقت کی بات تھی جب دوسروں کی بینائی بھی لوٹ آئے گی۔ قدرتی لمبے چوڑے اور دُور اندیشانہ تبصروں کو پسِ پُشت ڈالتے ہوئے جن کا اوپر کافی ذکر ہو چکا، جنہیں اب دُھرانے کی ضرورت نہیں ہے اس بیانیئے کے مرکزی کرداروں کے متعلق بھی نہیں، ڈاکٹر نے سوال کیا جو فضا میں معلق ہوگیا وہاں باہر کیا ہو رہا ہے؟ جواب اُسی بلڈنگ سے آیا جہاں وہ رہتے تھے نچلے فلور کے چبوترے پر آ کر کسی نے نعرہ لگایا میں دیکھ سکتا ہوں، میں دیکھ سکتا ہوں، لگتا تھا سورج جشن مناتے ہوئے شہر پر طلوع ہوگا۔

اگلی صبح کا ناشتہ ضیافت میں تبدیل ہوگیا، میز پر جو کچھ بھی تھا تھوڑا ہونے کے علاوہ ایسا تھا کہ کسی بھی قسم کی بھوک اُسے دیکھ کر اپنا مُنہ دوسری طرف پھیر لیتی، انبساط کے تمام لمحوں میں جیسا کہ ہوتا ہے احساسات کی قوت نے بھوک کی جگہ لے لی تھی اور مسرت ہی اُن کی بہترین غذا تھی کسی نے کوئی شکایت نہیں کی حتیٰ کہ وہ بھی جو ابھی تک اندھے تھے ہنس رہے تھے جیسے وہ آنکھیں جو اب دیکھ سکتی تھیں اُن کی اپنی ہوں۔ جب وہ کھانا ختم کر چکے تو کالے چشمے والی لڑکی کو ایک خیال سُوجھا کیا خیال ہے اگر میں اب اپنے فلیٹ کے دروازے پر کاغذ کا ایک ٹکڑا

لگانے کے لیے جاؤں جس میں یہ لکھا ہو کہ میں یہاں ہوں میرے ماں باپ جان لیں گے کہ میں اُنہیں کہاں مل سکتی ہوں اگر وہ واپس آ گئے، مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو، میں جاننا چاہتا ہوں کہ باہر کیا ہو رہا ہے، سیہ پیوند والے بوڑھے آدمی نے کہا اور ہم بھی باہر جائیں گے یہ پہلا اندھا آدمی تھا جو اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا ہوسکتا ہے لکھاری بھی اب دیکھ سکتا ہو اور اپنے گھر جانے کا سوچ رہا ہو، میں راستے میں کھانے پینے کی کچھ چیزیں حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ میں بھی ایسا ہی کروں گی، کالے چشمے والی لڑکی بولی۔ چند منٹوں کے بعد جب وہ دونوں اکیلے ہوئے تو ڈاکٹر اپنی بیوی کے پاس بیٹھ گیا۔ بھینگی آنکھ والا لڑکا صوفے کے ایک کونے میں پڑا اونگھ رہا تھا غمگسار کتا اپنے جسم کو پھیلائے اگلے پنجوں پر تھوتھنی رکھے وقفے وقفے سے اپنی آنکھیں کھولتا اور بند کر لیتا یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ اب بھی کھلی کھڑکی پر نظریں رکھے ہوئے ہے، اس حقیقت کے باوجود کہ وہ اتنی اونچائی پر تھے کہ وہاں پُر جوش آوازوں کا شور سُنا جاسکتا تھا، سڑکیں یقیناً لوگوں سے بھری ہوں گی ہجوم صرف یہی نعرے لگا رہا تھا میں دیکھ سکتا ہوں، یہ وہ لوگ کہہ رہے تھے جن کی بینائی لوٹ آئی تھی اور وہ جنہوں نے ابھی ابھی دیکھنا شروع کیا تھا میں دیکھ سکتا ہوں میں دیکھ سکتی ہوں وہ کہانی جس میں لوگ کہتے تھے میں اندھا ہوں اب کسی اور دنیا کی لگتی تھی۔ بھینگی آنکھ والا لڑکا بُڑبڑایا وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہوگا شاید اُس نے اپنی ماں کو دیکھا تھا اور اُس سے پوچھ رہا تھا کیا تم مجھے دیکھ سکتی ہو، کیا تم مجھے دیکھ سکتی ہو، ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا اور دوسرے؟ اور ڈاکٹر نے جواب دیا یہ غالباً جب جاگے گا تو ٹھیک ہو چکا ہوگا دوسروں کے ساتھ بھی یہی ہوگا غالب امکان یہ ہے کہ عین اس لمحے اُن کی بینائی بحال ہو رہی ہے ہمارا سیہ پیوند والا بوڑھا ایک صدمے میں مبتلا ہونے والا ہے، کیوں، موتیا بند کی وجہ سے اُس وقت کے بعد سے جب میں نے آخری بار اُس کا معائنہ کیا تھا، اب تک اُس کا موتیا بند ضرور بگڑ چکا ہوگا، کیا وہ اندھا رہے گا؟ نہیں جب زندگی معمول پر آ جائے گی اور تمام چیزیں دوبارہ کام کرنا شروع کر دیں گی میں اُس کا آپریشن کروں گا اور چند ہفتوں کی بات ہے ہم اندھے کیوں ہوئے تھے؟ میں نہیں جانتا شاید ایک دن ہمیں معلوم ہو جائے گا کیا تم چاہتے ہو کہ جو میں سوچتی ہوں

تمہیں بتاؤں؟ ہاں میں چاہتا ہوں، میرا نہیں خیال کہ ہم اندھے ہوئے تھے میرا خیال ہے کہ ہم اندھے ہیں، اندھے لیکن دیکھنے والے، اندھے لوگ جو دیکھ سکتے ہیں لیکن نہیں دیکھتے۔

ڈاکٹر کی بیوی اُٹھی اور کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ نیچے کوڑے کرکٹ سے بھری سڑک کو دیکھا، چیختے چلاّتے اور گاتے ہوئے لوگوں کو دیکھتی رہی۔ تب اُس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور اُسے ہر شے سفید نظر آئی، سوچا اب میری باری ہے۔ خوف کے مارے اُس نے جلدی سے نظریں نیچے کرلیں۔ شہراب بھی وہیں تھا۔